جلد ہفتم

از قلم شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ

ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ

اِعداد: الشیخ اِفتخار احمد تاج الدین الازہری حفظہ اللہ

تقدیم: فضیلۃ الشیخ فاروق الرحمٰن یزدانی حفظہ اللہ

تمييز الطيب من الخبيث
بجواب
رسالة تحفة الحديث

تقریر لاجواب

اعتراضات اوکاڑوی اور
جوابات شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب

مقالاتِ راشدیہ

جلد ہفتم

از قلم

شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ

ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

إعداد

الشیخ افتخار احمد تاج الدین الازہری حفظہ اللہ

تقدیم

فضیلۃ الشیخ فاروق الرحمن یزدانی حفظہ اللہ

باہتمام

حافظ ثناء اللہ خاں (بیرانی)

تاریخ اشاعت

فروری 2014ء

مطبوعہ

علی آصف پرنٹرز لاہور

ناشر

e-mail: nomania2000@hotmail.com

أُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ

مقالاتِ راشدیہ

جلد ہفتم

ازقلم شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ

ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

اعداد الشیخ افتخار احمد تاج الدین الازہری حفظہ اللہ

تقدیم: فضیلۃ الشیخ فاروق الرحمن یزدانی حفظہ اللہ

- تمییز الطیب من الخبیث
بجواب
رسالۃ تحفۃ الحدیث
- تقریر لاجواب
- اعتراضات اوکاڑوی
جوابات شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ

نعمانی کتب خانہ

حق سٹریٹ اردو بازار لاہور 042 37321865

شروع اللہ کے نام سے

جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

فہرستِ مضامین

مسئلہ نمبر 3

نمازِ وتر

مسئلہ نمبر 4

نماز تراویح

المقالة الثانية

تقریر لاجواب

المقالۃ الثالثۃ

اعتراضات اوکاڑوی

المقالۃ الرابعۃ

شهادة الأحناف فی مسئلة علم الغيب على سبيل الإنصاف

المقالۃ الخامسۃ

اتباع سنت

مقدمہ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الحمد للہ الذی کسا اھل الحدیث رداء الشرف والتعظیم واعلی ذکرھم فی کل اقلیم۔ والصلوٰۃ والسلام علی امام اھل الحدیث سیّد الانبیاء والمرسلین الاخیار وعلی الہ واصحابہ الطیبین الأطہار۔ کلھم اھل الحدیث من الابرار۔ اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے انسان کی رشد وہدایت کے لیے وحی نازل فرمائی اور اس وحی پر عمل کرنے کو ہی ہدایت قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۳۸)

اور اس وحی الٰہی کی اتباع و پیروی کو لازمی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الاعراف: ۳)

پھر اس وحی الٰہی کی تشریح وتوضیح کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ جاری فرمایا اور آخر میں امام اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اس سلسلہ کو مکمل فرما دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا﴾ (الاحزاب: ۴۰)

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اب وحی الٰہی کے نزول کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے اور اس کی تشریح و توضیح بھی وہی معتبر ہوگی جو محمد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے۔ آپ ﷺ کے بعد کسی کو بھی اپنی رائے اور قیاس سے وحی الٰہی کی تبیین کا کوئی حق نہیں۔ اسی لیے ارشاد فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الاحزاب: ۲۱)

اب جو شخص بھی اس وحی الٰہی سے روگردانی کرے گا یا اس میں کمی بیشی کی کوشش کرے گا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریح و تفسیر کو مکمل اور کافی نہیں سمجھے گا وہ ہدایت سے محروم ہو کر گمراہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا﴾ (الاحزاب: ۳۶)

کیونکہ وحی الٰہی کا نزول بھی مکمل ہوگیا اور اس کی تشریح بھی اسی لیے ارشاد فرمایا: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدۃ: ۳)

اللہ تعالیٰ کے اتنے واضح فرامین کے بعد بھی جو شخص وحی الٰہی قرآنِ مجید کو اور اس کی تفسیر و بیان حدیث مبارک (جو کہ خود بھی وحی الٰہی ہے جیسا کہ ارشاد ربّ العالمین ہے: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾ (النساء: ۱۰۵)

نیز ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۳، ۴)

اور امام کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امت کو یوں آگاہ فرمایا: ((الا انی اوتیت القرآن ومثله معه .)) (مشکوٰۃ المصابیح) معلوم ہوا کہ وحی الٰہی کی تشریح بھی حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے کو کافی نہیں سمجھتا اور اس کے بعد بھی آراء الرجال کی طرف رجوع کرتا اور اجتہاد کے نام سے انہیں وحی الٰہی میں تصرف کا حق دیتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

اور ہادی الی الحق محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة نبیه .)) (موطا امام مالک)

کیونکہ جو شخص قرآن وحدیث کے علاوہ کسی اور چیز اقوال وآراء الرجال اور امتیوں کے قیل وقال کی ضرورت محسوس کرتا ہے وہ دین اسلام کو مکمل تسلیم نہیں کرتا حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی ابدی صداقتوں میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ اور یہی بات قوموں کی گمراہی کا سبب بنتی ہے کہ وہ وحی الٰہی کے مقابلہ میں آراء الرجال کی تقلید کریں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کی گمراہی کے اسباب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَ كَذٰلِكَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ﴾ (الزخرف: ۲۳) نیز ارشاد فرمایا: ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۷۰)

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب بھی کسی قوم نے وحی الٰہی کو جھٹلا دیا تو اس نے اپنے آباء واجداد اور آراء الرجال کا ہی سہارا لیا۔ پہلی قوموں کا حال بھی اسی طرح تھا اور آج بھی لوگوں کا وطیرہ یہی ہے کہ قرآن وحدیث کو چھوڑ دیتے ہیں لیکن اپنے مقتدا کی رائے، قیاس اور اقوال سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں اور ایسا نا صرف کہ عملاً ہے بلکہ علی الاعلان اس کی تبلیغ واشاعت بھی کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں:

((ان كل اية تخالف اصحابنا فانها تحمل على النسخ او على الترجيح والاولى ان تحمل على التاويل من جهة التوفيق.)) (اصول کرخی، ص:۱۱)

''بے شک ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب (یعنی احناف) کے مذہب کے خلاف ہوگی تو اس کو منسوخ تصور کیا جائے گا یا ترجیح دی جائے گی لیکن بہتر یہ ہے کہ اس آیت کی کوئی تاویل کر لی جائے۔''

مزید فرماتے ہیں:

((ان كل خبر يجيء بخلاف قول اصحابنا فانه يحمل على النسخ او على معارض بمثله ثم صار الى دليل آخر او ترجيح فيه بما يحتج به اصحابنا من وجوه الترجيح او يحمل على التوفيق وانما يفعل على ذلك على حسب قيام الدليل فان قامت دلالة النسخ يحمل عليه وان

قامت الدلالة علی غیرہ صرنا الیه .)) (اصول کرخی، ص ۱۱)

"بے شک ہر وہ حدیث جو ہمارے مذہب کے خلاف ہوگی تو اس کو منسوخ سمجھا جائے گا یا پھر یہ سمجھا جائے گا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اس جیسی اور حدیث ہے (جو ہمارے مذہب کی مؤید ہے) پھر کوئی اور دلیل تلاش کی جائے گی یا ترجیح تصور کی جائے گی جس کی بنا پر ہمارے اصحاب (حنفی علماء) نے احتجاج کیا ہے یا اس میں تطبیق دی جائے گی ورنہ کوئی اور دلیل تلاش کی جائے گی۔ (لیکن اس حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)

ناصرف کہ اس قدر جسارت کرتے ہیں بلکہ قرآن وحدیث کے مقابلہ میں آراء الرجال کو اپنانا اپنے لیے واجب اور ضروری قرار دے دیتے ہیں جیسا کہ معروف حنفی مقلد مولانا محمود الحسن دیوبندی کہتے ہیں:

((نحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفة .)) (تقریر ترمذی، ص ۳۶)

"کہ ہم تو مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔" لا حول لا قوۃ الا باللہ .

ان مقلدین نے ناصرف کہ قرآن وحدیث کا انکار کیا بلکہ اس کی غلط تشریح وتوضیح اور وحی الٰہی تحریف تک کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ پہلی قوموں کی روش کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران: ۷۸)

اور آج کے مقلدین جن سے ہمارا واسطہ پڑا ہے ان کا کردار بھی ہمارے سامنے ہے کہ اپنے غلط اور بے دلیل مسائل اور مذہبی طریقوں کو دلیل مہیا کرنے کے لیے قرآن وحدیث میں ناصرف کہ لفظی ومعنوی تحریف جیسا گھناؤنا جرم کرتے ہیں بلکہ قرآن وحدیث کو وضع کرنے اور گھڑنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ جیسا کہ محمود الحسن دیوبندی نے قرآنِ مجید میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۹ میں تحریف کردی۔ ماسٹر محمد امین اوکاڑوی دیوبندی نے اپنی کتاب "تحقیق مسئله رفع الیدین" میں ایک مکمل آیت ہی گھڑلی۔ کتب احادیث میں بھی سنن ابی داؤد، مسند الحمیدی، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں لفظی تحریف

کردی اور ہدایہ، درمختار اور ازالۃ الدین جیسی کتب میں احادیث گھڑ کر درج کر دیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب ''احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف'') جب کہ اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی کی حفاظت کا ذمہ اٹھا رکھا ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی جو قرآن وحدیث کی شکل میں امت کے پاس موجود ہے کی حفاظت فرمائی ہے اور کوئی شخص بھی اپنی اس تحریف کو امت میں رواج نہیں دے سکا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے رجال کار پیدا فرمائے جنہوں نے تعلیم، عمل اور تبلیغ کے ذریعے اس امانت کی حفاظت کی۔ کسی دور اور زمانے میں بھی جب کسی نے وحی الٰہی (قرآن وحدیث) میں تحریف اور خیانت کی کوشش کی تو اللہ رب العزت نے اپنے ان بندوں کو توفیق فرمائی کہ انہوں نے طیب اور خبیث کو الگ الگ کر دیا اور امت کے سامنے وحی الٰہی کو نکھار کر صاف شفاف پیش کر دیا تاکہ عوام الناس اسی پر عمل پیرا ہو کر ہدایت پائیں اور آخرت میں فوز وفلاح کے ساتھ سرخرو ہو جائیں۔

انہی عبقری شخصیات میں سے استاذ العلماء شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ علامہ سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی ذات گرامی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل اور جرأت وبے باکی جیسی نعمت سے حظ وافر عطا فرمایا تھا۔

محترم راشدی رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ سندھ کے معروف علمی وروحانی اور صاحب اثر ورسوخ راشدی خاندان کی پیر آف جھنڈا شاخ کے گل سرسبد ہیں کہ جنھوں نے سندھ جیسی شرک وبدعات اور رسومات سے اٹی پڑی سنگلاخ زمین میں اپنے علم وکردار اور تعلیم وتربیت کے ساتھ عقیدہ توحید واتباع سنت کی تخم ریزی کی اور پھر جہد مسلسل سے اس کی یوں آب پاری کی کہ سندھ کی دھرتی کو باغ وبہار بنا دیا۔

پیر آف جھنڈا راشدی خاندان کے افراد ذی وقار اس لحاظ سے بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں کہ یہ اپنے خاندانی طور پر سیاسی وسماجی اثر ورسوخ رکھنے کے باوجود سندھ جیسے معاشرے میں کہ جہاں مرید اپنے پیروں کی پوجا تک کرتے ہوں اور ان کا مال، اولاد اور عزت تک اپنے پیر کی مرہون منت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقیدہ توحید اور اتباع سنت جیسی نعمت سے نوازا۔ تو انہوں نے اپنے دنیاوی مفادات، ظاہری ٹھاٹھ باٹ کو نا صرف کہ ترک کیا بلکہ اپنے تمام وسائل وحی الٰہی کی حفاظت اور ترویج واشاعت

کے لیے صرف کر دیے۔ اپنے مریدوں سے مال بٹورنے کے بجائے ان سے تعاون کرنا اس خاندان کا شعار بن گیا اور ان کی دنیا و آخرت کی بہتری کی فکر کرنے والے ہوگئے۔ اس خاندان میں بہت سی ایسی علمی اور بلند پایہ شخصیات نے جنم لیا کہ جنھوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی قرآن وحدیث کی اتباع اور وحی الٰہی کی حفاظت قرار دے لیا۔ جزاهم الله تعالى خيراً في الدنيا والاخرة.

انہی ذی احتشام ہستیوں میں ماضی قریب میں ہمارے ممدوح شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ بلند نام ومقام رکھتے ہیں۔ جنھوں نے ہر عُسر و یُسر میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تقریر وتحریر اور بحث ومباحثہ کے ذریعے سے جدوجہد اور کوشش کی۔ دنیا کا کوئی لالچ اور دشمنوں کی اذیتیں انہیں حق بات کہنے سے نہ روک سکیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ دور دراز کے علاقوں میں پیدل اور اونٹوں یا گاڑیوں کے ذریعہ سفر کر کے لوگوں کے پاس پہنچے اور انہیں عقیدہ توحید سمجھایا اور اتباع سنت کی تلقین کی بلکہ اس کا عامل بھی بنایا۔

مجھے فضیلۃ الشیخ علامہ مفتی فاروق احمد قصوری حفظہ اللہ سابق مدیر المعہد العلمی کراچی اور فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد احسن سلفی حفظہ اللہ جامعۃ الاحسان منظور کالونی کراچی کی معیت میں اندرون سندھ جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں جا کر یہ راز افشاں ہوا کہ توحید وسنت کی اشاعت میں راشدی خاندان کا عموماً اور سیّد بدیع الدین شاہ کا خصوصاً کسی قدر وافر حصہ اور محنت شاقہ شامل ہے۔ رحمهم الله تعالى

دور دراز کے گاؤں دیہات وقصبات اور گوٹھوں میں سفری صعوبتیں برداشت کر کے تشریف لے گئے اور لوگوں کو قرآن وحدیث کی خالص تعلیمات سے روشناس کروایا۔ اور اس مشن کی تکمیل میں کسی بھی قسم کے لومۃ لائم کی پرواہ نہ کی۔

اکتوبر ۱۹۸۷ء میں راقم کا چشم دید واقعہ ہے کہ پل ایک سیالکوٹ میں سالانہ اہل حدیث کانفرنس منعقد ہو رہی تھی اور اس کے ایک اجلاس سے محترم سیّد بدیع الدین شاہ راشدی نے بھی بیان فرمانا تھا۔ چونکہ چند ماہ پہلے "مارچ ۱۹۸۷ء میں" شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ اور شہید اسلام مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی رحمہ اللہ رفقاء کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ یہ سانحہ چونکہ ابھی تازہ ہی تھا (اگرچہ وہ تو اب ۲۶ سال بعد بھی پرانا نہیں ہوا) اور اہل حدیث کی شہداء سے محبت وعقیدت بھی لاجواب و بے مثال تھی۔ چنانچہ ان شہدا کے کچھ زرّیں اقوال ان کی تصاویر کے ساتھ پوسٹروں کی شکل میں تیار کیے گئے تھے

جو کانفرنس کے موقع پر فروخت ہو رہے تھے۔

پیر صاحب رحمہ اللہ نے اسٹیج پر آتے ہوئے انہیں دیکھ لیا تو انہوں نے اپنی تقریر کا موضوع ہی عقیدہ توحید بنا لیا اور پھر اس موضوع پر خطاب فرماتے ہوئے اہل حدیث کو مخاطب کر کے تصویر کی حرمت اور شرک کی شروعات کا اس انداز سے ذکر فرمایا کہ وہ تمام پوسٹر پھاڑ کر جلا دیے گئے۔ اسی موقع پر پروفیسر محمد یامین محمدی رحمہ اللہ جو کراچی سے تشریف لائے تھے بھی ان پوسٹروں کو جلانے میں شریک تھے۔

پیر صاحب کے بعض الفاظ آج بھی لوح ذہن پر منقش ہیں کہ کس طرح انہوں نے اہل حدیث حضرات کو مخاطب کر کے اس کے نقصانات سے آگاہ کیا اور ان کو عقیدہ توحید کے تقاضوں سے روشناس کروایا۔ یہ واقعہ ان کی عقیدہ توحید میں پختگی اور جرأت و بے باکی پر دلالت کناں ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تبلیغ کے ساتھ ساتھ تحریری طور پر بھی وحی الٰہی کے مسائل کو نکھار کر امت کے سامنے پیش کیا اور مختلف موضوعات پر سو سے زائد کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے کچھ کتابیں جواباً لکھی گئیں کہ جب بھی باطل اور اہل باطل کی طرف سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی تو حضرت شاہ صاحب نے قلم کو حرکت دی اور اس مسئلہ کا تفصیل سے مالہ وما علیہ بیان کر کے مخالفین کا ناطقہ بند کر دیا۔

زیر نظر کتاب "تمییز الطیب من الخبیث بجواب تحفة الحدیث" بھی شاہ صاحب کی جوابی کتاب ہے جو آپ نے ایک حنفی مقلد مولوی عبدالخالق میمن کی کتاب "تحفۃ الحدیث" کے جواب میں لکھی۔ اس کتاب میں میمن صاحب نے چار مسائل (۱) فاتحہ خلف الامام، (۲) مسئلہ رفع الیدین، (۳) نماز وتر، (۴) اور نماز تراویح کو موضوع بنایا اور اس پر ضعیف وغیر ثابت شدہ روایات اور آثار سے لوگوں کو قرآن وحدیث سے دور کر کے آراء الرجال کا پیروکار بنانے کی سعی نامشکور کی تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں "تمییز الطیب من الخبیث بجواب تحفة الحدیث" تصنیف فرمائی اور ہر ایک مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو فرمائی۔

محترم شاہ صاحب کا انداز عالمانہ، محققانہ، مدبرانہ اور مناظرانہ اور ناصحانہ ہے کہ احسن انداز میں اپنے دلائل کا ذکر کرتے ہوئے مخالف کی دلیل کا تفصیلی اور مکمل تجزیہ کرتے ہیں اور اس کے تمام طرق کو جمع کر کے ان میں سے ہر ایک طرق کی حقیقت، اس کے ضعف اور وجہ ضعف کو واضح انداز میں نقل کرتے ہیں اور آخر میں مناظرانہ انداز میں مخالفین پر اعتراضات کرتے ہوئے ان کے لیے کچھ سوال چھوڑ دیتے

ہیں اور یوں کہتے ہوئے نظر آتے ہیں ؎

رخ روشن کے سامنے وہ چراغ رکھ کر یوں بولے
دیکھیں اِدھر آتا ہے یا اُدھر جاتا ہے پروانہ

مثلاً: (۱)...... مسئلہ سورۃ فاتحہ کو ذکر کرتے ہوئے نماز میں اس کی اہمیت وفرضیت کو بیان کیا تو فاتحہ خلف الامام پڑھنے کو بادلائل ذکر کیا پھر مخالفین کی ایک ایک دلیل کا بالتفصیل جواب دیا اور اس کی تخریج کر کے اس کے تمام طرق کو جمع کر دیا اور ہر ایک سند کا کماحقہ تجزیہ کیا کہ کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہی۔

(۲)...... مسئلہ رفع الیدین پر بحث کی تو نماز میں رفع یدین کرنے کے مقامات کا تذکرہ کیا اور پھر احادیث سے اس کے دلائل بیان کرتے ہوئے ثابت کیا کہ رفع الیدین کرنے کی احادیث متواتر کے درجہ تک پہنچتی ہیں۔ اور پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین کرام، محدثین عظام اور ائمہ حضرات رحمہم اللہ اجمعین حتی کہ اکابرین احناف سے بھی اس کا ذکر کیا۔ نیز مقلدین حضرات رفع الیدین نہ کرنے کے جتنے بھی دلائل ذکر کرتے ہیں ان سب کا جواب دیا ہے اور ان کے سقم کو واضح کیا ہے، خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت جس کے متعلق امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''کوفیوں کے پاس سب سے بہتر دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور وہ بھی ضعیف ہے۔'' حضرت شاہ صاحب نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت پر مکمل بحث کی ہے اور اس کے ضعف کو بیان کرتے ہوئے ثابت کیا کہ یہ سخت ترین ضعیف ہے اس لیے اس سے حجت نہیں لی جاسکتی۔ پھر سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے کچھ تفردات مثلاً رکوع کی حالت میں تطبیق وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے مقلدین احناف کو دعوت دی ہے کہ آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان مسائل کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ آپ کو ان پر بھی عمل کرنا چاہیے۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی چند روایات بطور مثال بیان کی ہیں جن کی احناف نے نا صرف مخالفت کی ہے بلکہ اس پر ناروا تنقید بھی کی ہے۔

مثلاً: (۱)...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۃ السجدہ اور سورۃ الدھر کی قراءت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے اور ابن مسعود کی روایت میں ''یدیم ذالك'' ''آپ اس پر ہمیشگی کرتے تھے'' کے الفاظ بھی موجود ہیں...... مگر احناف نے اپنی ہدایہ جیسی معتبر کتاب میں اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ اور ابن ہمام نے ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں سورۃ السجدہ اور الدھر کا نام لے کر یہ

شرح کی ہے۔

(۲)...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث بخاری صفحہ ۱۶۳، جلد نمبرا، صحیح مسلم، صفحہ نمبر ۲۱۲، جلد نمبرا وغیرہ میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ظہر کی نماز بھول کر پانچ رکعتیں پڑھا دیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے یاد دلانے پر آپ ﷺ نے صرف سجدہ سہو کیا اس نماز کو لوٹایا نہیں۔ مگر احناف نے اس کے الٹ کہا کہ "ان قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه عندنا . (ھدایہ: ۱/۱۱۶، فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۲۹) "اگر کسی نے بھول کر سجدہ کے ساتھ پانچویں رکعت ادا کر لی تو ہمارے (احناف) کے نزدیک اس کی وہ تمام فرض نماز باطل ہوگئی۔" فتاویٰ عالمگیری میں تو صاف ظہر کے الفاظ بھی موجود ہیں کہ اس کی ظہر کی نماز فاسد ہوگی۔ (حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی فرض نماز میں پانچ رکعتیں پڑھنے کی صورت میں صرف سجدہ سہو پر اکتفا کیا ہے۔ مگر بُرا ہو تقلید کا کہ جس کی وجہ سے مقلدین احناف نے نماز پیغمبر ﷺ کو باطل قرار دے دیا۔ لا حول و لا قوة الا بالله)

(۳)...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "لعن رسول الله ﷺ المحلل والمحلل له . " (جامع ترمذی: ۱/ ۲۱۳، باب ما جاء في المحلل والمحلل له) "رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے کیا گیا ہے۔"

مگر احناف حضرات سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث کو بھی نہیں مانتے، حالانکہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اس قسم کی دیگر کئی مثالیں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں جن کو احناف تسلیم نہیں کرتے۔

(۳)...... تیسرا مسئلہ وتر کا تھا: اس پر بھی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تفصیل سے بحث کی ہے کہ وتر نفل ہے یا فرض۔ وتر کی رکعات کتنی ہیں۔ ادائیگی کا طریقہ کیا ہے اور قنوت رکوع سے پہلے ہے یا بعد میں۔ ان تمام مسائل کو دلائل کے ساتھ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

(۴)...... چوتھا مسئلہ تھا نماز تراویح کا: اس پر بھی حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ نے اپنے علم وتحقیق کے جوہر دکھائے ہیں اور نماز تراویح کے متعلقات کو بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے، مثلاً: نماز تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا الگ الگ۔ نماز تراویح کی تعداد رکعات کو احادیث رسول ﷺ، اقوال وافعال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم، تابعین عظام، محدثین کرام، ائمہ وفقہاء حضرات کے عمل واقوال سے حتی کہ

اکابرین احناف سے بھی روز روشن کی طرح واضح کردیا ہے کہ نماز تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے اور اس کی وتر سمیت گیارہ رکعات ہیں۔ بیس رکعات تراویح کا ثبوت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے نہیں ملتا اور جو روایات بیس رکعات کی پیش کی جاتی ہیں وہ سب غیر صحیح اور ضعیف ہیں اور ان کے ضعف کو دلائل سے ذکر کیا ہے۔

الغرض! مذکورہ چاروں مسائل پر حضرت راشدی صاحب رحمہ اللہ نے سیر حاصل بحث کی ہے جس کے بعد کسی بھی متلاشی حق کو مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مدرسین اور مناظرین کے لیے تو یہ قدرت کی طرف سے کسی تحفے سے کم نہیں۔ علمائے کرام اور عوام الناس کو بھی اس تحقیق کے بعد کسی اور کتاب کی حاجت نہیں رہتی۔

یہ کتاب اصلاً سندھی زبان میں تھی اب اس کو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن ثاقب حفظہ اللہ نے اردو قالب میں ڈھالا ہے۔ موصوف ماشاء اللہ علمی شخصیت کے حامل ہیں۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث سکھر کے امیر اور مرکزی جامع مسجد اہل حدیث مارچ بازار سکھر کے خطیب ہیں۔ بڑے متحرک شخص ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے۔ مولانا موصوف نے بڑی عمدہ زبان واسلوب میں اس کا ترجمہ کیا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ترجمانی کا حق ادا کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید توفیق فرمائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ خدمت دین کرسکیں۔ آمین

کتاب کی اشاعت کا اہتمام ہمارے فاضل دوست اور عزیز بھائی فضیلۃ الشیخ افتخار احمد الازہری شیخ الحدیث جامعہ بحر العلوم السلفیہ میر پور خاص سندھ نے کیا ہے۔

ازہری صاحب موصوف کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وفضل اور عمل کی نعمت سے نوازا ہے۔ مسلک اہل حدیث کی تڑپ اور جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ازہری صاحب حفظہ اللہ جامعہ بحر العلوم میر پور خاص کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں، اس سے پہلے بھی ''مجلہ بحر العلوم'' کے کئی ضخیم علمی نمبر شائع کرچکے ہیں، مثلاً رمضان المبارک نمبر، قربانی نمبر، سیرت النبی ﷺ نمبر، قرآن مجید نمبر، زکوٰۃ نمبر، ردّ بدعات نمبر۔

سیّدنا صدیق اکبر نمبر، اس میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت وخلافت اور کارناموں کا ذکر ہے۔ شیخ العرب والعجم نمبر: اس میں سیّد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کے حالات

زندگی تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔

محدث العصر نمبر: یہ سیّد محب اللہ راشدی رحمہ اللہ کے سوانح حیات پر مشتمل ہے۔

جامعہ بحر العلوم نمبر: اس میں جامعہ بحر العلوم میرپور خاص کا تعارف اور کارکردگی ہے۔ اور ماشاء اللہ ہر ایک نمبر اپنے موضوع پر ایک مکمل دستاویز ہے۔

راشدی خاندان سے مولانا موصوف قلبی لگاؤ رکھتے ہیں۔ مولانا سیّد محب اللہ شاہ راشدی اور سیّد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہما اللہ کے مقالات وفتاویٰ بھی بڑے اہتمام سے شائع کرتے ہیں، کیونکہ اس خاندان کی ساری تگ وتاز وحی الٰہی قرآن وحدیث کی تبلیغ واشاعت اور حفاظت وامانت کے لیے یا پھر عاملین کتاب وسنت اہل حدیث کی حمایت ودفاع اور ازہری صاحب حفظہ اللہ بھی اوّل تا آخر اہل حدیث ہیں، اس لیے ایسا مواد امت کے سامنے پیش کرنا ان کے ذوق علمی کے ساتھ ساتھ مسلکی محبت وتڑپ کا ثبوت بھی ہے۔ راشدی خاندان کے مقالات وکتب کی تزئین وآرائش اور تعلیق وتخریج کے ساتھ اشاعت کا اہتمام کرتے ہیں، یہ کتاب بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے جو کہ مولانا موصوف کا اہل حق پر عموماً اور علماء وخطباء وطلباء پر خصوصاً انعام عظیم ہے۔ یہ ایک بہت بڑی علمی دولت ہے جو وہ اصل حق داروں تک پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

مولانا افتخار حفظہ اللہ ماشاء اللہ تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی یہ کاوش قبول فرمائے۔

امید ہے کہ اہل علم جہاں حضرت شاہ صاحب کے علم وتحقیق کی داد دیے بغیر نہ رہ سکیں گے وہاں ہمارے بھائی افتخار احمد ازہری حفظہ اللہ کے اس احسان کو بھی فراموش نہ کر سکیں گے۔ ازہری صاحب موصوف پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اللہ کریم نے انہیں علم وفضل اور پھر اس کے اظہار وبیان کی خوبیوں سے نوازا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں ایسے رفقاء اور معاونین عطا فرمائے ہیں کہ جو اشاعت دین اور حفاظت وحی الٰہی میں ہر لحاظ سے ان کے ممد ومعاون ہیں۔

ازہری صاحب حفظہ اللہ جس جانفشانی اور تن دہی سے جامعہ بحر العلوم میرپور خاص سندھ کا انتظام و انصرام کر رہے ہیں، وہ بھی لائق تحسین ہے کہ رسوم ورواج اور خرافات وبدعات کے علاقے میں توحید وسنت کا دیپ جلائے ہوئے ہیں جس کی روشنی سے نا صرف کہ سندھ بلکہ اندرون وبیرون ملک خلق کثیر

اس سے راہنمائی حاصل کر رہی ہے۔ اس پر مزید شعبہ تصنیف وتالیف کے ذریعے ترویج واشاعت دین کا کام تو نور علی نور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے اور اس کے منتظمین ومعاونین کو خیر وبرکت سے نوازے اور دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

دعائے از من وجملہ جہاں آمین باد

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ، فضیلۃ الشیخ افتخار احمد ازہری حفظہ اللہ مولانا عبدالرحمٰن ثاقب مترجم وتمام معاونین کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو سب کے لیے صدقہ جاریہ اور عوام الناس کے لیے ہدایت کا سبب بنائے۔ رحم الله عبدا قال "آمین".

راقم

فاروق الرحمٰن یزدانی

مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد

۱۹-۱۲-۲۰۱۳

عرضِ مترجم

اسلام کی نورانی کرنیں سرزمین سندھ پر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پڑیں۔ جب ۱۵ھ میں عثمان بن ابی العاص ثقفی بحرین اور یمن کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے بحری بیڑا تیار کیا اور اپنے بھائی حکم بن ابی العاص کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، یہ بحری قافلہ بندرگاہ تھانہ پہنچا اور یہ حملہ کامیاب رہا اور مسلمانوں کو اچھا خاصا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ بعد ازاں اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابوالعاص کی سرکردگی میں دوسرا بیڑا روانہ کیا جو سندھ کے مشہور شہر دیبل پہنچا اس بحری بیڑے نے بھی دشمن کو شکست دی اور جیش اسلامی بہت بڑی تعداد میں مالِ غنیمت لے کر واپس لوٹا۔ یہ سرزمین سندھ پر مسلمانوں کی پہلی آمد تھی۔ اس کے بعد ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفی کی قیادت میں لشکر اسلام نے سندھ کو باقاعدہ فتح کرلیا اور مستقل طور پر اپنا قبضہ برقرار رکھا، یہ بات کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ یہی صاف اور شفاف اسلام کا دین ہے جس کو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ سرزمین سندھ لے کر آئے جس میں بعد میں درآنے والے باطل نظریات وعقائد آمیزش نہیں ہے۔ اور سرزمین سندھ عرصہ دراز تک اہل حدیث کا مرکز رہی ہے چوتھی پانچویں صدی ہجری تک مسلک اہل حدیث دیارِ سندھ میں غالب رہا ہے۔ مشہور مؤرخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البشاری المقدسی (متوفی ۳۸۹ھ) ۳۷۵ھ میں سندھ تشریف لائے، وہ اپنی مایہ ناز کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم میں لکھتے ہیں کہ:

"اکثرھم اصحاب الحدیث ورأیت القاضی ابا محمد المنصوری داؤ دیا اماما فی مذھبه وله تدریس وتصانیف قد صنف کتبا عدة حسنة وقال ...... انھم علی طریقة مستقیمة ومذاھب محمودة وصلاح وعفة قد اراحھم اللہ من الغلو والعصبیة والھرج والفتنة. (ص: ۳۶۳)

یعنی یہاں کے اکثر باشندے اہل حدیث ہیں اور میں نے قاضی ابومحمد منصوری کو دیکھا جو کہ داؤدی (ظاہری) مذہب کا امام ہے، تدریس وتصنیف میں مشغول ہے بہت سی عمدہ کتب تصنیف کی ہیں لوگ

سیدھے طریقے پر اور بہترین مذہب پر ہیں، نیک اور پرہیزگار ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں غلو، تعصب، قتل وغارت گری اور فتنوں سے محفوظ رکھا ہے۔ عرصہ دراز تک یہ سرزمین قال اللہ وقال الرسول کی دلنواز صداؤں سے گونجتی رہی، اس سرزمین پر بہت سے نامور محدث، فقہاء اور علماء کرام نے جنم لیا۔

ایک وقت اس سرزمین پر وہ بھی آیا جب تقلیدی ظلمت کی آندھیاں چلیں اور حدیث رسول کو پڑھنا پڑھانا موقوف کر دیا گیا۔ علامہ سیّد ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "دوسرے شیخ الہند شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں جو اس وقت ہندوستان میں اُٹھے جب بقول مولانا معین الدین ٹھٹھوی سندھی ربع صدی تک یہ حال تھا کہ حدیث کی کتابوں کو ہاتھ لگانے تک کا رواج نہیں تھا ہمارے استاد مولوی عبداللہ کھڈھڑی سندھی جو اب تک زندہ ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہمیں صرف برکت کی خاطر ربع مشکوٰۃ پڑھا کر مولوی کی ڈگری دی جاتی تھی۔ (خطبات راشدیہ، ص ۷۷) یعنی اس سرزمین پر ایسا وقت بھی آیا جب تقلید کے پیروکاروں نے حدیث رسول پر فقہ کو ترجیح دینا شروع کر دی اور لوگوں کو تقلیدی اور پیری مریدی کی جکڑ بندیوں میں باندھتے رہے۔

کچھ شاہ صاحب کے بارے میں:

علامہ سیّد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ راشدی خاندان کے گل سرسبد تھے، آپ کی دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس کا دائرہ اندرون وبیرون ملک پھیلا ہوا تھا آپ کے تلامذہ اکناف عالم میں پائے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا کا حافظہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کے حافظے کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ تفسیر یا کوئی دوسری کتاب لکھواتے وقت فرماتے تھے کہ فلاں کتاب لاؤ اور اس کا فلاں صفحہ کھولو۔ الغرض جوانی کی پڑھی ہوئی کتب کے حوالہ جات بمع صفحہ وجلد یاد ہوتے تھے۔

آپ ایک ثقہ امام، عظیم محدث اور وقت دوراں میں تقویٰ وللّٰہیت کے پیکر، گفتار وکردار میں یکساں، بے باک حق گو، نڈر بہادر، اتباع السنہ اور عقیدۃ السلف میں غیور، عظیم استاد، مصلح اور داعی حق تھے۔ جن کی کوشش وکاوش سے اللہ تعالیٰ نے بے شمار انسانوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ علمی میدان میں آپ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے آپ ایسے اوصافِ حمیدہ سے متصف تھے جو کم ہی لوگوں میں پائے جاتے ہیں آپ کو اس وقت فاتح قادیاں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے فن رجال اور جرح وتعدیل کا امام کہا تھا جب آپ دورِ شباب میں تھے آپ نے لوگوں کو اپنے علم وزورِ خطابت سے مسحور کیا تھا اور آپ اپنی

زندگی میں ہی خطیب العرب والعجم کے لقب سے مشہور ہوئے آپ کی خطابت میں دلائل کا انبار ہوتا تھا۔
مولانا رانا محمد جمیل خان صاحب اپنے مقالہ میں جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کے ایک پروگرام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء میں آپ نے جامعہ ہذا کے منتظمین کی دعوت پر درجہ التخصص فی مصطلح الحدیث کے کثیر طلبہ سے خبر واحد کی حجیت پر تین دن بعد نماز عشاء صحن کے مشرقی حصہ میں مفصل خطاب فرمایا اور آپ ہر روز اس موضوع پر قرآن وحدیث کے دلائل کے انبار پیش فرماتے اور منکرین کا ردّ فرماتے۔ جامعہ ہذا میں حنفی طلباء نے جب اس مسئلہ میں اپنے مذہب کا کذب وبطلان دیکھا تو انہوں نے بذریعہ رقعہ آپ کی طرف سوالات بھیجے جن کے آپ نے مسکت جواب دیئے کہ وہ خاموش ہوگئے اس مقدس موضوع پر، میں نے اتنا بے مثال اور مفصل خطاب اپنی ساری زندگی میں کبھی نہیں سنا۔
(مجلّہ بحر العلوم شیخ العرب والعجم نمبر، ص ۱۴۳)

شاہ صاحب جس طرح درس وتدریس، وعظ وتبلیغ کے شہسوار تھے اسی طرح میدانِ تصنیف وتالیف کے دھنی تھے آپ کا قلم احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے ہمیشہ کمربستہ رہتا تھا۔ ڈیپلو شہر میں مولوی عبدالخالق میمن نے حنفی مذہب کی حمایت میں ضعیف من گھڑت اور موضوع روایات کا سہارا لے کر ایک کتاب بنام تحفۃ الحدیث لکھی جس کا جواب شاہ صاحب نے ۱۹۷۵ء میں تقریری صورت میں دیا جو کہ بعد ازاں تقریر لاجواب کے نام سے شایع ہوئی اس کے بعد احباب کے پرزور اصرار کے شاہ صاحب نے تحریری طور پر جواب دیا جس میں چار مسائل پر خوب علمی بحث فرمائی۔ (۱) مسئلہ سورہ فاتحہ خلف الامام، (۲) مسئلہ رفع الیدین، (۳) نماز وتر، (۴) مسئلہ نماز تراویح۔ اور کتاب کا نام "تمییز الطیب من الخبیث بجواب رسالہ تحفۃ الحدیث" رکھا۔ یہ کتاب درحقیقت اسماء الرجال کا ایک حسین گلدستہ ہے۔ یہ کتاب سندھی زبان میں شایع ہوئی تھی۔ علماء کرام، طلباء عظام اور عوام الناس سب اس سے مستفید ہوئے۔ اور ضرورت تھی کہ اس عظیم کتاب کو اردو زبان میں شائع کیا جائے۔ فن اسماء الرجال کے ماہر علامہ زبیر علی زئی صاحب متعنا اللہ بطول حیاتہ نے اس کتاب کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "سندھی زبان میں بڑے سائز اور باریک خط پر ۵۶۶ صفحات کی یہ کتاب مسلک اہل حدیث کی فتح اور آلِ تقلید کی تباہی کی روشن دلیل ہے، اگر اس کا اردو ترجمہ ہوجائے تو اردو داں طبقہ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہوگی۔" (مجلّہ بحر العلوم شیخ العرب والعجم نمبر، ص ۲۰۲)

اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے تقریباً بارہ سال قبل میرے محسن اور بھائی مولانا عبدالرحمٰن میمن رحمہ اللہ

مدیر مکتبہ الدعوۃ السلفیہ ٹمیاری نے مجھے اس کام کے لیے کہا جو کہ بحمد اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے کیا۔ لیکن یہ کتاب اردو زبان میں طبع زیور سے آراستہ نہ ہوسکی۔ جب جماعت کے عظیم سرمایہ الشیخ الفاضل افتخار احمد الازہری حفظہ اللہ نے علامہ سید محب اللہ شاہ راشدی اور علامہ سید بدیع شاہ راشدی رحمہما اللہ کی تمام کتب کو مقالات راشدیہ کی صورت میں شایع کرنے کا کام شروع کیا اور اس کتاب کے متعلق فضیلۃ الاخ الکریم علامہ محمد ابراہیم طارق صاحب حفظہ اللہ سے تذکرہ کیا تو انہوں نے آگاہ کیا کہ اس کتاب کا ترجمہ راقم الحروف کر چکا ہے اور وہ مولانا عبدالرحمٰن میمن کے پاس موجود ہے۔ جب مرحوم سے اس کے متعلق بات کی گئی تو نہ صرف انہوں نے خوش دلی سے ترجمہ کیے سب رجسٹر دے دیئے بلکہ مزید تعاون کا وعدہ بھی کیا۔ جزاہ اللہ الخیرا

بارگاہِ رب العالمین میں بدست دعا ہوں کہ الشیخ افتخار احمد الازہری حفظہ اللہ اور آپ کے دیگر رفقاء کرام کو اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم سے نوازے اور دین حنیف کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور میری اس کاوش کو قبولیت سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین

کتبہ

عبدالرحمٰن ثاقب غفر اللہ لہ ولوالدیہ

خطیب مرکزی جامع مسجد اہل حدیث

مارچ بازار، سکھر

● یہ تقریر کتابی شکل میں مقالات راشدیہ کی جلد نمبر ۷ میں شائع ہوگی۔ ان شاء اللہ (الازہری)

حرفے چند

''جامعہ بحر العلوم السلفیہ'' میر پور خاص باب الاسلام سندھ کی طرف سے گزشتہ چند سالوں میں سہ ماہی ''مجلّہ بحر العلوم'' کا ''شیخ العرب والعجم نمبر'' (علامہ سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ) ۲۰۰۲ء بڑا خوبصورت مفصل و قیع شائع ہوا۔

اس کے بعد اسی مجلّہ کا محدث العصر نمبر (فضیلۃ الشیخ ابو القاسم سیّد محب اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ) اسی طرح علمی ادبی تاریخی یادگار شائع ہوا۔ پھر یہ سلسلہ یکے بعد دیگرے پانچ حصے ''مقالاتِ راشدیہ'' نادر نگارشاتِ راشدی برادران شائع ہوئے اسی دوران فقہ الحدیث کا عظیم کام ''فتاویٰ راشدیہ'' محدث العصر بھی شائع ہوا۔ ایں سعادت بزور بازو نیست

صدر المدرسین الاستاذ پروفیسر افتخار احمد الازہری صاحب حفظہ اللہ اور رفقاء انتظامیہ جامعہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ بارك الله سعيهم . آمین

دیار سندھ کے خانوادہ راشدیہ کی خدمات و آثار کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی توفیق ربانی ہوتی رہے۔

موجودہ ''حصہ ششم و ہفتم'' ''تمییز الطیب من الخبیث'' یہ کتاب علامہ سیّد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی سندھی زبان میں ۵۲۶ صفحات کی ہے۔ محترم شاہ صاحب کی تبلیغی مساعی سے اندرون سندھ دعوت توحید و سنت سے کثیر تعداد عوام متأثر ہوئے۔ شرک و خرافاتِ بدعت سے عملاً متنفر ہوئے۔ دعوتِ حقہ کے مخالفین نے ہمیشہ کی طرح جوابی تقاریر بھی خوب کیں۔ مسلک اہل حدیث کے خلاف ''تحفہ اہل حدیث'' (مولوی عبدالخالق میمن) نے لکھی۔ علامہ راشدی رحمہ اللہ نے تمییز الطیب من الخبیث کے عنوان سے کتاب کا بزبان سندھی جواب دیا۔ درج ذیل مسائل پر تفصیلی مستند تحریر ہے۔ (۱) قرأۃ خلف الامام، (۲) رفع الیدین، (۳) وتر اور اس کی ترتیب، (۴) تعداد تراویح۔

مخالفین کو اس کتاب کی اشاعت کے بعد جواب کی توفیق نہ ہوئی۔ الحمدلله على ذلك .

علامہ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے مقالات جلد اوّل میں راشدی صاحب کے حالات میں اس

خواہش کا اظہار کیا ''اگر اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو جائے تو اردو دان طبقہ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہوگی۔'' ص: ۴۹۰۔ ہر کام کے لیے ایک وقت متعین ہوتا ہے۔ ہمارے مہربان و محسن فکر محدثین کے داعی ونقیب ازہری صاحب ''تمییز الطیب من الخبیث'' بزبانِ اُردو حصہ ششم وہفتم ''مقالاتِ راشدیہ'' طبع کرا رہے ہیں۔ اللھم زد فزد.

مرحوم راشدی رحمہ اللہ اور اُن کے خاندان سے محدث ملتان مولوی عبدالتواب محدث ملتانی اور اُن خانوادہ سے علمی، دینی، مسلکی تعلقات تھے۔ تبلیغی و علمی غرض سے آمد رہتی تھی۔ متعدد کانفرنسوں و دروس قرآن وحدیث کئی مساجد اہل حدیث میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ سندھ یونیورسٹی جامشورو کے شعبہ معارف اسلامیہ سے پروفیسر عبدالعزیز نہڑیو صاحب نے اقلیم سندھ کے جلیل القدر محدث، وسیع النظر محقق فاضل کثیر المطالعہ عالم نبیل علامہ سیّد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کے خاندان کی علمی، تبلیغی و دینی خدمات کے عنوان سے P.H.D کا مقالہ تحقیقی لکھ کر سند حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ مقالاتِ راشدیہ کے مؤلف، مرتب، معاونین کی خدماتِ دینیہ کو قبول فرمائے۔ آمین!

طالب الدعا

محمد یاسین شاد

عبدالرحمٰن اسلامک لائبریری

گلشن فیض، ملتان

مقالات راشدیہ جلد ہفتم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلاة والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین ، أما بعد!

جمعیت اہل حدیث صوبہ سندھ کے سابق امیر سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ (۱۹۹۶ء) جنہوں نے صوبہ سندھ میں علم توحید کو بلند کیا اور زندگی بھر اس کو سرنگوں نہ ہونے دیا اور اس کی اشاعت میں جسمانی صعوبتیں مشقتیں برداشت کیں، لیکن کبھی بھی کسی بھی میدان میں پیچھے نہ ہٹے، چاہے پھر وہ دعوت وتبلیغ کا میدان ہو یا تصنیف وتالیف کا، مناظرہ کا چیلنج ہو یا مباہلہ کا ماحول ہو، چاہے آپ کو دعوت شہر سے آئی ہو یا گاؤں سے ہمیشہ ''کلمۃ اللہ ھی العلیا'' کے لیے اپنا تن من دھن قربان کرایا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کا محور خاص طور پر دفاع حدیث تھا۔ کوئی بھی شخص قرآن وحدیث کے خلاف کوئی بھی بات کہتا تو وہ شاہ صاحب کو برداشت نہ ہوتی فوراً اس کا ردّ پیش کرتے یا جواب دیتے۔ اس جلد میں خاص طور پر تین مقالات ایسے ہیں جو آپ نے کچھ لوگوں کے ردّ میں تحریر کیے، مثلاً:

(۱)...... پہلا مقالہ: ''تمییز الطیب من الخبیث بجواب تحفة الحدیث'' اس کا ابتدائی حصہ تو جلد نمبر (۶) میں آ گیا ہے اور باقی دو مسئلے اس جلد کی زینت ہیں جس کا پس منظر سابقہ جلد میں بیان کر چکا ہوں مکرر کی ضرورت نہیں۔

(۲)...... دوسرا مقالہ: تقریر لاجواب۔ یہ مقالہ نہیں بلکہ آپ کا خطیبانہ انداز تھا، جس میں آپ نے مولانا عبدالخالق میمن صاحب کو ان کی کتاب ''تحفۃ الحدیث'' کا جواب دیا تھا لیکن وہ اس بات پر مصر تھا کہ اس کو تحریراً ارسال کروں تو شاہ صاحب رحمہ اللہ ان کو ''تمییز الطیب'' کے نام سے جواب ارسال کیا جس کا آج تک جواب نہیں دیا گیا۔

(۳)...... تیسرا مقالہ: ''اعتراضات اوکاڑی جوابات بدیع الدین راشدی''۔ ماسٹر امین اوکاڑوی نے شاہ صاحب کے آبائی گاؤں نیو سعید آباد کے قریب گاؤں میں ایک دورہ رکھا اور اہل حدیث کے خلاف اپنے طلبہ تیار کرنے لگا اور ان کو اہل حدیث کے خلاف اعتراضات نوٹ کروانے لگا اور صداقت حنفیت پر دلائل تحریر کروانے لگا۔ شاہ صاحب کو کسی طرح وہ نوٹ بک مل گئی تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تمام کاموں کو ترک کر کے ان کا جواب لکھوانا شروع کر دیا اور ان کے عجیب عجیب سوالات کا علمی انداز میں ردّ پیش کیا کہ پڑھنے والا مطمئن ہو جاتا ہے۔ مقالہ انتہائی بوسیدہ حالت میں تھا۔ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ شاہ صاحب کس سن میں تحریر کروایا انداز ثمانینات کا زمانہ لگتا ہے کیونکہ اس کو لکھنے والے مختلف کاتب تھے، ان میں ایک کاتب پروفیسر ڈاکٹر عبدالعزیز

نہڑی صاحب ہے جنھوں نے کافی جوابات تحریر کیے اور یہ شاہ صاحب کے پاس ثمانیات میں آئے تھے، مقالہ مطالعہ کے قابل ہے دوصد سوالات سے زائد کے جوابات موجود ہیں۔

(۴)...... چوتھا مقالہ: "شهادة الاحناف فی مسئلة علم الغيب على سبيل الانصاف"۔ مسلک بریلوی آپ ﷺ کے لیے علم الغیب کا اثبات کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حنفی مسلک کی اصل دعویدار تصور کرتے ہیں تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان کے بڑے بڑے اماموں کی گواہوں کو جمع کر کے یہ بتایا ہے کہ تمہارے بڑے تو علم الغیب کی نبی ﷺ کی طرف نسبت غلط ثابت کرتے ہیں، اس مقالہ میں تقریباً ۳۷ شہادات کو جمع کیا ہے اور آخر کتاب میں ایک دوصفحات مفقود ہیں اس لیے ہم کو جہاں تک مقالہ ملا اس کی تبیض کر کے اس کا ترجمہ کر دیا۔

(۵)...... پانچواں مقالہ: محترم حافظ محمد ادریس رحمہ اللہ (شہید ان شاء اللہ) سابق امیر جمعیت اہلحدیث سندھ جماعت اہلحدیث کہ ایک نامور عالم دین اور تمسک بالسنۃ کے نام سے مشہور ومعروف تھے وہ حیدر آباد شہر میں گاہے بگاہے تبلیغی و اصلاح پروگرام منعقد کرتے رہتے تھے اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک دفعہ محترم شاہ صاحب رحمہ اللہ کا پروگرام ترتیب دیا جس میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کا موضوع تھا "اتباع سنت"۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سنت کی آئینی حیثیت کو واضح کیا جو ایک بہترین خطاب تھا پھر حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ہی اس کو کتابی شکل دی اور کئی دفعہ مختلف مکتبات سے طبع ہو چکی ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ کتاب مطبوع تھی اس لیے اس کو مقالات راشدیہ میں شایع کیا جا رہا ہے۔

الحمدللہ آج ہم کو بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ راشدی خاندان کی علمی ارمغان میں سے جلد ہفتم طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ امید ہے یہ سلسلہ ۲۰ جلدوں پر محیط ہوگا اور اس دوران شاہ صاحب رحمہ اللہ کی سندھی زبان کی مایہ ناز تفسیر بدیع التفاسیر جس کا اُردو ترجمہ مکمل ہو چکا ہے وہ اردو زبان میں مکمل آٹھ جلدوں میں ۲۰۱۵ء میں شایع کروانے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین یارب العالمین

آخر میں اپنے جامعہ کے تمام اساتذہ کرام اور معاونین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی تیاری میں میرا مکمل ساتھ رہا اور ناشر کا جس نے اس کو خوب صورت اور دیدہ زیب بنا کر شائع کروایا اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

والسلام

افتخار احمد تاج الدین (الازہری حفظہ اللہ)

شیخ الحدیث جامعہ بحر العلوم السلفیہ

میر پور خاص

0332-2819002

مسئلہ 3

نمازِ وتر

مسئلہ ...... نماز وتر

وتر سنت ہے یا فرض؟

صفحہ ۱۲۷:...... اس عنوان کے تحت اپنے مسلک کے متعلق چند مضمون ذکر کرتے ہے پہلا عنوان اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ ''نماز وتر پڑھنے کی تاکید'' اسی تحت ابوداؤد کے حوالہ بریدہ عن ابیہ سے روایت لاتے ہیں کہ ''الوتر حق فمن لم، یوتر فلیس منا.'' الحدیث

جواب: ...... **اولاً**: یہ روایت ابوداؤد میں اس سند سے ہے ''حدثنا ابن المثنیٰ نا ابو اسحاق الطالقانی نا الفضل بن موسیٰ عن عبید اللہ بن عبد اللہ العتکی عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ.'' یہ سند مولوی صاحب کے طریقہ کے مطابق صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ راوی عبیداللہ بن عبداللہ العتکی کی اگرچہ چند ائمہ نے توثیق کی ہے۔ مگر امام بخاری نے اسے کتاب الضعفآء میں ذکر کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ''عندہ مناکیر'' اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ ''ینفرد عن الثقات بالمقلوبات'' اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ ''ضعیف'' (المیزان صفحہ ۱۶۸ ج ۲) اور مولوی صاحب جس راوی پر غضبناک ہوتے ہیں اس کے متعلق خواہ کتنی ہی توثیق ہو اس کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ بلکہ معمولی جرح ہوتی ہے پھر بھی اس بنا پر راوی کو رد کرتے ہیں۔ اس مقام پر راوی پر شدید جرح وارد ہے۔ لہٰذا ان کے قاعدہ مطابق یہ روایت صحیح نہ کہی جائے گی۔

ثانیاً: ...... اسی صفحہ پر ابوداؤد میں یہی حدیث ان الفاظ سے ہے۔ ''عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ الوتر حق علی کل مسلم فمن احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلاث ومن احب ان یوتر واحدۃ فلیفعل'' اب مولوی صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ مکمل روایت کو تسلیم کرتے ہیں؟ حالانکہ ان کا منہج ہے کہ وتر تین رکعتیں ہیں۔ نہ اس سے کم اور نہ ہی زیادہ دیکھتے ہیں اب مولوی صاحب اپنے مذہب کو خیرآباد کہتے ہیں یا روایت سے ہاتھ دھوتے ہیں۔

ثالثاً: ...... ابوداؤد کے اسی صفحہ پر مولوی صاحب کی نقل کردہ روایت کے بعد یہ حدیث ہے ''عن ابن محیریز ان رجلا من بنی کنانۃ یدعی المخدجی سمع رجلا بالشام یدعی ابا محمد یقول ان الوتر واجب قال المخدجی فرحت الی عبادۃ بن صامت فاخبرتہ فقال

عبادة كذب ابو محمد سمعت رسول الله ﷺ خمس صلوٰة كتبهن الله على العباد فمن جاء بهن لم يضيع عنهن شيئا استخفافا بحقهن كان له عند الله عهد ان يد خله الجنة ومن لم يات بهن فليس له عند الله عهد ان شاء عذبه وان شاء اد خله الجنة . "

اس روایت کو امام ابو داؤد نے بیان کر کے درج بالا روایت کی تفسیر کی ہے ثابت ہوا کہ مولوی صاحب کی بیان کردہ روایت سے صرف تاکید کی جانکاری ہوئی ہے جس کا کوئی بھی اہل حدیث منکر نہیں ہے۔ مگر اس متعلق علماء احناف کا دعویٰ کہ وتر واجب ہے یہ دعویٰ ٹھیک نہیں ہے بلکہ اس روایت کا مفہوم اس طرح ہوگا۔ جیسا کہ عون المعبود صفحہ ۵۳۴ ج ۱۔ میں ہے کہ "معناه من لم يوتر رغبة من السنة فليس منا وقد دلت الاخبار الصحيحة على انه لم يرد بالحق الجواب الذى لا يسع غيره" اسی طرح امام محمد بن نصر المروزی قیام اللیل صفحہ ۱۹۲ میں اس کے متعلق مستقل عنوان باندھتے ہیں کہ "باب الاخبار الدالة على ان الوتر سنة وليس بفرض" اور اس میں متعدد روایات نقل کرتے ہیں جس میں یہی بیان ہے کہ فرض نمازیں صرف پانچ ہیں اس کے بعد نقل کرتے ہیں کہ "وعن على بن ابى طالب ليس الوتر بحتم كهيئة الصلوٰة ولكنها سنة سنها النبى صلى الله عليه وآله وسلم فلا تدعوه .

وعن عبادة بن الصامت وقد سئل عن الوتر فقال امر حسن جميل قد عمل به النبى ﷺ والمسلمون من بعده وليس بواجب .

وعن مسلم القرى كنت جالساعند ابن عمر فجاء ه رجل فقال يا ابا عبد الرحمن ارأيت الوترا سنة هو قال ما سنة قد اوتر رسول الله ﷺ واوتر المسلمون .

وعن مكحول سالت انسا عن صلوة الضحىٰ فقال الصلوات خمس فدنوت من السرير فقلت صلوة الضحىٰ فقال الصلوات الخمس ثلاث مرارا و اربع فرجعت الى نفسى فقلت ما اريد ان اجعل على نفسى شيئا ليس على قتادة .

عن سعيد بن المسيب قال او تر رسول الله ﷺ وليس عليك فقلت ولم قال انما قال رسول الله ﷺ او تروا يا اهل القرآن فان الله وتر يحب الوتر .

وعن الشعبى الوتر تطوع وهو من اشرف التطوع ابن عون عن محمد قال لم اعلم من التطوع شيئا كان اعز عليهم ان يتركوا من الوتر والركعتين قبل صلوة الصبح وكانوا يحبون ما اخروا من الوتر وهو من الليل وكانوا يحبون ان يبكرو بالركعتين

قبل صلوة الصبح وهما من النهار .

وعن نافع رايت ابن عمر يو تر على راحلته فقال ليس للوتر فضل على سائرا التطوع .

وعن ابن جريج قلت لعطاء اوتر وانا جالس من مرض قال نعم ان شئت انما هو تطوع وعن مجاهد الوتر سنة معروفة . "

رابعاً:...... حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ "في سنده ابو المنيب (عبيد الله بن عبدالله العتكى) فيه ضعف وعلىٰ تقدير قبول فيحتاج من احتج به الى ان يثبت ان لفظ حق بمعنى واجب فى عرف الشارع وان لفظ واجب بمعنى مائبت من طريق الآحاد . انتهىٰ (تحفة الاحوذى صفحه ٣٣٦ ج ١)

اب مولوی صاحب پر یہ لازم ہے کہ اس روایت سے وتر کے وجوب پر استدلال کرنے سے پہلے یہ ثابت کریں کہ حق بمعنی شرعی وجوب ہے۔ یعنی جسے آپ کے فقہاء واجب کہتے ہیں۔ جب تک یہ ثبوت نہیں پیش کرتے تب تک ان کا استدلال ٹھیک نہ ہوگا۔

مولوی صاحب دوسرا عنوان باندھتے ہیں ''نماز وتر کی رکعات کی تعداد'' اسی کے تحت دو احادیث نقل کر کے پھر تحریر کرتے ہیں۔

صفحہ ۱۳۸:......''دو احادیث کے علاوہ کئی احادیث میں واضح حکم موجود ہے کہ وتر تین رکعات ہیں۔''

وتر کی رکعات کی صحیح تعداد

جواب:...... تین رکعات کے متعلق کوئی اعتراض نہیں بلکہ جو چیز ثابت ہے اس کا انکار کوئی بھی اہل حدیث نہیں کرسکتا۔ لیکن تعجب تو مولوی صاحب پر ہے جو یک طرفہ دیکھتے ہیں اور دوسری جانب نہیں دیکھتے۔ حالانکہ وتر کے متعلق تین رکعات سے کم پیش کا بھی بیان ہے۔ لیکن ان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے صرف اسی روایت کو مانتے ہیں جو اس کے مذہب کے موافق ہو۔ مگر اہل حدیث تمام صحیح احادیث کو تسلیم کرتے ہیں اور حدیث کے مطابق وتر تین رکعت بھی پڑھتے ہیں اور اس سے کم وبیش جس کا بیان حدیث میں ہے۔ اس کے قائل اور فاعل ہیں۔ جیسا کہ درج بالا حدیث میں گزرا کہ رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا ہے۔ کہ وتر ایک رکعت، خواہ تین، خواہ پانچ جسے جتنا پسند ہو اتنا عمل کرے۔ اب مولوی صاحب اپنے ایمان سے دریافت کر کے بتلائے کہ اس مقام پر اپنے مذہب سے حدیث کو مقدم رکھتے ہیں؟ یا ہر لحہ اپنے مذہب کی پاس خاطری

کرتے ہوئے احادیث کو ترک کرتے ہیں۔ اس طرح ایک رکعت کے متعلق کئی احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ مؤطا مالک صفحہ ۴۳-۴۲۔ میں چار احادیث ہیں۔

الاول:...... ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس میں الفاظ ہیں کہ "ان رسول اللہ ﷺ كان يصلی الليل احدی عشرة رکعة يوتر منها بواحدة ." الحديث

الثانی:...... حدیث ابن عباس ہے جس میں الفاظ ہیں "فصلی رکعتين ثم رکعتين ثم رکعتين ثم رکعتين ثم رکعتين ثم رکعتين ثم اوتر ."

الثالث:...... روایت زید بن خالد الجہنی ہے اس کے الفاظ بھی ابن عباس کی حدیث کے ہم معنی ہیں اور آخر میں ہے "فتلك ثلثة عشرة رکعة ."

الرابع:...... روایت ابن عمر ہے "ان رجلا سال رسول اللہ ﷺ عن صلوٰة الليل فقال رسول اللہ ﷺ صلوٰة اليل مثنىٰ مثنىٰ واذا خشی احدكم الصبح صلى رکعة واحدة توتر له ما قد صلى" اس کے علاوہ قیام اللیل للمروزی صفحہ ۲۰۳ میں دو تین احادیث ہیں۔ (۱) "عن ابی مجلز سالت ابن عباس عن الوتر فقال قال رسول اللہ ﷺ الوتر رکعة من اٰخر الليل ثم سالت ابن عمر فقال قال رسول اللہ ﷺ مثله (۲) عن جابر رضی اللہ عنہ صلى رسول اللہ ﷺ مثنىٰ مثنىٰ واوتر بواحدة (۳) عن عبداللہ بن الزبير قال كان النبی ﷺ اذا صلى العشاء صلى بعدها اربعا ثم اوتر سجدة ثم نام حتى يصلی بعده صلواته من الليل ."

اور نمبر ۴ سنن دار قطنی صفحہ ۱۷۳۔ میں سعید بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ "قال رايت رسول اللہ ﷺ يوتر بركعة" اس کے علاوہ امام مروزی کئی صحابہ اور دوسروں سے ایک رکعت وتر نقل کرتے ہیں۔ مثلاً ابن عباس، ابی بن کعب، عبداللہ بن عمر، امیر المومنین عمر بن الخطاب، امیر المومنین عثمان بن عفان، امیر المومنین علی بن ابی طالب، سعد بن ابی وقاص، ابو الدرداء۔ فضالۃ بن عبید، معاذ بن جبل، حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، ابن الزبیر اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم اور تابعین سے معاذ القاری، جابر بن زید، عقبہ بن عبدالغافر، عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، حسن بصری، ابن شہاب الزہری وغیرہم ان تمام کے اثر مختصر قیام اللیل صفحہ ۲۔ ۵۔ ۶۔ میں مروی ہیں۔ اس تین رکعات سے زیادہ کے متعلق بھی احادیث ہیں۔ ایک حدیث درج بالا میں ابو داؤد سے ابو ایوب انصاری کی نقل کی گئی اور صحیح مسلم صفحہ ۲۵۶ ج ۱۔ مع النووی میں ام المؤمنین عائشہؓ کی روایت ہے: "قلت يا ام المومنين انبئنی عن وتر

رسول الله ﷺ فقالت كنا نعدله سواكه وطهوره فيبعثه الله ماشاء ان يبعثه من الليل فيتسوك ويتوضا ويصلى تسع ركعات لا يجلس فيها الا في الثامنة ويذكر الله ويحمده ويدعوه ثم ينهض ولا يسلم ثم يقوم فيصلى التاسعة ثم يقعد فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم يسلم تسليما يسمعنا" الحديث. اور مختصر قیام اللیل صفحہ ۲۰۷ تا ۲۰۹۔ زیر نظر لائیں۔ پہلے یہ باب باندھتے ہیں "باب الوتر بخمس ركعات بتسليمة واحدة" جس میں تین احادیث ذکر کرتے ہیں۔ ا۔ ام المومنین عائشہ سے "قالت كا ن رسول الله ﷺ يصلى من الليل ثلاث عشرة ركعة يوتر منها بخمس لا يجلس الافى اٰخر هن يجلس ثم يسلم" (۲) ابن عباس سے "ان النبى ﷺ اوتر اما بخمس واما بسبع ليس بينهن سلام" (۳) ام المومنین ام سلمہ سے "قالت كان النبى ﷺ يوتر بسبع وخمس لا يفصل بينهن بسلام." اس کے بعد زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کرتے ہیں کہ "كان يو تر بخمس ركعات لا ينصرف فيها" اس کے بعد یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔ "باب الوتر بسبع وتسع" اس میں پہلے درج بالا حدیث مسلم نقل کرتے ہیں اور پھر عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو روایات نقل کرتے ہیں۔ پہلی میں الفاظ یہ ہیں: "النبى ﷺ اوتر بخمس واوتر بسبع" اور دوسری میں ہے کہ "كان يوتر بتسع ولما ثقل بدن او تر بسبع" اس کے بعد تیسرا عنوان قائم کرتے ہیں "باب تخيير الوتر بين الواحده والثلاث والخمس" اس میں ابوایوب سے حدیث لاتے ہیں جو درج بالا ابوداؤد سے نقل کی گئی اور نیز صحابہ وتابعین کے آثار بھی نقل کرتے ہیں جن میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ "كان يوتر بسبع وخمس" اور محمد بن سیرین تابعی سے ہے کہ "وكان منهم من يوتر بركعة ومنهم من يوتر بثلاث ومنهم من يوتر بخمس ومنهم من يوتر بسبع وكانوا يرون ذالك كله حسناً."

الغرض:...... سلف صالحین کے ہاں مولوی صاحب کے مذہب کی مانند تین رکعات کی پابندی نہیں تھی، بلکہ ایک رکعت بھی پڑھتے تھے اور تین رکعات سے زیادہ بھی پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب اگر مکمل حدیث پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے ہی اپنا مذہب تصور کرتے ہیں تو پھر وتر کے متعلق تین رکعات کی قید سے رجوع کریں۔ بلکہ ایک رکعت، پانچ، سات اور نو تمام کے قائل ہوں۔ بقیہ یہ آپ کے فقہاء کا قائدہ ٹھیک نہیں ہے۔ کم از کم دو رکعات ہوں یہ آپ کا اختراعی قاعدہ ہے۔ بسبب خلاف حدیث ہونے کے باطل قرار پائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا قول وفعل بذات خود ایک عظیم قاعدہ ہے بلکہ خود صحابہ کرام سے ایک رکعت تطوع پڑھنے کا ثبوت ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۳۲ ج ۱ میں ہے: "حدثنا ابو بكر قال حدثنا

جریر عن قابوس عن ابیه ان عمر دخل المسجد فرکع فیه رکعة فقالوا له فقال انما هو تطوع فمن شاء نقص حدثنا وکیع قال حدثنا سفیان عن قابوس بن ابی ظبیان عن ابیه ان عمر بن الخطاب مرفی المسجد فرکع رکعة فقیل له انما رکعت رکعة، فقال انما هو تطوع وکرهت ان اتخذه طریقا حدثنا شریك عن سماك قال حدثنی من رای طلحة بن عبید الله مرفی المسجد فرکع رکعة ثم خرج حدثنا وکیع عن سیف بن میسرة عن ابی سعید قال رایت الزبیر بن العوام خرج من القصر فمر بالمسجد فرکع رکعة اوسجد سجدة. "

عنوان ثلاثہ:...... مولوی صاحب اس طرح قائم کرتے ہیں۔ نماز وتر دو رکعت بعد قعدہ (التحیات کے لیے جلوس) اُدھر بطور دلیل تین رکعات پیش کرتے ہیں۔ روایت اولیٰ ابن عمر کی بخاری سے نقل کرتے ہیں وہ بھی اپنے ہی مذہب کے خلاف ہے۔ بلکہ اس میں ایک رکعت وتر پڑھنے کا امر ہے۔ جس میں مولوی صاحب نے تحریف کر کے اپنا مقصد بنایا ہے۔ حالانکہ خود ترجمہ میں لکھتے ہیں ''حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعات ہے۔ پھر جب تو نماز مکمل کرنے کا ارادہ کرے تو ایک رکعت پڑھ (وہ رکعت) تیری پچھلی پڑھی نماز کے ساتھ وتر بن جائے گی۔''

ناظرین:...... الفاظ دو دو رکعات سے ظاہر ہے کہ بعد ہر دو رکعات سلام ہے، پھر یہ کہنا جب نماز ختم کرنے کا ارادہ ہو تو ایک رکعت پڑھ لیں، اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ رکعت منفرد ہے۔ پھر مولوی صاحب کا بیان (یہ رکعت) تیری گزشتہ نماز کے ساتھ طاق بن جائے گی، صاف ظاہر ہے کہ یہ رکعت الگ اور مستقل ہے اور گزشتہ نماز جیسا کہ دو دو رکعت جدا ہے، ویسے ہی یہ رکعت بھی جدا ہے۔

صفحہ ۱۳۹:...... مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ''گزشتہ دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت زائد منفصل کی جائے گی۔'' حالانکہ یہ الفاظ حدیث میں نہیں ہیں۔ مولوی صاحب کی اپنی زیادتی ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ اسی طرح یہ تینوں رکعات وتر ہوں گی۔ حالانکہ حدیث میں صریحاً ایک رکعت پڑھنے کا بیان ہے اور بخاری شریف کتاب الوتر میں ابن عمر کی روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی ہے "ان رجلا سأل رسول الله ﷺ عن صلاة اللیل فقال رسول الله ﷺ صلاة اللیل مثنٰی مثنٰی فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة توتر له ما قد صلی" اور لفظ "صلی رکعة واحدة" بالکل صریح ہے۔'' اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ آگے ایک عنوان قائم کرتے ہیں: ''الفاظ حدیث کا فہم اور اس کے تحت یہود کی اتباع حدیث میں تحریف کرنے اور معنی تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ

"صلاۃ اللیل مثنٰی مثنٰی" رات کی نماز دو دو رکعات سے ظاہر ہے کہ (تہجد خواہ وتر) دو رکعات پھر التحیات کے لیے بیٹھنا لازم ہے۔" لیکن ہر دو رکعت پر مع قعدہ سلام بھی ہے اور اس طرح آخری دو رکعت کے بعد بھی سلام ہے اور رکعت وتر جدا اور مستقل ہے اور گر آخری تطوع میں سلام نہیں ہے تو بقیہ نوافل میں بھی سلام نہیں ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ "اس کے بعد یہ فرمان "اذا اردت اذ تنصرف" (جب تو نماز ختم کرنے کا ارادہ کرے) سے ظاہر ہے کہ نماز ابھی اختتام پذیر نہیں ہوئی ہے' یہ اس لیے کہ وتر ابھی رہتا ہے۔

مگر اس میں یہ بیان کہاں ہے کہ یہ رکعت ان دو رکعات کے ساتھ بمع سلام ہے؟ اپنی طرف سے حدیث میں الفاظ بڑھانا ترجمہ میں ہیرا پھیری کرنا حرام ہے۔ گزشتہ زمانہ میں یہود اس طرح کرتے تھے؛ جس طرح قرآن میں مذکور ہے کہ ﴿یحرفون الکلم عن مواضعه﴾ پھر لکھتے ہیں کہ "پھر آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ "فارکع بواحدۃ" ایک رکعت زائد پڑھ جو گزشتہ پڑھی ہوئی نماز کے ساتھ وتر بن جائے۔ اگر وتر کی دو رکعتوں پر بمع قعدہ سلام ہوتا تو یہ رکعت گزشتہ پڑھی ہوئی نماز کے ساتھ کس طرح مل کر شمار ہوگی؟"

اولاً: ...... جب کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت کا حکم دیا ہے تو پھر مولوی صاحب کون ہوتے ہیں جو اسے تین بناتے ہیں۔

ثانیاً: ...... الفاظ یہ ہیں کہ "توتر له ما قد صلیٰ" جس سے ظاہر ہوا کہ مکمل نماز کا عدد جفت ہے اور اس ایک رکعت پڑھنے کے بعد مکمل نماز طاق ہو جاتی ہے۔

ثالثاً: ...... بقول مولوی گر جمع نہ ہوتی تو پڑھی ہوئی نماز کس طرح طاق شمار ہوگی؟ یہ بھی تمام نماز کے لیے ہے۔ آخری دو رکعات کے لیے کیوں کرتے ہیں؟ بلکہ مکمل نماز کے لیے کیوں نہیں کہتے کہ درمیان میں سلام نہ ہو بلکہ مکمل نماز یکساں ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صرف گزشتہ دو رکعات کے وتر ہونے کے لیے نہیں کہا۔ بلکہ پوری نماز کے لیے کہا ہے اور فرمایا ہے کہ "توتر له ما قد صلیٰ" خود مولوی صاحب رقم کرتے ہیں کہ "حالانکہ حضور اکرم ﷺ سے واضح طور پر فرمایا ہے کہ یہ ایک رکعت بمع گذشتہ نماز طاق ہوگی" پھر ساری نماز کے لیے یہی حکم جاری کرے۔ صرف آخری تطوع کو شامل کرتا ہے خاص اس کے لیے کیا دلیل ہے وھو الرابع۔

مذہبی تعصب کی حد ہے کہ نفل اور رکعت وتر کو متصل بنا کر اپنے مذہب کی خاطر حنفی وتر ثابت کرتے ہیں۔ اللہ کے سامنے کیا جواب دیں گے؟

خامساً: ...... صحیح مسلم میں حدیث ابن عمر مذکور ہے جو اسی حدیث کا راوی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ "فقیل لا بن عمر ما معنی مثنٰی مثنٰی قال تسلم فی کل رکعتین" علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری

صفحہ ۲۔۳ ج ۷ میں حدیث لا کر کہتے ہیں کہ "قد فسرہ ابن عمر راوی" الحدیث پھر جب کہ حدیث میں اسی راوی سے تفسیر موجود ہے کہ مثنیٰ مثنیٰ کا مطلب ہے کہ ہر دو رکعات پر سلام پھیرا جائے۔ ثابت ہوا کہ رکعت وتر منفرد اور جدا ہے اور اس تفسیر نے مولوی صاحب کے حیلے ختم کر دیے۔

سادساً:...... بیان کردہ درج بالا حدیث "الوتر رکعة من اخر اللیل" نے بھی مولوی صاحب کی تمناؤں کو وصل رماد کر دیا اور دوسری حدیث ابی بن کعب کی سنن نسائی سے نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ اس میں بھی یہ ذکر نہیں کہ آپ نے دو رکعات پر قعدہ کیا ہو۔ صرف یہ الفاظ ہیں کہ "لا یسلم الا فی اخر ھن" جس سے یہ ثابت ہوا کہ تین رکعات وتر بھی ایک سلام سے پڑھی جا سکتی ہیں۔ مگر درمیان میں دو رکعات پر قعدہ کرنا اس کا کوئی ثبوت نہیں یہ الفاظ بھی مولوی صاحب کی اپنی زیادتی ہے۔ اپنی طرف سے جھوٹے الفاظ ملائے بغیر مولوی صاحب کی کوئی دلیل نہیں بن سکتی۔ بلکہ چند روایات سے تین رکعات وتر کے درمیان میں ترک قعدہ اور منع معلوم ہوتی ہے۔

اولاً:...... قیام اللیل للمروزی صفحہ ۲۱۵ میں روایت ہے کہ "عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تواتروا بثلاث تشبھوا بالمغرب" الحدیث یہ سنن کبریٰ للبیہقی صفحہ ۳۱ ج ۲۔ میں دو اسناد سے مروی ہے۔ نیز سنن دار قطنی صفحہ ۱۷۲ میں بھی مروی ہے اور امام دار قطنی ان کے راویوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ "کلھم ثقات" نیز التعلیق المغنی میں ہے کہ "واخرجه الحاکم فی المستدرك بھذا الا سناد والمتن وقال ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه وقال ایضاً فی فتح الباری وقد صححه الحاکم من طریق عبداللہ بن فضل واسناده علی شرط الشیخین وقد صححه ابن حبان انتھیٰ وقال فی التلخیص حدیث ابی ھریرۃ رجاله کلھم ثقات ولا یضره وقف من اوقفه انتھی وقد صحح زین الدین العراقی اسناد طریقین طریق عراك بن مالك وطریق عبداللہ بن فضل کما فی النیل وصححه ایضاً مجدد الدین الفیروزآبادی فی سفر السعادة وکذا اقر علی الحافظ ابن القیم فی اعلام الموقعین عن رب العالمین." اس حدیث سے واضح ہے کہ تین رکعات وتر کے درمیان میں قعدہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ نماز مغرب سے مشابہت ہوگی جس میں صریحاً منع ہے۔

ثانیاً:...... سنن کبریٰ للبیہقی صفحہ ۲۹ ج ۲۔ میں روایت ہے: "عن عائشةؓ قالت کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث لا یقعد الا فی اٰخر ھن" نیز یہ روایت معرفۃ السنن الآثار بیہقی میں موجود ہے اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر اس طرح شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ میں بحوالہ حاکم مذکور ہے" کما فی

التعلیق المغنی صفحہ ۲ ۱۷۳۔۱۷۔اس حدیث نے بھی فیصلہ کر دیا کہ مسلسل تین رکعات ایک سلام سے پڑھنے کی صورت میں درمیان میں قعدہ نہیں ہے۔

ثالثاً: ......مصنف عبدالرزاق صفحہ ۳ ج ۳۔میں حدیث ہے: "عن سعد بن ابی وقاص ان رسول اللہ ﷺ قال الوتر حق ولیس کالمغرب" پھر جب کہ تین رکعات وتر بمثل مغرب نہیں ہیں تو پھر ان کے درمیان قعدہ کس طرح ہوگا۔

صفحہ ۱۴۰:...... پھر لکھتے ہیں کہ "جب کہ بالخصوص سلام کا انکار بیان ہو رہا ہے اس کی وجہ وہی ہے کہ وتر کی دو رکعات کے بعد قعدہ لازم ہے۔" الخ

وتر کا طریقہ

جواب:......اولاً: حدیث صحیحہ کے مدمقابل مولوی صاحب کی یہ عقلی دلیل کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ثانیاً: ...... یہ لزوم کس دلیل کی بنا پر ہے کہ جب سلام نہیں ہے تو قعدہ لازماً ہوگا۔ بلکہ دلیل اس کے خلاف ہے کیونکہ درج بالا میں پانچ رکعات وتر ایک سلام سے بیان ہیں مگر ان کے درمیان کوئی قعدہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس میں الفاظ یہ ہیں کہ "یوتر منھا بخمس لا یجلس الا فی اٰخر ھن یجلس ثم یسلم" (قیام اللیل صفحہ ۲۰۷) یہ روایت صحیح مسلم صفحہ ۲۵۴ ج ۱۔مع النووی میں بھی مذکور ہے۔اس حدیث سے مولوی صاحب کا کلیہ ختم ہوا اور قانون منہدم ہوا کہ دو رکعات پر قعدہ لازم ہے۔ پھر امام نسائی پر جھوٹ مارتے ہیں تحریر کرتا ہے "اس نے بھی یہی معنی لیا ہے جیسا کہ اس حدیث کے لیے خود باب باندھا ہے "کیف الوتر بواحدۃ" بلکہ دوسری پانچ احادیث لائے ہیں جن میں وتر ایک رکعت کا بیان ہے اس کے بعد دوسرا باب اس طرح قائم کرتے ہیں کہ "باب کیف الوتر بثلاث" اس کے تحت یہ مولوی صاحب والی ذکر کردہ حدیث لائے ہیں اور اس کے متعلق راویوں کا اختلاف بیان کیا ہے۔یعنی بعض راوی سلام نہ کرنے کا بیان کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔مولوی صاحب کی علیت تو یہ ہے کہ محدثین کے ابواب کا علم ہی نہیں ہوتا کہ باب کی ابتدا ہوتی کہاں سے ہے، اور کہاں ختم ہوتا ہے؟ تو کس طرح علم حدیث میں دخل اندازی کرتا ہے؟ لہٰذا اسے چاہیے کہ اپنے جسم سے زیادہ زور نہ لگائے صرف کتب فقہیہ اور رسائل پر گزر کرتا رہے۔

دار قطنی والی روایت کی اسنادی حیثیت

تیسری حدیث دار قطنی کے حوالہ سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کرتا ہے "وتر اللیل ثلاث کوترك

النہار" اور ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ رات کی وتر تین رکعات دن کی وتر نماز مغرب کی مانند ہیں۔"

جــواب:...... **اولاً:** مولوی صاحب نے دارقطنی کا حوالہ دیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنن دارقطنی کی روایت ہے۔ لیکن سنن دارقطنی میں یہ حدیث موجود ہی نہیں ہے۔

ثانیاً:...... مولوی صاحب نے خود سنن دارقطنی نہیں دیکھی۔ لیکن زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۱۲۰ ج ۲۔ میں دارقطنی کا حوالہ دیا ہے گر مولوی صاحب نے اسے نقل کیا ہے، تب بھی نقل میں خیانت کی ہے کیونکہ زیلعی کی پوری عبارت اس طرح ہے "واخرجه الدار قطني ايضاً عن اسماعيل بن مسلم المكي عن الحسن عن سعد بن هشام عن عائشة مرفوعا نحوه سواء من طريق الدار قطني رواه ابن الجوزي في العلل المتناهيه وقال هذا حديث لا يصح قال ابن معين اسماعيل المكي ليس بشي وزاد في التحقيق وقال النسائي متروك وقال ابن المديني لا يكتب حديثه انتهى." پھر جس سند روایت میں متروک (متھم بالکذب) راوی ہو اور اس کی حدیث لکھنے کے قابل نہ ہو۔ ایسی روایت کسی طرح قابل قبول ہوگی؟

ناظرین:...... امام ابن الجوزی کی کتاب العلل المتناھیہ صفحہ ۴۵۴ ج ۱۔ میں یہی عبارت جو زیلعی نے ان سے نقل کی ہے وہ موجود ہے اور ان کی کتاب التحقیق سے جو عبارت نقل کی ہے وہ صفحہ ۴۸۲ ج ۱ (المصور) میں موجود ہے، نیز اسی اسماعیل بن مسلم المکی کے متعلق اس کے علاوہ دوسرے بھی جروح ہیں۔ چنانچہ امام احمد فرماتے ہیں کہ "منکر الحدیث" (المیزان صفحہ ۲۱۵ ج ۱) اور امام ابن معین فرماتے ہیں کہ "لیس بشی" اور ابوزرعہ، ابوحاتم، ابوعلی الحافظ "ضعیف" کہتے ہیں اور البزار اور ابواحمد الحاکم "لیس بالقوی" کہتے ہیں اور عقیلی، دولابی، ساجی، ابن الجارود اور دوسرے انہیں ضعفاء میں داخل کرتے ہیں اور ابن حبان کہتے ہیں کہ "ضعیف یروی المناکیر عن المشاهیر ویقلب الاسانید (تہذیب صفحہ ۳۳۱۔ ۳۳۲ ج ۱) اور امام بخاری الضعفاء الصغیر صفحہ ۲۵۲ (الملحق بالتاریخ الصغیر) میں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ترکه ابن المبارك وربما ذكره" اور تاریخ الصغیر صفحہ ۱۶۷ میں فرماتے ہیں کہ "ترکه یحییٰ وابن مهدی الخ" پھر جس راوی کا عالم یہ ہے۔ ایسی روایت سے استدلال وہ کرتے ہیں جنہیں صحیح اور غیر صحیح کی تمیز نہ ہو یا جنہیں خواہ مخواہ اپنے مذہب کو بچانے کی خاطر ضعیف اور جھوٹی روایات کا سہارا لینا پڑتا ہے یہ دونوں صورتیں مولوی صاحب کو مبارک ہوں۔

ثالثاً:...... درج بالا صحیح روایات سے معلوم ہوا کہ نماز مغرب نماز وتر کی مانند نہیں ہے بلکہ مغرب سے مشابہ کر کے پڑھنے کی منع ہے۔ پھر ان صحیح روایات کے مقابلہ میں کس طرح قبول ہوگی؟ بلکہ شدید ضعف ہونے کے

باوجود صحیح روایات کے مخالف ہے۔ لہٰذا منکر اور مرجوح کہی جائے گی۔

رابعاً:...... امام ابن حبان کتاب المجروحین صفحہ ۱۳۱ ج ۱۔ میں اور حافظ ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۱۱۶ ج ۱۔ میں اس روایت کو اسماعیل بن مسلم المکی کی منکر روایات سے شمار کرتے ہیں اور حافظ زیلعی حنفی نصب الرایہ صفحہ ۱۲۰ ج ۲۔ میں اسے ضعیف تسلیم کرتے ہیں اور حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر صفحہ ۵ ج ۲۔ انہیں ضعیف ثابت کرتے ہیں۔

خامساً:...... متن کے لحاظ سے بھی روایت منکر ہے، اس کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں کیونکہ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ "کوتر النهار صلوٰة المغرب" اور ترجمہ میں مولوی صاحب لکھتے ہیں: ''ان کی وتر نماز مغرب کی مانند ہے'' جس کا مطلب کہ نماز مغرب دن کی نماز میں سے ہے۔ حالانکہ یہ بات خلاف حقیقت ہے۔ کیونکہ سورج غروب ہونے کے بعد رات کی ابتدا ہوتی ہے اور نماز مغرب غروب آفتاب کے بعد ہے اور نص قرآنی ہے کہ "ثم اتموا الصيام الى الليل" اور غروب آفتاب کے فی الفور بعد قبل نماز مغرب روزہ افطار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا نماز مغرب کو یوم اللیل کہنا غلط ہے۔ ایسی غلط بات نبی کریم الصادق المصدوق المعصوم بعصمۃ اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا قطعاً جائز نہیں ہے اور نہ ہی آپ کی مقدس و مطہر زبان سے ایسے الفاظ نکل سکتے ہیں۔ آپ ہیں کہ فقہ بھی اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپ کے ہاں دن کی نماز میں قرأت جہر سے کرنی ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ خود ہدایہ صفحہ ۱۱۵ ج ۱ میں ہے۔ "يخفيها الامام في الظهر والعصر وان كان بعرفه لقوله عليه السلام صلاة النهار اى ليست فيها قراة مسموعة الخ" حالانکہ نماز مغرب میں آپ کے ہاں بھی جہر ہے۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ درج بالا عبارت سے قبل بیان کر چکا ہے۔ لہٰذا آپ کے اسی قانون مطابق بھی یہ روایت ثابت نہیں ہو سکتی۔ وھو الصادس۔

الحاصل:...... یہ روایت ضعیف، منکر، صحیح احادیث کے خلاف اور خود قواعد حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی اسنادی حیثیت

صفحہ ۱۴۱:...... پھر رقم کرتے ہیں کہ ''اسی عنوان والی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔''

جواب:...... یہ روایت سنن دارقطنی صفحہ ۲۶۔ ۲۷ ج ۲۔ میں اس سند سے مروی ہے "حدثنا الحسن بن رشيق بمصر ثنا محمد بن احمد بن حماد الدولابى، ثنا ابو خالد يزيد بن سنان ثنا يحيىٰ بن زكريا الكوفى ثنا الاعمش عن مالك بن الحارث عن عبدالرحمن ابن

یزید النخعی عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ وتر اللیل ثلاث کوتر النھار صلاۃ المغرب یحییٰ بن زکریا ھذا یقال لہ ابن ابی الحواجب ضعیف ولم یرو عن الاعمش مرفوعا غیرہ۔" مولوی صاحب نے سنن دار قطنی کا حوالہ دیا مگر جو اس نے اس پر کلام کیا ہے اسے بیان نہیں کیا۔ اگر بیان کرتا ہے تو اپنی دلیل نہیں بنا سکتا۔

ثانیاً: ...... یحییٰ بن زکریا جسے امام دار قطنی ضعیف کہتے ہیں اس کو امام ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۲۸۸ ج ۳۔ میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "قلت یحتمل ان یکون الذی قبلہ" اور اس سے قبل یحییٰ بن زکریا کے ترجمہ میں ابن عدی سے نقل کرتے ہیں کہ "کان یضع الحدیث" پھر ایسے راوی کی روایت کو صحیح روایات کے مقابلہ میں بیان کرنا ایک عالم کی شان سے بعید ہے۔

ثالثاً: ...... خود زیلعی نصب الرأیہ صفحہ ۱۱۹ ج ۲۔ میں اس کو ضعیف تسلیم کرتا ہے اور امام ابن الجوزی اسے واہی روایات میں شمار کرتے ہیں چنانچہ العلل المتناھیہ فی الاحادیث الواھیہ صفحہ ۴۵۵ ج ۱۔ میں اسے مردود وضعیف ثابت کرتے ہیں اور ابن حجر التلخیص صفحہ ۱۵ ج ۲۔ میں بھی ضعیف ثابت کرتے ہیں۔

رابعاً: ...... امام دار قطنی کی کلام سے معلوم ہوا کہ یہ روایت منکر بھی ہے۔ کیونکہ اعمش سے صرف یہی ایک ضعیف راوی یحییٰ بن زکریا مرفوعاً نقل کرتا ہے بقیہ دوسرے ثقہ راوی اس سے موقوف روایت کرتے ہیں چنانچہ نصب الرایہ صفحہ ۱۱۹ ج ۲۔ میں ہے: "وقال البیھقی الصحیح وقفہ علی ابن مسعود ورفعہ یحییٰ بن زکریا بن ابی الحواجب وھو ضعیف ورواہ الثوری وعبداللہ ابن نمیر وغیر ھما عن الاعمش فو قفوہ انتھیٰ۔" اور خود زیلعی اسی کلام کو تسلیم کرتے ہیں اور رد نہیں کرتے۔ ثابت ہوا کہ روایت منکر بھی ہے۔

خامساً: ...... درج بالا قاعدہ کے مطابق بھی اس کا متن نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے جیسا نہیں ہے۔

الغرض: ...... یہ روایت بھی ضعیف منکر اور قواعد کے خلاف ہے۔ مولوی صاحب کو چاہیے کہ ضعیف اور منکر روایات کے بجائے احادیث صحیحہ پر اعتماد کریں یہی ایمان کا تقاضا ہے۔

چوتھی دلیل اس طرح لکھتے ہیں کہ "یہ قانون عام ہے۔ جسے غیر مقلد تسلیم کرتے ہیں کہ ہر دو رکعات کے بعد قعدہ لازم ہے الخ"

صریح اور صحیح احادیث کے مقابلہ میں یہ عقلی باتیں کار آمد نہ ہوں گی۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ وتر کے علاوہ دوسری اور کوئی ایسی مثال پیش کرنی چاہیے۔ جس سے ثابت یہ ہو دو رکعت کے بعد قعدہ لازم نہیں ہے۔ ہم

کہتے ہیں کہ جب حدیث سے رسول اکرم ﷺ کا عمل ثابت ہے کہ آپ نے پانچ رکعات یا تین رکعات وتر کی جن کے درمیان میں قعدہ کیے بغیر پڑھی ہیں تو پھر یہ مطالبہ کس کام کا؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے عمل کے علاوہ اور کوئی قوی دلیل ہوسکتی ہے؟ پھر وہ ان کا عمل وتر میں ہو یا کسی اور نماز میں۔

الحاصل:..... مولوی صاحب کوئی بھی ایسی دلیل پیش نہیں کر سکے ہیں جس سے ثابت ہو کہ تین رکعات وتر ایک سلام سے اس طرح پڑھی جائیں کہ درمیان میں دو رکعات پر قعدہ ہو۔ بلکہ نماز مغرب سے مشابہت کرکے پڑھنے کے متعلق منع کی احادیث ثابت ہیں۔ جس طرح ذکر کیا گیا۔ لہٰذا مغرب کے مشابہ وتر پڑھنا حدیث کے خلاف ہے اور حدیث سے دو صورتیں ثابت ہیں جن سے مغرب اور وتر میں مشابہت نہیں رہتی۔

۱:..... درمیان میں قعدہ نہ کریں بلکہ تیسری رکعت کے بعد قعدہ کر کے سلام پھیرا جائے۔ جیسا کہ درج بالا حدیث میں بیان ہوا۔

۲:..... دو رکعات پر قعدہ کر کے سلام پھیرا جائے، تیسری رکعت الگ پڑھی جائے اس کے متعلق کئی احادیث وارد ہیں، چنانچہ مسند احمد صفحہ ۷۶ ج ۲۔ میں ابن عمر سے روایت ہے ”قال كان رسول الله ﷺ يفصل بين الوتر والشفع بتسليمة يسمعناها“ یہ حدیث صحیح ابن حبان میں دو سندوں سے ہے ”کمافی موارد الظمآن صفحہ ۱۷۵ اور طحاوی صفحہ ۱۶۴۔ میں الفاظ اس طرح ہیں کہ ”اخبرني سالم بن عبدالله بن عمر عن ابن عمر انه كان يفصل بين شفعه ووتره بتسليمة واخبر ابن عمر ان النبي ﷺ كان يفعل ذالك“ اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس حدیث کا راوی عبداللہ بن عمر خود اس پر عامل ہے۔ چنانچہ طحاوی میں اس حدیث کے بعد یہ روایت ہے کہ ”عن نافع ان عبدالله بن عمر كان يسلم بين الركعة والركعتين في الوتر حتى يا مر ببعض حاجته“ اور یہ روایت موطا مالک صفحہ ۴۴ اور بخاری صفحہ ۱۳۵ ج ۱۔ میں بھی موجود ہے۔

(۲) سنن دار قطنی صفحہ ۱۷۶ میں ہے ”عن نافع عن ابن عمر ان رجلا سال النبي ﷺ عن الوتر فقال افصل بين الواحده واثنتين بالسلام یہ قولی روایت ہے۔ ان کی تائید مجمع الزوائد صفحہ ۲۴۳ ج ۲۔ میں المعجم الاوسط للطبرانی کے حوالہ سے مذکور ہے۔

(۳) مسند عمر بن عبدالعزیز للباغندی صفحہ ۲۰ میں حدیث ہے: ”عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ انه كان يوتر بثلاث يسلم في الركعتين سلاماً سمعنا ثم يقوم فيصلي ركعة“ اور یہ حدیث مسند احمد صفحہ ۸۳۔۸۴ ج ۶۔ میں بھی مروی ہے۔

(۴) ابن ماجہ صفحہ ۸۳ میں ہے: ”عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يسلم في كل ركعتين

ویوتر بواحدة اور معرفة السنن والاثار للبیہقی صفحہ ۲۷۱ج ۱۔ (المصور) میں ہے "عن عبدالله بن عباس ان رسول الله ﷺ کان یفصل بین الرکعتین والرکعة من وتره بسلام" اور اس طرح سلف صالحین صحابہ اور تابعین سے بھی منقول ہے ابھی ابن عمر کا اثر گزرا۔ نیز مصنف عبدالرزاق صفحہ ۲۷ ج ۳۔ میں ہے: "ان عبدالله بن محرر قتادة ان ابا موسیٰ الاشعری وابا هريرة وابن عمر کانا یسلمان فیها بین الرکعتین والوتر. نیز قیام اللیل صفحہ ۶۔۵۔۲۔ میں بھی اثر موجود ہے "عن ابی عمرو صاحب العباء قال کان ابوهريرة يصلی بنا فی رمضان فیوتر بنا فیسلم بین الرکعتین الاولیین حتی یسمع من وراءه ثم یقوم فیوتر بواحدة وقال الزهری کان اصحاب النبی ﷺ یسلمون فی رکعتی الوتر." گویا کہ عام صحابہ کا یہی عمل تھا۔ اس کے علاوہ ابی بن کعب، معاذ القاری، ابن عباس، عبدالغافر محمد بن سیرین حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح سے اثر منقول ہے۔

الغرض:...... یہ دونوں طریقے سنت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ لیکن مغرب کی مشابہت کی منع ہے اور مصنف عبدالرزاق صفحہ ۲۷ ج ۳ میں عطاء سے روایت ہے: "قال قال ابن عباس الوتر مثل صلوٰة المغرب الا انه لا یجلس اِلّا فی الثالثه."

الغرض:...... تین رکعات تعداد میں مانند مغرب ہیں۔ مگر کیفیت ادا میں اس کے مشابہ نہیں ہیں۔ یعنی درمیان میں قعدہ نہیں کرنا اور یا تو پھر بعد دو رکعت قعدہ کرے سلام پھیرے۔ اس کے بعد۔

چوتھا عنوان:...... اس طرح قائم کرتے ہیں "دعائے قنوت وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے قبل" حالانکہ محدثین رکوع سے قبل خواہ بعد دونوں طرح قنوت پڑھنے کے قائل ہیں۔ امام بخاری اپنی صحیح صفحہ ۱۳۶ ج ۱ میں اس طرح باب قائم کرتے ہیں کہ "باب القنوت قبل الرکوع وبعده" البتہ قنوت نازلہ میں بعد الرکوع متعلق روایات کثرت سے ہیں وہ اس کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ بیہقی سنن الکبریٰ صفحہ ۲۰۸ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ "رواه القنوت بعد الرکوع اکثر واحفظ فهو اولی وعلی هذا درج الخلفاء الراشدون رضی اللہ عنہم فی اشهر الروایات عنهم واکثرها." مولوی صاحب نے اپنی تائید میں دو احادیث پیش کی ہیں پہلی نسائی کے حوالہ سے اس پر امام نسائی صفحہ ۱۷۵ ج ۱۔ میں اس طرح باب قائم کیا ہے "ذکر اختلاف الفاظ الناقلین لخبر ابی بن کعب فی الوتر" اس کے بعد تین اسناد سے یہ روایت لاتے ہیں۔ ایک سند میں یہ الفاظ "ویقنت قبل الرکوع" ہیں۔ بقیہ دو اسناد میں نہیں ہیں اور دوسری روایت ابو داؤد صفحہ ۲۰۲ والی لائے ہیں۔ مگر دراصل یہ روایت ایک ہی ہے۔ مولوی صاحب

نے نمبر بڑھانے کی خاطر دو روایات پیش کی ہیں اور یہ روایت معلول ہے، کیونکہ یہ زیادتی "یقنت قبل الرکوع" محفوظ نہیں ہے۔ امام بیہقی صفحہ ۴۰ ج ۳۔ میں روایت لاکر پھر فرماتے ہیں کہ

"قال ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی حدیث سعید عن قتادۃ رواہ یزید بن زریع عن سعید عن قتادۃ عن عروۃ عن سعید بن عبدالرحمن بن ابزیٰ عن ابیہ عن النبی ﷺ لم یذکر القنوت ولا ذکر ابیاً قال وکذلک رواہ عبدالاعلیٰ ومحمد بن بشر العبدی وسماعہ بالکوفۃ مع عیسی بن یونس ولم یذکر والقنوت قال وقد رواہ ایضاً ہشام الدستوائی وشعبۃ عن قتادۃ ولم یذکر القنوت وحدیث زبید رواہ سلیمان الاعمش وشعبۃ وعبدالملک بن ابی سلیمان وجریر بن حازم کلھم عن زبید لم یذکر احد منھم القنوت الا ماروی عن حفص بن غیاث عن مسعر عن زبید فانہ قال فی حدیثہ انہ قنت قبل الرکوع ولیس ھو بالمشھور من حدیث حفص یخاف ان یکون حفص عن مسعر ھذا کلہ قول ابی داؤد وضعف ابو داؤد ھذہ الزیادۃ واللہ اعلم انتھیٰ۔"

ناظرین:...... کلام ابو داؤد جو بیہقی نے ان سے نقل کیا ہے۔ وہ سنن ابو داؤد صفحہ ۲۰۲ میں درج بالا روایت کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ مقام تدبر ہے کہ امام نسائی اپنی سنن میں لاکر تعلیل کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ یہ زیادتی "یقنت قبل الرکوع" کے نقل میں دو روایات کا اختلاف ہے اور امام ابو داؤد اپنی سنن میں لاکر تعلیل کرتے ہیں اور راویوں کا زبردست اختلاف نقل کرتے ہیں اور اسی زیادتی کو ضعیف ثابت کرتے ہیں۔ مولوی صاحب ان تمام کی فکر نہ کرتے اسی روایت کو ان کتب سے نقل کرتے رہتے ہیں اور امام ابو داؤد کے ضعیف کہنے میں امام بیہقی بھی شامل ہیں امام ابو داؤد ایک دوسری علت بھی پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ سنن میں یہ الفاظ ہیں: "قال ابو داؤد یروی عن ابی کان یقنت فی النصف من شھر رمضان" اور پھر باسند ان سے دو روایات نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "وھٰذا یدل علی ان الذی ذکر فی القنوت لیس وھٰذا ان الحدیثان یدلان علیٰ ضعف حدیث ابی ان النبی ﷺ قنت فی الوتر" یعنی پھر جب کہ ابی کا دائمی عمل یہ تھا کہ قنوت نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ نصف ماہ رمضان میں پڑھتے تھے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ابی کی روایت میں قنوت کا ذکر ٹھیک نہیں ہے۔ ورنہ حدیث کے الفاظ ظاہر ہیں ہمیشہ قنوت پڑھی جائے۔

الحاصل:...... کلام امام ابو داؤد سے دو علتیں معلوم ہوئیں۔

اولاً: ...... یہ زیادتی غیر محفوظ ہے اور اکثر روایات میں اس کا بیان نہیں ہے۔

ثانیاً: ...... راوی حدیث ابی بن کعب دائمی قاری قنوت نہ تھے۔ اس لیے امام ابوداؤد اس پر ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور اسی زیادتی متعلق فرماتے ہیں کہ "لیس بشی" یعنی یہ زیادتی کوئی شے نہیں ہے، اس کے علاوہ اس میں اور بھی علتیں ہیں۔ فنقول

ثالثاً: ...... روایت میں انقطاع کا شبہ ہے کیونکہ ابوداؤد خواہ نسائی میں ابی بن کعب سے راوی سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ ہے جس کا سماع امیر عثمان بن عفان سے ثابت ہے، چنانچہ کتاب المراسیل لابن ابی حاتم صفحہ ۵۱ میں ہے: "قال ابو زرعة سعيد بن عبدالرحمن بن ابزىٰ عن عثمان مرسل" اس طرح تہذیب صفحہ ۵۴ ج ۴ میں بھی ہے اور اکثر اقوال کے مطابق ابی بن کعب۔ امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پاگئے اور بعض کا خیال ہے کہ امیر عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فوت ہوا تھا۔ (تہذیب صفحہ ۱۸۸ ج ۱) پھر جب کہ عثمان رضی اللہ عنہ سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کا سماع نہیں ہے تو پھر ابی بن کعب سے بھی سماع ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ اکثر کے قول کے مطابق ابی بن کعب عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے قبل فوت ہوئے ہیں۔

رابعاً: ...... قیام اللیل للمروزی صفحہ ۲۲۸ میں ہے "وعن الحسن ان ابی بن كعب رضی اللہ عنہ ام الناس فی خلافة عمر رضی اللہ عنہ فی رمضان فقنت بعد النصف بعد الركوع وعن ابن سيرين كان ابی يقوم للناس على عهد عمر رضی اللہ عنہ فاذا كان النصف جهر بالقنوت بعد الركعة." پھر جب کہ ابی بن کعب کا اپنا مذہب یہ تھا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھا جائے اور اس طرح ان کا معمول تھا۔ یہ واضح دلیل ہے کہ یہ زیادتی "يقنت قبل الركوع" حدیث ابی بن کعب میں قطعاً نہیں۔ ورنہ صحابی ہرگز حدیث کے خلاف عمل نہ کرتا اور ایسی وضاحت ہوتے بھی مولوی صاحب اپنی ضد پر قائم اور زیادتی کو درست کہے گا۔ تب بھی اس کی ضد ہی اس کی گردن توڑے گی۔ کیونکہ ان کے حنفی اصول مطابق اگر کوئی صحابی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دے۔ یا عمل کرے تو وہ حدیث منسوخ تصور ہوگی۔ جیسا کہ درج بالا میں متعدد بار اسی قاعدہ حنفیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اب مولوی صاحب دونوں فیصلہ جات کے درمیان مختار ہیں۔ یا تو محدثین کا فیصلہ قبول کریں ان کی زیادتی کو ضعیف کہیں۔ اس روایت سے ہاتھ اٹھائیں یا پھر اس کو درست تسلیم کریں تو پھر اپنے احناف کا بھرم رکھتے اس کو منسوخ کہیں۔

من نگویم کہ این کن آن کن
مصلحت بین وکار آسان کن

مولوی صاحب کی پیش کردہ روایت ثابت نہ ہوئی ان کے بڑے زیلعی اس کا ضعیف ہونا قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ نصب الرائیہ صفحہ ۱۲۴۔۱۲۳ ج ۲۔ میں امام بیہقی اور امام ابو داؤد کا کلام اور تعلیل نقل کر کے اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتے اور حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر صفحہ ۱۸ ج ۲ میں امام ابو داؤد کا ان کو ضعیف کہنا نقل کر کے پھر فرماتے ہیں کہ "وسبق الیٰ ذالك ابن حنبل وابن خزیمة وابن المنزر وقال الخلال عن احمد لا یصح فیه عن النبی ﷺ شیء۔" پھر جس کے ضعیف ہونے پر ائمہ حدیث متفق ہوں۔ اس سے دلیل لینا کس طرح ٹھیک ہوگا؟ بلکہ وتر میں قنوت بعد الرکوع متعلق حدیث وارد ہے۔ جیسا کہ مستدرک حاکم صفحہ ۱۷۲ ج ۳۔ میں اس طرح ہے۔ "عن عائشة عن الحسن بن علی قال علمنی رسول الله ﷺ فی وتر اذا رفعت راسی ولم یبق الا السجود اللهم اهد نی فیمن هدیت وعا فنی فیمن عافیت الحدیث۔" اس کے بعد حاکم فرماتے ہیں کہ "هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین الا ان محمد بن جعفر بن ابی کثیر وقد خالف اسماعیل بن ابراهیم بن عقبة فی اسناده۔" اس کے بعد محمد بن جعفر بن ابی کثیر کی روایت لاتے ہیں۔ جس میں یہ لفظ نہیں ہیں "اذا رفعت راسی ولم یبق الا السجود" مگر یہ اختلاف مضر نہیں ہے اور نہ ہی ابی بن کعب کی روایت کے اختلاف جیسا ہے۔ اسی اختلاف کی بنا پر ابو داؤد نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اور ان کی تائید بیہقی نے بھی کی ہے اور اس کے علاوہ ائمہ حدیث امام احمد بن حنبل، ابن خزیمہ، ابن منذر بھی اس کو ضعیف کہتے ہیں اور اس حدیث کو امام حاکم صحیح کہتے ہیں۔ جس کا مطلب کے یہاں ایسا اختلاف نہیں ہے۔ جو روایت کو مضر ہو۔

ثانیاً:...... اسماعیل بن ابراہیم ابن عقبہ راوی جس نے یہ زیادتی بیان کی ہے۔ جیسا کہ تقریب التہذیب میں مذکور ہے اور وہ اپنے چچا موسیٰ بن عقبہ سے نقل کرتا ہے۔ جو مشہور ثقہ اور امام المغازی ہے اور وہ امام ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے والد عروہ سے اور اپنی خالہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ناقل ہیں۔ یہ سند بھی واضح ہے اور محمد بن جعفر بن ابی کثیر کی سند اس طرح ہے "حدثنی موسیٰ بن عقبه ثنا ابو اسحاق عن برید بن ابی مریم عن ابی الحوراء عن الحسن بن علی" اور ظاہر ہے کہ ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی ہے۔ جو مشہور مدلس ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر طبقات المدلسین صفحہ ۱۴ طبقہ ثالثہ میں اور حافظ ابن العجمی نے التبیین فی اسماء المدلسین صفحہ ۱۴ میں بیان کیا ہے اور یہاں عن سے روایت ہے۔

ثالثاً:...... خود ابو اسحاق متغیر الحفظ ہے اور آخر میں ان کا حافظہ خراب ہوگیا تھا اور حافظ ابن العجمی نے الاغتباط

بمعرفۃ من رمیٰ بالاختلاط صفحہ ۲۰ میں بیان کیا ہے۔ لہٰذا درج بالا روایت کی سند زیادہ قوی ہے اور اس کا متن بھی اس کے متن کے مخالف نہیں ہے۔ اس طرح خلفاء راشدین بھی قنوت بعد رکوع پڑھتے تھے۔ چنانچہ قیام اللیل صفحہ ۲۸۸ میں ہے۔ "حدثنا محمد بن یحییٰ ثنا ابراهیم بن حمزة ثنا عبدالعزیز بن محمد عن حمید عن انس قال کان رسول الله ﷺ یقنت بعد الرکعة وابو بکر وعمر حتی کان عثمان قنت قبل الرکعة لیدرك الناس." اس حدیث میں سے رسول اللہ ﷺ اور تین خلفاء کا عمل معلوم ہوا اور امیر عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ وقت بعد قنوت قبل الرکوع پڑھنا شروع کی اس لیے کاہل شخص اور لیٹ سے آنے والا رکعت کو پہنچ جائے اور ہم بھی سب روایات قنوت رکوع سے قبل یا بعد پڑھنا جائز تصور کرتے ہیں۔ مگر مولوی صاحب ہی ہیں جو کہ یکطرفہ قوت صرف کر رہے ہیں۔ نیز چوتھے خلیفہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے چنانچہ قیام اللیل کے اسی صفحہ پر ہے کہ وعن ابی عبدالرحمن ان علی رضی اللہ عنہ کان یقنت فی الوتر بعد الرکوع اور یہ روایت بیہقی صفحہ ۳۹ ج ۳۔ میں بھی مروی ہے اس سے عام صحابہ کا عمل بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ قیام اللیل کے اس صفحہ پر ہے "وعن ابی رافع صلیت خلف اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فکانوا یقنتون بعد الرکوع"

خلاصہ کلام:...... کہ صریح احادیث میں عام سلف کے عمل کے مطابق رکوع کے بعد قنوت پڑھنا افضل ہے اور بعض روایات واثرات میں رکوع سے قبل بھی قنوت پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا ہم اس کے مخالف نہیں قائل ہیں اور بسا اوقات اس پر عمل بھی کرتے ہیں، کیونکہ ہمارا مذہب مولوی صاحب کے مذہب کی مانند کوئی شخصی مذہب نہیں ہے۔ جو روایت مذہب کے موافق ملے اسے لیں اور جو خلاف ہو تو تاویلیں اور بہانے کر کے اس سے جان چھڑائیں بلکہ ہمارا مذہب ہی قرآن کریم اور حدیث رسول مقبول ﷺ ہے۔ پھر جب بھی کوئی حدیث ہمیں صحیح یا جرح وعلت سے سالم موصول ہوگی تو وہ ہمارا مذہب ہے۔ پھر چاہے کسی چھوٹے یا بڑے کا مذہب ہو یا نہیں۔

"کسی کا ہو رہے کوئی، نبی کے ہو رہیں گے"

صفحہ ۱۴۲:...... یہ عنوان قائم کرتے ہیں کہ "تیسری دلیل" اس کے تحت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ "حضرت عاصم احول رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دعائے قنوت متعلق دریافت کیا کہ رکوع سے قبل ہے یا بعد؟

جواب دیا کہ رکوع سے قبل یعنی پہلے۔ تحقیق حضور اکرم ﷺ نے ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت (نازلہ جو الگ چیز ہے) پڑھی تھی۔"

دعائے قنوت قبل الرکوع یا بعد الرکوع

جواب:......اولاً: اس روایت سے ثابت ہوا کہ قنوت رکوع کے بعد بھی ثابت ہے۔

ثانیاً:......خود مولوی صاحب بین القوسین یہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ واقعہ قنوت نازلہ کا ہے اور آگے تشریح کرتے ہیں کہ آپ نے کفار کے لیے بد دعا کی اور اسے خود مولوی صاحب وتر سے جدا چیز لکھتے ہیں۔ پھر اس میں سے وتر کے لیے استدلال کس طرح ثابت ہوگا؟ اور بصورت دیگر وتر کو نازلہ پر قیاس کرے تب بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں رکوع سے قبل خواہ بعد دونوں طرح قنوت پڑھنے کا بیان ہے اور ہم دونوں کو تصور کرتے ہیں لیکن مولوی صاحب ایک جانب (قبل الرکوع) کے قائل ہیں۔ لہٰذا بیان کردہ حدیث ان کے اپنے ہی مذہب کا کام تمام کرتی ہے۔

صفحہ ۱۴۳: پھر ایک عنوان قائم کرتے ہیں "قنوت کے دو انواع" یعنی مولوی صاحب اس عنوان کے تحت یہ ثابت کرنے کی تگ و دو کرتے ہیں کہ قنوت نازلہ اور قنوت وتر دونوں کے احکام جدا ہیں۔ حالانکہ خود یا ان کے بڑے قیاس کے قائل اور اس کے مؤید رہے ہیں۔ بلکہ حجج اربعہ یعنی دلیل شرعی چار کہتے ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس یعنی قیاس کو بھی دلیل شرعی کہتے ہیں۔ پھر ایسا کوئی قیاس دوسرا؟ کیونکہ دونوں نمازیں ہیں اور دونوں کی دعا کو قنوت کہا جاتا ہے۔ پھر ادھر کیوں نہیں قیاس استعمال کرتے؟

ثانیاً:......ہم مولوی صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ آپ نماز فجر میں قنوت کے قائل ہو؟ اگر ہو تو یہ بات آپ کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ ہدایہ اور فتح القدیر میں بیان شدہ ہے کہ آپ کے فقہاء اس کو منسوخ اور متروک کہتے ہیں اور گر قائل نہیں ہو اور اسے منسوخ یا متروک کہتے ہو تو پھر ایسی روایت کیوں پیش کی ہے؟

اس عنوان کے تحت مولوی صاحب قنوت الوتر اور قنوت نازلہ میں تین فرق بتلاتے ہیں۔

(۱) یہ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے ظاہر ہے کہ وتر کا قنوت قبل الرکوع ہے، جیسا کہ درج بالا عبارت سے واضح ہے۔

(۲) اور یہ قنوت جو رکوع کے بعد ہے۔ وہ قنوت نازلہ ہے۔

الجواب:......**اولاً:**......انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ رکوع سے قبل قنوت وتر میں تھا۔ یہ مولوی صاحب کی اپنی خوش فہمی ہے یا تو جان بوجھ کر حدیث میں الفاظ بڑھائے ہیں اور وضاع و کذاب لوگوں کے طریقہ کی اتباع کی ہے۔ بلکہ الفاظ صرف یہ ہیں کہ وسألت انس بن مالك عن القنوت فی الصلوٰة كان قبل الركوع او بعد " یہاں مطلق نماز کا بیان ہے نہ خاص وتر کا۔ مولوی صاحب نے

ترجمہ میں خیانت کی ہے۔ کہ صلوٰۃ کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔ کہ تحریر کرتے ہیں (دعا قنوت متعلق دریافت کیا) حالانکہ ترجمہ اس طرح ہے کہ نماز میں دعا قنوت متعلق دریافت کیا مولوی صاحب نے جان بوجھ کر لفظ صلوٰۃ کا ترجمہ ترک کر کے اپنا الوسیدھا کیا ہے۔ مگر اس قسم کی حرکت کرنے والے کبھی بھی کامیاب وکامران نہ ہوں گے۔ ﴿اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ﴾ (یوسف:۱۲) بلکہ اس میں تو مطلق نماز میں قنوت قبل الرکوع کا بیان ہے۔ لیکن خاص تکلیف اور مصیبت کے وقت بعد الرکوع کا ذکر ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کے استدلال کا اس روایت سے کوئی بھی تعلق نہ رہا۔ وھو الثانی

اور خواہ مخواہ وتر سے بھی تعلق رکھے گا تو پھر دونوں طریقوں کو جائز کہے۔ کیونکہ اس روایت کو وتر کے متعلق تصور کرے گا تو پھر رکوع سے قبل خواہ بعد دعاؤں کو تسلیم کرنا پڑے گا اور اگر کہے گا کہ وتر سے اس کا تعلق نہیں ہے تو ان کا استدلال ناکام اور دوسرا فرق یہ بتلاتے ہیں کہ ''قنوت نازلہ اور دعاءِ قنوت میں دوسرا فرق بھی ہے کہ قنوت نازلہ فرائض میں پڑھی جاتی ہے حالانکہ نماز وتر فرض نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔''

الجواب...... دونوں کیفیات میں دعا ہے جسے دعا قنوت کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ خاص فرق نہیں ہے۔ بلکہ سلف سے قنوت وتر میں بھی کفار کے لیے بددعا کی جاتی تھی۔ چنانچہ قیام اللیل صفحہ ۲۲۶ میں ہے ''وكان معاذ بن الحارث اذا انتصف رمضان لعن الكفرة'' اور صفحہ ۲۳۱ میں ابن عمر سے طویل دعا ہے۔ جس میں مؤمنین کے لیے مغفرت اور کفار کے لیے ہلاکت اور لعنت ہے۔ اس کے بعد ابن مسعود سے مذکور ہے کہ ''انه كان يوتر بهافي كل ركعة'' اور صفحہ ۲۲۳ میں ہے ''عن ابن شهاب كانوا يلعنون الكفرة في النصف الحديث'' لہٰذا وتر میں بھی قنوت نازلہ پڑھی جاسکتی ہے اور یہ تفریق بھی صحیح نہ رہی۔ اس مقام پر مولوی صاحب ابو داؤد سے ایک روایت پیش کرتے ہیں جس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ ''حضرت ایوب بن محمد فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں قنوت (نازلہ) پڑھی ہے کیا؟ تو جواب دیا ہاں پھر ان سے پوچھا گیا کہ رکوع سے قبل یا بعد فرمایا کہ رکوع کے بعد''

جواب:...... **اولاً**: اس حدیث میں صریحاً بیان ہے کہ رکوع کے بعد قنوت ہے اور یہ ہر نماز کے لیے خاص نہیں ہے۔ جیسا کہ درج بالا میں بحث گزری۔

ثانیاً:...... قنوت صبح کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ بخاری صفحہ ۱۳۶ ج۱۔ میں خود انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''قال كان القنوت في المغرب والفجر'' اور ابو داؤد صفحہ ۲۰۴ میں ہے ''عن ابن عباس قال قنت رسول الله ﷺ شهرا متتابعا في الظهر والعصر والمغرب والعشاء وصلوٰة الفجر في

دبر كل صلوٰة اذا قال سمع الله لمن حمده من الركعة الا خرة يدعو على احياء من بنى سليم على رعل وذكوان وعصية ويؤمن هن خلفه . " اب مولوی صاحب بتائیں کہ ان تمام نمازوں میں قنوت کا قائل ہیں اگر نہیں تو پھر ایسی روایات بیان کرنے سے انہیں کیا حاصل؟

ثالثاً:...... ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا عمل کثرت سے رہا ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب:

تیسرا فرق:...... اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ''دعا قنوت ہر روز نماز وتر میں پڑھی جاتی ہے اور قنوت نازلہ زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کے لیے پڑھی گئی تھی۔

جواب:...... اولاً: یہ کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ عمل تو وہی ہے پھر کوئی قلیل وقت کوئی زیادہ وقت۔

ثانیاً: ...... وتر کے متعلق بھی ثابت ہے کہ بعض سلف کا دائمی عمل نہ تھا جیسا کہ قیام اللیل سے بیان کیا گیا بلکہ صفحہ ۲۲۷ میں بعض سلف سے وتر میں قنوت پڑھنا منقول ہی نہیں ہے "قال ابو الشعثاء سالت ابن عمر عن القنوت فقال ما رايت احدا يفعله وعن ابى المهزم صحبت ابا هريرة عشر سنين فما رايته يقنت فى وتره وكان عروة لا يقنت فى شى عن صلوٰة ولا فى الوتر الا انه كان يقنت فى صلوٰة الفجر ۔" لہٰذا مولوی صاحب کی یہ تفریق ٹھیک نہیں ہے۔

ثالثاً:...... قنوت فی نفسہ کوئی فرض نہیں ہے جس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ لہٰذا اس کے کم بیش پائے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے اپنی تائید میں ابو داؤد سے یہ عبارت نقل کی ہے "ان النبى ﷺ قنت شهراً ثم تركه " لیکن اسی روایت میں نازلہ کا بیان ہے نہ نماز فرض کا اور نہ ہی وتر کا۔ پھر تو مولوی صاحب تمام نمازوں پر یہی حکم عائد کرے۔ وتر کے لیے بھی یہی فیصلہ کرے۔ کیونکہ الفاظ روایت عام ہیں۔ بلکہ اسی روایت سے مولوی صاحب والی تفریق ختم ہوگئی۔

صفحہ ۱۴۴:...... پھر لکھتے ہیں کہ اس راوی حضرت انس بن سیرین رحمہ اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس (حضرت انس بن مالک) نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز فجر پڑھی پھر جب حضور اکرم ﷺ نے دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھایا تو کچھ وقت (قنوت نازلہ پڑھنے کے لیے) کھڑے ہوگئے۔

جواب:...... **اولاً:**...... یہ واقعہ خاص ہے اور درج بالا روایت میں عام عمل کا بیان ہے۔

ثانیاً:...... اس روایت میں تو قنوت کا بیان ہی نہیں۔ خود مولوی صاحب نے بین القوسین یہ الفاظ کہے ہیں اور اصل روایت ابو داؤد میں صرف کھڑے ہونے کا بیان ہے۔ قنوت کا بیان نہیں ہے۔

ثالثا:......اس روایت میں انس کا نام نہیں ہے بلکہ الفاظ ہیں کہ "حدثنی من صلی مع النبی ﷺ اور اگر اس سے انس رضی اللہ عنہ مراد لیا جائے گا تو بھی مولوی صاحب کا استدلال تکمیل سفر نہ ہوگا۔ کیونکہ میں اس قنوت کا بیان ہی نہیں ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ ''دعائے قنوت نمازِ وتر کی تیسری رکعت کے رکوع سے قبل ہے اور قنوت نازلہ فرائض میں نماز فجر کی دوسری رکعت کے رکوع کے بعد ہے'' یہاں بھی مولوی صاحب نے کذب سے کام لیا ہے، حالانکہ روایت مسلم میں وتر کا بیان ہی نہیں بلکہ فرائض میں قنوت کا بیان ہے۔ مولوی صاحب نے صرف اپنی مذکورہ تفریق کو ثابت کرنے کے لیے لفظ وتر زائد کیا ہے اور اسی قنوت کے متعلق تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

اس کے بعد ایک عنوان قائم کرتے ہیں ''نمازِ وتر کی تعداد رکعات غیر مقلدین حضرات کا خیال'' اور اسی عنوان پر ہماری کتاب ضرب الیدین اور مولانا محمد عمر صاحب کی شرح مشکوٰۃ پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں کہ جو ہم نے لکھا ہے کہ ''وتر ایک رکعت سے تیرہ تک ہے'' اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے آسانی ہے'' مولوی صاحب کو اس پر اتنا غصہ آیا ہے اور ہوش وحواس کھو بیٹھے اور کیا سے کیا لکھتے ہی چلے گئے۔ حالانکہ سر اور جسم کا کینسر انہیں خود ہی کو ہے کہ اپنے مذہب کی پاسداری میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں بیان شدہ آسانی سے نفرت کر رہا ہے۔

صفحہ ۱۴۵:...... پھر وہی ابن عمر والی روایت پیش کرتے ہیں کہ "صلوٰة اللیل مثنیٰ مثنیٰ فاذا اردت ان تنصرف فارکع بواحدة توتر بذالك ما قد صلیت" حالانکہ اس کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مولوی صاحب نے اس روایت کی غلط معنی کی ہے اور اس میں تحریف کی ہے، کیونکہ روایت میں یہ صریح بیان ہے کہ ہر دو رکعات پر سلام ہے اور آخر میں ایک رکعت منفرد وتر ہے۔ پھر جب کہ مولوی صاحب کا معنی ہی غلط ثابت ہوا تو ان کی ساری تقریر لغو اور عبث ٹھہری اور جن احادیث میں واضح بیان ہے کہ وتر ایک رکعت۔ یا پانچ، سات، نو وغیرہ ہیں۔ انہیں مولوی صاحب کہاں کریں گے؟ مؤمن کا کام ہے کہ حدیث سن کر جلے اور فرار نہ ہو بلکہ سن کر خوش ہو کیوں حدیث بھی وحی الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ مؤمنین کی صفت بیان کرتا ہے کہ ﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (المائدہ) ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (الانفال) ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ (التوبہ) یہ ہے مولوی صاحب کا اجمالی جواب جس کا پول کھل گیا۔

صفحہ ۱۴۶:...... اس کے بعد پھر چند سوال کرتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ''کیا دو رکعت کے سلام پھیرنے

سے وہ نماز ختم نہ ہوگی۔"

چند اعتراضات کے جوابات

جواب: ...... اولاً: ...... سلام سے وہی نفل ختم ہوگا۔ جو شروع کیا گیا۔ مثلاً آپ احناف تراویح بیس رکعات پڑھتے ہو اور خود مولوی صاحب نے اس رسالہ میں اسی پر زور دیا ہے اب بتائیں کہ یہ بیس رکعات ایک ہی سلام سے پڑھتے ہو؟ یا ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے ہو؟ یقیناً ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے ہو۔ پھر اسے دس نمازیں کہو گے یا ایک کہو گے! وھو الثانی

ثالثاً: ...... اگر ساری نماز ایک ہی کہو گے اور تمام کو تراویح نام دو گے تو پھر اس صورت میں مولوی صاحب کا یہ سوال فضاؤں میں بکھر گیا۔ بلکہ اور تند ہواؤں نے اٹھا کے ان کے تھوپڑے میں مارا اور دوسری صورت میں آپ کے قاعدہ کے مطابق دس جدا نمازیں ہیں تو پھر تراویح کو کس نفل کا نام دو گے؟ بلکہ اس طرح آپ ہی کے قاعدہ کے مطابق بیس تراویح کا ثبوت ہی معدوم۔ وھو الرابع

بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس حدیث میں نماز دو دو رکعات ہے ہر دو رکعات پر سلام ہے اور آخر میں ایک رکعت جدا سلام سے ہے۔ اس مجموعی کا نام ہی صلاۃ اللیل ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے سر میں بڑا ناسور اکٹھا کیا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے آپریشن کر کے ان کا جمع شدہ مواد فاسد کھول کر دکھایا ﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (الزمر: ۲۲)

دوسرا سوال اس طرح کرتا ہے "کیا ایک نماز میں کئی سلام پھیرے جائیں جیسا کہ سات رکعات پڑھتے دو دو رکعات پر دو سلام اور بقیہ تین رکعات وتر پڑھی جائیں تو پھر بھی نماز وہی رہے گی۔"

جواب: ...... اولاً: اس کا جواب درج بالا سوال میں گزر چکا ہے کیونکہ دس سلام سے آپ کی نماز بیس رکعات تراویح کہی جائے گی تو پھر یہ نماز بھی کئی سلام کے ساتھ صلوٰۃ اللیل ہی کہی جائے گی۔

فما هو جوابكم فهو جوابنا .

ثانیاً: ...... یہ شرط صرف آخری نفل کے ساتھ ہے یا تمام نوافل کے ساتھ ہے؟ خود مولوی صاحب ابن عمر کی حدیث لا کر پھر لکھتے ہیں کہ "اس سے صاف ظاہر ہے کہ صلاۃ اللیل میں ہر دو رکعات پر سلام پھیرنا ہے۔ مگر آخر والی دو رکعات پر نہیں۔" (تحفۃ الحدیث صفحہ ۱۴۵)

اب قارئین مولوی صاحب کی علیت پر غور کریں کہ آخری نفل کے علاوہ بقیہ ابتدائی نوافل میں تین یا چار بار

سلام پھیرتا رہے تب بھی نماز ایک ہی رہے گی اور نماز ختم نہ ہوگی۔ لیکن اگر آخری نفل میں سلام پھیرا تو نماز ختم ہوگئی اور نمازیں دو تین ہوگئیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ثالثاً: ...... مولوی صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ وتر کو صلوٰۃ اللیل میں داخل کرتے ہیں۔ یا جدا کہتے ہیں؟ پہلی صورت میں اگر داخل کہتے ہیں تو پھر مولوی صاحب فضول سر مار رہے ہیں چاہے کتنے بھی سلام ہوں کیا ہوگا؟ نماز وہی ہوگی اور دوسری صورت میں اگر صلوٰۃ اللیل سے اس کو جدا شمار کرتا ہے تو پھر ہر حالت میں آخری نفل کے بعد سلام پھیرے یا نہ پھیرے ہر حالت وتر اس سے الگ رہا اور پہلی نماز اس سے الگ ہوکر ختم ہوگئی۔ مولوی صاحب کا سوال اسی کی گردن میں ہے۔

تیسرا سوال: ...... اس طرح نقل کرتے ہیں ''کیا نو رکعات پڑھتے وقت چھ رکعات پر تین سلام گیارہ رکعات پڑھنے پر چار سلام اور تین رکعت وتر اتنے سلام پھیرنے کے بعد بھی نماز وہی رہے گی؟

جواب: ...... اس کا بھی وہی جواب ہے کیونکہ بیس تراویح بمع دس سلام سے وہی ایک رہے گی یا دوسری؟ یہ سوال آپ ہی پر وارد ہوتا ہے اور اپنی تائید میں یہ روایت لکھتے ہیں۔ جو ان کے اپنے ہی مذہب کے خلاف ہے، چنانچہ ان الفاظ سے نقل کرتا ہے "عن علی عن النبی ﷺ قال مفتاح الصلاۃ الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم " اس حدیث میں دونوں جانب سے آپ ہی کی مخالفت ہے

اولاً: ...... تحريمها التكبير اس سے ظاہر ہے کہ اللہ اکبر کہنا فرض ہے اور اس کے علاوہ نماز میں داخل نہیں ہوا جاسکتا لیکن ہدایہ صفحہ ۱۰۰ ج ۱۔ میں ہے "فان قال بدل التكبير الله اجل او اعظم اوالرحمن اكبر اولا اله الا الله او غيره من اسماء الله تعالىٰ اجزاه عند ابی حنيفة " اب آپ کس کو مانو گے۔ حدیث کو یا امام صاحب کے قول کو؟

الثاني: ...... وتحليلها التسليم :...... اس سے واضح ہے کہ سلام کے غیر دوسری کوئی صورت نماز سے نکلنے کی نہیں ہے اور آپ کے مذہب کے مطابق سلام خواہ مخواہ لازم نہیں ہے بلکہ کوئی بھی کام کرے جو نماز کے منافی ہو تو اس سبب نماز سے نکل جائے گا۔ حتیٰ کہ کلام کرے نہ کرے یا جان بوجھ کر ہوا خارج کر کے نکلے تب بھی آپ کی فقہ کے مطابق نماز درست ہوگی۔ جیسا کہ درج بالا آپ کی ہدایہ صفحہ ۱۳۰ ج ۱۔ سے عبارت نقل کی گئی۔

پھر جس حدیث کو آپ خود ہی نہیں مانتے۔ اس کو کس منہ سے پیش کرتے ہو۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ سلام پھیرنے سے نماز ختم اگر ختم کی معنی یہی ہے تو پھر آپ بیس رکعت تراویح ایک ہی سلام سے پڑھو۔ جب

آپ تراویح شروع کرتے ہو تو پھر ابتدائی دو رکعات کے سلام پر آپ کے فیصلہ کے مطابق تراویح تو ختم ہوئی۔ پھر آگے کیا پڑھتے ہو اور تراویح بیس رکعات کس طرح پڑھو گے۔ اگر کہتے ہو کہ پوری کا نام تراویح ہے۔ اس میں چند نوافل ہیں اور ہر دو رکعات پر سلام پھیرنا ہے اور مجموعی کا نام تراویح ہے تو وہی جواب یہاں بھی پیش کیا جائے گا تو ساری نماز صلوٰۃ اللیل ہے اور ہر دو رکعات پر سلام ہے اور آخر میں ایک رکعت وتر ہے اور مجموعی کا نام صلوٰۃ اللیل یا قیام اللیل ہے۔

پھر مولوی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ "سوال یہ ہے کہ غیر مقلد حضرات تمام ذخیرہ احادیث میں سے ایک مثال پیش کریں کہ دو، تین، چار، سلام بڑھانے کے بعد بھی حضور اکرم ﷺ نے اسے وہی نماز قرار دیا ہے۔"

جواب:...... اس کے لیے ہمیں مکمل ذخیرہ احادیث دیکھنے کی حاجت نہیں، مثال معروف "وكلموا الناس على قدر عقولهم" بموجب آپ کے علم مطابق آپ سے ہم کلام ہیں، خود آپ کی نقل کردہ حدیث ابن عمرؓ ہی آپ کے لیے کافی ہے۔ جس میں الفاظ ہیں کہ "صلوٰه الليل مثنىٰ مثنىٰ فاذا اردت ان تنصرف فاركع بواحدة توتر بذالك ما قد صليت."

اب اس روایت میں ہر دو رکعت پر سلام ہے۔ آخر میں ایک رکعت وتر ہے اور مولوی صاحب بھی آخری نفل کے علاوہ بقیہ دو رکعات پر سلام قبول کرتا ہے۔ پھر یہ مجموعی نماز جس میں تین یا چار یا اس سے زائد سلام ہیں وتر بھی ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے اس مجموعیت کو صلوٰۃ اللیل کا نام دیا ہے۔ جیسا کہ اس سلام والی نماز کو تراویح کا نام دیتے ہو۔ اس کے لیے بھی کوئی دلیل ہے؟ ایک حدیث میں وارد ہے کہ "من قام رمضان ایماناً واحتساباً عفر له ماتقدم من ذنبه" (البخاری وغیرہ) اب مولوی صاحب بتائے کہ یہ قیام رمضان والی نماز ایک سلام سے ہے۔ یا اس میں ایک سے زائد سلام ہیں۔ پھر اس مجموعیت کو قیام رمضان کس طرح کہو گے؟ اور درج بالا حدیث پر عمل کرنے کی صورت کیسی ہوگی؟ اپنے مذہب کے خلاف مکمل نماز ایک سلام سے پڑھے گا۔ یا اس میں تین یا چار سلام زائد پھیر کر اپنے اعتراض کی خود کمر توڑے گا۔

الحاصل:...... قارئین نے مولوی صاحب کی علیت دیکھی اور ان کے اعتراض کی حیثیت سے بھی روشناس ہوئے۔

خلاصہ کلام:...... یہ نکلا کہ تین رکعات وتر بھی سنت ہے اور اس سے کم ایک رکعت یا تین سے زائد پانچ، سات، نو، گیارہ، تیرہ، تمام سنت اور حق ہیں۔ تمام حدیث میں مذکور ہیں۔ اس لیے اہلحدیث اس کو حق کہتے ہیں۔ مگر چونکہ فقہ حنفیہ والے صرف تین کے قائل ہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب اس کو حق کہتے ہیں۔ بقیہ اور عدد جو حدیث میں مذکور ہیں۔ انہیں نہیں مانتے۔

اب ناظرین انصاف کریں کہ مولوی صاحب حدیث کو مانتے ہیں یا فقہ کو؟ ان دلائل سے یہ بھی ثابت کیا گیا کہ تین رکعات وتر نماز مغرب کی مانند پڑھنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی منع وارد ہے۔ لہٰذا درمیان میں دو رکعات پر قعدہ کرنا اور غیر سلام کے اٹھ کر تین رکعات پڑھنا یہ طریقہ خلاف حدیث ہے بلکہ تین رکعت وتر پڑھنے کے متعلق حدیث مبارکہ سے بھی طریقہ کار ثابت کیا گیا اور ان پر سلف صالحین صحابہ اور تابعین کا عمل رہا۔ یہ کہ دو رکعات پڑھ کر سلام پھیرے تیسری جدا رکعت پڑھے اور دوسرا یہ کہ تینوں رکعات اکھٹی غیر بین قعدہ کے پڑھی جائیں اور ان دونوں طریقوں سے پڑھنا نماز مغرب سے مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی حدیث کی مخالفت لازم آئے گی۔ مولوی صاحب کوئی ایک حدیث پیش کرے جس میں صریح الفاظ ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین رکعات اس طرح پڑھیں۔ جیسا کہ مولوی صاحب اور اس کے بڑوں کا مذہب ہے۔ یعنی دو رکعات پڑھ کر قعدہ کرے پھر غیر سلام کے کھڑے ہو کر تیسری رکعت پڑھے اور آپ نے اسے پسند فرمایا ہو۔ یا اس سے منع نہ فرمایا ہو۔ ایسا ثبوت مولوی صاحب ان شاء اللہ تا قیامت تک نہیں دے سکیں گے۔

”ولم كان بعضهم لِبعضٍ ظهيراً“ بحمد لله

وتر کی بحث اپنے اختتام کو پہنچی۔

مسئلہ
4
نمازِ تراویح

صفحہ ۱۴۷:...... ''غیر مقلد حضرات کے دلائل اور ان کی حقیقت'' اس عنوان کے تحت مولوی صاحب ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا والی معروف روایت ''ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ احدیٰ عشرۃ لرکعۃ '' نقل کرتے ہیں۔ یہ روایت جس قدر اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اسی قدر اپنے مطلب میں واضح ہے۔ اس حدیث پر ائمہ حدیث نے جو ابواب قائم کیے ہیں ان پر غور کرنا چاہیے۔ چنانچہ امام بخاری اپنی صحیح صفحہ ۱۵۴ ج ۱۔ اسی حدیث پر یہ باب رکھتے ہیں ''باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ، اور صفحہ ۲۶۹ ج ۱۔ میں یہ باب قائم کرتے ہیں۔ ''باب فضل من قام رمضان '' اس باب کے تحت بھی یہی حدیث لاتے ہیں اور امام کرمانی شرح البخاری صفحہ ۱۵۲ ج ۹۔ میں اس گذشتہ باب کی شرح میں فرماتے ہیں۔

''باب فضل من قام رمضان اتفقوا علی ان المراد بقیا مہ صلوۃ التراویح اور علامہ لکھنوی التعلیق الممجد صفحہ مذکورہ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ''قول قیام شھر رمضان یسمی التراویح '' اس طرح علامہ خلیل احمد سہارنپوری حنفی حاشیہ بخاری میں اس باب کے تحت لکھتے ہیں اور امام بیہقی السنن الکبریٰ صفحہ ۴۹۵ ج ۲۔ میں باب قائم کرتے ہیں۔ ''باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان'' اور اس باب میں سب سے پہلے یہی حدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی لاتے ہیں اور آپ کے مذہب حنفیہ کے امام محمد بن حسن الشیبانی اپنی موطا (موطا محمد) صفحہ ۱۴۱ میں اس طرح باب قائم کرتے ہیں ''باب قیام شھر رمضان ومافیہ من الفضل '' اور اسی باب کے تحت اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں۔ امام ابن خزیمہ صفحہ ۳۴۱ ج ۳۔ میں اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''باب ذکر عدد صلوٰۃ النبی ﷺ باللیل فی رمضان والدلیل علی انہ لم یکن یزید رمضان علی عدد رکعات باللیل ماکان یصلی من غیر رمضان . ''

الحاصل: ...... یہ حدیث اپنے مطلب میں واضح ہے۔ اس پر مولوی صاحب دو طرح سے بحث کرتے ہیں۔ نمبر ۱، اجمالی نمبر ۲، تفصیلی۔

صفحہ ۱۴۸:...... میں عنوان قائم کرتا ہے ''اجمالی نقشہ'' اور اسی کے تحت بحث کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ حصہ اول کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ ''خود غیر مقلدین حضرات اس حدیث کی گیارہ طریقوں

سے مخالفت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود احناف حضرات پر اس حدیث کی مخالفت کا بہتان لگاتے ہیں "نعوذ بالله منھا" بھینس اپنی سیاہی کو نہ دیکھے! گائے کو کہے چل سیاہ دم والی!!!

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت پر تبصرہ

الجواب :...... یہاں نام گیارہ کا لیا ہے۔لیکن بیان صرف آٹھ مخالفتوں کا ذکر کیا ہے اور بقیہ تین آگے ذکر کرے گا۔ان میں بھی کوئی ایسی مخالفت نہیں جس کا الزام اہلحدیث پر وارد ہو۔عنقریب تفصیلی بحث کے بعد معلوم ہوگا۔مولوی خود کو سیاہ دم کی مانند گائے تصور کرتا ہے مگر ہے سیاہ پورا سیاہ، ہم آخر میں ثابت کریں گے کہ خود مولوی صاحب اور اس کے بڑے اس حدیث کے کس قدر مخالف ہیں۔ دوسرے حصے میں رقم کرتے ہیں کہ "اس حدیث میں اگر چہ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات کا بیان ہے لیکن خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سات ،نو اور تیرہ رکعات بھی بیان کرتی ہیں۔الخ"

الجواب...... اولاً: الحمد للہ مولوی صاحب نے یہ تسلیم کیا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کے قیام اللیل کا عدد وہی ہے جو اسی حدیث میں مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے قلم سے یہ الفاظ حق تحریر کروادیے ہیں۔ اب چاہے کتنا بھی سر مارے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔

ثانیاً :...... ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو سات یا نو کا عدد ذکر کیا ہے۔ وہاں یہ بیان کیا ہے کہ یہ سات یا نو، رکعات وتر ہیں اور اس حدیث میں وتر تین رکعات کہتی ہیں اور بعض روایات میں ایک رکعت کہتی ہیں۔" جیسا کہ درج بالا میں گزرا۔ پھر تو یہ کمی وتر سے رہی۔لیکن قیام اللیل متعلق بی بی صاحبہ کوئی بھی اختلاف بیان نہیں کرتیں پھر مولوی صاحب خواہ مخواہ فضول اعتراض کیوں کرتے ہیں۔

ثالثاً :...... اگر وتر میں اختلاف ہے تو وہ مختلف حالات پر محمول ہے۔ کیونکہ تمام اعمال رسول اللہ ﷺ حق ہیں۔ یہ آپ کا ایمان ہے کہ آپ کے اس فعل کو لیتے ہو، جو آپ کے مذہب کے موافق ہے۔اور دوسروں کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ تاویلات سے رد کرنے کی کوشش کرتے ہو لیکن اہلحدیث رب العالمین کے فضل سے جو بھی رسول اللہ ﷺ سے احادیث صحیحہ میں افعال منقول ہیں۔ ان تمام کو حق تسلیم کرتے ہیں اور تمام پر نوبت بنوبت عمل کرتے رہتے ہیں۔ مولوی صاحب کو چاہیے کہ حنفیت کی چار دیواری سے نکل کر حلقہ اہلحدیث میں آکر ان کے ساتھ نماز پڑھے تو اسے پتا چلے کہ یقیناً واقعی وہ آپ ﷺ کے تمام افعال پر عمل پیرا ہیں کہ نہیں؟ ہاں! اہلحدیث صرف اس حدیث کو نہیں مانتے جو ضعیف یا معلول ہو اور سند صحیح سے رسول اللہ ﷺ تک رصد نہ کرے۔ وھو الرابع

خامساً: ......ابن عباس کی روایت میں تو تصریح ہے کہ دو رکعات زائد فجر کی سنت ہیں۔ پھر کس چیز کا تعارض بلکہ اصل تعداد اپنے مقام پر قائم ہے۔

سادساً: ...... یہ تو مولوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کی روش ہے۔ جو ایک حدیث کو لیں گے جو ان کے مذہب کے موافق ہو۔ پھر چاہے اعلیٰ طبقہ کی ضعیف ہو۔ تب بھی اس کو ترک نہیں کریں گے مگر دوسری کئی صحیح اور صریح احادیث جو ان کے مذہب کے خلاف ہوں انہیں تسلیم نہیں کرتے اور ہم بفضل اللہ تعالیٰ وتر کے تمام طریقہ کار جو صحیح احادیث میں مروی ہیں، وہ مانتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ جن کے تمام اسوہ بہترین اور پسندیدہ ہیں اور نقل کرنے والے تمام صحابہ سچے اور معتبر ہیں۔

اب ناظرین انصاف کریں کہ مولوی صاحب جس تعصب کے مرض میں مبتلا ہیں اس کا الزام اوروں کو کس طرح دیتے ہیں؟ اور تیسرے حصے میں لکھتے ہیں کہ ''اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں حضور اکرم ﷺ کی نماز تہجد کا بیان ہے، نہ کہ تراویح''

تہجد کا تراویح ایک نماز ہے

الجواب: اولاً: ...... یہ فرق مولوی صاحب نے اپنی طرف سے کیا ہے۔ بلکہ حدیث میں ایسے الفاظ نہیں ہیں

ثانیاً: ......مولوی صاحب کوئی بھی ایسی حدیث دکھائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح اور تہجد الگ دو نمازیں پڑھیں ہوں اور ایسا ثبوت قطعاً نہیں دے سکتے۔ اس لیے یہ فرق کرنا بناوٹی اور من گھڑت جھوٹ ہے۔

ثالثاً: ...... حدیث میں لفظ تراویح کا تو نام ہی نہیں ہے صرف قیام اللیل کے لفظ وارد ہیں۔ پھر یہ ایک ہی نماز ہے دو نہیں ہیں بلکہ بی بی عائشہ صدیقہ رمضان خواہ غیر رمضان میں یہ ایک نماز بتلاتی ہیں۔ وھو الرابع

خامساً: ......آپ کے پیشوا مدرسہ دیوبند کے استاد سید انور شاہ کشمیری نے آپ کا کام تمام کر دیا ہے۔ چنانچہ العرف الشذی صفحہ ۳۰۹ میں لکھتے ہیں کہ "ولا مناص من تسليم ان تراويحه عليه السلام كانت ثمانية ركعات ولم يثبت فى رواية من الروايات انه عليه السلام صلى التراويح والتهجد عليحدة فى رمضان بل طول التراويح وبين التراويح والتهجد فى عهده عليه السلام لم يكن فرق فى الركعات ." شاہ صاحب کی عبارت سے مزید چار جواب معلوم ہوتے ہیں:

اولاً: ...... یہ تو کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں تراویح اور تہجد دو

جدا نمازیں پڑھیں ہوں۔ پھر مولوی صاحب جیسے بیچارے کہاں سے ثابت کر سکیں گے۔

ثانیاً: ...... بلکہ خود نماز تراویح کو طول دیتے تھے۔ جس کی معنی ظاہر ہے کہ ایک ہی نماز ہے دوسری کے لیے کوئی وقت ہی نہیں ہے۔

ثالثاً: ...... آپ کے مبارک دور میں تہجد و تراویح کی رکعات میں کوئی فرق ہی نہ تھا۔

رابعاً: ...... یہ ایسی حقیقت ہے کہ اسے تسلیم کیے بغیر دوسرا کوئی راستہ ہی نہیں اور نہ کوئی راہ فرار۔ پھر مولوی صاحب بیچارے کو کہاں سے راہ فرار ملے گی۔ خود ہی اپنی کرتوں توں میں اٹکا ہے۔ اس پانچویں جواب میں چار جواب مذکور ہیں۔ ابتدائی چار سے ملکر آٹھ ہوئے۔

تاسعاً: ...... امام کرمانی کے قول سے معلوم ہوا کہ اسی قیام اللیل سے مراد بالاتفاق صلوٰۃ التراویح ہے۔ جسے آپ کے حنفی علامہ خلیل احمد سہارنپوری نے بھی تسلیم کیا ہے۔ پھر کس طرح مولوی صاحب کہتا ہے کہ حدیث میں تہجد کا بیان ہے، نہ کہ تراویح؟

عاشراً: ...... عائشہ صدیقہ کی حدیث میں لفظ تھجد نہیں اور نہ تراویح اور نہ ہی مولوی صاحب نے ترجمہ میں ایسے لفظ ذکر کیے ہیں۔ بلکہ مولوی صاحب ترجمہ میں لکھتا ہے کہ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جواب میں فرماتی ہیں کہ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زائد نہ پڑھتے تھے'' ثابت ہوا کہ مولوی صاحب نے بے جا ایسا تکلف کیا ہے۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

الحادي عشر: ...... اس حدیث میں سائل ام المومنین سے سوال ہی یہ کرتا ہے کہ ''کیف کان صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فی رمضان'' اور مولوی صاحب ترجمہ کرتا ہے کہ ''سوال کیا کہ حضور اکرم ﷺ کی رمضان مبارک میں نماز کس طرح ہوتی تھی''؟ اس سے واضح ہے کہ سائل کا سوال خاص رمضان کی عبادت کے متعلق تھا نہ کہ سال کے عام ماہ کے متعلق پھر اگر رمضان میں اس کے علاوہ اور عبادت ہوتی تو ام المومنین ضرور بیان کرتیں۔ بلکہ صرف یہی جواب دینا ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ ایک ہی نماز تھی دو الگ نمازیں نہ تھیں جیسا کہ مولوی صاحب کا گمان ہے۔ وھو الثانی عشر

علامہ محمد یوسف بنوری معارف السنن شرح الترمذی صفحہ ۵۴۳ ج ۵۔ میں تحریر کرتا ہے کہ ''ولم یثبت فی الروایة انه ﷺ التراویح والتهجد علی حدة فی رمضان فلم یکن فی عهده ﷺ فرق بین التهجد والتراویح .'' اس کے بعد عنوان قائم کرتے ہیں کہ ''تفصیلی بحث'' اور اسی تفصیلی بحث کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلے حصے میں کہتے ہیں کہ ''غیر مقلدین حضرات خود حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ مرتبہ مخالفت کرتے ہیں۔''

جواب: ......اولاً: گیارہ کے بجائے صرف آٹھ نقل کرتے ہیں اور وہ بھی کتنے ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور پھر بار بار وہی باتیں تحریر کرتے ہیں صرف نمبر بڑھانے کے لیے آٹھ مخالفتیں شمار کیں ہیں۔

ثانیاً:...... الحمد للہ ان آٹھ میں سے کسی بھی مخالفت کا الزام اہلحدیث پر نہیں عائد ہوسکتا بلکہ کئی الزام ان پر اور ان کے مذہب والوں پر عائد ہوتے ہیں جو کہ ان شاء اللہ تفصیلی جواب سے معلوم ہوں گے۔

ام المومنین والی روایت پر مولانا صاحب کے اعتراضات اور ان کے شافی جوابات

پہلی مخالفت:...... اس طرح لکھتے ہیں کہ "ایک طرف غیر مقلد حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث عائشہ میں رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعات اور تین رکعات وتر مجموعی رکعات گیارہ ہوئیں زائد نہیں ہیں۔ اور پھر اسی وقت یہ بھی کہتے ہیں کہ وتر پانچ رکعات بھی ہیں اب آٹھ اور پانچ گیارہ یا تیرہ؟ دونوں باتوں میں سے لازماً ایک غلط ہوگی۔"

جواب:......اولاً: ہم پانچ یا اس سے زائد کے قائل ہیں تب بھی بسبب حدیث کے خود بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا یہی عدد بیان کرتی ہیں اور ہم تمام کو حق تسلیم کرتے ہیں نہ کہ مولوی صاحب کی مانند ایک حدیث کو مانیں اور دوسری کا انکار کریں۔ وھو الثانی

ثالثاً:...... یہ مختلف تعداد ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ مختلف حالات کی خبر دی گئی ہے۔ کیونکہ اصولیین یہ قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ افعال میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ پھر جب تعارض ہی نہ رہا تو پھر مولوی صاحب کا یہ کہنا بے سود ہوا کہ دونوں باتوں میں سے ایک ضرور غلط ہوگی۔ وھو الرابع

خامساً:......ہم اس حدیث کے مخالف نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم بھی تین رکعت وتر کے قائل ہیں اور خود پڑھتے ہیں۔ تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے، بلکہ مولوی صاحب اور اس کے پیالہ بھائی اس حدیث کے خلاف ہیں۔ جو حدیث میں وتر کے علاوہ آٹھ رکعات کی تعداد مذکور ہے، مگر وہ اسے نہیں تسلیم کرتے۔ وھو السادس.

صفحہ ۱۴۹:...... **دوسری مخالفت:**...... اس طرح بیان کرتے ہیں۔ "ایک طرف رمضان وغیر رمضان میں اس حدیث کی بنیاد پر گیارہ رکعات کہتے ہیں لیکن زائد ہرگز تسلیم نہیں کرتے۔ دوسری جانب پھر لکھتے ہیں کہ وتر سات رکعات بھی ہیں۔ آٹھ اور ساتھ پندرہ یا گیارہ؟ پھر یا تو یہ حدیث غلط یا ان کی دعویٰ سات رکعات وتر غلط؟

جواب:...... اولاً: اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ وہی سوال ہے جس کا جواب گزر چکا۔

ثانیاً: ...... یہ مولوی صاحب مذہب اہل حدیث سے اپنی لاعلمی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ کیونکہ ہم اس طرح نہیں کہتے کہ صلوٰۃ اللیل مع الوتر گیارہ رکعات سے زائد نہیں ہے اور نہ ہی دوسرا اہل حدیث اس طرح کہے گا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا مختلف روایات میں صرف وتر کی رکعات کو کم وبیش بیان کرتی ہیں۔ لہٰذا اصل صلاۃ اللیل وتر کے علاوہ آٹھ رکعات سے زائد نہیں ہے۔ کیونکہ جب ام المومنین رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات سے زائد نہ پڑھتے تھے۔

(۲) اور خود ان گیارہ رکعات میں سے تین رکعات وتر شمار کرتی ہیں۔

(۳) اور خود ہی کچھ احادیث میں ایک رکعت وتر بیان کرتی ہیں اور خود ہی کچھ احادیث میں تین سے زائد پانچ، سات، نو، اور اس سے زائد بھی کہتے ہیں۔ نتائج واضح ہیں اور رات کی نماز کو صلوٰۃ اللیل کہیں یا قیام اللیل، تہجد کہیں یا تراویح یا قیام رمضان آٹھ رکعات ہیں، اور "ماکان یزید" میں جو انکار مذکور ہے۔ اس کا تعلق اس نماز سے ہے۔ وتر اس کے ساتھ متصل نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے لیے کم وبیش خود ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ وھو الثالث

ورابعاً :......مولوی صاحب کا یہ اعتراض ہم پر نہیں ہے بلکہ ام المومنین پر ہے کیونکہ خود ہی کہتی ہیں کہ گیارہ سے زائد نہ پڑھتے تھے اور اس میں وتر بیان کرتی ہیں اور زائد رکعات بھی خود ہی بیان کرتی ہیں تو پھر نعوذ باللہ۔ مولوی صاحب حدود خلق پھلانگ کر حدیث کی مخالفت کا الزام ام المومنین رضی اللہ عنہا کو دے رہے ہیں۔ یہ بد خلقی ان سے مذہبی تعصب نے کروائی ہے۔ چوٹ ایک کو مارتے ہیں لگتی کسی اور کو ہے؟ وھو الخامس

سادساً: ......اب معاملہ ہم سے بالا ہو کر ام المومنین تک پہنچا اور قرآن میں ہے کہ ﴿وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ (الاحزاب) پھر اگر مولوی صاحب خود کو مسلمان تصور کرتے ہیں تو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بھی ماں ہیں پھر جو بھی ماں کی طرف سے جواب دے وہ ہی ہماری طرف سے تصور کرے۔

سابعاً: ......اس صورت میں مولوی صاحب دو باتوں میں با اختیار ہیں یا تو ام المومنین کی تمام روایات میں تطبیق دے اس کی صورت یہ ہی ہے۔ جو ہم نے بیان کی یعنی اصل نماز صلوٰۃ اللیل آٹھ رکعات ہیں۔ بقیہ رکعات وتر کم وبیش ہوتی رہتی ہیں اور یا تو دوسری صورت یہ ہے کہ ام المومنین کی روایات کو متعارض تصور کرے۔ پھر اس صورت میں بھی دو صورتیں ہوں گی۔ یا تو پھر دامن ادب ترک کرے ایک نقل کو سچا اور معتبر تصور کرے اور نقل ثانی کو باطل یا جھوٹا کہے۔ "معاذ اللہ" کوئی بھی مسلم ایسا عقیدہ نہ رکھے گا اور صورت ثانی یہ ہے کہ اپنے قواعد فقہیہ پر عمل کرے کہ "اذا تعارضتا تساقطتا" اور تمام روایات کو ترک کر دے پھر تو مولوی صاحب کا اعتراض ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ کیونکہ اصل صلوٰۃ اللیل کی رکعات متعلق تو ام المومنین سے مختلف روایات نہیں

ہیں۔ جو ایک میں آٹھ رکعات ہوں تو دوسری میں اس سے زائد اس صورت میں جو عدد مسنون یعنی جو اہلحدیث کا مذہب ہے تو پھر وہ کس شبہ اور اعتراض پر قائم اور ثابت رہا۔ بقیہ رہا اختلاف وتر کی رکعات میں تو ان تمام روایات کو مولوی صاحب ساقط تسلیم کرتا ہے تو پھر اس کا اعتراض ہی ختم کیونکہ اس کا بنیاد وتر کے متعلق مختلف روایات پر ہے۔ پھر جب ان تمام کو ترک کرتا ہے تو پھر کوئی اعتراض ہی نہیں۔ وھو الثامن .

وتاسعاً :...... ہم تو الحمدللہ تمام احادیث پر عمل کر کے مزہ لیتے ہیں، مگر آپ کو مزہ اسی روایت میں آتا ہے جو آپ کے مذہب کے موافق ہو پھر چاہے ضعیف اور بے ثبوت ہی کیوں نہ ہو۔ دیگر احادیث صحیحہ، ثابتہ میں آپ کو مزہ نہیں آتا۔

بادہ یثرب بھلائی جیفہ کوفی میں کر دیا
زاغ لاءِ زینت نہ تھیند و باغ و بوائیں نم حدیث

عاشراً :...... حالانکہ خود مولوی صاحب اسی حدیث میں سے تین رکعات وتر پر استدلال کرتے ہیں۔ مگر صلوٰۃ اللیل کی تعداد جو اسی حدیث میں مذکور ہے اسے تسلیم نہیں کرتا اور اگر مولوی صاحب کو بیس ہی رکعات پڑھنے کا شوق ہے تو پھر بھی سنت کے مطابق پڑھے تو پڑھ سکتے ہیں۔ مثلاً آٹھ رکعات صلوٰۃ اللیل یا تراویح اور تیرہ رکعات وتر پڑھیں جملہ اکیس رکعات ہوں گی۔ وتر کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھیں تب بھی تیئیس رکعات ہوں گی۔ مگر سچ ہے کہ حرم کو بندہ لات ومنات کیا جائے۔

مولوی صاحب کو اپنے بڑوں کے مذہب پر چلنا ہے۔ ان کے کہنے پر تیئیس پایہ تکمیل کو پہنچانی ہیں۔ وہ بھی اس طریق سے جیسا کہ اس کے بڑوں نے لکھا ہے۔ سنت سے لاتعلق ہیں ہم بمطابق سنت ایک وتر کے ساتھ ''نو'' بھی پڑھتے ہیں کیونکہ بی بی عائشہ کی اس حدیث میں گیارہ سے کم کی نفی نہیں ہے اور کبھی ہم تین رکعات وتر ملا کر گیارہ رکعات مکمل کرتے ہیں۔ کبھی پانچ ملا کر تیرہ کرتے ہیں اور کبھی سات ملا کر پندرہ تو کبھی نو ملا کر سترہ، تو کبھی گیارہ ملا کر انیس تو کبھی تیرہ ملا کر اکیس پڑھتے ہیں۔ باری باری تمام احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا منہج ہی حدیث ہے۔ لیکن مولوی صاحب کی مانند جو خاص ایک مذہب کے پھندے میں پھنسے ہیں۔ انہیں حدیث کی کیا قدر

قدر جو پرشہ بداند یا بداند جو بری
قدر گل بلبل بداند یا بداند عنبری

جب آپ نے پیشوا ہی اپنے دوسرے بنائے ہیں تو پھر آپ کا حدیث سے کیا تعلق۔ ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کی امامت وقیادت اور رشد وہدایت کافی ہے۔

ما بلبلیم نالاں گلزار ما محمد

ما نز نسیم حیران دیدار ما محمد

تیسری مخالفت:...... اس طرح تحریر کرتے ہیں "اک لحہ کہتے ہیں کہ رمضان خواہ غیر رمضان میں وتر کے علاوہ آٹھ رکعات ہیں اور تیسری رکعت وتر مجموعی گیارہ رکعات ہیں۔ پھر اسی لمحے...........الخ

الجواب:...... یہ بھی وہی سوال ہے۔ مولوی صاحب گھما گھما کر بات پیش کر رہا ہے۔ شاید اپنی بات نہیں سمجھ رہا۔ ہم بار بار واضح کر چکے ہیں کہ وتر کی جو بھی رکعات احادیث میں ہیں۔ ہم ان تمام کو تسلیم کرتے ہیں۔ آپ ہی تو ہو جو ایک عدد کے علاوہ دوسرا نہیں مانتے۔ اس کے علاوہ کم وبیش کا اختلاف صرف رکعات وتر میں ہے۔ بقیہ اصل نماز یعنی قیام اللیل یا تراویح یا قیام رمضان ان کی رکعات میں کوئی بھی اختلاف نہیں ہے۔

چوتھی مخالفت:...... اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ "درج بالا حدیث میں صلوٰۃ اللیل وتر کے غیر آٹھ رکعات اسی طرح وتر نماز غیر مقلدین کے کہنے کے مطابق گیارہ رکعات بھی ہیں" الخ۔

الجواب...... پھر بھی وہی جواب اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ تجھے ہوش عطا کرے، کہ بات کو خود سمجھ۔ اچھا اگر آٹھ تراویح اور گیارہ وتر جمع انیس رکعات ہوئیں پھر بھی بمطابق سنت شکر ہوا کہ آپ پرائمری کی ریاضی سے آشنا ہیں۔ مگر آپ کو تو سنت اور بدعت کا فرق ہی معلوم نہیں۔ جو طریقہ رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہے وہ سنت ہے اور اس پر عمل باعث ثواب ہے۔ مگر جو آپ اپنی رائے سے یا بڑوں کی اطاعت میں تجدید کرو اس کا کوئی مسلمان پابند نہیں ہے، اہل حدیث تمام پر عمل کرتے ہیں، لیکن آپ پر الزام ٹھیک ہے کہ صرف تین والی روایت کو لیتے ہو اور یہ آپ کے مذہب کے موافق ہے مگر دوسروں پر عمل نہیں کرتے۔

پانچویں مخالفت:...... اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ "حدیث عائشہ جو غیر مقلدین حضرات کی بنیادی دلیل ہے۔ اس میں تین رکعات وتر کی علاوہ رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعات کا بیان ہے۔" الخ

جواب:...... **اولاً:** چاہے مجموعی اکیس رکعات ہوں مگر سنت کے تحت ہیں۔ مگر آپ کی تیئس رکعات سنت کے تحت نہیں بلکہ اپنے مذہب کے تحت ہیں ﴿فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

ثانیاً:...... وتر کے تمام طریقہ جات ایک سے تیرہ رکعات تک رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور اہل حدیث سب کو سنت کہتے ہیں۔ پھر جو شخص قائل سنت ہے۔ وہ کبھی تین رکعات وتر پڑھتا ہے تو اور احادیث کا مخالف نہ کہا جائے گا۔ اور کبھی ایک رکعت پڑھتا ہے تو بھی دوسری احادیث کا مخالف نہ ہوگا۔ اسی طرح کسی وقت پانچ یا اس سے زائد مسنون عدد مطابق پڑھتا ہے تب بھی دوسری احادیث کا مخالف نہ ہوگا کیونکہ وہ کسی کا بھی انکار نہیں کرتا۔ لیکن آپ صرف تین رکعات کے قائل ہو اور کم وبیش کے قائل نہیں۔ جس

سے واضح ہے کہ تین رکعات کے علاوہ بقیہ تمام احادیث وتر کے ہو۔ تین والی روایت کو بھی اس لیے نہیں مانتے کہ یہ عدد حدیث میں مذکور ہے یا رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے۔ بلکہ اس لیے آپ کا مذہب ہی یہی ہے گویا کہ مذہب کی غلامی میں حدیث کو مانتے ہو۔ وھو الثالث

رابعاً: ...... جب آپ تین والی حدیث کو مانتے ہو تو پھر ام المومنین والی حدیث میں دو باتیں ہیں: ا۔ وتر تین رکعات ہے، ۲۔ تو قیام اللیل یا تراویح آٹھ رکعات ہیں۔ لیکن اس حصے کو آپ نہیں مانتے ﴿افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض﴾ نصف حدیث پر عمل کرتے ہو اور نصف کو ترک کرتے ہو۔

الٹ دے اے صبا تو ہی نقاب رخ کو چہرے سے
کبھی دیکھ لیں ہم بھی ذرا سرکار کی صورت

صفحہ ۱۵۰:...... چھٹی مخالفت اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ ''ایک طرف کہتے ہیں کہ رمضان اور غیر رمضان میں صرف گیارہ رکعات ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ الخ

جواب: ...... اولاً: اس کا جواب بھی وہی ہے۔ سنت میں جو بھی عدد مذکور ہوگا۔ وہ مسلمان کو بسر وچشم اور قبول ہے۔ رمضان ہو خواہ غیر رمضان، اہل حدیث کا تمام احادیث پر عمل جاری وساری ہے۔

ثانیاً: ...... گیارہ رکعات کو کوئی بھی غلط نہیں کہتا۔ ایک حدیث دوسری کے خلاف نہیں ہوتی۔ ہم تمام کو برحق تصور کرتے ہیں۔

ثالثاً: ...... ام المؤمنین رمضان خواہ غیر رمضان کے لیے مساوی فرماتی ہیں کہ گیارہ رکعات سے زائد نہیں ہیں۔ لیکن خود ام المومنین وتر متعلق کم وپیش تعداد بیان کرتی ہیں۔ پھر کیا آپ ام المومنین کو غلط کہو گے؟ اگر نہیں تو پھر آپ کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وتر کے تمام طریقہ جات جو حدیث میں مذکور ہیں، وہ برحق ہیں۔

مولوی صاحب اس کے لیے بار بار وہی بات کر رہے ہیں کہ اپنی ناکامی کو چھپا رہے ہیں۔

اعتراف شکست ممکن ہے لیکن اسرار فاش ہوتے ہیں۔

ساتویں مخالفت: ...... اس طرح رقم کرتے ہیں: ''اس حدیث عائشہؓ میں واضح الفاظ ہیں کہ ابتدائی چار رکعت، پھر دوسری مرتبہ چار رکعات تمام احسن انداز سے پڑھتے تھے...... الخ''

جواب: ...... اولاً: خود ام المومنین رضی اللہ عنہا دوسری حدیث میں تفسیر کرتی ہے، چنانچہ صحیح مسلم صفحہ ۲۵۴ ج ۱۔ مع النووی میں ہے: ''عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت کان النبی ﷺ یصلی فیما بین ان یفرغ من صلوٰة العشاء وھی التی یدعو الناس العتمة الی الفجر احدیٰ عشرة رکعة یسلم بین کل رکعتین ویوتر بواحدة فاذا سکت المؤذن من صلوٰة الفجر ویتبین له

الفجر جآء الموذن قام فركع ركعتين خفيفتين ثم اضطجع علىٰ شقه الا يمن حتىٰ يا تيه الموذن للاقامة ." ام المومنین خود اپنی روایت کی تفسیر کرتی ہیں کہ آپ ﷺ ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے تھے۔ قاعدہ ہے کہ "الراويه ادرىٰ بمرويه" لیکن وہ جو ایک روایت میں چار کہہ رہی ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ چار رکعات کے بعد ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "ثم يصليا اربعاً" کلمہ "ثم" تراخی کے لیے آتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ابتدائی چار رکعات آخری چار رکعات کے درمیان میں کچھ لمحہ ٹھہرتے تھے اور یہی عمل اہل حدیث کا بھی ہے۔ بیہقی صفحہ ۴۹۷ ج ۲۔ میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "قالت كان رسول الله ﷺ يصلى اربع ركعات فى الليل ثم يتروح فاطال حتىٰ رحمة فقلت بابى انت وامى يا رسول الله قد غفر الله لك ما تقدم عن ذنبك وما تاخر قال افلا اكونُ عبداً شكورا ." اس روایت کی سند میں ایک راوی مغیرہ بن زیاد الموصلی ہے۔ جس کے لیے بیہقی کہتے ہیں "ليس بالقوى" مگر کئی نے توثیق بھی کی ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ تقریب میں فرماتے ہیں کہ "صدوق له اوهام" اس قسم کے راوی کی روایت حسن ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی تائید میں امام بیہقی سلف کا عمل بھی نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث سے قبل روایت لاتے ہیں "عن زيد بن وهب قال كان عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ يروحنا فى رمضان اعنى بين الترويحين قدر ما يذهب الرجل من المسجد الىٰ سلع" علامہ بدر عالم میرٹھی فیض الباری کی حاشیہ البدر الساری صفحہ ۲۴۱ ج ۲۔ میں اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ "قلت لاباس بضعف الرواية فانها تكفى لتعيين احد المحتملات" ثابت ہوا کہ ام المومنین اربعاً کا لفظ اسی معنی میں استعمال کرتی ہیں کہ چار رکعات بعد آپ کچھ وقت سکوت کرتے تھے۔ اسی لیے انہیں چار شمار کرتی ہیں۔ کیونکہ آپ دوسری حدیث میں واضح کرتی ہیں کہ آپ ﷺ ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے تھے۔ وهو الثانى

ثالثاً:......اس روایت میں ام المومنین رضی اللہ عنہا یہ وضاحت بیان نہیں کرتی ہیں کہ آپ نے وہ رکعات ایک سلام سے پڑھیں۔ صرف رابعاً کا لفظ کہتی ہیں۔ جس میں دونوں احتمال ہیں۔ کیونکہ صرف چار رکعات کہنے سے دو سلام کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ آپ کی تراویح میں باوجود اس سلام کے انہیں بیس رکعات تراویح کہتے ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب تحفۃ الحدیث صفحہ ۱۶۷۔ میں اپنی تائید میں ایک روایت پیش کی ہے جس میں الفاظ ہیں "عشرين ركعة والوتر" ترجمہ کرتے ہیں کہ "بیس رکعات اور وتر" یہ روایت کس قدر صحیح اور ثابت ہے یہ فیصلہ اپنے مقام پر ہوگا لیکن یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہ بیس رکعات مولوی صاحب اپنے قاعدہ

مطابق ایک ہی سلام سے کہیں گے؟ حالانکہ یہ ہی بات اسکے مذہب اور عمل کے خلاف ہے آخر اسی حدیث کی تفسیر کی تفتیش کریں گے جس میں ہے "صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ" یا اس روایت کے طرف سرعت کرے گا جس میں الفاظ ہیں کہ "یسلم فی کل رکعتین" پھر جب یہ روایات عشرین والی روایت کے لیے تفسیر بن سکتی ہیں تو پھر اربعاً والی کے لیے کیوں نہیں؟ وھو الرابع

وخامساً:...... درج بالا میں ابن عباس اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہم کی روایات بیان ہوئیں جن میں تصریح ہے کہ آپ نے بھی صلوٰۃ اللیل دو دو رکعت پڑھی ہیں ثابت ہوا کہ دہاں اربعاً سے مراد دو سلام سے چار رکعات ہیں۔

سادساً:...... مسند احمد میں ابوایوب الانصاری سے روایت مذکور ہے "ان رسول اللہ ﷺ کان یستاك من اللیل مرتین او ثلاثا واذا اقام یصلی من اللیل صلیٰ اربع رکعات لا یتکلم ولا یامر بشیء ویسلم بین کل رکعتین (الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی صفحہ ۲۶۹۔۲۷۰ ج۴) اس روایت میں جیسا کہ کچھ کلام ہے مگر شہادت کے لیے کافی ہے اور دوسری صحیح روایات سے مل کر تقویت لیتی ہے اور اس روایت سے اس بات کی بھی تائید ملتی ہے کہ "صلوٰۃ اللیل میں اربع رکعات" سے مراد دو سلام ہیں۔

سابعاً:...... رسول اللہ ﷺ کی قولی حدیث صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ جسے مولوی صاحب نے بھی ذکر کیا ہے اور اسی کو قانون تسلیم کیا ہے یہ قانون بتاتا ہے کہ "صلوٰۃ اللیل" میں ہر دو رکعات بعد سلام پھیرنا ہے لہٰذا ام المومنین رضی اللہ عنہا کہ اسی قول اربعاً سے مراد یہی ہوسکتی ہے جو ہم نے بیان کی ہے بلکہ اسی حدیث مثنیٰ مثنیٰ کا راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر کرتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم صفحہ ۲۵۷ ج۱۔ مع النووی میں ہے "حدثنا محمد بن مثنیٰ قال نا محمد بن جعفر قال نا شعبة قال سمعت عقبة بن حریث قال سمعت ابن عمر محدث ان رسول اللہ ﷺ قال صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ فاذا رایت ان الصبح یدرلك فاوتربواحدۃ فقیل لا بن عمر وما مثنیٰ مثنیٰ قال ان تسلم فی کل رکعتین." اس تفسیر نے بالکل واضح کر دیا اور اب مزید کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہی وھو الثامن

وتاسعاً:...... درج بالا میں بیان ہوا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا جو یصلی اربعاً کہتی ہیں یہ اپنی روایت میں کہتی ہیں کہ یسلم فی رکعتین جب کہ پہلی روایت جس میں دونوں احتمال ہیں کہ یہ چار رکعات آپ نے ایک سلام سے پڑھیں یا دو سے اور دوسری روایت میں خود ام المومنین رضی اللہ عنہا ان دونوں احتمالات میں سے ایک کو متعین کرتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے تھے آپ احناف کے اصول فقہ

میں تصریح ہے کہ جب کسی روایت میں دو یا زیادہ احتمال ہوں اور اس روایت کا راوی صحابی ان احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو متعین کرے تو اس کا احتمال قبول کرنا لازم ہے، چنانچہ آپ کے مذہب کا رئیس الفقہاء اور المجتہد فی المذہب ابن ہمام التحریر فی اصول الفقہ صفحہ ۳۲۸۔ میں راقم ہیں کہ "حمل الصحابی مرویه المشترك ونحوه علی احد ما يحتمله وهو تاويله واجب القبول."

عاشراً: ...... مولوی صاحب اہل حدیث کو الزام دیتے ہیں کہ حدیث کے خلاف ہیں لیکن انہی کے مذہب کے اکابر امام ابو یوسف اور امام محمد جن کو صاحبین کہتے ہیں اور آپ کی حنفیت کے عظیم رکن ہیں وہ تو اس طرح کہتے ہیں کہ صلوٰۃ اللیل دو دو رکعات پڑھی جائے اور ہر دو رکعات پر سلام پھیرا جائے اور دو رکعات سے زائد نہ پڑھی جائیں، چنانچہ ہدایہ صفحہ ۱۴۷ ج ۱۔ میں ہے کہ "قالا لا يزيد بالليل علی ركعتين بتسليمة" پھر پہلے تو آپ اپنے ائمہ پر حدیث کی مخالفت کا الزام لگاؤ پھر اہل حدیث کا نام لو۔

این گناہ ہست کہ کرو وشہر شما نیز کنند

بلکہ صاحب ہدایہ صاحبین کے لیے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ "ولهما الاعتبار بالتراويح" ثابت ہوا آپ بھی تراویح دو دو رکعات پڑھتے ہو۔ پھر تو اصل مخالفت آپ کے گھر سے چلی ہے۔ وھو الحادی عشر

والثانی عشر: ...... مولوی صاحب خود تحریر کرتے ہیں کہ "گر کہیں گے کہ ترتیب ادا کرنے میں دوسری احادیث سے اس حدیث کی تفسیر کرتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ صرف ترتیب ادا میں کیوں کی جاتی ہے۔ رکعات کم وبیش بھی دوسری رکعات میں موجود ہے اسے کیوں نہیں قبول کیا جاتا؟ اس سے تفسیر کیوں نہیں کیا جاتا؟

جواب: ...... یہ اعتراض بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ رکعات کا کم وبیش ہونا تو وتر میں ہے جس کے متعلق بیان گزرا۔ مگر رکعات تراویح یا صلوٰۃ اللیل کی تعداد میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اس میں صرف کیفیت ادائیگی میں تفاوت تھا۔ جس کا حل تفسیری صورت میں پیش کیا گیا۔

الثالث عشر: ...... اگر ان تمام باتوں کو ترک کر دیا جائے اور دوسری احادیث سے اس کی تفسیر بھی نہ کی جائے اور تسلیم بھی کیا جائے تب بھی اہل حدیث پر مخالفت کا الزام ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں روایات يصلی اربعا کو چار رکعات پر محمول کیا جائے گا اور اس لغایۃ چار رکعات ایک سلام سے پڑھنے کا جواب معلوم ہوگا۔ اسی لیے علماء اہل حدیث صلوٰۃ اللیل چار چار رکعات پڑھنے کو بھی جائز کہتے ہیں۔ جیسا کہ امام شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۶۹ ج ۳۔ میں علامہ عظیم آبادی عون المعبود شرح ابی داؤد صفحہ ۵۱۲ ج ۱۔ میں علامہ مبارکپوری تحفۃ الاحوذی صفحہ ۳۳۱ ج ۱۔ میں بیان کیا ہے اسی طرح نواب صدیق حسن خان شرح الدرر البهیہ صفحہ ۱۱۳ ج ۱۔ میں بھی لکھتے ہیں۔ لہٰذا اہل حدیث پر آپ کا الزام ٹھیک نہیں ہے، بلکہ یہ الزام آپ کے

صاحبین پر لازم آتا ہے۔ وھو الرابع عشر

الخامس عشر: ...... یہاں بھی آپ کے لیے دوصورتیں ہیں۔ یعنی ام المومنین رضی اللہ عنہا کی دونوں احادیث "یصلی اربعا" اور "یسلم فی کل رکعتین" ان دونوں میں تطبیق دینے کا طریقہ اپنائیں، تطبیق ہم نے بیان کر دی ہے۔ یعنی دوسری احادیث میں ان کی تفسیر اور وضاحت موجود ہے۔ یا تو اپنے قاعدہ کے مطابق اذا تعارضتا تسا قطتا ' پر فیصلہ کرو تو پھر آپ کا اعتراض ہی زائل۔

ناظرین: ...... احناف کے پیشوا سید انور شاہ کشمیری اس روایت کے متعلق عجیب فیصلہ کرتے ہیں جو احناف کے لیے نصیحت اور عبرت ہے۔ شاہ صاحب موصوف فیض الباری صفحہ ۴۲۱ ج ۲۔ میں فرماتے ہیں کہ "قوله یصلی اربعاً ولا دلیل فیه للحنفیه فی مسألة افضلیة الاربع فان الانصاف خیر الاوصاف وذالك لان الاربع هذه لم تكن بسلام واحد بل جمع الراوی بین الشفعین لتناسب بینهما یدركو نهما فی سلسلة واحدة بدون جلسة فی البین كالترویحة فی التراویح فانها تكون بعد اربع ركعات هكذا شرح به ابو عمر فی التمهید وتشهد له روایة صریحة فی السنن الكبریٰ للبیهقی یصلی اربعاً ثم یتروح الخ والحافظ رضی اللہ عنہ مر علیه فی مو ضعین وراه كا لجائزات واخفی به صوته لانه عرف انه یفید الحنفیة شیئا وقد علمت ان علمه ﷺ اذا ثبت فی الخارج بالتسلیم بینهما فلا تمسك فی هذا الاجمال ." مولوی صاحب کو چاہیے کہ اس عبارت کا ورد کرے اور اپنی تحقیق کا ماتم منائے کہ شاہ صاحب نے کس طرح اس تحقیق کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ بلکہ شاہ صاحب کے فیصلہ سے ظاہر ہوا کہ مولوی صاحب کی تحقیق انصاف کے خلاف ہے۔

صفحہ ۱۵۱: ...... **آٹھویں مخالفت**: اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ "یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جو غیر مقلدین کی قوی دلیل ہے۔ ان میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ سے سوال عرض کیا۔ الخ

جواب: ...... اولاً: عبارت سے ظاہر ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا مکمل نماز کے لیے کہہ رہی ہیں نہ کہ خاص وتر کے لیے ہے۔ کیونکہ بی بی صاحبہ بیان کر رہی ہیں کہ آپ نے چار رکعات پڑھیں، پھر چار رکعات پڑھیں، پھر وتر پڑھا جس سے ظاہر ہے کہ پوری نماز کے متعلق سوال ہے۔ لہٰذا اعتراض باطل ہوا۔

ثانیا: ...... خود بی بی عائشہؓ ایک حدیث میں فرماتی ہیں کہ "من كل الليل اوتر رسول الله ﷺ من اول الليل واوسطه واٰخره وانتهیٰ وتره الی السحر" (مشکوٰۃ باب الوتر الفصل الاول بحوالہ بخاری و مسلم) ثابت ہوا کہ آپ وتر مختلف اوقات میں پڑھتے رہتے تھے۔ لہٰذا کسی بھی وقت وتر پڑھا

گیا تو اس حدیث کی مخالفت لازم نہ آئے گی۔

ثالثاً:...... مشکوۃ کی اسی فصل میں حدیث ہے "عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل فان صلوٰۃ آخر اللیل مشھودۃ وذلك افضل رواہ مسلم۔" ثابت ہوا کہ یہ مسئلہ پچھلی رات اٹھنے یا نہ اٹھنے پر مبنی ہے اس کے علاوہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر لیل میں وتر افضل ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اول لیل میں بھی وتر جائز ہے۔ پھر جو تراویح کے ساتھ اول لیل میں وتر پڑھتا ہے اس پر مولوی صاحب حدیث کی مخالفت کا الزام کس طرح لگاتے ہیں؟ وھو الرابع

خامساً:...... وتر کا تعلق صلوٰۃ اللیل سے ہے۔ پھر اگر آخر لیل میں پڑھے تو افضل یہ ہے کہ اس کے بعد وتر پڑھے اگر صلوٰۃ اللیل ابتدا رات میں پڑھی جائے جیسا کہ رمضان میں تراویح تو پھر وتر بھی اس کے ساتھ بہتر ہے۔ تاکہ ہر صورت میں صلوٰۃ اللیل وتر پر مکمل ہو اور حدیث کے عین موافق ہو۔ صحیح مسلم میں ہے۔ "عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا۔" (مشکوۃ) لہٰذا اہلحدیث کا یہ عمل حدیث کے موافق ہے اور مولوی صاحب کا یہ اعتراض صرف تعصب اور جہالت پر مبنی ہے۔

سادساً:...... اہل حدیث اسی بات کو لازم نہیں تصور کرتے کہ اول لیل میں مع جماعت وتر پڑھنا لازم ہے۔ بلکہ کئی اہلحدیث کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اول لیل میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھ کر سو جاتے ہوں اور آخر لیل میں اٹھ کر وتر پڑھتے ہوں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حدیث میں ایسی تنگی وارد نہیں ہے بلکہ آسانی ہے چنانچہ ابوداؤد میں غضیف بن حارث کی حدیث ہے۔ کہ وہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق رات کا معمول پوچھ رہے ہیں۔ ان میں الفاظ ہیں کہ "قلت کان یوتر اول اللیل ام فی آخرہ قالت ربما اوتر فی اول اللیل وربما او تر فی آخرہ قلت الله اکبر الحمد لله الذی جعل فی الامر سعة" الحدیث (مشکوۃ باب الوتر الفصل الثانی) لہٰذا اہلحدیث کا عمل حدیث کے خلاف نہیں ہوسکتا، مولوی صاحب کو چاہیے کہ گھر بیٹھے پٹاخے نہ پھوڑیں۔ بلکہ اہلحدیث کی مساجد میں آئیں اور ان کی نمازوں میں شرکت کریں، تاکہ انہیں ان کا عمل معلوم ہو۔ وھو السابع

وثامناً:...... امام محمد بن نصر المروزی قیام اللیل صفحہ ۱۹۹ میں فرماتے ہیں کہ "والذی اتفق علیه اهل العلم ان ما بین صلوٰۃ العشاء الی طلوع الفجر وقت للوتر" پھر جب کہ بالاتفاق وتر کا وقت اتنا وسیع ہے تو پھر کسی وقت بھی وتر پڑھا جائے تو اس پر اعتراض کرنا بیہودہ بکواس ہے۔ نیز امام موصوف سلف صالحین سے بھی نقل کرتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ اول لیل خواہ آخر لیل وتر پڑھی جاسکتی ہے۔

وهو تاسع

وعاشراً:...... اگر یہ حدیث کی مخالفت ہے تو سب سے بڑے مخالف تو تم ہو کیونکہ آپ رمضان میں تراویح کے ساتھ وتر پڑھ دیتے ہو، پھر یہ آپ اپنے قول کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟

ناظرین:...... آپ نے دیکھا کہ مولوی صاحب نے جن آٹھ مخالفتوں کا اہل حدیث پر الزام لگایا۔ ان میں سے ایک بھی ثابت نہ ہوسکی۔ بلکہ تمام الزامات ان پر اور ان کے مذہب والوں پر عائد ہوتے ہیں۔

صدق الله سبحانه وتعالیٰ ﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ (الفاطر)

یعنی چاہ کن راچاہ، درپیش

اس کے بعد عنوان قائم کرتے ہیں کہ ''جواب کا دوسرا حصہ'' اس کے تحت لکھتے ہیں کہ خود امّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کم وبیش تعداد کا بیان ہے اور ابن عباس اور زید بن خالد جہنی سے تیرہ رکعات نقل کرتے ہیں۔

اولاً:...... یہ بھی کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ ان ''۱۳'' تیرہ رکعات میں آٹھ رکعات صلوٰۃ اللیل یا قیام اللیل ہے۔ بقیہ پانچ رکعات وتر ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا خود رسول اللہ ﷺ سے پانچ رکعات وتر بھی نقل کرتی ہیں۔ بات وہی ہے، یعنی مولوی صاحب خواہ مخواہ اوراق سیاہ کر رہے ہیں۔

ثانیاً:...... اگر وتر تین رکعات شمار کرے گا تو پھر دو پہلی رکعات خفیف شمار ہوں گی اور اصل قیام اللیل وہی آٹھ رکعات رہیں گی۔ کیونکہ خود ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''کان النبی ﷺ اذا اقام من الليل ليصلی افتتح صلوٰته بر كعتين خفيفتين رواه مسلم (مشکوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل الفصل الاول) بلکہ اس کا ایسا حکم ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے ''عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ اذا اقام احدكم من الليل فليفتتح بركعتين خفيفتين'' (رواہ مسلم) اسی موجب ''۲'' رکعات ابتدائی خفیف ''۸'' آٹھ رکعات صلوٰۃ اللیل اور ''۳'' تین رکعات وتر'' مجموعی تیرہ رکعات ہوئیں۔

ثالثاً:...... ایک رکعت وتر کی صورت میں ابتدائی دو رکعات خفیف پھر آٹھ رکعات اس کے بعد تین رکعات وتر دو سلام سے یعنی دو رکعات الگ اور ایک جدا اس طرح مجموعی ''۱۳'' رکعات ہوئیں۔

رابعاً:...... ابن عباس کی روایت میں بھی اس طرح الفاظ ہیں ''فصلی ركعتين عن زيد بن خالد الجهنی انه قال لا رهقن صلوٰة رسول الله ﷺ الليلة فصلی ركعتين خفيفتين ثم صلی ركعتين طويلتين طويلتين ثم صلی ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلی ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلی ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم او تر

فذلك ثلاث عشرة ركعة" (صحیح مسلم صفحہ ۲۶۲ ج ا مع النووی) اس حدیث میں صحابی وضاحت کر رہا ہے کہ ان "۱۳" رکعات سے ابتدائی دو رکعات خفیف ہیں۔ بقیہ گیارہ رکعات سے "۸" آٹھ رکعات صلوٰۃ اللیل اور "۳" رکعات وتر دو سلام سے پھر بھی وہی بات پھر یا تو مولوی صاحب کو علم نہیں۔ یا تو خواہ مخواہ بقول "ملا آنکہ چپ نہ باشد"

خواہ مخواہ باتیں بنا رہے ہیں لیکن ان کی زد میں خود ہی آ رہے ہیں۔ بار بار دھکے کھا رہے ہیں۔ مولوی صاحب کا اجمالی بحث جس کی قلعی کھل گئی۔ اس کے بعد پھر تفصیل کے لیے عنوان قائم کرتے ہیں۔ "فجر نماز کی سنت کے علاوہ "۳" رکعات کا ثبوت حالانکہ تیرہ کا بیان ہو چکا ہے کہ اس میں صلوٰۃ لیل وہی آٹھ رکعات ہیں۔ بقیہ پانچ رکعات یا تو پانچ ہی وتر ہیں۔ یا پھر تین وتر اور دو افتتاحی خفیف رکعات جیسا کہ دوسری احادیث میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ یہاں مولوی تین احادیث تحریر کرتے ہیں اور ترجمہ اس طرح بیان کرتے ہیں: "حضور اکرم ﷺ رات کو "۱۳" تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔ پھر جب فجر کی اذان سنتے تھے تو پھر خفیف دو رکعات (سنت فجر) پڑھتے تھے۔"

یقیناً فجر کی سنت کے علاوہ "تیرہ" رکعات ہیں۔ لیکن مولوی صاحب بتائے کہ اس میں وتر کتنی رکعات۔ اگر تین کہے گا تو پہلی دو رکعات خفیف افتتاحی ہیں، اس طرح گیارہ رکعات مکمل ہوئیں۔ جمع خود پرائمری سے سیکھ آئے ہوں گے۔ اگر کہیں گے کہ پانچ تو پھر بقیہ آٹھ رکعات ہوئیں۔ اگر ایک رکعت کہتے ہیں تو اس موجب "۲" رکعات ابتدائی افتتاحی اور دو رکعات وتر کے بعد بیٹھ کر بھی پڑھی ہیں۔ جس طرح دوسرے صحابہ کے علاوہ خود ام المومنین رضی اللہ عنہا سے بھی اس کا ثبوت ہے، جیسا کہ مسلم صفحہ ۲۵۴ ج ا۔ مع النووی میں ہے "عن ابی سلمة قال سالت عائشة عن صلوٰة رسول الله ﷺ فقالت كان يصلى ثلاث عشرة ركعة يصلى ثمان ركعات ثم يوتر ثم يصلى ركعتين وهو جالس فاذا اراد ان يركع قام فركع ثم يصلى ركعتين بين النداء والاقامة من صلاة الصبح." اس حدیث میں ام المومنین وضاحت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صلاۃ اللیل آٹھ رکعات ہی ہیں۔ بقیہ پانچ رکعات وتر تو وہی "۱۳" تیرہ رکعات ہوئیں۔ اسی طرح صحیح مسلم صفحہ ۲۸ ج ا۔ میں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے بعد وتر دو رکعات بیٹھ کر پڑھی ہیں۔ الفاظ ہیں: "ثم يصلى ركعتين بعد ما يسلم وهو قاعد" وتر کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھنے کے متعلق مشکوٰۃ باب الوتر الفصل الثالث میں بحوالہ ابن ماجہ ام المومنین ام سلمہ کی حدیث اور بحوالہ احمد ابو امامہ کی حدیث مذکور ہے۔ اس طرح بھی وہی "۱۳" کا حساب مکمل ہوا۔

صفحہ ۱۵۲:...... دوسری حدیث ابن عباس سے نقل کرتے ہیں۔ ترجمہ میں تحریر کرتے ہیں ''پھر دو دو رکعات نماز پڑھی، پھر دو رکعات پھر دو رکعات، پھر دو رکعات، پھر دو رکعات، پھر دو رکعات (چھ نوافل مجموعی بارہ رکعات۔ مؤلف) پھر وتر پڑھا۔ پھر پہلو پر لیٹ گئے (پھر کچھ آرام کیا) یہاں تک کہ موذن آیا۔ پھر خفیف دو رکعات پڑھیں، پھر نکلے اور نماز فجر ادا کی۔''

جواب:...... اولاً: مولوی صاحب نے ترجمہ میں غلطی کی ہے، کیونکہ لفظ ثم اوتر ہے۔ جس کا مطلب کہ ''آپ پہلے دو دو رکعات پڑھتے رہے، پھر ایک رکعت پڑھی۔'' مولوی صاحب ترجمہ کرتے ہیں کہ ''پھر آپ نے وتر پڑھا'' یعنی تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وتر ان چھ نوافل کے بعد ہے، مگر یہ تاثر ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے کہ امام بخاری اپنی صحیح صفحہ ۱۳۵ ج ۱۔ میں یہ حدیث ابن عباس بیان کر کے اس کے متصل ابن عمر کی حدیث لاکر اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ جس کے الفاظ ہیں کہ ''صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ فاذا اردت ان تنصرف فارکع رکعۃ توتر لك ما قد صلیت'' امام نووی شرح مسلم صفحہ ۲۶۰ ج ۱۔ میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''فیہ ان الافضل فی الوتر وغیرہ من الصلوٰۃ ان یسلم من کل رکعتین وان الوتر یکون اخرہ رکعۃ مفصولۃ'' ثابت ہوا کہ یہ ایک رکعت وتر ہے اور مولوی صاحب نے ٹھیک ترجمہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ ابن عباس کی روایت قیام اللیل مروزی صفحہ ۲۰۳ میں اس روایت سے زیادہ واضح ہے: ''قال بت لیلۃ عند النبی ﷺ انظر کیف یصلی فقام الی قربۃ معلقۃ فتوضا ثم صلی رکعتین رکعتین حتی صلی عشر رکعات ثم سلم ثم قام فصلی سجدۃ فاوتر بھا ونادی المنادی عن ذالك.''

نوٹ:...... بظاہر یہ حدیث عن الفضل بن عباس ہے، مگر درست یہ ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے۔ امام محمد بن نصر مروزی خود فرماتے ہیں کہ ''فجعل ھٰذہ الروایۃ عن الفضل بن عباس والناس انما رووا ھٰذا الحدیث عن عبداللہ ابن عباس فھو المحفوظ عندنا'' اس حدیث میں وضاحت سے بیان ہے کہ آپ نے آخر میں ایک رکعت پڑھی ہے اور جیسا کہ مولوی صاحب نے لکھا ہے۔ ویسے درست نہیں ہے۔

ثالثاً:...... اسی ایک رکعت کے بغیر بقیہ چھ نوافل رہے۔ جس میں ابتدائی نوافل دو رکعات خفیف افتتاحی ہیں۔ بقیہ دس رکعات رہ گئیں۔ ان میں آٹھ رکعات قیام اللیل کی ہیں بقیہ دو رکعات وتر کی ہیں۔ یعنی دو سلام سے تین رکعات وتر۔ خود ابن عباس دو سلام سے تین رکعات پڑھتے تھے۔ (قیام اللیل صفحہ ۲۰۸) اس طرح بھی وہی ''۱۳'' تیرہ رکعات ہوئیں۔

الغرض:...... اس حدیث کی وضاحت خود احادیث میں وارد ہے پھر بھی مولوی صاحب کو سمجھ نہ آئے تو اپنے دماغ کا علاج کروائیں۔

صفحہ ۱۵۳:......تحریر کرتے ہیں کہ ’’اگر غیر مقلدین کے کہنے کے مطابق ایک رکعت وتر تسلیم کی جائے۔ تب بھی تیرہ رکعات پڑھ کر آرام فرمایا۔‘‘

اولاً:...... اگر ایک رکعت تسلیم کرتا ہے تب بھی اپنے مذہب کو دیوالیہ بنا گئے ہیں۔

ثانیاً:......اہل حدیث اسی حدیث کے مطابق ایک رکعت الگ پڑھنے کا کہتے ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی حدیث میں وتر تین رکعات مع سلامین ہے اور دو ابتدائی رکعات افتتاحی ہیں۔ پھر اصل قیام اللیل وہی آٹھ رکعات ہے۔ مولوی صاحب کتنے بھی چکر کاٹیں مگر اسی مقام پر لوٹ آئیں گے۔ اس کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ ’’تیسری حدیث جس میں وتر کی تین رکعات کے علاوہ چار، چھ، آٹھ اور دس رکعات ثابت ہیں اور سنت فجر اس کے علاوہ ہے۔‘‘

اولاً:...... یہ بھی مولوی صاحب نے تحقیق کے بغیر کہا ہے۔ ان کی مراد فاسد ہے جو کبھی بھی احادیث سے تکمیل سفر نہ ہوگی۔

ثانیاً:......اگر بالفرض تین وتر کے علاوہ چار اور چھ ہوتی ہیں تب بھی اصل حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ اسی میں ہے کہ ’’ماکان یزید فی رمضان‘‘ یعنی بیش کی نفی ہے اور کم کی نفی نہیں ہے کیونکہ ’’ولا ینقص‘‘ کا لفظ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض نہیں رہ سکتا۔ اگر آٹھ ہیں تو ہمارا دعویٰ ثابت ہوا اگر دس ہیں تب بھی دو رکعات ابتدائی افتتاحی کہی جائیں گی۔ تعداد وہی آٹھ کی قائم رہی۔ مولوی صاحب نے خواہ مخواہ سر مارا۔ بات وہی کی وہی ہے تاہم اسی متعلق مولوی صاحب نے جو حدیث لکھی ہے وہ ان کے مقصد کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ وہ حدیث صرف وتر کے متعلق ہے ابتدا میں لفظ ہیں کہ ’’قلت لعائشه بکم کان رسول الله ﷺ یوتر‘‘ مولوی نے اسی کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ تحریر کرتے ہیں کہ ’’میں نے عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضور اکرم ﷺ صلوٰۃ اللیل کتنی پڑھتے تھے‘‘ تعصب کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اپنے مطلب کی خاطر احادیث کی معنی تبدیل کرتے انہیں شرم نہیں آتی؟ حالانکہ ترجمہ یہ ہے کہ ’’میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کتنا وقت پڑھتے تھے؟‘‘ جب بات ہی وتر کی ہے تو پھر اعتراض کس بات کا؟ بلکہ اس میں وتر کے متعلق بتایا گیا ہے کہ آپ سات، نو، گیارہ، یا تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔ وھو الثالث

رابعاً:......اس روایت میں بی بی صاحبہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ ’’ولم یکن یوتر بانقص من سبع ولا باکثر من ثلاث عشرۃ‘‘ ثابت ہوا کہ یہ پورا بیان وتر متعلق ہے۔ یہاں بھی مولوی صاحب نے اپنے

مطلب والا ترجمہ کیا ہے۔ یعنی وتر کے بدلے صلوٰۃ اللیل تحریر کرتے ہیں۔ تا کہ اپنا مطلب حاصل کرے مگر غدار اور دھو کے باز کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ ظاہر کرے گا اور ان کا پردہ چاک کرتا رہتا ہے۔

خامساً:...... اگر مولوی صاحب والا ترجمہ قبول بھی کیا جائے، تب بھی ان کی مراد پوری نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں بھی ام المومنین کی درج بالا حدیث "ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ" کی یہ حدیث مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں گیارہ سے کم یعنی سات رکعات کا ذکر ہے اور اس حدیث میں اس کے خلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں گیارہ سے بیشی کی نفی ہے۔ کمی کی نفی نہیں ہے۔ لہٰذا روایات میں تعارض نہ رہا۔ نیز اسی روایت میں ہے۔ "ولا باکثر من ثلاث عشرۃ" یعنی تیرہ سے زائد رکعات نہ پڑھتے تھے یہ بات بھی گیارہ رکعات کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ خفیف دو رکعات افتتاحی بھی ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ درج بالا میں گزرا۔ یا وتر پانچ رکعات بھی ہوسکتی ہیں۔ خود مسلم شریف صفحہ ۲۵۱ ج ۱۔ مع النووی میں ہے۔ "عن عائشہ قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی عن اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ یوتر من ذلك بخمس لا یجلس الا فی آخرھا۔" اس موجب پھر بھی وہی آٹھ رکعات رہیں۔ مولوی صاحب کو اس روایت سے بھی سوائے ناکامی کے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔

صفحہ ۱۵۴:...... تحریر کرتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز وتر تین رکعات جدا ہیں۔ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واضح الفاظ میں اربع وثلاث چار اور تین الخ"

جواب:...... اولاً: اس کا تفصیلی جواب پہلے تحریر ہو چکا ہے۔

ثانیاً:...... اگر تسلیم کیا جائے کہ یہ تین رکعات وتر ہیں۔ تب بھی چار یا چھ یا آٹھ یا دس رکعات ہوں گی ابتدائی دو صورتوں میں درج بالا حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں زیادتی کی نفی ہے۔ کمی کی نفی نہیں ہے۔ بقیہ آٹھ والی میں تو معاملہ واضح ہے۔ دس والی صورت میں دو رکعات افتتاحی ہیں۔ پھر مولوی صاحب کو اتنے اوراق سیاہ کرنے سے کیا حاصل ہوا۔ پھر تحریر کرتے ہیں کہ "اگر یہ نماز مکمل وتر ہو تو حضرت عائشہ یہ الفاظ ہرگز نہیں فرماتی۔ الیٰ قولہ جیسا کہ عربی زبان کا قاعدہ ہے.......... الخ"

جواب:...... اولاً: یہ قاعدہ تب کام آتا۔ جب دوسری روایات میں وضاحت موجود نہ ہو۔

ثانیاً:...... خود اصل روایت میں ام المومنین اس مکمل نماز کو وتر کہہ رہی ہیں اور سائل بھی وتر متعلق دریافت کر رہا ہے پھر جب داخلی اور خارجی قرائن موجود ہیں تو پھر یہ بات عربی قاعدہ کے خلاف کس طرح ہوگی۔

ثالثاً:...... اگر اسی کو صلوٰۃ اللیل تسلیم کیا جائے تب بھی مولوی صاحب کو مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہی آٹھ رکعات رہتی ہیں جیسا کہ درج بالا میں بیان ہوا۔ پھر تحریر کرتے ہیں کہ "معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ

ارادہ سے وتر اور تہجد نماز کو جدا بیان کر رہی ہیں۔ وتر ہر حالت میں تین رکعات اور تہجد کسی وقت چار کبھی چھ کسی رات آٹھ اور کسی رات کے لیے دس رکعات ہے"

جواب:......اولاً: مولوی صاحب ام المومنین پر سفید جھوٹ باندھ رہے ہیں۔ کیونکہ ام المومنین ہر حالت میں تین رکعات نہیں کہتیں بلکہ کئی احادیث میں ایک رکعت بھی کہتی ہیں۔ کچھ احادیث میں پانچ، کچھ میں سات، نو یا اس سے زائد بھی کہتی ہیں۔

ثانیاً:......صلوٰۃ اللیل آٹھ سے زائد کا ثبوت مولوی صاحب کسی صحیح حدیث سے نہیں دے سکتے دس والی صورت میں یا تو دو رکعات افتتاحی ہیں۔ یا وتر تین رکعات دو سلام سے ہیں کما تقدم۔ اس کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی بنیاد پر اہل حدیث پر بقیہ تین الزام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نویں مخالفت:...... چار اور تین پر عمل کیونکہ نہیں کرتے؟

دسویں مخالفت:...... چھ اور تین پر عمل کیوں نہیں کرتے۔

گیارہویں مخالفت:...... دس اور تین سے کیوں فرار حاصل کرتے ہیں؟ یہ حدیث رمضان اور غیر رمضان کے متعلق ہے۔"

جواب:......اولاً: یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بحث وتر کی ہے۔ لہٰذا اعتراض غلط ہے۔

ثانیاً:......اگر مولوی صاحب کے گمان کے مطابق اس حدیث میں وتر صرف تین رکعات تصور کی جائیں تب بھی اہل حدیث اس کے خلاف نہیں ہیں، بلکہ آپ خود اس کے خلاف ہو۔ پھر آپ اسی کے مطابق عمل کیوں نہیں کرتے؟

گنو نہ آپ کو اتنے ہوشیاروں میں
ہزاروں دیکھے ہزاروں دکھائے بیٹھے ہیں

صفحہ ۱۵۵:...... ہماری کتاب الوسیق سے نقل کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ "پیر صاحب کا مطلب یہ ہے کہ گیارہ سے کم رکعات وتر کی ہیں۔ تہجد اس سے جدا ہے۔" (مؤلف)

جواب:...... یہ بھی مولوی صاحب کا دھوکا ہے بلکہ ہمارا مطلب ہے کہ آٹھ سے زیادہ رکعات وتر کی ہیں۔ ہم کتاب الوسیق کی مکمل عبارت ناظرین کے سامنے رکھ کر ان سے انصاف طلب کرتے ہیں۔ "علاوہ ازیں کچھ احادیث دوسری احادیث کی تفسیر ہیں۔ چنانچہ دوسری ملانے سے ظاہر ہے کہ یہ "۷"۔"۱۱" وتر کی رکعات ہیں، چنانچہ آپ نے وتر ایک رکعت سے تیرہ تک باری باری پڑھی ہیں۔ "کما لا یخفی علی من طالع کتب الحدیث" لیکن جب تسلیم کیا جائے تو اس سے مراد صلوٰۃ اللیل ہے تو بھی لغایۃ اتنا

ثابت ہوگا کہ آٹھ سے کم سات بھی ثابت ہیں۔ مگر آٹھ سے زائد کے لیے آپ کے ہاں کیا دلیل ہے؟ نو "۹" میں ایک رکعت وتر کی ہوگی۔ نیز بخاری میں اسی باب میں ابن عمر کی حدیث ہے کہ "ان رجلا قال یا رسول اللہ کیف صلوٰۃ اللیل قال مثنیٰ مثنیٰ فاذا خفت الصبح فاوتر بواحدۃ" (الوسیق صفحہ ۱۷) اب ناظرین غور کریں ہم نے کیا لکھا ہے اور مولوی صاحب کیا مطلب لے رہے ہیں۔ انصاف کریں کہ یہ حیلہ بازی ہے یا حقیقت؟ جسے مولوی صاحب بدل کر اپنی طرف سے پیش کر رہے ہیں۔ اصل عبارت پیش کرنے سے مولوی صاحب کے دھوکہ سے آشنائی ملتی ہے۔

اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنج عیوب دیکھا

اور ہماری اسی عبارت کے لیے تین جوابات تحریر کرتے ہیں پہلے جواب میں رقم کرتے ہیں کہ "حضرت عائشہؓ وتر کی تین رکعات الگ اور تہجد چار، چھ، آٹھ اور دس الگ واضح الفاظ میں بیان کردی ہیں ....الخ"

جواب: ...... یہ بھی مولوی صاحب کا سیاہ جھوٹ ہے جیسا کہ درج بالا میں بیان ہوا۔ خود ام المومنین اسی مکمل نماز کو وتر کہہ رہی ہیں اور سائل بھی صرف وتر متعلق دریافت کر رہا ہے۔ حدیث میں یہ الفاظ ہرگز نہیں ہیں کہ وتر تین رکعات الگ ہیں۔ بقیہ تہجد ہے۔ صرف ثلاث کا لفظ دیکھ کر فضا میں قلعہ تعمیر کرنے لگے ہیں بقول شاعر

کم بضاعت کو جو اک ذرہ بھی ہوتا ہے فروغ
خود نمائی کو اڑا چلتا ہے جگنو کی طرح

بلکہ عائشہؓ کی پہلی روایت جس میں "ماکان یزید" کی تصریح ہے اور کمی وبیشی صرف وتر کے لیے بتلا رہی ہیں۔ لہٰذا اس روایت کی بھی تفسیر ہوگئی کہ یہ رکعات وتر کی ہیں۔ خاص طرح جب کہ حدیث میں صریح بیان ہے کہ یہ نماز وتر تھی۔ جس کا معنی کہ مولوی صاحب اپنی مرضی پر صلوٰۃ اللیل کہہ رہے ہیں۔

دم گھات فسوں سازی ضد چال دغا بازی
اور اس کے سوا تم کو آیا نہ ہنر کوئی

خود تحریر کرتے ہیں کہ "اپنی طرف سے رائے ظاہر کرکے اسے حدیث کی تفسیر کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جب کہ حضرت عائشہؓ نے تشریح کردی ہے"

ناظرین:...... قارئین جانتے ہیں کہ یہ ہی گناہ مولوی صاحب نے خود کیا ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ وتر تھا اور مولوی صاحب بار بار کہہ رہے ہیں کہ تین وتر الگ بقیہ تہجد۔ ایسی کوئی اور چالبازی اور عیاری؟

آپ ہی خلوت میں کاٹیں بھائی کا گلا
آپ ہی پھر احباب میں بیٹھ کر ماتم کریں

دوسرا جواب اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ ''حضرات عائشہؓ خود تردید کرتے فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ سات سے کم اور تیرہ سے بیش نہیں پڑھتے تھے۔ اب جب غیر مقلدین سات رکعات وتر تسلیم کرتے ہیں تو پھر تہجد کہاں گیا؟...... الخ''

تہجد اور تراویح کو الگ الگ ثابت کرنے کی مولانا صاحب کی ناکام کوشش

جواب:...... اولاً: یہاں بھی مولوی صاحب نے وہی خیانت کی ہے۔ کیونکہ حدیث میں الفاظ ہیں کہ ''ولم یکن یوتر بانقص عن سبع ولا باکثر من ثلاث عشرہ'' یعنی آپ وتر سات سے کم اور ''۱۳'' تیرہ سے زائد نہ پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب جان بوجھ کر وتر کا لفظ ہضم کر کے پھر کہتے ہیں کہ ''سات سے کم اور تیرہ سے زائد نہ پڑھتے تھے'' اس طرح ظاہر ظہور خیانت کر کے حدیث سے الفاظ کم کر کے دلیل بنانا ایمانداری اور انسانیت کے خلاف ہے نہ تحقیق ہے نہ انصاف بلکہ محض تعصب اور ہٹ دھرمی ہے۔ کاش اللہ تعالیٰ اس طرح کسی کی آنکھیں بند نہ کرے۔

اللہ حسن دے تو حیا بھی ضرور دے
کس کام کی وہ آنکھ کہ جس میں حیا نہ ہو

ثانیاً :...... جب کہ یہ بیان ہی وتر کا ہے تو پھر تہجد قیام اللیل سے تو اس کا واسطہ ہی نہ رہا ہے چاہے وتر کتنی بھی رکعات ہوں مگر یہ وتر ہی ہے۔ بقیہ رہی صلوٰۃ اللیل اس کی رکعات اپنی جگہ پر ہیں۔ امید کہ اب مولوی صاحب سمجھ جائیں گے اور ایسی غلطی پر افسوس کریں گے۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو نگاہوں میں کوئی برا نہ رہا

تیسرے جواب میں ام المؤمنین سے نقل کرتے ہیں کہ ''فرماتی ہیں کہ وتر کے معانی وہ نماز جو آپ ﷺ پڑھتے تھے ترک نہ کرتے تھے...... الخ''

جواب:...... **اولاً**: یہاں مولوی صاحب نے عجلت سے کام لیا ہے اور سمجھا نہیں ہے اصل عبارت ابوداؤد

میں اس طرح ہے جو حدیث بیان کرنے کے بعد ہے کہ "زاد احمد ولم یکن یوتر برکعتین قبل الفجر قلت ما یوتر قلت لم یکن یدع ذالك ولم یذکر احمد ست وثلاث" اب اہل علم اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور مولوی صاحب کی علمیت پر ماتم کریں۔

ثانیاً:...... حقیقت یہ ہے کہ امام ابوداؤد یہ حدیث دو اساتذہ سے نقل کرتے ہیں۔ ایک احمد صالح دوسرا محمد بن سلمہ مرادی۔ حدیث بیان کرنے کے بعد ان کے نقل میں جو معمولی سا تفاوت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ احمد بن صالح نے ست وثلاث (چھ اور تین کے الفاظ نہیں کہے ہیں۔ یعنی وہ صرف محمد بن سلمہ مرادی نے کہے ہیں۔ دوسرا تفاوت یہ بتلاتے ہیں کہ احمد بن صالح نے یہ الفاظ بڑھائے ہیں کہ "ولم یکن یوتر برکعتین قبل الفجر قلت ما یوتر قالت لم یکن یدع ذالك" یہ الفاظ محمد بن سلمہ مرادی نے کہے ہیں۔ اس زیادتی گفتگو میں ان زائد الفاظ میں نہ وتر کا بیان ہے نہ صلوٰۃ اللیل کا بلکہ فجر کی سنت کی بحث ہے۔ یعنی ام المومنین فرماتی ہیں کہ آپ فجر سے قبل دو رکعات سنت ترک نہ کرتے تھے۔ چونکہ لفظ یوتر بھی بولا ہے جس پر شاگرد نے سمجھنے کی خاطر دریافت کیا کہ "یوتر" کا مطلب کیا ہے؟ جس کے جواب میں فرمایا کہ "لم یکن یدع ذالك "یعنی آپ سنت فجر کو ترک نہ کرتے تھے۔

ثالثاً:...... خود آپ کے حنفی عالم علامہ خلیل احمد سہارنپوری بذل المجہود فی حل ابی داؤد صفحہ ۱۳۷ ج ۷ طبع ۳۔ میں اسی جملہ کی شرح فرماتے ہیں کہ "قال ابو داؤد (زاد احمد) بن صالح ای شیخ المصنف(زولم یکن یوتر برکعتین قبل الفجر)ولما کان معنی لفظ یوتر غیر ظاهر سال عن معناه فقال وقلت ما یوتر) ای ما معنی هذا اللفظ (قالت لم یکن یدع) ای یترك (ذلك) معنی لفظ یوتر یترك ." مقام غور ہے! اگر لفظ یوتر سے مراد خاص ہوتا تو مسائل کو دوبارہ دریافت کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ مگر جب کہ ام المومنین نے یوتر برکعتین کہا۔ لہٰذا وہ سمجھ نہ سکا کیونکہ وتر تو "طاق" ہوتا ہے۔ جس پر بی بی صاحبہ نے واضح فرمایا۔ کہ یوتر بمعنی یدع کے ہے۔ خود ابوداؤد صفحہ ۱۹۳ کے حاشیہ میں ہے کہ "قوله لم یکن یوتر ای لم یدع من الایتار" بمعنی ترک یعنی یوتر کے مصدر ایتار بمعنی ترک اور چھوڑنے کے بھی ہے۔ یعنی آپ سنت فجر کی دو رکعات ترک نہ کرتے تھے۔

رابعاً:...... ابوداؤد کی شرح میں المنہل العذب المورود صفحہ ۲۹۵ ج ۷ میں علامہ محمد محمود خطاب السبکی اس جملہ کی شرح کرتے فرماتے ہیں کہ "ای قال عبدالله بن ابی قیس لعائشة ما معنی لم یکن یوتر برکعتین فقالت لم یکن یترك صلوٰتهما ." علامہ ابوالحسن سندی فتح ابوداود شرح ابی داؤد صفحہ ۱۸۴۔ قلمی میں فرماتے ہیں کہ "قوله قالت لم یکن یدع ذلك لعل المعنی لم یکن یفرد بهما

بعض الليالى بان يصليهما احيانا ويترك احيانا فكانه افرد الليال التى صلى فيها بهما والله تعالىٰ اعلم ." یعنی شارح بھی بتلاتے ہیں کہ ام المومنین کا یہ کلام سنت فجر کے متعلق ہے نہ وتر یا کسی دوسری نماز کے متعلق ہے۔

خامسا:...... مسند احمد میں یہی حدیث موجود ہے جس کے آخر میں الفاظ اس طرح ہیں "ولم يكن يوتر باكثر من ثلاث عشرة ولا انقص من سمع وكان لا يدع ركعتين" (الفتح الربانی صفحہ ۲۹۹ ج ۴) یہاں وضاحت ہوگئی کہ یہ بحث وتر متعلق نہیں ہے۔ بلکہ سنت فجر کے متعلق ہے۔

سادسا:...... الفتح الربانی کی شرح بلوغ الامانی صفحہ مذکورہ میں علامہ احمد عبدالرحمان الساعاتی اسی جملہ "لا يدع" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "هما الركعتان اللتان كان يصليهما بعد الوتر قبل الفجر وقد جاء مصرحا بذلك فى رواية عند ابى داؤد بلفظ ولم يكن يوتر بركعتين قبل الفجر قلت ما يوتر قالت لم يكن يدع ذلك ." اس جواب کے آخر میں مولوی صاحب نے دعا طلب کی ہے کہ مسلمانوں کو حق سمجھنے کی توفیق عطا ہو۔ بغض تعصب سے ان کے قلوب صاف ہوں۔ مگر پہلے تو خود عداوت حدیث سے اپنے قلب کو صاف کریں اور در بار الٰہی کے سامنے خلوص دل سے توبہ کریں اور آئندہ اپنے مذہب کے تعصب میں پھر احادیث کی ایسی ناجائز تحویل وتحریف نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ایسی توبہ اور خلوص کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کے بعد ایک عنوان اس طرح قائم کرتے ہیں کہ "جواب کا تیسرا حصہ" اس کے تحت بڑے جوش وخروش سے دعویٰ کرتے ہیں کہ تہجد اور تراویح دو الگ نمازیں ہیں۔ حالانکہ درج بالا میں ہم اس کے رئیس المذہب سید انور شاہ کشمیری کا قول نقل کر آئے ہیں کہ اسی قول کو تسلیم کیے بغیر دوسرا کوئی راستہ ہی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تہجد اور تراویح ایک ہی نماز تھی۔ دو جدا نمازیں نہ تھیں۔ اس کے باوجود بھی مولوی صاحب اپنے ضد پر قائم ہے۔ عنقریب انہیں آشنائی مل جائے گی کہ خلاف حق لکھنا یا کہنا یا اس کے خلاف کوشاں رہنا چٹان سے سر ٹکرانا ہے۔ شاہ صاحب نے واضح تحریر کیا ہے کہ کسی بھی ایک رمضان میں تراویح اور تہجد دونوں جدا نہیں ہیں۔ بلکہ آپ ہی کے زمانہ مبارک میں تہجد اور تراویح کی رکعات میں کوئی فرق نہ تھا۔ جیسا کہ العرف الشذی سے عبارت نقل کی گئی۔ بلکہ قرن صحابہ میں بھی دو جدا نمازوں کا ثبوت نہیں بلکہ اور ایک ہی نماز پڑھی جاتی تھی۔ جیسا کہ مؤطا مالک صفحہ ۴۰ پر حدیث ہے "مالك عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد انه قال امر عمر بن الخطاب ابى بن كعب وتميم الدارى ان يقوما للناس باحدى عشرة ركعة قال وكان القارى يقرأ بالمئين حتىٰ كنا نعتمد على العصى عن طول القيام وماكنا ننصرف الا فى فروع الفجر ." راوی

واضح بتلا رہے ہیں کہ ان گیارہ رکعات میں رات ہی ختم ہو جاتی تھی۔ فجر ہونے کے قریب نماز ختم کرتے تھے۔ پھر تو یہ ایک ہی نماز ہوئی۔ اگر تراویح کہے گا تو تہجد کہاں گئی؟ اگر تہجد کہیں گے تو تراویح کہاں گئی؟

بلکہ اس روایت نے مولوی صاحب کے اس مجملی دلیل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ثابت کر دیا کہ یہ ایک نماز ہے۔ تراویح کہو یا تہجد ،صلوۃ اللیل کہو یا قیام اللیل یا قیام رمضان ایسی واضح وضاحت کے بعد مولوی صاحب کی تقریر کا جائزہ لیا جاتا ہے اس تہجد اور تراویح کو دو الگ نمازیں کہنے کے لیے پانچ سبب ذکر کیے ہیں لیکن اس سے بھی ان کا مطلب پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا۔

صفحہ ۱۵۷:...... وجہ اول میں تحریر کرتے ہیں کہ ''تراویح صرف تین راتیں'' ۲۳، ۲۵، ۲۷، رمضان المبارک میں پڑھی ہیں۔ ان راتوں کی رکعات کی تعداد کے لیے بھی دلیل خاص ان راتوں کی نماز سے پیش کرنا مطلوب ہے۔ کیونکہ ان راتوں میں خصوصیت ہے اس لیے دلیل بھی خاص ہونی چاہیے۔ نہ ان کا عام دستور۔ کم وبیش والی دلیل نہیں ہوسکتا۔''

جواب:...... **اولاً**: ام المومنین کی حدیث "ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة" بالکل عام ہے یہ جو تین راتیں مولوی صاحب نے لکھی ہیں۔ وہ عام کے زمرے میں آئی ہیں۔ انہیں عموم سے خارج یا مستثنیٰ کرنے کے لیے مولوی صاحب کو کوئی صریح اور صحیح دلیل پیش کرنی چاہیے، صرف زبان درازی اس کے لیے کافی نہ ہوگی۔

ثانیاً:...... ان کا یہ رقم کرنا کہ ''ان راتوں میں خصوصیات ہیں'' وہ کون سی ہیں؟ واضح کیوں نہیں کرتے۔ اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص ہیں تو پھر اس روایت کو دلیل کس طرح بناتے ہیں؟ کیونکہ وہ دلیل بن سکتی ہے، جس میں خصوصیت نہ ہو گویا کہ انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے دلیل کو زائل کر دیا۔ وھو الثالث

رابعاً:...... اگر اس تعداد میں کمی بیشی ہے۔ تب بھی وتر متعلق اصل نماز وہی ہے۔

خامساً:...... ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتنی نماز ہے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ جب مولوی صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دو الگ نمازیں پڑھی ہیں تو ایسا ثبوت خود پیش کریں۔ ہم سے کس طرح طلب کرتے ہیں؟ ہم نے تو ایک ہی نماز حدیث میں دیکھی ہے اگر انہوں نے دوسری نماز بھی دیکھی ہے تو اسے واضح کریں۔

سادساً:...... حدیث مبارکہ میں انھی راتوں میں آٹھ رکعات پڑھنے کی تصریح ہے۔ جس حدیث کو مولوی صاحب صفحہ ۱۶۵۔ میں بیان کرتے ہیں۔ اس میں صریح الفاظ ہیں کہ "صلى بنا رسول الله ﷺ ثمان ركعات واوتر" (الحدیث) اگر چہ اس حدیث پر مولوی صاحب نے کلام کیا ہے اور اسے ضعیف

ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن تمام ناکامی بے سود اپنے مقام پر یہ حقیقت ظاہر ہوگی۔ یہ حدیث ضعیف نہیں ہے۔ بلکہ قابل قبول ہے۔

الغرض:...... مولوی صاحب کے دلیل خاص والے مطالبہ کو پورا کیا گیا۔ اب تو انہیں کسی ڈھیٹ سے اتر کے انصاف کو قبول کرنا چاہیے۔ دوسرا سبب اس طرح پیش کرتے ہیں۔ ''اس لیے کہ اس حدیث کو خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضور اکرم ﷺ کی نماز تہجد تصور کرتی ہیں نہ کہ تراویح۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ سے دریافت بھی کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ! کیا آپ وتر سے قبل نیند کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا............ الخ''

جواب:...... اولاً: یہ وہی سوال ہے جس کا جواب درج بالا میں بیان ہو چکا ہے۔

ثانیاً:...... یہ کوئی لازم ہے اگر تراویح بعد عشاء پڑھے تو وتر ساتھ پڑھے اور انتہاء رات کے لیے وتر مؤخر نہ کرے۔ اچھا گر ایسا کرنے کہ بعد عشاء تراویح پڑھے اور انتہاء رات میں وتر پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی؟ مولوی صاحب ایسی فتویٰ صادر فرمائیں گے؟ وهو الثالث۔

بلکہ ان کے کئی احناف تراویح اول لیل پڑھ کر اور پھر وتر آخر لیل میں پڑھتے ہیں۔ ان کے لیے مولوی صاحب کیا کہیں گے؟ وهو الرابع

وخامساً:...... مولوی صاحب بڑی جرأت سے تحریر کرتے ہیں کہ امت کا اجماع ہے کہ آپ نے جو کہ تین راتیں تراویح پڑھی ہیں۔ وہ نیند کرنے سے قبل تھیں'' لیکن ایسا ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ ان تین راتوں میں الگ تہجد پڑھی ہیں؟ ایسا کوئی ثبوت ان کے ہاں یا ان کے بڑوں کے ہاں ہے؟ ثبوت ہو تو پیش کریں ورنہ ان کی ایسی ہی دلیل ادھوری اور ناقص قرار پائے گی۔

صفحہ ۱۵۸:...... اس کے بعد اپنی تائید میں ام المومنین رضی اللہ عنہا کی حدیث نسائی سے نقل کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی۔

اولاً:...... راوی یعلی بن ملیکہ ایسا راوی نہیں ہے جس کی روایت ہر حالت میں حجت ہو۔ کیونکہ تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر راقم ہیں کہ ''مقبول'' یہ حافظ صاحب کی خاص اصطلاح ہے۔ جیسا کہ تقریب کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ ''السادسة من ليس له من الحديث الا القليل ولم يثبت فيه ما يترك حديثه من اجله واليه الاشارة بلفظ مقبول حديثا يتابع والا فلين الحديث .''

جب کہ اس کی کوئی متابعت نہیں ہے تو پھر اسکو ''لين الحديث'' تصور کیا جائے گا۔ ایسی روایت ضعیف شمار ہوگی۔ ان سے ابن ابی ملیکہ کے علاوہ دوسرا راوی نہیں ہے۔ جیسا کہ میزان صفحہ ۳۲۷ ج ۳۔ میں مذکور ہے۔

لہٰذا یہ راوی مجہول تصور کرنا چاہیے پھر جب حدیث صحت کے درجہ پر نہیں پہنچتی تو پھر اس سے استدلال کس طرح درست ہوگا؟

ثانیاً:...... حدیث میں تعداد رکعات مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا دو نمازیں کس طرح ثابت ہوں گی؟ پہلی نماز میں اتنی تعداد مذکور ہو جو مولوی صاحب کے مذہب مطابق تراویح کی ہے۔ پھر اول کو تراویح اور ثانی کو تہجد کہے۔ ودونه خرط القتاد

ثالثاً:...... اس سے تو ایک بڑی آسانی میسر آتی ہے کہ قیام لیل ایک ہی وقت پڑھنا لازم نہیں ہے۔ کچھ رکعات پڑھ کر آرام کرے پھر بیدار ہو کر بقیہ رکعات پڑھے اس سے ضعیف، عمر رسید، مریض یا کثرت محنت کے سبب تھکا ہوا شخص فائدہ لے سکتا ہے۔ گر ان کے لیے ایک ہی وقت میں پوری نماز باعث تکلیف ہے تو چاہے وقفوں سے پڑھے اور درمیان میں آرام کرے۔ وهو الرابع

خامساً:...... مولوی اس حدیث کو تو صحیح بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں یسر ہے تو بوجہ تکلیف صلوٰۃ اللیل کو وقفوں سے پڑھے اور مولوی صاحب تو اس دہری تکلیف میں ڈال رہے ہیں کہ پہلے نماز مکمل پڑھے پھر دوسری نماز بھی مکمل پڑھے ''ع'' یک نہ شد دو شد

سادساً:...... جب کہ اس روایت میں تعداد مذکور نہیں تو پھر ان کا عدد اور احادیث میں ڈھونڈنا پڑے گا۔ وہ ام المومنین بذات خود واضح کرتی ہیں کہ آٹھ رکعات ہیں۔ لہٰذا مبہم روایت مفصل پر محمول ہوتی ہے۔ اسی روایت میں ثابت ہوتا ہے کہ نماز ایک ہی ہے۔ پھر تحریر کرتے ہیں کہ ''مکمل نماز پڑھنے سے قبل سونے (نیند کرنا) والی نماز تہجد ہے تراویح نہیں ہے کیونکہ وہ لگاتار پڑھی جاتی ہے۔''

اولاً:...... یہ تب ہوگا جب مولوی صاحب یہ فیصلہ دے کہ اول لیل میں تراویح پڑھے اور وتر آخر لیل میں پڑھے تو نماز درست نہ ہوگی۔ اگر اس طرح درست ہے تو پھر سوال شد۔

ثانیاً:...... مولوی صاحب اتنا بتلا دیں کہ جو مزدور پوری رات کام کرتے ہیں اور صبح تک نیند نہیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ کراچی میں عام طور پر مزدور سمندر کی بندرگاہ پر پوری رات کام کرتے ہیں۔ ان میں کئی نیک صالح عابد اور تہجد گذار بھی ہیں۔ پھر ان کے لیے کیا حکم ہے کہ تہجد کس وقت پڑھیں دن کو نیند کر کے دوپہر کو اٹھ کر پڑھیں یا رات میں کسی وقت بھی نیند کیے بغیر پڑھیں؟

الغرض:...... آپ کا کلیہ نہ رہا نماز ایک ہی ہے۔ اس حدیث سے دو تو ثابت نہیں ہوتیں۔ پھر تحریر کرتے ہیں کہ ''اگر تراویح اور تہجد ایک شی ہے تو اس کی ترتیب بھی تو یہ............الخ

جواب:...... یہ ترتیب دائمی نہ تھی۔ جیسا کہ دوسری احادیث شاہد ہیں، بلکہ آپ نے آسانی کے لیے ایسا کیا

نیز کوئی ضروری فرض بھی نہیں ہے۔ دونوں جائز ہیں۔ اہل حدیث پر بھی اعتراض کرتا ہے۔ لیکن جب خود حدیث کو تسلیم بھی کرتا ہے اور دلیل بھی بناتا ہے پھر خود کیوں نہیں اس کے مطابق عمل کرتے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ جو اسوہ رسول اللہ ﷺ صحیح احادیث سے ثابت ہیں وہ تمام حق ہیں۔ ان پر جس بھی طریقہ سے عمل کرے تو ٹھیک ہے۔ آپ ہی ہو، جو ایک بات مانتے ہو۔ جو آپ کی فقہ میں ہے اور بس۔ ایضاً اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''مالکم و صلوٰته'' مولوی صاحب ترجمہ کرتا ہے کہ ''آپ اور رسول اللہ ﷺ کی نماز'' یعنی تمہیں آپ جیسی نماز پڑھنے کی استطاعت کہاں ہے یقیناً آپ کی نماز طویل ہوتی ہے، لہٰذا سب کے لیے یقیناً ایسا مشکل ہے۔ خود ام المومنین کی حدیث میں عذر کا بیان ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اتنی استطاعت عطا کرے اس کے لیے یہ سعادت ہے۔ مگر سب کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ کمزور ضعیف الجسم، بیمار، یا تھکے ہوئے جو طویل نماز نہیں پڑھ سکتے، وہ اگر اپنی استطاعت کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔ بوجہ تھکن چند رکعات پڑھ کر پھر بعد آرام بیدار ہو کر دوسری رکعات پڑھتے ہیں تو ان کے لیے بھی آسانی ہوئی۔ لیکن جو بات مولوی صاحب تلاش کر رہے ہیں وہ ان کی گردن میں ہے۔ سبب ثالث اس طرح نقل کرتے ہیں ''آپ ﷺ ایک رات مسجد میں تراویح پڑھنے نہ آئے اور فرمایا کہ مجھے خوف لاحق ہوا کہ نماز تراویح تم پر فرض نہ ہو جائے ...... الخ''

جـــواب: ...... اولاً: حدیث میں لفظ تراویح مذکور نہیں مولوی صاحب اپنی دلیل بنانے کی خاطر اپنی پرانی خصلت کے مطابق اسی حدیث میں اس لفظ کو زائد کیا ہے جس کا فیصلہ اللہ کے ہاں ہوگا۔ حدیث میں تو مطلق نماز کی بات ہے۔

ثانیاً: ...... مولوی صاحب کی دلیل یہاں سے تب بنتی جب یہ ثابت کریں کہ اس کے بعد آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے صلوٰۃ اللیل پڑھنا ترک کر دی۔ آپ ﷺ نے جماعت سے صرف اس وجہ سے نہ پڑھی کہ کہیں فرض نہ ہو جائے۔

ثالثاً: ...... یہ وہی صلوٰۃ اللیل ہے ورنہ مولوی صاحب پر لازم ہے کہ وہ کسی صحیح اور صریح حدیث سے ثابت کریں کہ یہ تین راتیں جو آپ ﷺ نے نماز پڑھائیں۔ ان میں پھر بعد میں تہجد پڑھی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ان شاء اللہ ایسا ثبوت تا قیامت نہیں دے سکتا۔ ''ولوا جتمعوا له'' تو پھر اپنی فضول بحث بند کریں۔ یہ نماز وہی ہے۔

صفحہ ۱۵۹: ...... مولوی صاحب پھر تحریر کرتے ہیں کہ ''تہجد کی فرضیت پہلے منسوخ ہو چکی تھی، پھر دوبارہ فرضیت کس طرح ہوگئی ...... الخ''

جواب: ...... **اولاً:** یہ بھی وہی بات ہے آپ ﷺ نے مع جماعت قیام اللیل نہیں کیا۔ شاید اس طرح فرض ہو۔ یہ مولوی صاحب کی کج فہمی ہے، جو کہ کیفیت جماعت کا خیال نہیں لاتے۔

ثانیاً: ......کیا یہ بات قدرت الٰہی کے خلاف ہے کہ ایک شی کو منسوخ کرے پھر دوبارہ جاری وساری کرے نہیں ہوسکتا؟ مثلاً نکاح متعہ پہلے حلال تھا۔ پھر اس کی حلت منسوخ ہوگئی اور حرام کیا گیا بعد میں اس کی حرمت منسوخ ہوئی پھر حلال کیا گیا، پھر حلت منسوخ ہوئی اور تا قیامت حرام کی گئی۔

چنانچہ امام نووی صحیح مسلم کی روایات متعہ پر یہ باب قائم کرتے ہیں: "باب نكاح المتعة وبيان انه ابيح ثم نسخ واستقر تحريمه الى يوم القيامة" بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان عظیم میں گستاخی ہے کہ وہ ایک بار منسوخ کرنے کے بعد دوبارہ جاری نہیں کرسکتا۔ سبب رابعہ میں ''فتاویٰ عزیزیہ'' سے محدث شاہ عبدالعزیز کا قول نقل کرتے ہیں۔

اولاً: ...... حالانکہ اس قول کو سبب نہیں کہا جائے گا۔ نہ ہی یہ کوئی دلیل ہے بلکہ کسی بھی قول کے صحیح ہونے کے لیے خود سبب اور دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

ثانیاً: ...... اسی فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۱۱۹ میں اس عبارت سے قبل یہ عبارت بھی ہے۔ درباب تراویح چنانچہ این حدیث صحیح واقع شد کہ "ما كان يزيد فى رمضان ولا فى غيره على احدى عشرة ركعة" یہ عبارت اپنے معنی میں بالکل واضح ہے کہ ام المومنین والی یہ حدیث ما کان یزید" بالکل صحیح ہے اور تراویح کے بارے میں ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کی یہ روایت تہجد متعلق غلط ہے یا تو مولوی صاحب کو ماننا پڑے گا کہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب کے کلام میں تناقض ہے۔ کیونکہ پہلے اسے تراویح کے لیے مانا ہے پھر تہجد پر محمول کرتا ہے۔ ایسے متناقض کلام کو کس طرح قبول کیا جائے؟ وهو الثالث

رابعاً: ...... یا تو کہنا پڑے گا کہ خود شاہ صاحب دونوں نمازوں کو ایک تصور کرتے ہیں اور آخر لیل میں پڑھنے کی صورت میں اسے تہجد کہتے ہیں اور اول اللیل میں پڑھنے کی صورت میں اسے تراویح کا نام دیتے ہیں۔ پھر تو یہ صرف نام کا فرق رہا اور نماز تو ایک ہی ہوئی۔ اب مولوی صاحب کی مرضی، چاہے تو شاہ صاحب کے کلام کو متناقض سمجھیں اور اس سے ہاتھ اٹھائیں یا جو توضیح ہم نے بیان کی وہ قبول کرے وهو الخامس۔

وسادساً: ...... اگر کسی قول کو ہی سبب قرار دیتے ہیں تو پھر شاہ عبدالعزیز کے قول سے زیادہ معتبر اور قوی اپنے والد بزرگ شاہ ولی اللہ صاحب کا قول ہے اور وہ ام المومنین والی حدیث "ما كان يزيد" سے مراد تراویح لیتے ہیں۔ جیسا کہ المصفی صفحہ ۱۷۴ ج ۱۔ میں اس حدیث پر یہ باب قائم کرتے ہیں۔ ''"باب القيام

باحدی عشرۃ رکعۃ مع طول القراۃ" نیز المصفی صفحہ ۱۷۷ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں: "از فعل انحضرت ﷺ یازدہ رکعۃ ثابت شدہ" حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۸ ج ۱ میں فرماتے ہیں "النبی ﷺ شرع للمحسنین احدی عشرۃ رکعۃ فی جمیع السنۃ."

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت بھی سودمند ثابت نہ ہوسکی

سابعاً: ...... شاہ صاحب کا نام تو مولوی صاحب نے لے لیا لیکن وہ اس بات سے آشنا نہیں کہ شاہ صاحب کے اور بھی اقوال ہیں یا نہیں؟ مثلاً: مذہب احناف کے پھیلنے کے اسباب شاہ عبدالعزیز اپنی کتاب بستان المحدثین صفحہ ۱۱۔ میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "وابن حزم درجای نو شتد است کہ این دو مذہب در عالم ازراہ ریاست وسلطنت رواج وامتیاز گرفتہ اند مذہب ابوحنیفہ ومالک زیرا کہ قاضی ابو یوسف قضای کل ممالک بدست آوردہ از طرف او قضاۃ میر فتد پس بر قاضی شرط می کرد کہ عمل وحکم بمذہب ابوحنیفہ نماید" پھر آپ کے حنفی اپنی کثرت پر ناز کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اسی راز کو فاش کیا کہ حنفی مذہب کا پھیلنا اس کی حقانیت کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ کتنے عالم قضا کے عہدے کی لالچ میں حنفیے اور عوام میں مذہب پھیلا۔ مولوی صاحب شاہ صاحب کے اس قول کو قبول کریں گے؟ مثال ثانی شاہ صاحب موصوف نے تقلید کے متعلق اپنی تفسیر فتح العزیز صفحہ ۱۵۹ ج ۱۔ میں آیت ﴿فلا تجعلوا للہ اندادا وانتم تعلمون﴾ کے تحت فرماتے ہیں "چنانچہ عبارت "غیر خدا مطلقاً شرک وکفر است وطاعۃ غیر او تعالیٰ نیز بالاستقلال کفر است ومعنی اطاعت غیر بالا ستقلال آن است کہ رد مبلغ احکام اوندا نستہ ربقۃ طاعت او در گردن انداز دو تقلید اولازم شمارد باوجود ظہور مخالفت حکم او حکم او تعالیٰ دست از اتباع او برندارد این ہم نوعی است از اتخاذ انداد کہ در آیت ﴿اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ﴾ فرمودہ" یہ عبارت علامہ محمد ابوالحسن سیالکوٹی الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین صفحہ ۱۹ ج ۱۔ میں اور علامہ ابو یحییٰ امام خان نوشہروی تراجم علماء حدیث ہند صفحہ ۵۴ ج ۱۔ میں بھی منقول ہے۔ اب مولوی صاحب بتلائیں کہ شاہ صاحب کے اس قول کو تسلیم کریں گے؟ تقلید اور مقلدین کے لیے یہ خیال مولوی صاحب قبول کریں گے؟ مشہور مسئلہ فاتحہ خلف الامام متعلق شاہ صاحب کی فتویٰ جو فارسی میں شائع ہے، یہ اس مجموعہ میں مذکور ہے جس میں مرزا کریم بیگ صاحب مرحوم خاندان شاہ ولی اللہ کے فتاویٰ جمع کیے ہیں۔ وہ مجموعہ علماء کلکتہ ۱۲۵۶ھ میں

شایع کروایا۔ اسی فتوٰی کی عبارت یہ ہے ’’خواندن سورہ فاتحہ باقتدائے امام مقتدی رانزد ابوحنیفہ ممنوع است ونزء د شافعی بدون خواندن سورہ فاتحہ عدم جواز الصلوٰۃ ونزد فقیر ہم قول شافعی راجح است د اولیٰ چرا کہ بملا حظہ حدیث ’’لا صلوٰۃ الا بفاتحہ الکتاب‘‘ بطلان نماز ثابت می شود وقول ابی حنیفہ جابجا واردست کہ جائے کہ حدیث وارد شود قول من خلافش افتد قول ترک باید کرد وبر حدیث عمل باید کرد ’’وحال آیۃ کریمہ ‘‘ ﴿واذا قریٔ القرآن﴾ الخ اینست کہ ہرگاہ امام سورہ دیگر ختم کند مقتدی خاموش گرید ساعت کند کہ برائے سورۃ فاتحہ کہ ام الکتاب است مستثنیٰ است۔ از مفہوم احادیث صحیحہ علماء محققین ومحدثین ومفسرین درین باب بیار گفتگو کردہ اند منقح بریں معنی گردید کر سورۃ فاتحہ راپس امام باید خواند باین طور کہ ہرگاہ امام لفظ الحمد خواند مقتدی بشود وگوید الحمد للہ تا آخر سورہ بہمین طور کہ باخفاء ختم کردہ باشد وہرگاہ امام بآمین برسد ہمہ مقتدیان بگویند بالمد والجہر آمین ودریں باب ہم در صحیح بخاری حدیث وارد شدہ است الحال شان نزول موافق بیان وتحقیقات الشیخ الاکمل شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی دریافت باید کرد کہ پیغمبر خدا ﷺ در مسجد مدینہ نماز ادائے فرمودند وصحابہ نیز باقتدائے آنحضرت نمازی خواندند وہر سورہ را کہ پیغمبر خدا بہ جہر ختم می فرمودند مقتدیان آن را مخفی می خواندند۔ ہرگاہ الحمد تمام نمودہ شروع سبح اسم ربک الاعلیٰ‘‘ الخ فرمودند صحابہ نیز متابعت شروع سورہ مذکورہ نمودند۔ پس درھمین اثنا ایں آیت نازل گردید واذا قری القران الخ۔ پیغمبر خدا فرمودند قراۃ الامام قراۃ لہ ازیں جا ثابت شد کہ آیت مذکورہ برائے مخالفت سورہ دیگر وارد گردید نہ کہ برائے فاتحہ وباز ہمہ صحابہ بہ تبعیت رسول اللہ سورہ فاتحہ ہمیشہ ادا مے نمودند کا ہے رسول اللہ منع نہ فرمودند۔ لہٰذا لا رم آید ضم فاتحہ مقتدی بہ تبعیت امام نیز کردہ باشد داخل تابعان مفسرین ومحدثین خواہد شد وازین معنی از ترک فاتحہ خلاف حدیث صحیح عملش واقع نہ خواہد شد چہ عجب کہ صفت این حدیث بامام ابوحنیفہ نہ رسیدہ باشد ہرگاہ کہ الحال از صدہا وہزار ہا مردم علمائے محققین مثل بخاری صاحب مسلم وغیرہم صحت این حدیث ثابت شد از ترکش ملا ومطعون خواہد شد۔‘‘ (تراجم علمائے حدیث ہند صفحہ ۵۵۔۵۶ ج ۱ مع الحاشیہ)

اب مولوی صاحب بتلائیں کہ کیا کہتے ہیں؟ شاہ صاحب کا فیصلہ قبول کرتے ہیں یا نہیں؟ اور آیت ﴿واذا قریٔ القرآن﴾ متعلق شاہ صاحب کا فیصلہ قبول کریں گے۔ اس عبارت میں شاہ صاحب بتلا رہے ہیں کہ ’’آمین‘‘ کہنا چاہیے۔ شاہ صاحب کا یہ فیصلہ قبول کریں گے؟ یا صرف اپنے مطلب کی بات لیں گے؟

صفحہ ۱۶۰:...... پھر تحریر کرتے ہیں کہ ’’شاہ ولی اللہ بھی بیس رکعات کے قائل تھے۔‘‘

شاہ صاحب کی عبارات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے آٹھ رکعات تراویح ثابت ہیں۔ ایسے ثبوت کے بعد مولوی صاحب کے لیے کون سی حجت رہتی ہے۔ پانچواں سبب یہ پیش کرتے ہیں کہ ’’تہجد اور تراویح

دونوں کی تاریخ علیحدہ علیحدہ ہے .... الخ۔"

جواب: ...... **اولاً:** یہ بھی مولوی صاحب کی کج فہمی ہے کہ دو نمازیں تصور کر بیٹھا ہے حالانکہ یہ ایک ہی نماز ہے۔ جسے کچھ وقت بعد رمضان میں اول اللیل میں پڑھنا سکھایا گیا۔

رئیس الاحناف سیّد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا تہجد اور تراویح کے متعلق فتویٰ

ثانیاً: ...... اس مضمون کے لیے بھی آپ کے رئیس الاحناف سید انور شاہ کشمیری نے قاطع فیصلہ کر دیا ہے۔ چنانچہ فیض الباری صفحہ ۴۲۰ ج ۲۔ میں فرماتے ہیں: "والمختار عندی انهما واحد وان اختلفت صفتاهما كعدم المواظبة على التراويح واداء ها بالجماعة وادائها فی اول اللیل تاره وايصالها الى السحر اخرى بخلاف التهجد فانه كان فی آخر اللیل ولم تكز فيه الجماعة وجعل اختلاف الصفات دليلا على اختلاف نوعيهما ليس بجيد عندی بل كانت تلك صلوٰة واحدة اذا تقدمت سميت باسم التراويح واذا تاخرت سميت باسم التهجد ولا بدع فی تسميتها باسمين عند تغاير الوصفين فانه لا حجر فی التغاير الاسمی اذا اجتمعت عليه الامة وانما يثبت تغاير النوعين اذا اثبت عن النبی ﷺ انه صلى التهجد مع اقامته بالتراويح ثم ان محمد بن نصر وضع عدة تراجم فی قيام اللیل وكتب ان بعض السلف ذهبوا الى منع التهجد لمن صلى التراويح وبعضهم قالوا باباحة النفل المطلق فدل اختلافهم هذا على اتحاد الصلوتين عندهم ويويده فعل عمر رضی اللہ عنہ فانه كان يصلی التراويح فی بيته فی آخر اللیل مع انه كان امرهم ان يودوها بالجماعة فی المسجد ومع ذلك لم يكن يدخل فيها وذلك لانه كان يعلم ان عمل النبی ﷺ كان بادائها فی آخر اللیل ثم نبههم عليه قال ان الصلوٰة التی تقومون بها فی اول اللیل مفضولة منها لو كنتم تقيمونها فی آخر اللیل فجعل الصلوٰة واحدة وفضل قيامها فی آخر اللیل على القيام بها فی اول اللیل۔"

شاہ صاحب کی اس عبارت سے چند اہم باتیں معلوم ہوئیں۔

الاول: ...... شاہ صاحب کے ہاں محقق اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے۔

الثانی: ...... بعض روایات میں اگرچہ دونوں کے اوقات اور صفت وغیرہ کا اختلاف ہے۔ لیکن اس سے دونوں نمازوں کا علیحدہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

الثالث: ...... شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ ٹھیک نہیں ہے کہ اختلاف صفات کے سبب نمازوں کے دو انواع بنانے کے لیے دلیل بنایا جائے۔

الرابع: ...... یہ ایک ہی نماز ہے اول لیل میں پڑھتے وقت اس کا نام تراویح اور آخر لیل میں پڑھنے کی صورت میں اسے تہجد کا نام دیا گیا۔

الخامس: ...... بسبب اختلاف اوصاف اسی ایک نماز کے دو نام ہوں، یہ کوئی ایسی بات نہیں، جو جدید یا ان جان تصور کی جائے۔

السادس: ...... دو نمازیں تب تصور ہوں جب ایسا ثبوت ملے کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح باجماعت پڑھائی ہو۔ پھر بھی تہجد پڑھی ہو، یعنی ایسا کوئی ثبوت نہیں۔

السابع: ...... بعض سلف تراویح پڑھنے والے کو دوبارہ تہجد پڑھنے سے منع کرتے تھے، بعض سلف مطلق نوافل کی اجازت دیتے تھے، جس سے ظاہر ہے کہ وہ تہجد اور تراویح کو ایک نماز تصور کرتے تھے۔

الثامن: ...... خود امیر عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی بات کا قائل تھا کہ یہ ایک ہی نماز ہے۔

التاسع: ...... اس لیے وہ اگرچہ لوگوں کو نماز باجماعت پڑھنے کا حکم دیتا تھا، لیکن خود گھر میں پڑھتے تھے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر گھر میں پڑھتے تھے۔ یعنی اگر دو نمازیں تصور کرتے تو باجماعت پڑھ کر پھر گھر میں پڑھتے۔ لیکن ایسے نہیں کیا جس سے واضح ہے کہ وہ ایک نماز تصور کرتے تھے

العاشر: ...... بلکہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ جماعت کو ترغیب دیتے تھے کہ آپ جو نماز اول لیل میں پڑھتے ہو اس سے بہتر ہے کہ آخر لیل میں پڑھیں جس سے واضح ہے کہ وہ ایک نماز سمجھتے تھے، ورنہ انہیں آخر لیل میں دوبارہ تہجد پڑھنے کی ترغیب دلاتے۔

الحاصل: ...... شاہ صاحب کی اس عبارت نے مولوی صاحب کی تمام تگ و دو کو ناکارہ کر دیا۔ اس کے بعد ہمارے رسالے الوسیق صفحہ ۶ سے چیلنج نقل کرتے ہیں۔ جس کے الفاظ ہیں ''بلکہ ملا صاحب کو تا حیات چیلنج ہے کہ کوئی ایک ایسی روایت لائے جس میں صراحتاً بیان ہو کہ رسول اللہ ﷺ تراویح پڑھ کر دوبارہ تہجد پڑھی ہو۔ ﴿ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین﴾ یہ ایسا چیلنج ہے۔ جس کا جواب کسی کے ہاں نہیں۔ خود مولوی صاحب کے بڑے ایسے چیلنج کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے ہیں، ابھی سید کشمیری صاحب کی عبارت گذری، تعجب تو مولوی صاحب کی جرات پر ہے کہ اسی چیلنج کو لاعلمی کا مظاہرہ کہتے ہیں۔ مگر اہل علم جانتے ہیں کہ جس کا وجود نہ ہو اس کے ثبوت کا مطالبہ یا چیلنج دلیل قوی اور ضرب کاری ہے پہلے تو مولوی صاحب اتنے بڑے سید انور شاہ کشمیری پر لاعلمی کا الزام لگائے، جس نے بڑے جوش و خروش سے کہا ہے کہ ایسا کوئی

ثبوت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تہجد اور تراویح الگ پڑھی ہیں۔

صفحہ ۱۶۱:...... چیلنج کے جواب میں راقم ہیں کہ "بندہ دو احادیث دکھانے کے لیے تیار ہے" حالانکہ ان کے بڑوں کے ہاتھ تو ایسی روایت نہ لگی انہیں کہاں سے ہاتھ آئی؟ لیکن پھر بھی جو انہوں نے لکھا ہے" اس کا جائزہ لیا جاتا ہے مولوی صاحب نے دو حدیثیں لکھی ہیں۔ حدیث اول صحیح مسلم کے حوالہ سے انس بن مالک کی نقل کی ہے، ترجمہ اس طرح تحریر کرتے ہیں "حضور اکرم ﷺ رمضان مبارک میں نماز پڑھ رہے تھے، میں آیا اور آپ کے قریب کھڑا ہوا۔ پھر دوسرا شخص آیا وہ بھی کھڑا ہوا نماز شروع کی اس قدر کہ ہم کچھ جماعت ہوگئے جب آپ نے محسوس کیا کہ ہم پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں تو نماز کو مختصر کرنے لگے اور اپنے گھر گئے۔ پھر وہاں یہ نماز پڑھی۔ جو ہمارے ہاں نہ پڑھی۔"

جواب:...... **اولاً:** اس میں اس طرح کہاں ہے کہ دو مرتبہ نماز پڑھی۔

ثانیاً:...... اس میں یہ بھی تو بیان نہیں جس لمحہ انس رضی اللہ عنہ آیا تو اس وقت رات کی ابتدا تھی اور دوبارہ گھر پڑھی تو آخری رات تھی۔ کیونکہ مولوی صاحب کے ہاں تراویح اور تہجد کا تو یہ فرق ہے۔

ثالثاً:...... نماز وہی تھی۔ لیکن لوگ پیچھے بڑھ گئے، لہٰذا نماز خفیف کر کے سلام پھیرا۔ بقیہ نماز گھر پڑھی۔

رابعاً:...... مولوی صاحب نے آخری جملے کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ "فصلی صلوٰۃ لا یصلیها عندنا" ترجمہ رقم کرتے ہیں کہ "یہ نماز پڑھی، جو ہمارے ہاں نہ پڑھی" یہ ترجمہ غلط ہے۔ اس لیے کہ معنی ماضی کا ہے اور حدیث میں مضارع کا صیغہ ہے۔ مولوی صاحب جان بوجھ کر یہ معنی کر کے دو نمازیں تجدید کرتے ہیں۔ یہاں جملہ "لا یصلیها صلواۃ" سے صفت واقع ہے۔ یعنی گھر میں اسی اسوہ سے نماز پڑھی، جو ہمارے ہاں نہیں پڑھی۔ جس کا مطلب ہے کہ زیادہ لمبی پڑھی، کیونکہ اس سے قبل لفظ موجود ہے۔ "سبب جماعت ہی آپ نے نماز خفیف کی، اور پھر گھر جا کر مکمل نماز پڑھی۔ پھر یہ ایک ہی نماز کہی جائیں گی۔ مولوی صاحب یا تو عبارت حدیث کو نہیں سمجھے ہیں یا پھر جان بوجھ غلط معنی لے رہے ہیں۔ وھو الخامس

وسادساً:...... اسی حدیث کے اول و آخر میں مولوی صاحب نے بیان کیا ہے اور درمیان والے ٹکڑے کو بیان نہیں کیا ہے، کیونکہ انہیں نقصان پہنچتا ہے۔ درمیان میں یہ لفظ ہیں کہ "قال قلنا له حين اصبحنا لنا الليلة قال فقال نعم ذالك الذى حملنى على الذى صنعت" یہ عبارت سے واضح ہے کہ اگر دو نمازیں ہوتیں تو ہمیشہ اس طرح کرتے رہتے بلکہ اس طرح فقط اس رات جماعت کے پیچھے کھڑے ہونے کے سبب اس طرح کیا۔ لہٰذا مولوی صاحب کا اس روایت سے اچکنا کارگر نہ ہوا۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہوکر تیرے کوچے سے ہم نکلے

یہ چیلنج مولوی صاحب کے سر پر ہمیشہ قائم ہے۔ پھر تحریر کرتے ہیں کہ "اس حدیث سے ثابت ہے کہ ایک نماز صحابہ کے ساتھ پڑھی (جو کہ تراویح تھی) پھر دوبارہ گھر میں جا کر یہ نماز پڑھی، جو صحابہ کے ساتھ نہ پڑھی اور یہ تہجد تھی۔"

جواب: ...... یہ پورا مولوی صاحب کا جھوٹ ہے ایسا بیان حدیث کے الفاظ میں ہے ہی نہیں، قارئین خود مولوی صاحب کا ترجمہ پڑھ کر دیکھیں کہ اس میں کوئی ایسا لفظ ہے؟ ہرگز نہیں!! بلکہ یہ ایک ہی نماز تھی، کہ آپ جماعت دیکھ شفقت اور رحم کی بناء پر کہ انہیں تکلیف نہ ہو، اختصار کیا، سلام پھیرا، بقیہ نماز گھر جا کر پڑھی۔ انہیں مولوی صاحب کہتے ہیں کہ دو نمازیں پڑھیں۔ احادیث پر ایسی یلغار کرنے والے کا عالَم کیا ہوگا؟

الغرض: ...... اس حدیث سے مولوی صاحب کے مقصد کا تکملہ نہ ہوا۔

صفحہ ۱۶۲: ...... دوسری حدیث نسائی، ابوداؤد، اور ترمذی کے حوالہ سے طلق بن علی سے منقول ہے۔

جواب: ...... **اولاً:** اس سند میں راوی قیس بن طلق ہے جسے اگرچہ ثقہ کہا گیا ہے لیکن کئی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ امام احمد انہیں ضعیف کہتے ہیں ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ "سالت ابی وابازرعة عنه فقالا لیس ممن تقوم به حجة" (میزان صفحہ ۳۵۰) امام شافعی کہتے ہیں کہ "قد سالنا عن قیس فلم نجد من یعرفه بما یکون لنا قبول خبره" امام ابن معین کہتے ہیں کہ "لا یحتج بحدیثه" (التہذیب صفحہ ۳۹۹ ج ۸) مولوی صاحب بھی معمولی جرح پر راوی کو ضعیف کہنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان کے طریقہ مطابق حجت لینے جیسی نہیں ہے۔

ثانیاً: ...... یہ روایت ہمارے چیلنج کے مقابلے میں نہیں ہے کیونکہ اس میں عمل رسول اللہ ﷺ کا بیان نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح کیا۔ بلکہ ہمارا مطالبہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ثبوت چاہیے اس روایت سے اس کا تکملہ نہیں ہوتا۔

ثالثاً: ...... مولوی صاحب فیصلہ کر چکے ہیں کہ تراویح اول لیل میں ہوتی ہے اور تہجد آخر اللیل میں لیکن اس روایت میں ایسا بیان تو نہیں کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے پہلی نماز اول لیل میں پڑھائی اور دوسری نماز آخر لیل میں لہٰذا یہ دلیل ناقص ہے اور اس سے دعویٰ ثابت نہیں ہوگا، بلکہ مطالبہ اب بھی اپنے مقام پر قائم ہے۔

راستہ پار کرنا ابھی بند نہیں
نا خدا تو میری قسمت کا خدا وند نہیں

رابعاً: ...... اس روایت کے ترجمہ کے بعد مولوی صاحب فائدہ کا عنوان قائم کرتے ہیں تحریر کرتے ہیں کہ ''طلق بن علی نے دوبارہ اپنے رفقاء کو الگ تہجد نماز پڑھائی'' حدیث کے الفاظ ہیں ''ثم انحدر الی مسجدہ فصلی باصحابہ'' حالانکہ یہ بات مولوی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپ کے مذہب میں تراویح کے علاوہ دوسری کوئی نفلی عبادت باجماعت ہوکر پڑھنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۱۱۰ ج ۱ طبع ہند میں ہے کہ ''ان التنفل بالجماعۃ غیر التراویح مکروہ عندنا'' پھر مولوی صاحب جو کہتے ہیں کہ اسی صحابی نے دوبارہ جا کر لوگوں کو تہجد نماز پڑھائی۔ اب اس پر یہ فتویٰ عائد کریں گے کہ اس نے مکروہ اور برا کام کیا؟ یا اس روایت سے ہاتھ دھوئیں گے یا کہیں گے کہ یہ ایک ہی نماز تھی۔ وھو الخامس

سادساً: ...... اس صحابی کے مسجد میں جا کر دوبارہ نماز پڑھانے کے متعلق علامہ ابوالحسن سندھی حاشیہ سنن نسائی صفحہ ۲۴۷ ج ۱ مجتبیٰ میں راقم ہیں کہ ''قولہ فصلی باصحابہ الظاھر انہ صلی بھم الفرض والنفل جمیعا فیکون ابتداء القوم بہ فی الفرض عن اقتداء المفترض بالمتنفل.'' اس طرح فتح الودود شرح ابی داؤد صفحہ ۱۹۰ قلمی میں بھی ہے۔ اب مولوی صاحب بتائیے کہ اس طرح دوسری مرتبہ وہی فرض دوسری جماعت کو پڑھا سکتا ہے؟ بلکہ یہ روایت آپ کے مذہب کے موافق ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ فرض والا نفلی نماز پڑھنے والے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے۔ حالانکہ یہ بات آپ کے مذہب کے خلاف ہے۔ آپ کی مشہور کتاب مختصر قدوری جو مولوی صاحب نے مدرسہ میں قراءت کی ہے اس کے صفحہ ۴۵ میں ہے ''ولا یصلی المفترض خلف المتنفل'' اس طرح ہدایہ صفحہ ۱۲۷ ج ۱ میں بھی ہے۔ پھر جس حدیث کو مولوی صاحب خود نہیں تسلیم کرتے۔ وہ کس طرح پیش کرتے ہیں؟

وھو السابع: ...... پھر انہیں قبول کرنا چاہیے کہ یہ نماز ایک ہی تھی یعنی تراویح جیسا کہ آپ کے بعض فقہاء نے ٹھیک کہا ہے۔ کمافی قاضی خان صفحہ ۱۱۰ طبع ہند۔ وھو الثامن

دوسرے فائدے میں راقم ہیں کہ جب صحابی رسول اللہ ﷺ سے نقل کر رہا ہے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز کا حصہ اول تراویح باجماعت اور وتر باجماعت دوبارہ تہجد پڑھنا بھی حضور ﷺ کا عمل ہے۔''

جواب: ...... یہ بھی مولوی صاحب کا ایک جھوٹ ہے حدیث میں ایسی صراحت نہیں کہ صحابی کہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے میری مانند کیا یا میں نے اس سے مشابہ نماز پڑھی۔ جیسا کہ اکثر احادیث میں صحابی نماز کے بعد کہتے ہیں۔ ھٰکذا رأیت رسول اللہ ﷺ یصلی، "یا" ھٰکذا کان یفعل، "یا" انی لاشبھکم صلوٰۃ برسول اللہ ﷺ وغیرہ الفاظ آتے ہیں۔ بلکہ یہاں صحابی اپنے عمل کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں کرتا۔ صرف ایک مسئلہ آپ ﷺ سے نقل کرتا ہے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔

ثانیاً:...... یہاں مولوی صاحب کی عبارت سے واضح ہے کہ آپ کا عمل یہ تھا۔ جس کا معنی کہ یہ آپ کا دائمی عمل تھا۔ ادھر صفحہ ۱۵۷ میں راقم ہیں کہ "تراویح صرف تین راتیں (۲۳۔ ۲۵ اور ۲۷) رمضان المبارک میں پڑھی ہیں۔"

ان کے اپنے ہی کلام میں تناقض ہے۔ اپنے کلام سے اپنی بات کو رد کر رہا ہے۔

ثالثاً:...... بلکہ یہ اسی قسم کی حرکت کہ موقوف روایت کو مرفوع کہنا یعنی عمل صحابی کو عمل رسول ﷺ کہنا، اگر کوئی راوی اس خصلت کا مالک ہے تو محدثین کہ ہاں مجروح قرار پاتا ہے۔ لہٰذا آئندہ کے لیے مولوی صاحب نے اپنی نقل سے اعتماد مرتفع کر دیا۔ وھو الرابع

خامساً:...... پھر تو یہ بات آپ کے مذہب کے خلاف ہوئی، کیونکہ آپ کے ہاں علاوہ بقیہ نفلی عبادت میں جماعت مکروہ ہے۔ پھر تدبر و فکر سے کام لیں کہ اب حملہ کس پر ہے۔

- پھر لکھتے ہیں کہ "مقدار نماز اور ترتیب میں اجتہاد صحابی اور مجال رائے نہیں ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا اس لیے اس طرح کرتا ہے"

الجواب:...... **اولاً:** جب کہ نہ تعداد نماز بیان ہے کہ کتنی رکعات تھیں اور نہ ہی ان کی ترتیب بیان ہے۔ لہٰذا یہ قاعدہ یہاں وارد نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً:...... اسی قاعدہ کے مطابق یالفرض اسی روایت کو مرفوع تسلیم کیا جائے تب بھی حکماً مرفوع کہی جائے گی۔ لیکن ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث "ماکان یزید" لفظاً مرفوع ہے۔ لہٰذا یہ مرفوع حکماً پر مقدم ہوگی۔ کما تقرر فی الاصول.

صفحہ ۱۶۳:...... فائدہ ثلاثہ میں راقم ہیں کہ:...... "اصول حدیث کا بھی قانون ہے کہ صحابی کا وہ عمل جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو (اور نہ اسی سے ہے) مرفوع حدیث کے حکم میں ہے...... الخ۔"

جواب:...... اولاً: شرح نخبہ صفحہ ۷۷ میں ہے "ومثال المرفوع من الفعل حکما ان یفعل الصحابی مالا مجال للاجتھاد فیہ فینزل علی ان ذلک عندہ عن النبی ﷺ کما قال

الشافعی فی صلواۃ علی کرم اللہ وجهه فی الکسوف فی کل رکعة اکثر من رکوعین ۔" اب تدبر کریں کہ اسی روایت میں کیفیت نماز یا تعداد رکعات یا کوئی ترتیب مذکور ہے؟ بالکل نہیں بلکہ اس میں صرف یہ بیان ہے کہ صحابی نے دو مقامات پر جماعت کروائی تو اس طرح ایک امام دو مقامات پر جماعت کروائے۔ اس کے آپ تو قائل نہیں ہو۔ اگر دو نمازیں کہتے ہو تب بھی تم غیر تراویح دوسری کسی بھی نفلی نماز کی جماعت کے قائل نہیں ہو پھر جسے آپ مرفوع مانتے ہو۔ اس کے پہلے آپ خود ہی مخالف ہو۔ وھو الثانی

ثالثاً:...... بلکہ یہ حدیث آپ پر حجت ہے کہ ایک امام ایک ہی نماز دو مقامات پر پڑھا سکتا ہے۔

الغرض:...... دونوں روایات سے مولوی صاحب کو اپنا مطلب حاصل نہیں ہوا۔ مولوی صاحب کا بھرم اسی میں تھا کہ جس چیلنج کے جواب سے اس کے بڑے عاجز تھے اور مان چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی تہجد اور تراویح ایک ہی نماز تھی اور کسی بھی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے دو نمازیں الگ پڑھی ہوں۔ پھر مولوی صاحب نے خواہ مخواہ ایسی چیز میں ہاتھ کیوں ڈالا؟ اور بے جا اپنی علمیت کا پردہ کیوں چاک کیا؟

جمال یار ندارد نقاب وپردہ ولے
غبار دہ بنشان تا نظر توانی کرد

اس کے بعد ہمارے رسالہ ''الوسیق'' سے ایک اعتراض نقل کرتے ہیں۔ اصل عبارت اسطرح ہے۔ ''ذرا اپنی کتابوں کو کھول دیکھو۔ بحر الرائق ابن نعیم کا اور فتح القدیر لابن ھمام اور نصب الرایہ للزیلعی ، ان سب نے احادیث سے تراویح مراد لی ہے۔ بلکہ علامہ نیموی حنفی نے آثار السنن میں اسی حدیث پر باب قائم کیا ہے کہ "باب التراویح بثمان رکعات" جب کہ محدث فقیہ سب اس حدیث سے تراویح مراد لیتے ہیں تو پھر مولوی صاحب کی اس تعریف کو کون سی اہمیت مل سکتی ہے''

ناظرین:...... یہ عبارت اپنے مطلب میں واضح ہے۔ اس کے علاوہ درج بالا میں امام محمد سے مذکور ہے۔ کیونکہ اسی موطا میں یہ حدیث قیام رمضان میں لائے ہیں۔ اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی ماثبت بالسنۃ صفحہ ۲۹۲ میں راقم ہے کہ "والصحیح ما روته عائشه انه ﷺ صلی احدیٰ عشرة رکعة کما ھو عادته فی قیام اللیل" نیز مدارج النبوۃ صفحہ ۴۴۵ ج ۱۔ میں راقم ہیں "وتحقیق آنست که صلوٰۃ آنحضرت در رمضان ہمان نماز معتاد آور بود یازدہ رکعت کے دائم در تہجد می گذارد چنانکه معلوم گردد" شیخ صاحب کے اس قول سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کی تہجد اور تراویح ایک نماز تھی۔ نیز انور شاہ کشمیری کا فیصلہ گزر چکا۔ اس کے لیے مولوی صاحب جو جواب دیتے ہیں

وہ دو حصہ جات میں منقسم ہے حصہ اول جو کچھ درج بالا میں تحریر کر آیا ہے کہ یہ نماز تہجد تھی وغیرہ اس کا مفصل جواب ذکر ہو چکا۔ لہٰذا اعتراض اپنے مقام پر قائم ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ بڑی جرات سے رقم کرتے ہیں کہ ''حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کے متعلق ہے'' حالانکہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ ام المومنین عائشہ اور ام المومنین ام سلمہ کی کسی روایت میں ایسا لفظ نہیں ہے، کہ انہوں نے کہا ہو۔ مولوی صاحب ناحق ان کی طرف جھوٹی نسبت کر رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے محض ایک تاویل وتحریف اور تصرف کیا ان روایات کو ناجائز مقامات پر استعمال کیا۔ لیکن اس کی حقیقت سے روشناس کر کے ان کے مکر وفریب کا پردہ چاک کیا گیا۔ اس طرح کلام شاہ عبدالعزیز میں تناقض وتعارض ثابت کیا گیا

جواب کے دوسرے رخ میں تحریر کرتے ہیں کہ ''جب آپ تقلید کے قائل نہیں ہو تو پھر ان یعنی ابن ہمام وغیرہ کی تقلید کیوں کرتے ہو؟ سچ ہے کہ

کم من عائب قولا صحیحاً
وآفتہ من الفہم السقیم

تقلید تب ہوتی، جب ہم نے اس کے فیصلہ کو اپنا ماخذ یا دلیل تصور کیا ہو۔ ہم نے تو حدیث کے الفاظ کو لیا۔ اس کے بعد محدثین کی تحقیق پیش کی اور آپ کی تسلی کی خاطر آپ کے احناف کے حوالہ جات ہم نے دیے۔ لیکن آپ کی علمیت تو یہ ہے اسے تقلید کے نام سے سرفراز کر رہے ہو۔ گر آپ الزام اور تقلید کے فرق کو نہیں سمجھ سکتے تو پھر میدان تصنیف یا مناظرہ کے لیے کس طرح میدان میں اترتے ہو۔ آپ نے صفحہ ۴۴۔ پر جو شعر لکھا ہے اس کے مصداق تو تم خود ہو، یعنی

رب ربی مت کسی ھلی کونہ ھتیار ا
اھی کری پار جن مان جو کو جان

اور تمہارا وہی حال کہا جائے گا۔ جو آپ نے صفحہ ۴۴ پر رقم کیا۔

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

صفحہ ۱۶۴:...... الزام دیتے ہیں کہ ''احناف حضرات ۲۰ رکعات کے قائل ہیں پھر ان کی یہ بات کیوں نہیں مانتے؟

جواب:...... **اولاً**: حدیث کے مقابلہ میں کسی غیر کا قول کس طرح قبول کیا جائے گا۔

ثانیاً:...... ہم ہر اس قول کے قائل ہیں جو موافق بالدلیل ہو۔

ثالثاً:...... قول احناف کہ ام المومنین والی روایت تراویح متعلق ہے۔ وہ تو محدثین کے فیصلہ کہ موافق ہے

اور حدیث "ما کان یزید" کے عین موافق ہے نیز آپ پر حجت تمام کرنے کے لیے ان کے قول کو پیش کیا گیا۔لہٰذا یہ الزام ٹھیک نہیں ہے۔ پھر یہ معارضہ پیش کرتے ہیں کہ "احناف میں سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی، حضرت شیخ عبدالحق دہلوی اور کئی علماء نے حدیث عائشہؓ سے تہجد مراد لی ہے نہ تراویح۔"

جواب: ...... **اولاً:** کلام شاہ عبدالعزیز بھی بیان کیا گیا کہ یہ بھی اس حدیث سے تراویح مراد لیتے ہیں۔ شیخ عبدالحق کا کلام ابھی گزرا کہ وہ تراویح یا تہجد گیارہ کہتے ہیں اور اسی ام المومنین عائشہ والی روایت کو دلیل بناتے ہیں۔

آپ کے کئی بڑوں کے حوالے مثلاً ابن ہمام، زیلعی وغیرھما بلکہ آپ کا بدر الدین عینی عمدۃ القاری صفحہ ۱۲۸ ج ۱۱۔ میں اس حدیث سے مراد تراویح لیتے ہیں۔

ثانیاً: ...... اگر بقول مولوی صاحب بعض احناف اس حدیث کو تہجد پر محمول کرتے ہیں نہ کہ تراویح پر۔ یہ تو آپ کے گھر کا اختلاف ہے۔ ہمارا اس کے ساتھ کیا واسطہ؟ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ ہی کے گھر کے کئی ارکان عظام اور علماء کرام ہمارے محدثین کے ساتھ موافق ہیں۔ پھر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جو قول محدثین اور فقہاء حنفیہ کے درمیان متفق علیہ ہے یہ ہی اخذ کے لائق ہے وھو الثالث

رابعاً: ...... بالفرض جنھوں نے اس حدیث کو تراویح پر محمول نہیں کیا ہے بلکہ تہجد پر محمول کیا ہے، اس کی بنا یہ ہے کہ تہجد اور تراویح دو الگ نمازیں ہیں۔ بلکہ آپ کے پیشوا سید انور شاہ کشمیری نے اسی بنا کو منہدم کر دیا اور ثابت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ نماز ایک ہی تھی۔ دو نمازیں ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ پھر جب بنا باطل ہے تو پھر مبنیٰ خود بخود باطل ہے۔ پھر خود اک مغالطہ تجدید کرتے ہیں کہ "کوئی شخص یہاں یہ مغالطہ پیش کرے۔ حدیث عائشہ کے متعلق بذات خود احناف حضرات کا اختلاف ہے۔ بعض اسی سے تراویح اور بعض تہجد مراد لیتے ہیں۔ لہٰذا دونوں میں سے حق پر ایک ہی ہوگا۔"

ناظرین: ...... اس کے لیے ہمارے ہاں جواب واضح ہے کہ دونوں اقوال میں سے حق اور صحیح وہ کہا جائے گا جو موافق بالدلیل ہو۔ اس مقام پر دلیل ہے کہ یہ ایک ہی نماز ہے جیسا کہ درج بالا میں ثابت ہوا۔ تب ہی تو کئی احناف اس کے قائل ہیں سید انور شاہ کشمیری ہمارے دلائل کی وقعت دیکھ کر بے اختیار کہنے لگا۔ اس بات کو قبول کیے بغیر دوسرا کوئی راستہ ہی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ ایک ہی نماز ہو جیسا کہ ان کی کتاب العرف الشذی سے عبارت نقل کی گئی۔ فیض الباری سے اس کی تائید میں ان کی طویل اور مدلل تقریر نقل کی گئی۔ یہ جواب ایسا ہے۔ جو اہل انصاف کی دل میں جگہ پکڑنے والا ہے۔ مگر مولوی صاحب جو جواب دیتے

ہیں وہ ناظرین پڑھیں۔ تحریر کرتے ہیں کہ ''اس مسئلہ تراویح (۲۰ رکعات ہیں) میں احناف حضرات کی جانبین کے مقصد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بزرگ ابن ہمام۔ علامہ زیلعی علامہ نیموی مرحوم، شاہ عبدالعزیز یا شاہ عبدالحق صاحب تمام کہتے ہیں کہ نماز تراویح۔ ۲ رکعات ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دونوں کے دلائل میں تفاوت ہے۔''

جواب: ...... مولوی صاحب کا یہ جواب دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ مولوی صاحب کس خطے کے رہنے والے ہیں؟ اس دنیا میں یا موالیوں کے راج میں، گدو میں یا مرفوع القلم کے طبقہ میں یا ''لا یدری ما ذا یخرج من راسہ'' کی جماعت میں سوال کچھ ہے اور جواب کچھ ہے۔ 'پوچھی زمین کی کہی آسمان کی' یہ بحث نہیں ہے کہ احناف کا اختلاف اس میں ہے یا نہیں۔ بلکہ بحث اس میں ہے کہ ام المومنین عائشہ والی حدیث ''ماکان یزید'' عام صلوٰۃ اللیل ہے (جسے تراویح یا تہجد یا قیام لیل کہا جاتا ہے) یا خاص تہجد کے لیے تو الحمد للہ آپ کے احناف نے قبول کیا کہ یہ نماز تراویح ہے پھر احناف کے ہاں اپنے مسلک کے لیے چاہے کوئی بھی دلیل ہو مگر جس دلیل میں بحث ہے اس کے لیے وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حدیث تراویح کے لیے ہے۔ اب مولوی صاحب جان لیں گے کہ یہ میں نے کیا کیا۔

دنیا میں ہم آئے تو کیا کام کر چلے
ناحق ہم اپنے نام کو بدنام کر چلے

میرے اور میرے بھائی کا بعد رکوع ہاتھ باندھنے کے متعلق جو اختلاف ذکر کیا ہے۔ یہ قیاس بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہمارا اختلاف مسئلہ کے متعلق ہے۔ مگر یہاں اختلاف مسئلہ متعلق بحث نہیں ہے بلکہ ایک دلیل میں بحث ہے۔ لہٰذا یہ قیاس مع الفارق کہا جائے گا۔

صفحہ ۱۶۵: ...... اس طرح وتر میں بوقت دعا قنوت ہاتھ اٹھانے کے متعلق اختلاف نقل کرتے ہیں۔ لیکن یہ اختلاف بھی مسئلہ میں ہے۔ کسی دلیل کے متعلق نہیں ہے۔ کہ کچھ کہتے ہیں کہ یہ دلیل فلاں مسئلہ کے لیے ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ یہ دلیل فلاں مسئلہ کے لیے ہے۔ لہٰذا یہ بھی قیاس مع الفارق ہے۔

ثانیا: ...... اہل حدیث کے اختلاف اور مقلدین کے اختلاف میں بھی بڑا فرق ہے۔ کیونکہ اختلاف اہل حدیث تحقیق کی بنا پر ہے اور مقلد تحقیق سے عاری ہیں۔ اختلاف اہلحدیث اس طرح طے ہوتا ہے ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾ (النسآء: ۵۹)

لیکن اختلاف مقلدین کی دو کیفیات ہیں۔ یا تو اہلحدیث کے قوی دلائل دیکھ کر قبول کرتے ہیں۔ جیسا کہ

یہاں آپ کے حنفی علماء نے اہل حدیث کے دلائل کو قوی پا کر قبول کیا۔ کہ روایت ام المومنین تراویح متعلق ہے اور تراویح وتہجد ایک ہی نماز ہے۔ جو تقلید کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ان کا حال بھی یہی ہے جو مولوی کی مانند ایک سے دوسری لکھتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی بے سمجھی سے بچائے۔ رہا مسئلہ فتویٰ، لہٰذا ہمارا مسلک بین ہے کہ ہم ہر قول کو حق تسلیم کرتے ہیں۔ جو حدیث کے موافق ہو اور جو قول اس کی مخالف ہو اسے ناحق تسلیم کرتے ہیں آپ کا مذہب تو معین ہے۔ جو کوفہ سے ہو کر آپ تک پہنچا ہے۔ اسی موافق جو بھی چیز ہو اسے حق کہو گے۔ پھر چاہے قرآن یا حدیث کے خلاف اور اس کے خلاف کتنا بھی صحیح قول ہو اور قرآن وحدیث کے موافق بھی ہو تب بھی اس کو غلط اور ناحق کہو گے۔ آپ کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے بڑے اس طرح لکھ چکے ہیں۔ چنانچہ آپ کے مشہور امام ابوالحسن کرخی کہتے ہیں کہ "الاصل ان كل خبر يجئ بخلاف قول اصحابنا فانه يحمل على النسخ او على انه معارض بمثله ثم سار الى دليل آخر او ترجيح فيه بما يحتج به اصحابنا من وجوه الترجيح او يحمل على التوفيق وانما يفعل ذلك على حسب قيام الليل فان دلالة النسخ يحمل عليه وان قامت الدلالة غيره صرنا اليه۔" جیسا کہ اصول الکرخی مع تاسیس النظر صفحہ ۶۳۔۶۴۔ میں بیان ہوا ہے۔ یعنی آپ کو یہ حکم ہے کہ گر کوئی حدیث یا آیت آپ کے مذہب کے خلاف ہو تو کسی نہ کسی بہانے اس کو ترک کرو مگر مذہب کو ترک نہ کرو۔

زمین جنبد نہ جنبد گل محمد

پھر ہمارے اور آپ کے طریقہ فتویٰ میں فرق ہے۔

پھر تحریر کرتے ہیں کہ "پنجاب کا ایک غیر مقلد بزرگ باوجود اہل حدیث ہونے کے بیس رکعات تراویح کے قائل تھے۔ ان کی تصنیف رسالہ تراویح مؤلفہ حضرت مولانا غلام رسول [1] ......الخ"

مولانا غلام رسول قلعوی رحمہ اللہ کی طرف بیس رکعات تراویح کی کتاب کی غلط نسبت اور اس کی وضاحت

جواب: ...... یہ رسالہ علامہ غلام رسول قلعوی کی طرف منسوب شدہ ہے مگر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

[1] مولانا غلام رسول قلعوی رحمہ اللہ جن کی ولادت ۱۸۱۳ء کوٹ بھوانی ضلع گوجرانوالہ میں ہوئی اور ۱۸۷۴ء کو گوجرانوالہ میں ہی وفات پائی۔ مولانا صاحب بہت بڑے عالم دین اور گوناگوں اوصاف حسنہ کے مالک تھے علم وعمل کے میدان میں انہوں نے ایک سے بڑھ کر ایک کارنامے سرانجام دیے۔ دیکھو: تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی از قلم محمد اسحاق بھٹی۔

(نزھة الخواطر: ۸/ ۳۷۰)

کتاب ان کی تصنیف نہیں ہے۔ چنانچہ اسی رسالہ کا جواب اسی دن علامہ ابو عبدالبر محمد غضنفر بنام ”مفاتیح الاسرار التراویح“ تصنیف کیا ہے سنہ ۱۲۹۲ھ میں مطبع محمدی لاہور میں شائع ہوا اور موصوف مقدمہ میں اسی رسالہ متعلق تحریر کرتے ہیں کہ ”بظاہر نامزد مولوی غلام رسول صاحب ہے لیکن درحقیقت تالیف ان لوگوں کی معلوم ہوتی ہے جو ان کے شاگردوں میں ہیں اور نواح قلعہ میہان سنگھ میں دعوائے مقتدائی کرتے ہیں اور عاملین بالحدیث پر لے دے رکھتے ہیں۔ چنانچہ وجوہات ذیل اس کے مؤید ہیں اول یہ کہ اس میں بے علمی اور نافہمی کی باتیں بہت ہیں جو مولوی صاحب مرحوم کی شان سے بعید ہیں۔ دوم یہ کہ اس میں کلمات ناشائستہ جیسے شتر مرغی، دغالی واتہام بطعن صحابہ وتابعین بنسبت اپنے خصم کے مندرج کیے ہیں۔ یہ بھی ان کی عادت واخلاق کے خلاف ہیں، سوم صادر ہونا ان کلمات کا مولوی صاحب مرحوم سے قطع نظر اس سے کہ ان کے خلاف اس کے مکذب ہیں۔ بنسبت مولانا صاحب سلمہ کے نہایت ہی بعید ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب مرحوم کو مولانا صاحب سلمہ سے کمال درجہ کا اتحاد تھا۔ حاضر وغائب ان کے مداح تھے۔ علم وفضل خصوصاً علم حدیث میں ان کو اپنے سے زیادہ جانتے تھے اور اگر کوئی غائبانہ کچھ پوچھتا تھا، تو اس میں ان کے فتویٰ کا حوالہ دیتے تھے اور بہت لوگوں کو رغبت دلاکر واسطے استفادہ مسائل دین ان کی خدمت میں بھیجتے تھے؛ چنانچہ اکثر ساکنان لاہور پر یہ بات روشن ہے۔ پس ایسے شخص سے مولانا کی نسبت ان کلمات کا صادر ہونا کب مقصود ہے؟ چہارم رکعات الفاظ عبارت رسالہ ھذا پراگندگی مضامین اس پر شاہد ہے۔ مولوی غلام رسول مرحوم تو بڑے فارسی دان تھے اور اس رسالہ کی زبان محض لچر وپوچ ہے۔ چنانچہ ناظرین پر مخفی نہ رہے۔ اس لیے اس کے جواب میں اردو سے خطاب کیا گیا اور بعض جگہ اس رسالہ کے طرز بیان کو بھی بدل کر طرز شائستہ سے نقل کیا گیا ہے۔ علاوہ اس کے اصل فتاوی بھی اردو میں تھا۔ اس کا جواب الجواب بھی اردو ہی میں مناسب تھا اور اس میں تفہیم عام ہی مقصود ہے پنجم یہ رسالہ ان کی وفات کے ایک سال بعد ظاہر ہوا ہے۔ ان کی زندگی میں اس کا ذکر بھی نہیں سنا گیا اور جب یہ رسالہ چھپنے لگا تو ضیاء الدین ساعی طابع اس رسالہ کو جو بے علم آدمی ہے مولانا محمد حسین صاحب نے طلب کر کے استفسار کیا کہ یہ رسالہ کس کی تصنیف ہے۔ مولوی صاحب مرحوم کے وقت میں کیوں نہ ظاہر ہوا۔ اس نے کہا کہ مولوی صاحب نے عاقبت اندیشی سے اس کی اشاعت کو مصلحت نہ جانا۔ ان کی وفات کے بعد مولوی علاؤالدین وغیرہ نے اس کو مرتب کیا اور مجھ کو اس کے چھاپنے کے لیے بھیجا۔ پس اگر یہ بیان اس کا صادق ہے تو پوری دلیل اس بات کی ہے کہ یہ مولوی غلام رسول صاحب کی تصنیف نہیں ہے اور اگر کچھ ہے بھی تو نفس مسائل ان کی طرف سے ہوں گے۔ باقی طعن وتشنیع وکذب واتہام، سب ان ہی حضرات کی طرف سے ہوں گے۔ اس کے بعد اس کتاب کے آخر صفحہ ۶۲، ۶۳۔

میں علامہ غلام رسول قلعوی کے شاگرد رشید علامہ محمد علی حمید پوری کی تقریظ چھپی ہے۔ ناظرین کی عبارت کے لیے اس کو بھی پیش کرتے ہیں...... بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. بعد اس کے عرض کرتا ہے فقیر محمد علی شاگرد حضرت مولانا مولوی غلام رسول صاحب مرحوم ساکن قلعہ مہاز سنگھ رسالہ تراویح کہ بنام نہاد حضرت کے چھپا ہے۔ اول سے آخر تک دیکھا اور اس کو حق اور واقعہ کے خلاف پایا لہٰذا بنظر اظہار حق گذارش کرتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ فقیر دس برس مولانا مرحوم کی خدمت میں رہا اور جو کچھ پڑھا، انہیں سے پڑھا۔ جیسا کہ اقوال وافعال مولانا مرحوم سے یہ فقیر واقف ہے، شاید کوئی اور ہو۔ اس فقیر پر مولانا حد سے زیادہ شفیق تھے اور جہاں کہیں تشریف لے جاتے تھے۔ اس فقیر کو ضرور ہمراہ لے جاتے تھے۔ یہ عاجز یقین رکھتا ہے کہ رسالہ تراویح ہرگز تصنیف مولانا مرحوم کا نہیں۔ کیونکہ مولانا مرحوم آٹھ رکعت پڑھنے والوں کو بسبب اتباع نبوی کے بہت دوست رکھتے تھے۔ خصوصاً ۱۲۸۸ ھجری مقدس میں موضع حمید پور میں جبکہ اس حقیر نے آٹھ رکعت پڑھنی شروع کی تو بہت لوگوں نے مولانا مرحوم سے اس کا تذکرہ کیا تو ہر ایک کو مولانا مرحوم نے یہی جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ سے تو آٹھ رکعت ہی ثابت ہیں۔ گو اکثر فقہاء اور محدثین بیس رکعت کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروج بتلاتے ہیں۔ سو میرے نزدیک سنت مؤکدہ تو آٹھ ہی رکعت ہے، باقی مستحب ہے اور ان دونوں میں ایک ممتاز نامہ بھی میرے نام لکھا۔ عبارت اس کی یہ ہے "برخوردار محمد علی راواضح باد، مطالعہ احیاء العلوم وکیمائے سعادت ضرور دارندو شنیدہ میں شود کہ ہشت رکعت تراویح شروع نمودہ اند، خوب کردہ اندلیکن می باید کہ لحاظ سنت دارند وقرات طول باید خواند کہ ہمیں طور ثابت است۔ اگر بسیار شود وفساد برپا شود پس در خواندن بیس رکعت گناھے نیست۔ السلام علیکم راقم فقیر غلام رسول.

بعد اس کے جب یہ فقیر مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم میں سے بھی یہ شخص سنت کو جاری کرنے والا ہوا ہے اور ایک دلیل بہتان ہونے پر اس رسالہ کے یہ ہے کہ انہوں نے ان الفاظ شنیع سے جو اس رسالہ میں مندرج ہیں، کبھی کسی کو خطاب نہیں کیا۔ پس کب متصور ہے کہ بخطاب مولوی محمد حسین صاحب یہ الفاظ کہے ہوں۔ اکثر لوگوں کو معلوم ہے کہ مولانا مرحوم مولوی محمد حسین صاحب کو بہت دوست رکھتے تھے اور ہر ایک کو فرماتے کہ جیسا میں نے مولوی محمد حسین صاحب کو علم حدیث میں اور دوسرے علموں میں ماہر دیکھا ایسا کوئی کم ہوگا اور جب کبھی لاہور میں رونق افزا ہوتے اور جمعہ کے دن مولوی

محمد حسین صاحب ان کو وعظ فرمانے کے واسطے ارشاد فرماتے تو اس کے جواب میں کہتے کہ ہم کو تمہارے سامنے وعظ کرنے سے لحاظ آتا ہے اور میں دیکھتا تھا کہ بہت حدیثوں کے مسائل مولوی محمد حسین صاحب سے تحقیق کرتے تھے اور بہت لوگوں کو فرماتے اور تاکید کرتے کہ لائق فتویٰ پوچھنے کے جیسے کہ مولوی محمد حسین صاحب ہیں، ایسا اس ملک میں کوئی نہیں اور ایک دلیل اس کے بہتان ہونے پر یہ ہے کہ یہ رسالہ مولانا مرحوم کی حیات میں ظاہر نہیں ہوا۔ اگر ان کی تصنیف ہوتی تو ان کی زندگی میں کیوں پوشیدہ ہوتا خصوصاً مجھ جیسے کثیر الصحبت، شدید الملازمۃ پر۔ غرض کہ یہ رسالہ تصنیف علاو الدین یا ضیاء الدین وغیرہ کا ہے جو عمل بالحدیث سے نفرت رکھتے ہیں اور عاملین سنت کو برا کہتے ہیں۔ شائقین سنت اس کی طرف التفات نہ کریں اور رسالہ مفاتیح الاسرار التراویح کو جو اس کے جواب میں ہے دستور العمل بنائیں۔

(العبد الفقیر محمد علی حمید پوری عفی عنہ از ضلع سیالکوٹ)

ناظرین! ان دونوں عبارات کو بار بار پڑھیں اور دونوں بزرگوں نے جو قرائن اور دلائل ذکر کیے ہیں، ان پر غور کریں۔ پھر انصاف کریں کہ مذکورہ کتاب علامہ موصوف یعنی شیخ الاسلام قلعوی کی تصنیف شدہ ہے؟ یقیناً ہر منصف شخص ان دونوں بیانات کے بعد کبھی بھی اس بات کو باور نہ کروائے گا کہ یہ رسالہ علامہ موصوف کا رقم شدہ ہے۔ جب کہ علامہ موصوف آٹھ رکعات پڑھنے کے عامل اور اس متعلق ترغیب دینے والے تھے۔ ان کی جانب اس رسالہ کی نسبت کرنا علماء حنفیہ کی بے جا جراءت ہے۔ مولوی صاحب بیچارے خوشی میں بغلیں بجا رہے تھے کہ اہل حدیث کے ایک عالم نے بیس رکعات کو ثابت کیا ہے۔ لیکن یہ حقیقت لکھنے کے بعد مولوی صاحب کی یہ خوشی ماتم میں بدل جائے گی۔

جس کو کوڑی نہ پلے وہ خریدار ہوں میں
جس کا مطلب نہ بر آئے وہ طلبگار ہوں میں

ثانیاً:...... رسالہ کسی کا بھی ہو لیکن علامہ غضنفر کے جواب میں اس کی تردید پیش نظر ہے کوئی بھی طالب حق اسی رسالہ پر معتمد نہ ہوگا۔ اس کے بعد یہ عنوان قائم کرتے ہیں کہ ''حضرات مقلدین کا دلیل ثانی اور اس کی حقانیت'' اس کے تحت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں۔ جس میں آٹھ رکعات تراویح کا صریحاً بیان ہے۔ مولوی صاحب ترجمہ میں راقم ہیں کہ ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان المبارک میں آٹھ رکعات اور وتر پڑھایا............ الخ''

جابر رضی اللہ عنہ والی روایت پر مولانا صاحب کے اعتراضات کے جوابات

الجواب: ...... **اولاً:** اس روایت پر مولوی صاحب نے بچگانا اعتراض کیے ہیں۔ جو عالم کی شان نہیں ہیں ، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ اس روایت کو علماء صحیح مان چکے ہیں۔ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ اپنی صحیح صفحہ ۱۳۸ ج ا۔ میں درج کیا ہے۔ اسی طرح امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے، جیسا کہ موارد الظمان الی زوائد ابن حبان للہیثمی صفحہ ۲۳۰۔ پر ہے اور حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۱۲ ج ا۔ (سلفیہ) میں ایک حدیث (جس میں رسول اللہ ﷺ کی تین راتوں کی جماعت تراویح کا بیان ہے) اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "ولم ار فی شیئ من طرقہ بیان عدد صلوٰتہ فی تلك اللیالی لکن روی ابن خزیمة وابن حبان من حدیث جابر قال صلیٰ بنا رسول اللہ ﷺ فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر فلما کانت القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجو نا ان یخرج الینا حتیٰ اصبحنا ثم دخلنا فقلنا یا رسول اللہ الحدیث ." اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حافظ صاحب اسی حدیث کو صحیح یا حسن مانتے ہیں اور آپ نے مقدمہ فتح الباری کی ابتدا میں یہ تصریح کی ہے اور شرط لگائی ہے کہ میں وہی روایت وارد کروں گا جو صحیح یا حسن ہوگی آپ کی عبارت درج میں بیان ہوئی۔ آپ کا علامہ ظفر احمد عثمانی انھاء السکن صفحہ ۲۳ میں یہ بیان کرتے ہیں کہ حافظ ابن حجر جو روایت فتح الباری میں لائے اور اس پر کلام نہ کرے تو وہ ان کے ہاں صحیح یا حسن ہے۔ نیز امام محمد بن نصر المروزی قیام اللیل صفحہ ۱۵۵۔ میں یہ روایت لائے ہیں۔ پھر صفحہ ۱۵۷۔ میں اس سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "بـــاب عــدد الـرکـعـات التـی یقوم بھاالامام للناس فی رمضان تقدم حدیث جابر ان النبی ﷺ صلی فی رمضان فی لیلة ثمان رکعات ثم اوتر " امام صاحب کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ وہ انہیں قابل استدلال تصور کرتے ہیں۔ آپ کے کعبہ قبلہ علامہ عینی عمدۃ القاری صفحہ ۱۷۷ ج ۷۔ طبع منیریہ میں فرماتے ہیں کہ (فـان قـلـت) لـم یبین فی الروایات المذکورة عدد ھذہ الصلوٰة التی صلھا رسول اللہ ﷺ فـی تـلـك الـلیالی (قلت) روی ابن خزیمة وابن حبان من حدیث جابر رضی اللہ عنہ قال صلیٰ بنا رسول اللہ ﷺ فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر . "
اس سے ثابت ہوا کہ علامہ عینی بھی اس حدیث کو صحیح تصور کرتے ہیں تب ہی تو ان میں سے خاص تین روایات میں نماز نبوی کے عدد کو متعین کرتے ہیں بلکہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جن راتوں میں رسول اللہ ﷺ نے باجماعت تراویح پڑھی ، مولوی صاحب کا ان کے متعلق یہ کہنا غلط ہوا۔ تعداد رکعات کسی روایت

سے معلوم نہیں۔ حالانکہ آپ کے بڑے ثابت کر رہے ہیں کہ تعداد رکعات ثابت ہے۔ اس طرح آپ کا حافظ زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۱۵۲ ج ۲ تحریر کرتے ہیں کہ "وعند ابن حبان فی صحیحه عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ انه علیه السلام قام فی رمضان فصلیٰ ثمان رکعات واوتر ثم انتظره من القابلة فلم یخرج الیهم فسالوه فقال خشیت ان یکتب علیکم الوتر." ثابت ہوا کہ زیلعی بھی انہیں صحیح کہتے ہیں کیونکہ وہ صحیح ابن حبان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس پر کوئی بھی جرح نہیں کرتے۔ علامہ علی قاری المرقاۃ صفحہ ۱۹۶ میں کہتے ہیں کہ "وفی صحیح ابن خزیمة وابن حبان انه (صلی اللہ علیہ وسلم) صلیٰ بهم ثمان رکعات والوتر" ثابت ہوا کہ ملا علی قاری بھی اس روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں علامہ عبدالحی لکھنوی عمدة الرعایة حاشیہ شرح الوقایہ صفحہ ۱۷۵ میں راقم ہیں کہ "واما العدد فروی ابن حبان وغیره انه صلیٰ بهم فی تلك اللیالی ثمان رکعات ثم اوتر" نیز ہدایہ کے حاشیہ صفحہ ۱۵۱۔ میں راقم ہے کہ "سئلت فی سنه ۲۸۶ (الست والثمانین بعد الالف والمأتین من الهجرة) عمن صلی التراویح ثمان رکعات اقتداء ما روی ابن حبان وغیره ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما صلیٰ فی اللیالی الثلٰث فی رمضان باحدی عشرة رکعة مع الوتر ثلٰث رکعة بل یکون تارکا للسنة فاجیب بجواب بما محصله، ان جمهور الاصولیین یعرفون السنة بما واظب علیه الرسول فحسب فعلیٰ هٰذا التعریف یکون السنة هو ذالك القدر المذکور" اس عبارت سے واضح ہوا کہ لکھنوی صاحب اس روایت کو صحیح مانتے ہیں اور قبول کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں آٹھ رکعات پڑھائی تھیں اور یہی عدد سنت ہے۔ اس طرح لکھنوی صاحب التعلیق الممجد صفحہ ۱۴۱۔ میں بھی اس کو صحیح کہتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی عبارت ابن عباس کی ۲۰۔ رکعات والی روایت، جو مولوی صاحب نے نقل کی ہے یہاں پوری ذکر کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، سید انور شاہ کشمیری کشف الستر صفحہ ۲۷۔ میں راقم ہیں کہ "اذا التراویح التی صلاها صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان بهم کانت احدیٰ عشرة رکعة کما عند ابن خزیمة ومحمد بن نصر وابن حبان عن جابر ثمان رکعات واوتر." امام ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۳۱۱ ج ۲۔ میں یہ حدیث لا کر پھر فرماتے ہیں کہ "اسنادہ وسط" امام یعقوب بن شیبہ مسند عمر صفحہ ۸۳ میں انہیں "صالح" کہتے ہیں۔ علامہ مصطفیٰ اعظمی حنفی صحیح ابن خزیمہ کے حاشیہ صفحہ ۱۳۸ ج ۲۔ میں لکھتے ہیں کہ "اسناده حسن."

الحاصل:...... جس روایت کو تمام محدث اور احناف صحیح اور معتبر مانتے ہیں۔ اس مولوی صاحب جیسے

رسائل، اور کتابچوں پر گزارہ کرنے والے کیا رد کریں گے؟ تاہم یہاں جو چار جواب لکھے ہیں، ان کی حقیقت ناظرین کے پیش نظر کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ۲۰ تراویح والی روایت کی اسنادی حیثیت

صفحہ ۱۶۶:...... وجہ اول یہ پیش کرتے ہیں ''اس روایت کی سند میں جعفر بن حمید مجہول راوی ہے۔''

جواب: ...... **اولاً:** یہ مولوی صاحب کی تنگ نظری ہے جو ایک ثقہ راوی کو مجہول کہہ رہے ہیں حالانکہ وہ صحیح مسلم کا راوی ہے، انہیں ابن حبان اور معین ثقہ کہتے ہیں (التہذیب صفحہ ۸۱ ج ۲) تقریب میں انہیں ثقہ کہا ہے۔ پھر مجہول کس میں ہے؟ مولوی صاحب نے ان کے مجہول ہونے کے لیے یہ دلیل پیش کی ہے کہ ذہبی صفحہ ۱۸۸ ج ۱۔ میں اس کی جرح وتعدیل میں کچھ بھی بیان نہیں کیا ہے۔ لیکن یہاں مولوی صاحب نے دو ٹھوکریں جھیلی ہیں۔ ایک تو اس نے ان کی جرح کی ہے اور انہیں ضعیف ثابت کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ جعفر بن حمید انصاری ہے جو اپنے نانا عمر بن ابان مزنی سے روایت کرتے ہے۔ جو تابعی ہے اور وہ انس سے روایت کرتے ہے اور وہ جعفر بن حمید تبع تابعی ہے اور اس سے مقدم ہے اور اس سند والا جعفر بن حمید قرشی کوفی ہے اور اس سے متاخر ہے۔ امام مسلم کے استاد ہیں ان سے صحیح میں کتاب التوبہ میں حدیث لائے ہیں۔ کما فی التہذیب صفحہ ۱۸۷ ج ۲ اور وہ طبرانی کے استاد عثمان بن عبید اللہ طلحی کا استاد ہے۔ جو اس قرشی سے متاخر ہے مولوی صاحب ایک کے بجائے دوسرا راوی سمجھ بیٹھے ہیں جو راویوں کے طبقہ سے بھی ناآشنا ہے تو کس طرح فن اسماء الرجال کو چھیڑتا ہے۔ وھو الثانی

وثالثاً: ...... امام ذہبی جبکہ میزان صفحہ ۲۱۱ ج ۲۔ میں یہ حدیث لائے ہیں تو جعفر بن حمید کے طریق سے لائے ہیں، باوجود اسکے اس کی تصحیح کی ہے۔ پھر جب جعفر بن حمید مولوی صاحب کے کہنے کے مطابق مجہول ہوتا تو اس کی تصحیح نہ کرتے اور یقیناً جس راوی کا ترجمہ کتب میں نہ ملے، وہ مجہول الحال تصور ہوگا اور اس کی روایت سے توقف کیا جائے گا۔ جب تک اس کا حال نہ معلوم ہو۔ پھر وہ ثقہ ثابت ہو یا ضعیف مگر بے چارے مولوی کو ہم معذور تصور کرتے ہیں کہ اس بے چارے نے صرف میزان الاعتدال نظر سے نکالی ہے۔ تقریب اور تہذیب دیکھتے تب بھی اس راوی کو مجہول نہ کہتے۔ ہمارے ہاں الحمد للہ اسماء الرجال کی کتب کا عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے اور بفضل اللہ جعفر بن حمید کا ثقہ ہونا کتب سے ثابت کر دکھایا اور مولوی صاحب کا عذر ختم ہوا۔ لہٰذا امید ہے کہ اس راوی کو مجہول کہنے سے رجوع کرے گا۔ وھو الرابع

خامساً: ...... یہ جعفر بن حمید راوی ایک ہی نہیں، بلکہ دوسرے تین ثقہ راوی اس کی متابعت میں یعقوب بن

عبداللہ القمی سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ ایک ابو الربیع سلیمان بن داؤد الزہرانی، اس کی روایت صحیح ابن حبان میں ہے "قال اخبرنا ابو یعلی حدثنا ابو الربیع الزهرانی حدثنایعقوب بن عبدالله القمی حدثنا عیسیٰ بن جارية عن جابر بن عبدالله قال صلیٰ بنا رسول الله ﷺ فی شهر رمضان ثمانی رکعات واوتر فلما كانت الليلة القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان يخرج فيصلی بنا فاقمنا فيه حتی اصبحنا فقلنا يا رسول الله رجونا ان تخرج فتصلی بنا فقال انی كرهت او خشيت ان يكتب عليكم الوتر (موارد الظمان صفحہ ۲۳۰) اور دوسرا مالک بن اسماعیل النهدی اور تیسرا عبداللہ بن موسیٰ۔ انہوں نے اپنی روایت صحیح ابن خزیمہ صفحہ ۱۳۸ ج ۲ میں ہے "قال نا محمد بن العلاء بن كريب نا مالك يعنی ابن اسماعيل نا يعقوب حدثنا محمد بن عثمان العجلی نا عبيد الله يعنی ابن موسیٰ وهو محمد بن عبيد الله القمی عن عيسیٰ بن جارية عن جابر بن عبدالله قال صلیٰ بنا رسول الله ﷺ فی رمضان ثمان ركعات والوتر فلما كان من القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجو نا ان يخرج الينا فلم نزل فی المسجد حتیٰ اصبحنا فدخلنا علیٰ رسول الله ﷺ فقلنا يا رسول الله رجونا ان تخرج الينا فتصل بنا فقال كرهت ان يكتب عليكم الوتر." یہ تینوں راوی معروف ثقہ ہیں تقریب اور تہذیب میں ان کا ترجمہ موجود ہے۔ اب مولوی صاحب ان میں سے کس کی روایت قبول کریں گے؟ یا سب کو مجہول کہیں گے؟ بلکہ ہم تو جعفر بن حمید کو بھی ثقہ ثابت کر چکے ہیں۔ اس روایت کے مجموعی ناقل چار راوی ہیں ان کے علاوہ پانچواں راوی بھی اس کی متابعت کرتا ہے۔ یعنی محمد بن حمید الرازی۔ اس میں اگرچہ کلام ہے مگر اتنے رواۃ کی شہادت بعد اس کی روایت بھی معتبر ہے ان کی روایت قیام اللیل للمروزی صفحہ ۱۵۵ میں ہے۔

" قال حدثنا محمد بن حميد الرازی ثنا يعقوب بن عبدالله ثنا عيسیٰ بن جارية عن جابر قال صلیٰ بنا رسول الله ﷺ فی رمضان ثمان ركعات والوتر فلما كان من القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان يخرج الينا فلم نزل حتیٰ اصبحنا قال انی كرهت وخشيت ان يكتب عليكم الوتر."

الحاصل:...... مولوی صاحب کا یہ اعتراض بالکل واہی اور بیکار ہے۔ اعتراض ثانی اس طرح کرتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں دوسرا راوی عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہے۔ علامہ ذہبی لکھتا ہے کہ "عيسیٰ بن جارية الانصاری عن جابر المدنی، وعنه يعقوب القمی وجماعة قال ابن معين عنده مناكير

وقال النسائی منکر الحدیث وجآء عنه متروك ."

اولاً:...... مولوی صاحب نے میزان الاعتدال کی عبارت نقل کرنے میں خیانت کی ہے۔ کیونکہ میزان میں اسی جگہ پر یہ الفاظ ہیں: "وقال ابو زرعة لا باس به" اس کی توثیق کو جان بوجھ کر مولوی صاحب نے چھپایا ہے اور تہذیب صفحہ ۲۰۷ ج ۸۔ میں ہے۔ "ذکرہ ابن حبان فی الثقات" ثابت ہوا کہ یہ راوی مختلف فیہ ہے، جس کے حق میں جرح اور توثیق دونوں منقول ہیں اور آپ احناف کا قاعدہ ہے کہ اس قسم کا راوی جسے کچھ ثقہ کہیں اور کچھ ضعیف تو وہ حسن الحدیث ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام محمد بن اسحاق کے ترجمہ میں آپ کے حنفی بھائی ظفر احمد تھانوی کی کتاب انہاء السکن صفحہ ۲۰ پر عبارت ہے نیز زیلعی صاحب نصب الرایہ صفحہ ۶۲ ج ۱۔ میں ابن القطان کے حوالہ سے ایک حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ "والحدیث مختلف فیه فینبغی ان یقال فیه حسن اھ."

ثانیاً:...... امام ذہبی عیسیٰ بن جاریہ کے ترجمہ میں یہ وہی ان کی آٹھ رکعات والی حدیث لاکر پھر فرماتے ہیں کہ "اسنادہ وسط" جس کا مطلب کہ امام ذہبی عیسیٰ بن جاریہ کے حق میں جرح کو اہمیت والا یا معتبر نہیں تصور کرتا، اس لیے تو ان کی حدیث کو ضعیف نہیں کہتا۔ بلکہ ابن خزیمہ اور ابن حبان کا اسی حدیث کو صحیح کہنا بھی عیسیٰ بن جاریہ کی توثیق کو ترجیح دیتا ہے۔ اسی لیے کتنے آپ کے بڑے حنفی علماء اس حدیث کو صحیح تسلیم کر چکے ہیں جیسا کہ درج بالا میں عبارات گزریں۔ وھو الثالث

رابعاً:...... مولوی صاحب نے دو اماموں سے جرح نقل کی ہے۔ اس متعلق تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

"پہلا ابن معین"

اولاً:...... ابن معین آپ کے ہاں متشدد اور متعنت ہے جیسا کہ علامہ لکھنوی الرفع والتکمیل صفحہ ۱۱۷ میں لکھتے ہیں اور ان کی عبارت ابن اسحاق کی بحث میں گذری اور اس نے واضح کہا ہے کہ ایسے متعنت کی جرح قبول نہیں ہے۔ جب تک کہ کوئی دوسرا اس کے ساتھ منصف جرح میں شامل نہ ہو۔ یہاں مولوی صاحب نے امام نسائی کو ذکر کیا ہے۔ مگر یہ بھی اسی عبارت میں متعنت شمار کیا گیا ہے۔

ثانیاً:...... ابن معین کا قول "عندہ مناکیر" کہنے سے وہ ضعیف نہیں ہوتا۔ کیونکہ امام ذہبی میزان صفحہ ۵۶ ج ۱۔ میں احمد بن عتاب المروزی کے ترجمہ میں اس کی طرف سے مدافعت کرتے فرماتے ہیں کہ "قلت ما کل عن روی المناکیر بضعیف اھ" اس طرح انہاء السکن صفحہ ۶۳۔ میں بھی مذکور ہے۔ لہٰذا صرف اسی لفظ کہنے سے عیسیٰ بن جاریہ ضعیف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کے حق میں توثیق بھی ثابت ہے۔ اس کی صرف وہ روایت رد کی جائے گی، جو منکر ثابت ہو۔ یعنی اس میں کوئی نکارت ہو۔ لہٰذا ایسی نکارت پہلے

مولوی صاحب اس حدیث سے ثابت کریں۔ پھر اس پر حملہ کریں۔ جب تک یہ ثبوت نہیں ہے۔ تب تک اس روایت کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ نکارت بھی خود صحیحین کی روایت ام المؤمنین کی "ماکان یزید" سے موافق ہے۔ وھو الثالث

رابعاً: ...... ابن معین کا قول اس بنا پر ہے کہ اس سے صرف ایک راوی یعقوب القمی روایت کرنے والا ہے۔ جیسا کہ تہذیب میں پوری عبارت اس طرح ہے "وقال ابن ابی خیثمہ عن ابن معین لیس بذالك لا اعلم احد روی عنه غیر یعقوب القمی وقال الدوری عن ابن معین عنده مناكير حدث عنه يعقوب القمی وعنبسة قاضی الری" اور اپنے سوال کو خود زائل کر رہا ہے کہ عنبسہ بھی ان سے راوی ہے۔ بلکہ امام ذہبی میزان صفحہ ۳۱۱ ج ۲۔ میں اس طرح منہدم کرتے ہیں کہ "عیسیٰ بن جاريه الانصاری عن جابر المدنی وعنه يعقوب القمی وجماعة اه" لہٰذا ابن معین کی جرح کا کوئی سبب نہ رہا اور دوسرے نمبر میں مولوی صاحب امام نسائی سے ناقل ہے۔

اولاً: ...... اسے بھی آپ کے احناف متعنت اور متشدد شمار کرتے ہیں لہٰذا اس کا جرح اور منصفوں کی موافقت کے غیر آپ کے ہاں قبول نہیں ہے۔ جیسا کہ لکھنوی صاحب کی عبارت کی طرف رمز کیا گیا۔

ثانیاً: ...... امام نسائی نے آپ کے امام ابوحنیفہ کو کتاب الضعفاء میں داخل کیا ہے اور ان کے حق میں "لیس بالقوی کثیر الغلط والخطا اور علی قلة روایته" جیسے الفاظ کہے ہیں۔ جیسا کہ درج بالا میں گزرا۔ لیکن آپ احناف اسے نہیں مانتے اور ایسا جواب دیتے ہو کہ نسائی متعنت اور متشدد ہے چنانچہ لکھنوی صاحب الرفع والتکمیل صفحہ ۶۰ میں لکھتے ہیں کہ "ولم يقبل جرح النسائی فی ابو حنيفه وهو ممن له تَعَنُّتٌ وتشدد وفی جرح الرجال المذكور فی ميزان الاعتدال ضعفه النسائی من قبل حفظه اه" یہی جواب عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق امام نسائی کے قول سے ہم بھی دے سکتے ہیں آپ کو منع کا کوئی حق نہیں ہے۔

الحاصل: ...... مولوی صاحب بے چارے نے عیسیٰ بن جاریہ کو لسٹ سے خارج کرنا چاہا تھا۔ لیکن بیچارے خود لسٹ سے خارج ہوتے جا رہے ہیں۔ جو نہ مانتا ہے قاعدہ محدثین کو اور نہ قانون فقہاء کو۔ سچ ہے کہ "من حفر بئرا لاخيه فقد وقع فيه."

صفحہ ۱۶۷: ...... اعتراض ثالثہ یہ کرتے ہیں کہ "صحیح حدیث میں موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے رمضان المبارک کی ان تین راتوں میں بیس ۲۰۔ رکعات تراویح پڑھائی ہیں۔ (اس کا بیان تقدیم میں ہوگا) لہٰذا صحیح روایت کو ترک کر کے غلط روایت کو کس طرح لیا جائے؟ انصاف اور علامت حق یہ نہیں ہے۔"

جواب: ...... **اولاً:** یہ مولوی صاحب کا سفید جھوٹ اور لاف ہے۔ بیس متعلق کوئی بھی روایت ثابت نہیں۔ جو مولوی صاحب نے ابن عباس کی روایت نقل کی ہے وہ انتہاء درجہ کی ضعیف بلکہ باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ احناف نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر وارد ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

بتا دوں گا عجائب دی اگر فرصت زمانے نے

ثانیاً: ...... بلکہ خود علماء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ روایت بیس ۲۰ رکعات بالا تفاق ضعیف ہے اور صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ جس میں گیارہ رکعات مع الوتر مذکور ہے مولوی صاحب نے اس کے الٹ کہا ہے یہ امور مخبوط الحواس کے ہوتے ہیں جب روایت مولوی صاحب پر بحث آئے گی تب ہم حقیقت کو مکمل طور پر زینت بخشیں گے۔

مجھ سا مشتاق جہاں میں کوئی پاؤ گے نہیں
گر چہ ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبا لے کر

اس کے بعد یہ عنوان قائم کرتے ہیں ''بیس رکعات تراویح حضرات احناف کے دلائل'' اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ''دلیل اول حدیث ابن عباس'' لفظ کہتے ہیں۔ جمع کا اور کہتے ہیں دلائل۔ لیکن پھر پورے مضمون میں رسول اللہ ﷺ سے یہ ایک ہی روایت نقل کرتے ہیں۔ شاید بقیہ خفیہ طور پر اپنے تلامذہ کو بتائی ہوں گی۔ مگر یہ کتاب میں لکھنے کے قابل نہیں ہیں!

دل میں مضمون تھا جو اس شوخ کے ظاہر نہ ہوا
رہ گئی مجھ کو یہ حسرت کہ وہ شاعر نہ ہوا

یہ روایت مولوی صاحب نصب الرأیہ سے بحوالہ ابن ابی شیبہ ابن عباس سے منقول ہے اور ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ ''حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ تحقیق حضور اکرم ﷺ نے رمضان مبارک میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔''

اس سند میں راوی ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ ہے۔ جس میں سخت جرح ہے۔ امام بخاری تاریخ الصغیر صفحہ ۱۹۰ اور الضعفاء الصغیر صفحہ ۲۵۱۔ ملحق بالتاریخ الصغیر میں فرماتے ہیں کہ "سکتوا عنه" جس کا مطلب ہے کہ عام ائمہ حدیث نے ان کی روایات کو ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ظفر احمد تھانوی انھاء السکن صفحہ ۶۲۔ میں بحوالہ تدریب الراوی للسیوطی (صفحہ ۱۲۷) راقم ہے کہ "البخاری یطلق فیه نظر فسکتوا عنه فیمن ترکو احدیثه ا'ہ" پھر جن کی روایات کو محدثین نے ترک کر دیا ہے۔ مولوی صاحب کے ہاتھ یہی لگی ہیں۔

بلند رتبہ ملا جس کو ملا
ہر ایک کے لیے دارو رسن کہاں

اور امام نسائی اپنی کتاب الضعفاء والمتروکین صفحہ ۲۸۳۔ ملحق بالتاریخ الصغیر میں راقم ہیں کہ متروک الحدیث یہاں یہ عذر قبول نہ ہوگا کہ امام نسائی متعنت ہے۔ کیونکہ کتنے مصنف امام بخاری اور دوسرے اس جرح میں شامل ہیں۔ بلکہ ان پر جرح کرنے میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ ان شاء اللہ بیان ہوگا۔ لہٰذا جرح آپ کے قاعدہ حنفیہ کے مطابق بھی مقبول ہے

ناظرین! ''متروک'' محدثین کی اصطلاح ہے۔ جس کا مطلب ہے ”متهم بالكذب“ اور مولوی صاحب صفحہ ۱۶۷۔ میں یہ معنی کرتے ہیں کہ ''محدثین کے ہاں اس کی روایت متروک ہے، اسے کوئی بھی قبول نہیں کرتا، وہ لسٹ سے خارج ہے'' الحمد للہ جو الفاظ عیسیٰ بن جاریہ کے لیے کہے تھے وہ اپنے ہی راوی پر بھی ''چسپاں'' ہوئے۔

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ جو گھر جل رہا ہے کہیں تیرا ہی گھر نہ ہو

یہی امام نسائی کے الفاظ ہیں، جو عیسیٰ بن مریم متعلق نقل کیے ہیں مگر جیسا کہ وہاں کوئی مصنف موافق نہ تھا اور حنفی قاعدہ مطابق وہ متعنت ہے۔ لہٰذا آپ کو یہ جرح مقبول نہیں ہے۔ مگر یہاں ابوشیبہ کے حق میں امام نسائی سے کئی منصف موافق ہیں، لہٰذا یہاں حنفی قاعدہ مطابق اس کی یہ جرح مقبول نہیں ہے ”ولله الحمد“ امام ابن حبان کتاب المجروحین صفحہ ۱۰۴ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں کہ ”كان اذا حدث عن الحكم جاء باشياء معضله وكان مما كثر وهمه وفحش خطأه حتیٰ خرج عن حد الا حتجاج به وترکه یحییٰ بن معین“ امام ابن حبان صراحت کرتے ہیں کہ ابوشیبہ سے ان گنت وہم اور فحش خطائیں ہوئی ہیں کہ ان کی روایت اخذ کے قابل نہیں ہے۔ نیز خود حکم سے اس کی روایات خاص طرح معتبر نہیں ہیں اور یہاں مولوی صاحب کی روایت حکم سے ہے اور امام عقیلی کتاب اسماء الضعفآء من رواۃ الحدیث ومن نسب الی الکذب صفحہ ۵۰ ج ۱۔ قلمی میں اسے بیان کرتے ہیں اور امام شعبہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولتا ہے اور یہ قول امام احمد نے اپنی کتاب العلل صفحہ ۷۷ ج ۱۔ میں بھی ذکر کیا ہے اور تہذیب صفحہ ۱۴۵ ج ۱ میں ہے ”كذبه شعبة فی قصة“ اور میزان میں بھی ذہبی نے صفحہ ۲۳ ج ۱۔ میں لکھا ہے کہ ”كذبه شعبة“ پھر جھوٹے راوی کی روایت پر کیا اعتبار؟ اس متعلق مولوی صاحب نے جواب دیا ہے وہ سارا ان کی ناسمجھی پر مبنی ہے۔ جس کا اپنی جگہ پر بیان ہوگا۔ اس لیے آپ کے علامہ عینی

حنفی نے بھی اسے جھوٹا تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب عبارت آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ نیز امام عقیلی معاذ بن مثنیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ "قال حدثنا ابی قال کتبت الیٰ شعبة وهو ببغداد اسئله عن ابی شیبة القاضی فکتب الی ان تروی عنه فانه رجل مذموم" یعنی ایسا گرا ہوا راوی ہے جس سے روایت کرنے سے امام شعبہ منع کر رہے ہیں۔ نیز اس کا کہنا کہ یہ مذموم شخص ہے۔ جس کا معنی کہ حدیث میں جھوٹ عقیدہ کی خرابی ہے۔ نیز عقیلی امام عبداللہ بن المبارک سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے ابو شیبہ متعلق پوچھا گیا۔ کہا کہ "ارم به" یعنی اسے اچھال دیں۔ امام ابن مبارک کا یہ قول تہذیب میں مذکور ہے۔

ناظرین! امام ابن المبارک کو علماء حنفیہ اپنا حنفی تصور کرتے ہیں اور طبقات الحنفیہ میں اس کو ذکر کرتے رہتے ہیں۔ انہیں کا فرمان احناف کے لیے قطعی فیصلہ ہے اور عقیلی امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ کان ابو شیبة "قد وضع علی الحکم عن مقسم وضعفه جداً" ایسی تصریح کے بعد اس روایت کے جھوٹے ہونے میں کیا شک رہا؟ جب کہ امام احمد صاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ یہ حکم بن مقسم کے طریق سے احادیث گھڑنے کا کام سرانجام دیتا ہے۔ حالانکہ اس روایت کی سند بھی یہی ہے کہ ابو شیبہ عن الحکم بن مقسم پھر جو راوی احادیث گھڑتا ہے۔ اس کی روایت پر مولوی صاحب کس طرح اظہار مسرت کرتے ہیں۔ پھر جرأت تو دیکھو کہ اس روایت کو صحیح کہہ رہے اور اس کے مقابلے میں صحیح روایت رد بھی کر رہے ہیں۔ ایسے اندھے تعصب سے اللہ بچائے رکھے۔

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ستم کشی کو
بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے فتنہ گر پہلے

اس کے بعد عقیلی ابن معین سے نقل کرتے ہیں کہ یہ ضعیف اور ناقابل ہے بخاری ہے "سکتوا عنه" امام ابن حاتم جرح وتعدیل صفحہ ۱۱۵ ج ا ق ا۔ میں اس کو بیان کرتے ہیں اور امام یزید بن زریع سے نقل کرتے ہیں کہ "عنده کتاب" لابی شیبة کراسة عظیمة کانها اللؤلؤ من حسنها ولا اروی عنها شیئاً ابداً حتیٰ القی الله عزوجل یعنی انکارا علیٰ ابی شیبة اور امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ "منکر الحدیث قریب من الحسن بن عمارة" حالانکہ حسن بن عمارہ مشہور متروک راوی ہے۔ جس کا ترجمہ میزان، تہذیب اور تقریب وغیرہ میں ہے۔ نیز ابن ابی حاتم ابن معین سے نقل کرتا ہے کہ "لیس بثقة" اور ان کا والد ابو حاتم سے نقل کرتا ہے کہ "ضعیف الحدیث سکتوا عنه وترکوا حدیثه" تاریخ بغداد صفحہ ۱۱۲ سے ۱۱۴ ج ۶۔ تک: میں کئی جروحات ان پر منقول ہیں مثلاً شعبہ، صالح جزرہ، ابن معین، ابن العلائی، بخاری وغیرہ سے جرحین نقل کی ہیں اور جوز جانی سے نقل کرتا ہے کہ "ابو

شیبہ ابراھیم بن عثمان ساقط اور ابو علی الحافظ" سے ناقل ہے کہ "لیس بالقوی اور ذہبی المغنی فی الضعفاء صفحہ ۲۰ ج ۱۔ میں راقم ہیں کہ "ضعیف ترکہ غیر واحد" اور الکاشف صفحہ ۸۷ ج ۱۔ میں راقم ہے کہ "ترك حدیه" نیز امام ترمذی انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں اور دولابی "متروك الحدیث" کہتے ہیں۔ اس طرح ابو داؤد، ابن سعد اور دارقطنی انہیں ضعیف کہتے ہیں۔ (تہذیب صفحہ ۱۴۴۔۱۴۵ ج ۱) اس نوعیت کا راوی جسے ضعیف، منکر الحدیث اور متروک الحدیث جیسے سخت الفاظ کہے جائیں اور انہیں جھوٹا بھی کہا جائے اور جھوٹی روایات گھڑنے میں ملوث ہو، اس کی روایت کس طرح حجت ہو سکتی ہے اور صحیح حدیث کا تقابل کیسے کر سکتی ہے؟

ثانیاً:...... ان کے ضعیف ہونے اور اس کی روایت کے ترک پر سب کا اتفاق ہے۔ علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ صفحہ ۱۵۳ ج ۲۔ میں ابو الفتح سلیم رازی سے نقل کرتے ہیں کہ وھو متفق علیٰ ضعفه اور امام ذہبی دیوان الضعفاء والمتروکین صفحہ ۱۱ میں فرماتے ہیں کہ "مجمع علیٰ ضعفه" اور آپ کے مذہب کا رئیس ابن الہمام فتح القدیر صفحہ ۳۳۳ ج ۱۔ میں قائل ہیں کہ "متفق علیٰ ضعفه اھ" پھر جس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہو، اس کی روایت کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے اور جلال الدین سیوطی المصابیح فی صلوٰۃ التراویح صفحہ ۵۔۶ میں ابو شیبہ متعلق ائمہ جرح وتعدیل کی جروح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "ومن اتفق ھٰؤلآءِ الائمة علیٰ تضعیفه لا یحل الاحتجاج به"

ثالثاً:...... ائمہ حدیث سے نقل ہوا کہ ابو شیبہ منکر الحدیث ہے۔ بلکہ کئی ائمہ حدیث اس حدیث بیس رکعات والی کو، جو مولوی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کو بھی ابو شیبہ کی منکر احادیث میں سے شمار کرتے ہیں۔ امام ابوبکر الخطیب تاریخ بغداد صفحہ ۱۱۳ ج ۶۔ میں امام صالح ابن محمد جزری سے نقل کرتے ہیں کہ "ابو شیبه قاضی واسط ضعیف روی عن الحکم احادیث مناکیر لا یکتب حدیثه منها عن الحکم عن المقسم عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر اھ" ایک اور حدیث لکھ کر پھر کہتے ہیں کہ "وغیر ذالك احادیث مناکیر اور حافظ ذہبی میزان صفحہ ۲۳ ج ۱۔ میں لکھتے ہیں کہ "ومن مناکیر ابی شیبة ماروی البغوی انبانا منصور بن ابی مزاحم انبانا ابو شیبة عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس کان رسول الله ﷺ یصلی فی رمضان فی غیر جماعة عشرین رکعة والوتر." اور حافظ سیوطی المصابیح صفحہ ۴۔ میں راقم ہیں کہ "فقال المزنی فی تھذیبه ابو شیبه ابراھیم بن عثمان له مناکیر منها حدیث انه کان ﷺ یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر."

رابعاً:...... درج بالا میں معلوم ہوا کہ ابوشیبہ کی خاص طرح روایات "حکم" سے ہی صحیح نہیں ہیں۔ جیسا کہ کچھ نے ان کو منکر کہا اور امام احمد نے کہا کہ اس نے "حکم" پر حدیث بنائی ہے۔ بلکہ اس کے لیے دوسری شہادت ملتی ہے کہ حافظ ذہبی میزان صفحہ ۲۳ ج ا۔ میں فرماتے ہیں کہ "وقد ورد له عن الحكم احاديث وقد قال عبدالرحمن بن معاوية العتبی سمعت عمرو بن خالد الحرانی يقول سمعت ابا شيبة فيقول ما سمعت من الحكم الا حديثا واحداً اھ" ایک طرف تو کئی روایات "حکم" کے واسطہ سے گھڑتا ہے اور دوسری جانب کہتے ہیں کہ میں نے "حکم" سے ایک حدیث سنی ہے۔ یعنی خود اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرتا ہے؟ اس سے ثابت ہوا کہ امام ذہبی اسے جھوٹا تصور کرتے ہیں۔ وهو الخامس

وسادساً:...... کئی علماء نے تصریح کی ہے کہ "وهو معلول با بی شيبة ابراهيم ابن عثمان جد الامام ابی بكر بن ابی شيبة وهو متفق علیٰ ضعفه ولينه ابن عدی فی الكامل ، ثم انه مخالف للحديث الصحيح عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه سأل عائشة كيف كانت صلوٰة رسول الله ﷺ فی رمضان؟ قالت ماكان يزيد فی رمضان ولا فی غيره علیٰ احدی عشرة ركعة يصلی اربعاً فلا تسال عن حسنهن وطولهن ثم يصلی اربعاً فلا تسال عن حسنهن وطولهن ثم يصلی ثلا ثا قالت عائشة فقلت يا رسول الله ! اتنام قبل الوتر؟ قال يا عائشة ان عينیّ تنامان ولا ينام قلبی انتهیٰ۔" (نصب الرایہ صفحہ ۱۵۳ ج ۲) اور امام بیہقی سنن کبریٰ صفحہ ۴۹۶ ج ۲۔ میں یہ روایت لاکر کہتے ہیں کہ "تفرد به ابو شيبة ابراهيم بن عثمان العبسی الكوفی فهو ضعيف اھ" اور حافظ ابن عبدالبر الاستذکار صفحہ ۳۳۴ ج ۲۔ میں فرماتے ہیں کہ "وليس ابو شيبه بالقوی عندهم اھ" اور حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری صفحہ ۲۵۶ ج ۴۔ میں اس حدیث "ماكان يزيد" کی شرح میں راقم ہیں کہ "واما رواه ابن ابی شيبه من حديث ابن عباس كان رسول الله ﷺ يصلی فی رمضان عشرين ركعة والوتر فاسناده ضعيف وقد عارضه حديث عائشه هٰذا الذی فی الصحيحين مع كونها اعلم بحال النبی ﷺ ليلا من غيرها والله اعلم" اور التلخیص الحبیر صفحہ ۲۱ ج ۳۔ میں فرماتے ہیں کہ "اما العدد فروی ابن حبان فی صحيحه من حديث جابر انه صلیٰ بهم ثمان ركعات ثم اوتر فهٰذا مبائن لما ذكر المصنف نعم ذكر العشرين ورد فی حديث اٰخر رواه بيهقی من حديث ابن عباس ان النبی ﷺ كان يصلی فی شهر رمضان فی

غیر جماعة عشرین رکعة والوتر زاد سلیمان الرازی فی کتاب الترغیب له ویوتر بثلاث قال البیهقی تفرد به ابو شیبه ابراهیم بن عثمان وهو ضعیف اور الدرایہ صفحہ ۲۰۳ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں کہ "وروی ابن ابی شیبة والطبرانی من حدیث ابن عباس ان النبی ﷺ کان یصلی عشرین رکعة فی رمضان سوی الوتر واسناد ضعیف ویعارضه قول عائشة ماکان یزید فی رمضان وفی غیره علیٰ احدی عشرة رکعة متفق علیه ." اور حافظ نور الدین ہیثمی مجمع الزوائد صفحہ ۱۷۲ ج ۳۔ میں یہ حدیث لاکر پھر فرماتے ہیں کہ "رواه الطبرانی فی الکبیر الاوسط وفیه ابو شیبة ابراهیم وهو ضعیف " اور حافظ جلال الدین سیوطی المصابیح صفحہ ۲۔ میں فرماتے ہیں کہ "(قلت) هٰذا الحدیث ضعیف جدا لا تقوم به حجة" اس کے بعد ابوشیبہ پر ائمہ حدیث شعبہ ابن معین احمد، بخاری، نسائی، ابو حاتم، ابن عدی، ابو داؤد، ترمذی، ابن الغلابی، جوز جانی، ابو علی نیسابوری اور صالح بن محمد جزرہ بغدادی ـ" ان سب سے جرح نقل کی ہے۔ جو کہ ہم نقل کر چکے ہیں۔۔ نیز ذہبی اور مزنی سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اس کے بعد رقم کرتے ہیں کہ "ومن اتفق هٰؤلآءِ الا ئمة علیٰ تضعیفه لا یحل الاحتجاج بحدیث مع ان هٰذین الا مامین المطلعین الحٰفظین المستو عبین حکیا فیه ما حکیا ولم ینقلا عن احد انه ، وثقه ولا بأدنٰی مراتب التعدیل وقد قال الذهبی وهو من اهل الاستقراء التام فی نقد الرجال لم یتفق اثنان من اهل الفن علیٰ تجریح ثقة ولا تو ثیق ضعیف ومن یکذبه مثل الشعبة فلا یلتفت الیٰ حدیثه مع تصریح الحافظین المذکورین نقلا عن الحفاظ بان هٰذا الحدیث مما علیه وفی ذالك کفایة فی رده . علامہ زرقانی شرح الموطا صفحہ ۲۴۶ ج ۱۔ حدیث ماکان یزید کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "وما رواه ابن ابی شیبة عن ابن عباس کان رسول الله ﷺ یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر فاسناده ضعیف وقد عارضه هٰذا الحدیث الصحیح مع کون عائشة اعلم بحال النبی صلی الله علیه وسلم لیلا من غیرها" اور علامہ شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۵۷ ج ۳۔ میں لکھتے ہیں کہ "واخرج ابن حبان فی صحیحه من حدیث جابر انه ﷺ صلیٰ بهم ثمان رکعات ثم اوتر واخرج البیهقی عن ابن عباس کان یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة عشرین رکعة والوتر وزاد سلیم الرازی فی کتاب الترغیب له ویوتر بثلث قال البیهقی تفرد به ابو شیبه ابراهیم بن عثمان وهو ضعیف" اور امام شہاب الدین احمد بن حمدان الا زرعی کتاب التوسط

والفتح بین الروضۃ والشرح میں فرماتے ہیں کہ "واما ما نقل عنه ﷺ انه صلیٰ فی اللیلتین التین خرج فیها عشرین رکعة فهو منکر" اورامام بدرالدین زرکشی کتاب خادم الرافعی والروضۃ فی الفروع میں لکھتے ہیں کہ "دعوی ان النبی ﷺ صلیٰ بهم فی تلك اللیلة عشرین رکعة لم یصح بل الثابت فی الصحیح الصلوٰة من غیر ذکر العدد وجآء فی روایة جابر انه صلیٰ بهم ثمانی رکعات والوتر ثم انتظروه فی القابلة فلم یخرج الیهم رواه ابن حبان وابن خزیمة فی صحیحهما" یہ دونوں عبارتیں سیوطی کے رسالہ المصابیح صفحہ ۱۲۔۱۳۔ میں منقول ہیں اور امام ابوبکر بن العربی عارضۃ الاحوذی شرح صحیح الترمذی صفحہ ۱۹ ج ۴۔ میں فرماتے ہیں کہ "والصحیح ان یصلی احدیٰ عشره رکعة صلوٰه النبی ﷺ وقیامه فاما غیر ذالك من الاعدادفلا اصل له" اورعلامہ سیدالامیر اسماعیل الیمانی سبل السلام شرح بلوغ المرام صفحہ ۱۰ ج ۳۔ میں فرماتے ہیں کہ "واما الکمیة وهی جعلها عشرین رکعة فلیس فیه حدیث مرفوع الا ماروه عبدبن حمید والطبرانی من طریق ابی شیبة ابراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر۔ قال فی سبل الرشاد ابو شیبة ضعفه احمد وابن معین والبخاری ومسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی و غیرهم وکذبه شعبة وقال ابن معین لیس بثقة وعدهٰذا الحدیث من منکر اته" اورحافظ سیوطی تنویرالحوالک شرح موطا مالک صفحہ ۱۰۲ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں کہ "واما عد د ما صلیٰ ففی حدیث ضعیف انه صلیٰ عشرین رکعة والوتر اخرجه، ابن ابی شیبة من حدیث ابن عباس واخرج ابن حبان فی صحیحه من حدیث جابر انه صلیٰ بهم ثمان رکعات ثم اوتر وهذا اصح علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری صفحہ ۳۱۲ ج ۲۔ میں لکھتے ہیں کہ "واما ماروه ابن ابی شیبة عن ابن عباس کان رسول الله ﷺ یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر فاسناده ضعیف وقد عارضه حدیث عائشة هٰذا وهو فی الصحیحین مع کونها اعلم بحاله علیه الصلوٰة والسلام لیلا من غیرها" اورعلامہ ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں کہ "قول بعض ائمتنا انه ﷺ صلیٰ بالناس عشرین رکعة لعله، اخذه مما فی مصنف ابن ابی شیبة انه، کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة وهما رواه البیهقی انه صلیٰ بهم عشرین رکعة بعشر تسلیمات لیلتین ولم یخرج فی الثالثة لکن روایتین ضعیفتان وفی صحیح ابن

خزیمة وابن حبان انه صلی بهم ثمان رکعات والوتر ۔“ (الزرقانی شرح المشکوٰۃ صفحہ ۱۹۴ ج ۳) اس کے علاوہ علامہ ساعاتی بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی صفحہ ۱۸ ج ۱ اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری تحفۃ الاحوذی صفحہ ۷۵ ج ۲ اور علامہ عبدالحمید الشروانی حاشیہ تحفۃ المحتاج صفحہ ۲۴۱ ج ۱ اور شیخ محمد خطیب الشربینی مغنی المحتاج صفحہ ۲۲۶ ج ۱ اور شیخ جلال الدین المحلی شرح منہاج الطالبین صفحہ ۲۱۷ ج ۱۔ علیٰ ھامش حاشیتی القلیوبی وعمیرۃ اور شیخ سعید بن محمد باعش بشری الکریم بشرح مسائل التعلیم صفحہ ۱۱۵ ج ۱۔ میں وغیرہم۔ ان سب نے حدیث کو ضعیف کہا ہے اور جن علماء سے نقل کیا گیا، ان میں محدثین کے علاوہ مذہب ثلاثہ مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے علماء کے فیصلہ جات ہیں۔ نیز دو ائمہ ومحدثین صالح جزرہ اور ذہبی کے بھی قول گذرے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

سابعاً: ...... عام علماء احناف بھی اس حدیث کو ضعیف اور بیکار کہتے ہیں۔ آپ کے مذہب کے مجتہد فی المذہب ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ صفحہ ۳۳۳ ج ۱۔ میں لکھتے ہیں کہ ”وقدمنا فی باب النوافل عن ابی سلمة بن عبدالرحمن سالت عائشة رضی الله عنها کیف کانت صلوٰۃ رسول الله ﷺ فی رمضان فقالت ماکان یزید فی رمضان ولا غیره علیٰ احدیٰ عشرة رکعة واما ما روی ابن ابی شیبة فی مصنفه والطبرانی وعند البیهقی من حدیث ابن عباس انه ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر فضعیف بابی شیبة ابراهیم بن عثمان جد الا مام ابی بکر ابن ابی شیبة متفق علیٰ ضعفه مع مخالفته للصحیح“ اور آپ کے مذہب کے رئیس علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری صفحہ ۱۲۸ ج ۱۱۔ طبع منیریہ میں لکھتے ہیں کہ ”قوله ماکان یزید فی رمضان الی اٰخره (فان قلت) روی ابن ابی شیبة حدیث ابن عباس کان رسول الله ﷺ یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر (قلت) هٰذا الحدیث رواه ایضاً ابو القاسم البغوی فی معجم الصحابة قال حدثنا منصور بن ابی مزاحم حدثنا ابو شیبة عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس الحدیث وابو شیبة هو ابراهیم بن عثمان العبسی الکوفی قاضی واسط جد ابی بکر بن ابی شیبة کذبه شعبة وضعفه ، احمد وابن معین والبخاری والنسائی وغیرهم واورد له ، ابن عدی هٰذا الحدیث فی الکامل فی مناکیره“ اور علامہ حافظ زیلعی نصب الرأیہ فی تخریج احادیث الهدایۃ صفحہ ۱۵۳ ج ۲۔ میں کہتے ہیں: ”وهو معلول بابی شیبة ابراهیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبه وهو متفق علیٰ ضعفه ولینه

ابن عدی فی الکامل ثم انه مخالف للحدیث الصحیح عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه سأل عائشه کیف کانت صلوٰة رسول الله ﷺ فی رمضان؟ قالت ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیره علیٰ احدیٰ عشرة رکعة اھ" علامہ ملا علی قاری مرقاہ شرح مشکوۃ صفحہ ۱۹۴ ج ۳۔ میں فرماتے ہیں کہ "واما ماروی ابن ابی شیبة فی مصنفه والطبرانی والبیهقی من حدیث ابن عباس انه علیه الصلوٰة والسلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر ضعیف بابی شیبة ابراهیم بن عثمان جد الا مام ابی بکر ابن ابی شیبة متفق علیٰ ضعفه مع مخالفته للصحیح " اور علامہ محمد طاہر فتنی مجمع بحار الانوار صفحہ ۷۷ ج ۲۔ طبع ہند میں لکھتے ہیں کہ "ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیره علیٰ احدیٰ عشرة رکعة وما روی ابن عباس کان یصلی عشرین فاسناده ضعیف وقد عارضه حدیث عائشة وهی اعلم وهو فی الصحیحین " اور شیخ عبدالحق دہلوی لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح صفحہ ۱۱۱ ج ۴۔ باب قیام رمضان میں لکھتے ہیں کہ "وروی ابن ابی شیبة من حدیث ابن عباس رضی الله عنهما کان رسول الله ﷺ یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر وقالوا اسناده ضعیف وقد عارضه حدیث عائشة رضی الله عنها وهی اعلم بحال النبی ﷺ من غیرها اھ" اور علامہ ابن عابدین شامی منحۃ الخالق علی البحر الرائق شرح کنز الدقائق صفحہ ۶۷ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ: واما ما روی ابن ابی شیبة فی مصنفه والطبرانی وعند البیهقی من حدیث ابن عباس انه صلی الله علیه و سلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر ضعیف بابی شیبة ابراهیم بن عثمان جدا لا مام ابی بکر بن ابی شیبة متفق علیٰ ضعفه مع مخالفته للصحیح اور شیخ ابوالطیب السندی المدنی شرح ترمذی میں کہتے ہیں کہ "وورد عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول الله ﷺ یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر رواه ابن ابی شیبة واسناده ضعیف وقد عارضه حدیث عائشة رضی الله عنها هٰذا وهو فی الصحیحین فلا تقوم به الحجة" (شروح اربعہ ترمذی صفحہ ۴۲۳ ج ۱) اور علامہ سراج احمد شرح ترمذی میں کہتے ہیں کہ وروی ابن ابی شیبه والطبرانی من حدیث ابن عباس ان النبی ﷺ کان یصلی عشرین رکعة فی رمضان سوی الوتر واسناده ضعیف ویعارضه قول عائشة ماکان یزید فی رمضان وغیره علیٰ ثلاث عشرة رکعة اخرجه الشیخان (شروح اربعہ ترمذی صفحہ ۱۵۱ ج ۲) اور سید انور

شاہ کشمیری العرف الشذی صفحہ ۳۰۹ میں لکھتے ہیں کہ "واما النبی ﷺ فصح عنه ثمان رکعات واما عشرون رکعة فعنه علیه السلام بسند ضعیف وعلیٰ ضعفه اتفاق ." علامہ نیموی التعلیق الحسن علی اثار السنن صفحہ ۵۹ ج ۲۔ میں بڑے جوش وخروش سے اس سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ عبداللہ طحاوی حاشیہ الدرالمختار صفحہ ۴۶۶ ج ا۔ میں اور علامہ بنوری معارف السنن صفحہ ۵۴۶ ج ۵۔ میں اور علامہ احمد علی سہارنپوری حاشیہ بخاری صفحہ ۱۵۴ ج ا۔ میں اور علامہ رشید احمد گنگوھی الکوکب الدری صفحہ ۲۶۷ ج ا۔ میں ، علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۲۔ میں اور علامہ لکھنوی تحفۃ الاخیار مجموعۃ الرسائل الثانی الکھنوی صفحہ ۱۹۵) میں اور التعلیق الممجد صفحہ ۱۴۲۔ میں اور علامہ زکریا کاندھلوی اوجز المسالک صفحہ ۳۹۷ ج ا۔ میں اور شیخ محمد تھانوی حاشیہ نسائی صفحہ ۲۴۸ ج ا اور مفتی عزیز الرحمٰن مفتی دار العلوم دیوبند فتاویٰ دارالعلوم دیوبند صفحہ ۲۴۱۔ میں وغیرہم اسی روایت کو سب ضعیف کہتے ہیں۔ بلکہ لکھنوی تو کہتے ہیں کہ "لا شك فی صحة حدیث عائشة وضعف حدیث ابن عباس" اور علامہ محمد سرفراز رسالۃ التراویح کے مقدمہ صفحہ ۶ میں اس کو ضعیف کہتے ہیں۔

علماء احناف کی عبارات میں سے بصراحت چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اولاً:...... رسول اللہ ﷺ سے صرف آٹھ رکعات ثابت ہیں۔ نہ کہ بیس ، چنانچہ سید احمد حموی حنفی الاشباہ صفحہ ۹ میں رقم کرتے ہیں کہ ان النبی ﷺ لم یصلها عشرین بل ثمانیا اور علامہ ابوالسعود حنفی شرح کنز صفحہ ۲۶۵۔ میں راقم ہیں "لان النبی ﷺ لم یصلها عشرین بل ثمانیا" اور فتاویٰ شرنبلال میں ہے کہ "الذی فعله علیه السلام بالجماعة احدیٰ عشرة رکعة بالوتر وما روی انه کان یصلی عشرین سوی الوتر فضعیف" اور علامہ طحطاوی حاشیہ الدرالمختار صفحہ ۴۶۶ ج ا۔ میں کہتے ہیں کہ "قد ثبت ان ذالك کان احدیٰ عشرة رکعة بالوتر کما ثبت فی الصحیحین من حدیث عائشة رضی اللہ عنہا فاذن یکون المسنون علی اصول مشائخنا ثمانی منها اھ" اور صفحہ ۴۶۸ ج ا۔ میں راقم ہیں کہ "ان النبی ﷺ لم یصلیها عشرین بل ثمانیاً اھ" اور نور الایضاح کا مصنف علامہ شرنبلالی اس کی شرح مراقی الفلاح صفحہ ۲۴۷۔ علیٰ ھامش حاشیۃ الطحطاوی میں راقم ہیں کہ "ثبت انه ﷺ صلی بالجماعة احدیٰ عشرة رکعة بالوتر" اور شیخ عبدالحق دھلوی ما ثبت بالسنۃ ۲۹۲۔ میں راقم ہیں کہ "والصحیح ماروته عائشة انه صلیٰ احدیٰ عشرة رکعة کما هو عادته فی قیام اللیل" اور رشید احمد گنگوہی رسالہ الحق الصریح صفحہ ۲۲۔ میں راقم ہیں کہ: گیارہ رکعت تراویح مع الوتر سرورِ عالم سے ثابت و موکد ہے" اور علامہ ابن عابدین شامی رد المختار شرح

الدر المختار صفحہ ۴۹۵ ج ۱۔ طبع مصطفیٰ البانی بمصر میں راقم ہیں کہ "ان مقتضی الدلیل کون المسنون منها ثمانيه " اھ۔

والثانی:...... آٹھ رکعات والی روایات بالکل صحیح ہیں اور جابر والی روایت جسے مولوی صاحب نے ضعیف کہا ہے۔ احناف اسے صحیح مانتے ہیں۔

والثالث:...... ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت "ما کان یزید" سے مسنون آٹھ رکعات تراویح ثابت ہیں اور مولوی صاحب کا کہنا غلط ثابت ہوا کہ یہ روایت تہجد متعلق ہے تراویح متعلق نہیں۔

والرابع:...... بیس والی روایت جو مولوی صاحب نے نقل کی ہے۔ وہ سخت ضعیف ہے۔

والخامس:...... اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے۔

والسادس:...... باوجود ضعیف ہونے کے صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں آٹھ رکعات کا ذکر ہے۔

والسابع:...... بعض نے تو اس کو منکر شمار کیا ہے۔

والثامن:...... ابو شیبہ سخت ضعیف ہے حتیٰ کہ انہیں ضعیف اور متروک کہا گیا ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

والتاسع:...... ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت بیت اور آپ کی صلوٰۃ لیل متعلق زیادہ جانکاری رکھنے والی ہے لہٰذا آٹھ رکعات والی حدیث کو ہی ترجیح ہے۔

والعاشر:...... یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔ لہٰذا بلحاظ صحت طبقہ اول سے ہے جیسا کہ درج بالا میں سیوطی اور دوسری عبارات سے واضح ہوا۔

والحادی عشر:...... یہ بیس والی روایت لائق دلیل نہیں ہے

والثانی عشر:...... کئی نے واضح انکار کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعات پڑھی ہی نہیں ہیں۔

والثالث عشر:...... ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث آٹھ رکعات والی کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیس رکعات کے متعلق ضعیف ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، یعنی دونوں باتیں حتمی ہیں۔

والرابع عشر:...... یہی عدد گیارہ آپ کا اسوہ تھا۔

والخامس عشر:...... یہ عدد آٹھ سنت ہے اور عدد بیس سنت نہیں ہے۔

الحاصل:...... ایسی تصریحات کے بعد بھی مولوی صاحب کے لیے کوئی شق باقی رہتی ہے عامل حدیث کی فہرست سے تو خارج لیکن اب تو حنفیت سے بھی باغی ہو رہے ہیں۔ بلکہ درج بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ

مذاہب اربعہ کی تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صرف آٹھ رکعات ثابت ہیں اور بیس محقق نہیں ہیں۔
اب تو لگتا ہے مولوی صاحب اپنا مذہب ایجاد کر رہے ہیں؟

یوں بھی ہزار ، لاکھ میں تم انتخاب ہو
پورا کرو سوال تو پھر لا جواب ہو

ناظرین! یہ ہے مولوی صاحب کی روایت کا حال جسے سب علماء ضعیف اور نا قابل قبول کہہ رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے اسے بچانے کے لیے جو کلام کیا ہے اس میں اپنے جوہر دکھلائے ہیں۔ کاش! اس کو رقم کرنے سے ساکت رہتے تو بہتر تھا۔ بقول شاعر

زبان در دھان خرد مند چیست
کلیدے در گنج صاحب ھنر
چو در سفتہ باشد چہ داند کسے
کہ جو ھر فروش است یا پیلہ ور

مگر جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہے اسے کون چھپائے۔
"من یھن اللہ فمالہ من مکرم" سب سے پہلے ہمارے رسالہ الوسیق سے اعتراض نقل کرتے ہیں کہ ''ابو شیبہ بالا تفاق ضعیف ہے'' یہ ایسی حقیقت ہے جس متعلق مولوی صاحب کے بڑوں کو اعتراف ہے اور نہ ہی اس راوی کی توثیق ثابت کر سکتے ہیں۔ بلکہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ ان کی نا سمجھی کا نتیجہ ہے۔
صفحہ ۱۶۸:...... یہ عنوان قائم کرتے ہیں کہ ''رقم جواب سے قبل ایک عرض'' اس عنوان کے تحت دو باتیں تحریر کر رہے ہیں۔ ''اس میں راوی کا نام غلط ہے۔ یعنی ابراہیم بن عثمان کے بجائے ابو شیبہ عثمان لکھا ہے۔''
جواب:...... **اولاً**: یہ تو پریس کی غلطی ہے کہ کاتب سے لفظ ابراہیم بن۔ دو الفاظ اسم اور عثمان کے درمیان رہ گئے ہیں۔ یہ کوئی مصنف کی خطاء نہیں ہے۔ مولوی صاحب اپنی کتاب سے آشنا نہیں۔ جس میں ایسی باتیں ہیں۔ جن کے لیے ہم نے کوئی تعرض نہیں کیا، کیونکہ بے جا کتاب کا حجم بڑھ جاتا اور قاری کا خیال اس موضوع سے ہٹ جاتا ابھی صفحہ ۱۶۱ میں راقم ہیں کہ ''جواب پیر صاحب نے ایک روایت کے پیش کرنے کا چیلنج کیا ہے، یہ بندہ انہیں دو احادیث دکھانے کے لیے تیار ہے۔ لو حاضر ہیں ''بندہ'' مذکر ہے اس کو مونث کہنا بلوچی سندھی ہے۔
پتا نہیں جس بیچارے نے خرچ کیا وہ مولوی صاحب کی کتاب کو شائع کروا دیا اگر وہ ایسی فحش غلطیاں ہونے کے باوجود کتاب پر کس طرح مست ہوا!

نہ عارض نہ زلف دوتا دیکھتے ہیں
خدا جانے ان میں وہ کیا دیکھتے ہیں

پھر خود ہی لکھتے ہیں کہ ''اور ہوسکتا ہے کہ پریس کی غلطی سبب ابراہیم بن ، کے الفاظ چھوٹ گئے ہوں اور صرف عثمان ابی شیبہ کے الفاظ چھپ گئے ہوں۔''

اولاً:...... جب مولوی صاحب کو یہ بات کھٹک اور چبھ رہی ہے تو پھر تصور کرتے "الاثم ماحاك في صدرك " (ترمذی وغیرہ) پھر کیوں ذلیل ہورہے ہیں۔

ثانیاً:...... ایسے مشہور راوی کے لیے اس طرح غلط نام لکھا جائے وہ ناممکن ہے۔

ثالثاً:...... ''الوسیق'' میں متعدد مقامات پر ایسے حوالے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ یہ پریس کی غلطی ہے۔ ہم نے خود اس طرح نہیں لکھا ہے'' چنانچہ صفحہ ۱۱ میں ہے کہ " جد ابن ابی شیبة " حالانکہ وہ مشہور ہے کہ امام ابن ابی شیبہ کا نام اس طرح ہے "عبداللہ بن محمد بن ابراهيم بن عثمان العبسی الواسطی" پھر ہم کس طرح اس کے ''جد'' کے بجائے ابراہیم بن عثمان لکھیں۔ "المرء" يقس على نفسه" معروف ضرب ہے اور مولوی صاحب نے اپنی لاعلمی پر اوروں کو قیاس کیا ہے اور صفحہ ۴۲ میں ہم نے ابن ہمام کی عبارت نقل کی ہے کہ "فضعيف بابی شيبة بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شيبة " جب کہ ان عبارات میں دو باتوں کی تصریح موجود ہے۔ ایک تو عثمان ابوشیبہ کا باپ ہے۔ نہ کہ خود۔ پھر کس طرح ہم اسکا نام عثمان کہیں گے اور دوسری یہ کہ وہ "ابن ابی شیبه" کا دادا ہے اور وہ ابراہیم ہے۔ نہ کہ عثمان اور صفحہ ۴۴ میں زیلعی کی عبارت اس طرح نقل کی گئی ہے کہ "وهو معلول بابی شيبه ابراهيم بن عثمان جد الامام ابی بکر ابن ابی شیبة" تو یہاں نام واضح طور پر ابراہیم لکھا ہوا ہے اور عثمان اس کے باپ کا نام لکھا ہوا ہے۔ ایسی وضاحت کے بعد بھی ہم اس کا نام عثمان کہیں گے؟ مولوی صاحب کو خدا سمجھ دے جو خواہ مخواہ ایسے غلط اعتراض کر کے بات بڑھا رہے ہیں۔

رابعاً:...... چند سالوں کی بات ہے کہ ہمارے ہاں اسی مسئلہ تراویح متعلق جناب مولوی خوشی محمد میرو کی تحریر جواب کے لیے آئی۔ اس کا جواب ہم نے لکھا۔ جس کے نقول ہمارے ہاں محفوظ ہیں۔ جس میں اسی حدیث ابوشیبہ والی روایت کے جواب میں جو ہم نے رقم کیا ہے۔ اس میں یہ لفظ بھی ہیں کہ ''اس سند میں ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی نامی ایک راوی ہے۔ جو مجروح ہے الخ یہ رسالہ الوسیق سے بھی قبل کا ہے۔ مولوی صاحب کو اگر فرصت ہو تو ہمارے ہاں آئیں اور عبارت دیکھیں۔ یہ تمام قرائن اس بات پر دال ہیں کہ اصل عبارت الوسیق میں بھی ابراہیم بن عثمان ہے۔ لیکن بوجہ پریس راوی کا نام چھوٹ گیا ہے۔ لیکن مولوی

صاحب بقول: ”چوہے کے ہاتھ ہڑ لگی خود کو پنسار سمجھ بیٹھا“
تو مولوی صاحب معترض بن گئے۔

اللہ ایسے حسن پہ یہ بے نیاز یاں
بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں

دوسری بات لکھتے ہیں کہ ”آپ نے محدثین سے جرح نقل کرنے کی تقلید کی ہے“

اولاً:...... یہ مولوی صاحب کا وہی تیر ہے جو قبل الاپ چکے ہیں یہ ہے مولوی صاحب کی علمیت کہ تقلید کی تعریف بھی نہیں جانتے۔ محدثین کی جرح وتعدیل شہادت ہے اور رجوع الی الشہادت تقلید نہیں ہے یہ آپ کی فقہ میں بھی مذکور ہے۔

ثانیاً:...... محدثین کی جروح مدلل ہیں۔ انہوں نے دلائل پیش کیے ہیں جنھوں نے کہا کہ متروک مطلب کہ اس پر جھوٹ کی تہمت ہے اور امام احمد انہیں واضع حدیث کا مجرم ٹھہراتے ہیں اور بعض نے انہیں منکر الحدیث کہا ہے جس کا مطلب کہ ثقات کی مخالفت کرتا ہے یہ تمام ان کے ضعیف ہونے کے دلائل ہیں اور بڑی دلیل یہ ہے کہ خود ”حکم“ سے کس طرح روایات نقل کرتا ہے اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ میں نے ایک روایت کے علاوہ کچھ بھی نہ سنا ہے۔ جیسا کہ میزان کی عبارت نقل کی گئی۔ پھر جس کے لیے قول موجود ہو اس سے لینا تقلید نہ ہوا بلکہ تقلید اسی قول کے لینے کو کہتے ہیں جس کے لیے کوئی دلیل نہ ہو۔

ثالثاً:...... اس مقام پر ابو شیبہ کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے پھر اتفاقی اور اجماعی قول کو لینا بھی تقلید نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ کے حنفی اصول میں مذکور ہے جیسا کہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۴۰۰ ج ۲۔ میں ہے (التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجة) متعلق بالعمل والمراد بالحجة حجة من الحجج الا ربع والا فقول المجتهد دلیله وحجته کاخذ العامی) من المجتمد و اخذ (المجتهد من مثله فالرجوع الی النبی ﷺ وآله واصحابه الصلوٰة والسلام اوالیٰ الاجماع لیس منه) فانه رجوع الی الدلیل وکذا) رجوع (الامی الی المفتی والقاضی الی العدول) لیس هٰذا الرجوع نفسه تقلیدا اھ۔ “ اور اسی ضمن میں مولوی صاحب ابو شیبہ کے متعلق محدثین کی جرح کے لیے لکھتے ہیں کہ ”اگر چہ صحیح نہیں ہے“ پھر کس کا قول ٹھیک ہوگا؟ اگر محدثین کا قول درست نہیں سمجھتے تو اپنے بڑے احناف کا قول بھی صحیح تصور نہ کرے گا؟ اس کے بعد جواب لکھنا شروع کرتے ہیں۔ مجموعی چار جواب نقل کرتے ہیں۔ جواب اول میں نقل کرتے ہیں کہ ”حافظ ابن حجر فتح الباری میں ابو شیبہ کو ”الحافظ“ کہتے ہیں۔

جواب:...... **اولاً:** حافظ ابن حجر نے کہیں بھی ایسے مجروح کو حافظ نہیں کہا ہے۔ مولوی صاحب کی یہ نسبت غلط ہے۔

ثانیا:...... خود حافظ صاحب نے تہذیب میں ان پر سخت جرح نقل کی ہے اور ان کی روایت کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ فتح الباری سے عبارت نقل کی گئی۔ لہٰذا حافظ صاحب کی طرف ایسی نسبت صحیح نہ کہی جائے گی اور دوسرے جواب میں تہذیب الکمال کے حوالہ سے ابن عدی سے نقل کرتے ہیں کہ "له أحاديث صالحة."

جواب:...... اولاً: انہوں نے اس طرح نہیں کہا ہے کہ ان کی تمام احادیث معتبر ہیں۔ بلکہ وہ جو ثقہ راویوں سے موافقت رکھتی ہوں۔ لیکن یہ روایت تو صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ وهو الثاني

ثالثا:...... مولوی صاحب نے عبارت نقل کرنے میں خیانت کی ہے۔ خود تو کتاب التہذیب خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ بلکہ مولوی عبدالحی لکھنوی تحفۃ الاخبار (مجموعۃ الرسائل الثمانی) صفحہ ۱۹۵۔ میں عبارت اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "وقال ابن عدي له احاديث صالحة مات سنه ١٦٩ه ومن مناكيره حديث انه ﷺ كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر اه" ثابت ہوا کہ ان کی صالح روایات سے ابن عدی اس بیس رکعات والی روایت کو شمار نہیں کرتے۔ مولوی صاحب نصف عبارت ہضم کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہا ہے لیکن عبارت دیکھنے کے بعد راز فاش ہوا کہ ابن عدی کیا کہہ رہے ہیں اور پھر مولوی صاحب اس سے کیا ناجائز فائدہ لے رہے ہیں۔ بقول شاعر

مضمون کا چور ہوتا ہے جہاں میں
چکھی خراب کرتی ہے مال حرام

جو نقل کرتے ہیں وہ خلاف اصل ہے۔ جو حوالہ نقل کرتے ہیں وہ اس کی گردن میں ہے۔

یہ خلاف ہوگیا آسمان یہ ہوا زمین کی پھر گئی
کہیں گل کھلے بھی تو بوء نہ دی کہیں حسن ہے وفا نہیں

خود سمجھتے نہیں جہاں حدیث کو سب ضعیف کہہ رہے ہیں انہیں ابن عدی صالح کس طرح کہیں گے؟ عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

صفحہ ۱۶۹:...... جواب ثالث میں میزان الاعتدال کی عبارت کا ترجمہ کرتے لکھتا ہے کہ "ابراهيم بن عثمان ابو شيبة العبسي الكوفي" قاضی واسط ابوبکر بن ابی شیبہ (معروف محدث) کا دادا اپنی ماں کے خاوند" حکم بن عتیبہ سے روایت کرتا ہے۔ اسے شعبہ جھوٹا تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ حکم سے ابن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ صفین کی لڑائی میں اصحاب بدر ستر افراد شریک تھے۔ امام شعبہ فرماتے

ہیں کہ (ابراہیم بن عثمان) کذاب ہے میں حکم بن عتیبہ سے ہم کلام ہوا، پھر ہم ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ (کوئی بدری صحابی) نہ دیکھا۔ جو جنگ صفین میں شریک ہوا ہو۔ (مطلب یہ ہوا کہ امام شعبہ ابراہیم بن عثمان کو جھوٹا تصور کرتے ہیں) لیکن علامہ ذہبی شعبہ اور حکم دونوں پر حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے لکھتے ہیں کہ "قلت سبحان الله"! حیرت انگیز معاملہ ہے "اما شهد ها عمارا ما شهدها علي" کیا حضرت عمارؓ اور حضرت علیؓ جنگ صفین میں حاضر نہ تھے الخ''

ناظرین! مولوی صاحب کی عبارت کو بار بار پڑھیں اور نظر کریں کہ ان کی بے سمجھی کی داد دی جائے یا ان کی تحقیق پر ماتم کیا جائے۔

اولاً: ...... امام ذہبی ابوشیبہ کو جھوٹ سے بری الذمہ نہیں کرتے، بلکہ شعبہ اور حکم کا قول تو واقعہ صفین میں بدرین سے صرف ایک خزیمہ رضی اللہ عنہ شامل تھا، اس پر ذہبی کہتے ہیں کہ سبحان اللہ! صرف یہ ایک! کیا علی اور عمار رضی اللہ عنہما یہ دونوں صفین میں حاضر نہ تھے؟ پھر بھی ابوشیبہ کا کہنا کہ ستر بدری وہاں حاضر تھے اس کے جھوٹے ہونے میں کیا شک ہے؟ کیونکہ پھر بھی ستر سٹھ افراد رہتے ہیں۔ اس طرح امام ذہبی ابوشیبہ کے کذاب ہونے کو ثابت کر گئے۔ صرف ایک حصر پر اعتراض کرتے ہیں کیا ذہبی کا کلام ہے اور کیا مولوی صاحب معنی لے رہے ہیں! بالکل ہی حقائق سے آنکھیں بند کر کے کہتے ہیں کہ ''ذہبی امام شعبہ کا ابراہیم بن عثمان پر وارد الزام کہ وہ جھوٹا ہے، انہیں غلط تصور کرتا ہے'' اب قارئین انصاف کریں کہ امام ذہبی انہیں غلط تصور کرتے ہیں یا اس پر مہر ثبت کرتے ہیں۔ وهو الثاني

ثالثاً: ...... زید قاضی کے ہاں فریاد کرتا ہے کہ عمرو ستر ''۷۰'' افراد کے ساتھ مجھ پر حملہ کرنے آیا، مدعیٰ علیہ (عمرو) قاضی کے ہاں جواب پیش کرتے ہیں کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ میں اکیلا ہی اس کے ہاں گیا تھا۔ کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ ابوشیبہ کے جھوٹے ہونے کو ثابت کرتے ہیں اور اسی لیے ''امام شعبہ'' اس بات پر حلف اٹھاتے ہیں کہ کذب واللہ۔ وهو الرابع

خامساً: ...... ذہبی خود تحریر کرتے ہیں کہ "وقد ورد له عن الحكم احاديث وقد قال عبدالرحمن بن معاوية العتبي سمعت عمرو بن خالد الحراني يقول سمعت من الحكم الا حديثا واحداً" یعنی ایک جانب تو ''حکم'' سے کئی روایات نقل کرتے ہیں تو دوسری جانب کہتے ہیں کہ میں نے ان سے صرف اک حدیث سنی ہے۔ امام ذہبی یہ عبارت نقل کر کے اس کے جھوٹے ہونے پر دلیل ثانی پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ گر ان سے صرف ایک ہی حدیث سنی ہوتی تو دوسروں کی ''حکم'' سے روایت میں وہ جھوٹا ہے۔ یا اپنی بنا کر اس پر تھوپی ہیں۔ یا دوسروں کی اس کے نام سے منسوب کی ہیں۔

دونوں طرح وضع اور کذب کا ارتکاب کیا ہے اور گر ایک سے زائد اس سے سنی ہیں تو پھر وہ اس کے کہنے میں جھوٹا ہے۔ کہ میں نے صرف ان سے ایک حدیث سنی ہے۔ ہر حال میں جھوٹا ہی جھوٹا ہے!!

سادساً: ...... امام ذہبی دوسری بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ "ولابی شیبة عن اٰدم بن علی عن ابن عمر ما اھلکت امة الا فی ازار ولا تقوم الساعة الا فی ازار لم یصح ھٰذا وقال احمد بن حنبل حدیث من بشرنی بخروج آذار بشرته بالجنة ھذا لا اصل له۔" گویا کہ امام ذہبی ثابت کرتے ہیں کہ یہ عام طرح جھوٹا اور جھوٹی روایات گھڑتا تھا۔ مولوی صاحب بغلیں بجا رہے ہیں کہ امام ذہبی ابوشیبہ کو جھوٹا کہنا غلط تصور کر رہا ہے۔ لیکن امام ذہبی تو اس کے برعکس دلائل اور شواہد سے ابوشیبہ کا جھوٹا ہونا ثابت کر رہے ہیں۔

تھا ارادہ تیری فریاد کریں حاکم سے
وہ بھی کم بخت تیرا چاہنے والا نکلا

سابعاً: ...... اس مقام پر مابین ذہبی اور مابین شعبہ اور اختلاف "حکم" ہے کہ واقعہ صفین میں ایک بدری تھا یا تین۔ دراصل اسی قول میں تطبیق بھی ہوسکتی ہے اور وہ دونوں باتیں اپنے مقام پر درست ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ ہر ایک اپنی معلومات مطابق بتا رہا ہے "وفوق کل ذی علم علیم" اس طرح بعض زائد بھی کہتے ہیں ہر ایک نے اپنی جانکاری مطابق بتلایا ہے۔ امام احمد نے اس متعلق قطعی فیصلہ دیا ہے کہ "ولم یبلغه ثلاثین" (تاریخ ابن کثیر صفحہ ۲۵۲ ج ۷) یعنی اس واقعہ میں بدری بھی تھے۔ ان کی گنتی تیس (۳۰) تک بھی نہیں پہنچتی۔ یعنی اس سے بھی کم ہے۔ جس کا مطلب کہ ستر (۷۰) کی گنتی جھوٹ پر مبنی ہے۔

ثامناً: ...... حافظ ابن کثیر صفحہ ۲۵۳ ج ۷۔ میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ "وروی ابن بطة باسناده عن بکیر بن الاشج انه قال اما ان رجالا من اھل بدر لذموا بیوتھم بعد قتل عثمان فلم یخرجوا الا الی قبورھم." یہ روایت بھی تعیین ستر کو جھوٹا ثابت کرتی ہے۔

تاسعاً: ...... مولوی صاحب خود بھی اس طرح رقم کرتے ہیں کہ "علامہ ذہبی نے اس معاملہ میں امام شعبہ بن الحجاج اور حکم بن عتیبہ کی اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ علاوہ خزیمہ رضی اللہ عنہ کے دوسرا کوئی بھی بدری صحابی صفین میں موجود نہ تھا ...... الخ" پس یہی بات ہے جو امام ذہبی نے ابھی کہی ہے۔ لیکن امام شعبہ جس بات میں ابوشیبہ کو جھوٹا کہتے ہیں یعنی کہ وہ حکم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ واقعہ صفین میں ستر بدری تھے۔ یہ ان کا جھوٹ ہے۔ اس متعلق ذہبی نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

صفحہ ۱۷۰: ...... پھر لکھتے ہیں کہ "حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تقریب میں کئی بدری صحابہ کے نام نقل کیے ہیں

کہ یہ بھی صفین کی لڑائی وقت زندہ تھے۔"

جواب: ......اولاً: بوقت واقعہ کئی زندہ ہوں اور بعد واقعہ بھی کئی زندہ ہوں گے لیکن اسی واقعہ صفین میں کتنے شریک تھے؟ اس متعلق تقریب میں نہیں لکھتے۔ نہ ہی مولوی صاحب حافظ ابن حجر سے ایسا بیان نقل کرتے ہیں۔ پھر ایسی نقل سے مولوی صاحب کو کیا فائدہ؟

ثانیاً:......امام ذہبی خود العبر صفحہ ۴۰ ج ا۔ میں فرماتے ہیں کہ "قال خليفة تسمية من شهد صفين عن البدر يين مع علی بن ابی طالب سهل بن حنيف وخوت بن جبير وابو اسيد الساعدی وابو اليسر ورفاعة بن رافع الانصاری وابو ايوب الانصاری يخلف فيه ." یعنی پانچ کے ہونے کا ثبوت ہے اور ابو ایوب کے حاضر ہونے میں ناقلین کا اختلاف ہے۔ جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ ان میں بدری صرف ابو غادیہ الجھنی کہتے ہیں۔ جس کا مطلب کہ زیادہ صحابہ ان سے دور تھے۔

مثلاً:......حافظ ذہبی سیر اعلام النبلاء صفحہ ۸۲ ج ا۔ میں سعد بن ابی وقاص کے نام لکھتے ہیں کہ "اعتزل سعد الفتنة فلا حضر الجمل ولا صفين ولا التحكيم ولقد كان اهلا للامامة كبير الشان رضی اللہ عنہ اور حافظ ذهبی دول الاسلام صفحه ۱۶ ج ۱ ۔ میں راقم ہیں کہ (وتخلف) عنها جماعة من سادة الصحابة منهم سعد بن ابی وقاص الذی افتتح العراق وسعيد بن زيد وابو اليسر السلمی وزيد بن ثابت ومحمد بن مسلمة وابن عمر واسامة بن زيد وصهيب الرومی وابو موسیٰ الاشعری وجماعة اوالسلامة فی العزلة وقالوا اذا كان غزوا لكفار قاتلنا فاما قتال الفتنة والبغی فلا نقاتل اهل القبلة ." گویا کہ اسی معرکہ میں بصری قلیل تھے۔

خلاصہ کلام:...... "حکم" کی اپنی معرفت اور تحقیق یہ ہے کہ صرف ایک شریک تھا۔ مگر ابو شیبہ اس پر تھوپتا اور نقل کرتا ہے ستر افراد شریک تھے۔ امید ہے کہ قارئین کو مولوی صاحب کی علمیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ کیونکہ خلاصہ کلام یہ نکلا کہ ذہبی نے شعبہ کی اسی بات کو قطعاً غلط نہ تصور کیا تھا۔ کہ وہ ابو شیبہ کو جھوٹا کہیں۔ بلکہ برعکس کئی دلائل سے ان کی بات کی تائید کی ہے اور ابو شیبہ کا جھوٹا ہونا ثابت کیا ہے۔ پھر اگر مولوی صاحب اب بھی اس کو انصاف نہ تصور کریں تو ان کے دماغ کی خرابی ہے۔ کیونکہ کلامِ شعبہ کی امام ذہبی تائید کرتے ہیں اور حافظ ابن حجر بھی تہذیب میں شعبہ کا قول نقل کرتے ہیں اور انہیں رد نہیں کرتے۔ بلکہ تقریب میں متروک کہہ کر ان کی تائید کرتے ہیں اور مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ "العاشرة من لم يوثق البتة وضعف مع

ذالك بقادح واليه الاشارة بمتروك اومتروك الحديث او واهي الحديث اوسا قط "
اس اصطلاح متروک کی جو وضاحت حافظ صاحب نے کی ہے۔ بمطابق حافظ کے متروک کہنے کہ دو اہم باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو ابو شیبہ متعلق کسی بھی امام سے تعدیل وتوثیق محقق نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کے متعلق شدید وقادح جرح ثابت ہے اور خود امام شعبہ کی بات کی تائید ہے امام ابن الجوزی کتاب الموضوعات صفحہ ۱۴۱۔ ۱۴۰ ج ۳۔ میں ابو شیبہ کی روایت شدہ ایک مروی ذکر کر کے پھر فیصلہ اس طرح دیتے ہیں کہ قال الدار قطني تفرد به ابو شيبه واسمه ابراهيم ابن عثمان كان شعبة يكذبه وقال ابن المبارك ارم به ، وقال يحيىٰ ليس بثقة وقال احمد منكر الحديث ، وقال النسائي متروك الحديث ." یعنی امام ابن جوزی بھی امام شعبہ کی تائید کرتے ہیں۔ نیز حافظ سیوطی اللآلئ المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ صفحہ ۲۰۱ ج ۱ اور مدراسی کشف الاحوال صفحہ ۱۳۱ میں راقم ہیں کہ "ابو شيبه متروك كذاب" شیخ صفی الدین الخزرجی خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال صفحہ ۲۰۔ طبع بولاق مصر میں کہتے ہیں کہ "ضعفه ابن معين وابو داؤد وقال النسائي متروك" اور آپ کا حنفی بھائی علامہ امیر علی تعقیب التقریب حاشیہ تقریب التہذیب صفحہ ۲۵۔ میں لکھتے ہیں کہ "روى عنه الترمذي في قرأة الجنازة وقال منكر الحديث ."

الغرض! شعبہ کی جرح یقیناً مضبوط اور معتبر ہے، پھر مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ "لیکن بعد کے محدثین نے ابراہیم بن عثمان پر جو جرح کی ہے انہوں نے کوئی بھی واضح سبب نہیں بتلایا، لیکن محض امام شعبہ کے مقلد ہیں ......الخ"

جواب:......اولاً: یہ شعبہ کے مقلد نہیں ہیں، ہر ایک نے اپنی اپنی تحقیق پیش کی ہے۔

ثانیاً: ......قول شعبہ کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے لیے کئی دلائل ہیں جیسا کہ درج بالا میں گذرا پھر جب بالفرض بعد والوں نے اس کی بات کو لیا ہے، تب بھی تقلید نہ کہی جائے گی۔ کیونکہ تقلید اس قول کے لینے کو کہا جاتا ہے جس کی دلیل سے آشنا نہ ہوا جائے۔

ثالثاً: ......شعبہ نے تو دراصل حکایت کی ہے جو شہادت ہے وہ ایک واقعہ کی حقیقت کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا اقرار شہادت تقلید نہیں ہے۔

رابعاً: ...... یہ بھی مولوی صاحب کا کہنا غلط ہے کہ دوسرے محدثین نے کوئی واضح سبب دریافت نہیں کروایا۔ کیونکہ امام احمد اور ترمذی منکر الحدیث کہتے ہیں امام نسائی اور دولابی متروک الحدیث کہتے ہیں۔ اور صالح جزرہ کہتے ہیں کہ "روى عن الحكم احاديث مناكير كما تقدم" یہ سب جرح واضح امر مفسر ہے۔

علاوہ ازیں امام بخاری کا قول کہ "سکتوا عنه" جس کا مطلب بیان ہوا کہ تمام محدثین نے ان کی حدیث کو ترک کر دیا ہے اور اس طرح ابو حاتم کا قول کہ "تر کوا حدیثه" یہ واضح ہے جب سب نے اس کی روایت کو ترک کر دیا ہے۔ وہ اس لیے کہ اس میں واضح جرح ہے اور انہیں واضح ثبوت ملے ہیں۔ کوئی ایک یا دو ہوتے تو یہ بحث کی جاتی کہ جرح مبہم ہے یا مفسر، یہاں تو سب کے سب اس کو ترک کر بیٹھے ہیں۔ یہ اپنے مقام پر خود وضاحت ہے۔ وهو الخامس

وسادساً: ...... اس صورت میں مبہم کو قبول نہیں کیا جاتا۔ جب اس راوی کے حق میں توثیق اور تعدیل دونوں ثابت ہوں اور یہاں ابو قتیبہ کے حق میں کسی امام سے توثیق منقول ہی نہیں۔ جیسا کہ درج بالا میں بیان ہوا۔ لہٰذا اس کے حق میں کوئی بھی جرح مقبول ہے۔ جیسا کہ لسان المیزان صفحہ ۱۶ ج ۱۔ میں حافظ ابن حجر اور الرفع والتکمیل صفحہ ۵۶۔ ۵۷۔ میں لکھنوی صاحب نے بیان کیا ہے جیسا کہ درج بالا میں عبارات گزریں۔

سابعاً: ...... امام ابن حبان نے تو بالکل وضاحت کی ہے کہ "جاء باشیاء معضله وكان مما كثر وهمه وفحش خطاه" ایسی جرح مفصل ہوتے ہوئے بھی مولوی صاحب کا کہنا کہ انہوں نے کوئی بھی واضح سبب نہیں بتلایا لیکن محض امام شعبہ کے مقلدین ہیں۔ سراسر غلط، جھوٹ اور تعصب وعناد پر مبنی ہے۔

ثامناً: ...... یہ بھی مولوی صاحب کا کہنا غلط ہے کہ امام شعبہ انہیں ضعیف تصور کر بیٹھے ہیں۔ وہ تو انہیں کذاب تصور کرتے ہیں لیکن ضعیف تو سب کہتے ہیں حتیٰ کہ آپ کے تمام احناف تسلیم کرتے ہیں۔

تاسعاً: ...... یہ بھی مولوی صاحب کی غلطی ہے سمجھتے ہیں کہ ابو شیبہ پر جرح کرنے والوں میں سے ہمعصرین میں صرف اک ہی شعبہ ہے۔ حالانکہ امام عبداللہ بن مبارک بھی ان کا ہم عصر ہے کیونکہ وہ سال سنہ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوا اور سال سنہ ۱۸۱ھ میں فوت ہوا اور ابو شیبہ سال سنہ ۱۶۹ھ میں فوت ہوا ہے (تہذیب صفحہ ۳۸۶ ج ۵۔ صفحہ ۱۴۵ ج ۱۔) اور ابن مبارک نے تو سخت الفاظ فرمائے ہیں کہ "ارم بہ" یعنی پھینک دیں اس طرح معاذ بن معاذ العنبری بھی اس کا ہمعصر ہے جو سنہ ۱۱۹ھ میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۹۶ھ میں فوت ہوا۔ (تہذیب صفحہ ۱۹۵ ج ۱۰) اور وہ کہتے ہیں کہ "كتبت الى شعبة وهو ببغداد اسأله عن ابى شيبة القاضى اروى عنه فكتب الى لا تروعنه فانه رجل مذموم" (التہذیب صفحہ ۱۴۵ ج ۱) اور شعبہ کی اس بات کو رد نہیں کرتے لہٰذا اس نے خود کو اس بات کا اہل نہیں سمجھا کہ اس سے روایت کی جائے۔

عاشراً: ...... مولوی صاحب یہاں تاثر دے رہے ہیں کہ شعبہ ابو شیبہ کا ہم عصر ہے۔ لہٰذا ان کی جرح معتبر نہیں ہے۔ کہ ادھر صفحہ ۸۷۔ پر ابن اسحاق کے حق میں ہمعصر کے قول کو متاخر کے قول پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ ان کی کلام میں تضاد ہے۔ اپنی ہی بات سے اپنے کلام کو رد کر رہا ہے۔ نیز یہ بھی تب جب کہ ہمعصر کی ایک

ہی رائے ہو اور متاخرین کی رائے مختلف ہو۔ مگر یہاں تو اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ آگے پیچھے ہمعصر اور دوسرے تمام ابوشیبہ کو رد کرتے ہیں۔ یعنی ہر طرف ان کے لیے ذلت ہے۔ وھو الحادی عشر

والثانی عشر: ...... درج بالا میں یہ بھی واضح ہوا کہ خود ابوشیبہ اپنے آپ کو جھوٹا کر رہا ہے تو پھر اور کون اس کا ستر کرے گا؟

پھر رسالہ ''الوسیق'' سے ایک اعتراض نقل کرتے ہیں کہ ''خود احناف سے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ مولانا نیموی وغیرہ ان کو ضعیف کہتے ہیں''

ناظرین! یہ ایسا ٹھوس اعتراض ہے جس کے لیے مولوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے ہاں کوئی جواب نہیں۔ مگر تاہم مولوی صاحب نے جو کہا ہے اس کی خبر گیری کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ''آپ صرف ابوشیبہ کے متعلق تاریک جانب دیکھتے ہیں۔ مگر روشن پہلو نہیں دیکھتے۔''

اولاً: ...... واضح پہلو اس شخص متعلق کوئی ہو تو اس کو دیکھا جائے فن جرح وتعدیل کی جو بھی کتاب کھولی جائے تو ان پر سخت جروح ہیں۔ کہیں انہیں جھوٹا کہا جا رہا ہے تو کہیں متروک تو کہیں منکر الحدیث تو کہیں ساقط تو کہیں "لا یکتب حدیثہ" کہہ رہے ہیں کوئی مذموم کہہ رہا ہے کوئی "ارم بہ" اس سے مزید کیا پہلو تلاش کیا جائے۔

ثانیاً: ...... یہ تو مولوی صاحب کی پرانی عادت ہے جو ہمیشہ یک طرفہ نقل کرتے ہیں۔ جس راوی کی روایت ان کے فائدہ میں ہوتی ہے تو ان کے لیے کہیں سے ادنیٰ توثیق ملتی ہے پھر وہ چاہے قابل قبول نہ ہو تب بھی اسے نقل کر کے اپنے آپ سے نکالا جاتا ہے اور جو اس کے حق میں شدید ترین جروح ہوتی ہیں تو انہیں بیان ہی نہیں کرتے اور جس کی روایت حضرت کے نقصان میں ہوتی ہے تو اس راوی کے حق میں جو بھی ہاتھ لگتا ہے وہ ثابت ہو یا نہ ہو گھما پھرا کر اس کو مجروح بنانے کی نامراد کوشش کرتے ہیں اور جو اقوال محدثین توثیق متعلق ہوں انہیں بیان ہی نہیں کرتے چاہے کتنے ہی ہوں اور ہم نے ابوشیبہ متعلق جرح وتعدیل کی کسی کتاب میں توثیق پائی ہی نہیں۔

ثالثاً: ...... مولوی صاحب کو جرأتِ ہوتی اور اپنے دعوئی میں صادق ہوتا تو جرح وتعدیل کی کسی بھی کتاب سے ابوشیبہ متعلق ائمہ فن سے توثیق کرتا لیکن کہیں ہو تو بیچارہ نقل کرے۔ بھاگ دوڑ کر کے کم وبیش ہزار یا زائد برس پیچھے جا کر شاہ عبدالعزیز پر پہنچے حالانکہ شاہ صاحب کے علم وفضل کا انکار نہیں ہے۔ لیکن "لکل فن رجـــال" شاہ موصوف صاحب اسماء الرجال کے فن کا امام نہیں ہے اور نہ جرح وتعدیل میں ان کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔ وھو الرابع

خامساً: ......شاہ صاحب موصوف نے بھی ان کے ضعیف ہونے کا انکار نہیں کیا۔ چنانچہ اس کی عبارت کا مولوی صاحب نے ترجمہ یہ لکھا ہے ''ابراہیم بن عثمان راوی اس قدر ضعیف نہیں ہے کہ اس کی روایت کو غلط تصور کیا جائے اور اسے ترک کیا جائے'' اب قارئین انصاف کریں کہ شاہ صاحب ضعیف تو انہیں مانتے ہیں اور اس کے ضعیف ہونے کا انکار تو نہیں کرتے۔ لیکن یہ کہنا کس طرح قبول کیا جائے کہ ''وہ ایسا ضعیف نہیں ہے'' کیونکہ شاہ صاحب سے کئی سو سال قبل فن جرح وتعدیل کے امام ''ابوشیبہ'' کو متروک کہہ چکے ہیں اور انہیں فحش غلطیاں کرنے والا اور کذاب وغیرہ ثابت کر چکے ہیں۔ ان تمام حقائق کو ترک کر کے اس بات کو کس طرح قبول کیا جائے؟ وهو السادس

سابعاً: ......آپ کے متقدمین احناف عینی وغیرہ اس کا متروک اور کذاب ہونا قبول کر چکے ہیں۔ پھر اس کے خلاف یہ بات کس طرح لائق قبول ہوگی؟

ثامناً: ......قول شاہ صاحب لغایۃ ان کے مبلغ علم کی بنا پر ہے۔ لیکن جس کے علم میں یہ بات آ چکی ہے کہ علماء متقدمین انہیں متروک کہہ چکے ہیں۔ وہ لوگ اتنی جانکاری کے بعد شاہ صاحب کی اس بات پر کیونکر اعتبار کریں گے؟

تاسعاً: ......شاہ صاحب موصوف کی مکمل عبارت اس طرح ہے ''ابوبکر شیبہ جد ابوبکر شیبہ آنقدر ضعف ندارد کہ روایت اور ام طروح مطلق ساختہ شود آرے اگر معارض او حدیث صحیح می شد البتہ ساقط می گشت'' (فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۲۰۔ ۱۱۹ج۱) ثابت ہوا کہ شاہ صاحب اتنا تسلیم کرتے ہیں کہ گر روایت ابوشیبہ کسی صحیح روایت کے خلاف ہوگی تو وہ ساقط ہوگی اور یہاں ان کی یہ روایت روایات صحیحہ کے خلاف ہے۔ جیسا کہ کئی علماء حدیث کی تصریحات نقل کی گئیں۔ بالخصوص آپ کے احناف مثلاً ''زیلعی، عینی، ابن الہمام، ملا علی قاری وغیرہم سے نقل کیا گیا، اور انہوں نے بھی صراحت کی کہ ابوشیبہ کی یہ بیس والی روایت حدیث صحیح کے معارض وخلاف ہے۔ ابوشیبہ متعلق شاہ صاحب چاہے کتنا ہی حسن ظن رکھتے ہوں لیکن ان کی یہ بیس والی روایت شاہ صاحب کے فیصلہ مطابق ساقط اور گری ہوئی ثابت ہوئی۔

دفع دخل مقدر: ...... یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ دونوں روایات میں تعارض کو اس طرح رفع کیا ہے کہ بیس والی روایت تراویح پر محمول ہے اور گیارہ والی محمول تہجد ہے۔ اس لیے کہ یہ ہمارے اور تمہارے بین مسئلہ نزاع ہے۔ لہٰذا اس کی آڑ آپ نہیں لے سکتے۔ نیز آپ کے احناف اور شاہ کشمیری اور بنوری صاحب وغیرھما نے اسی بات کو رد کیا ہے یہ دو الگ نمازیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ ایک ہی نماز ہے وهو العاشر

والحادی عشر: ...... یہ شاہ صاحب کا کہنا کہ ابوشیبہ کی روایت قابل ترک نہیں ہے، متقدمین گر ابوشیبہ

کے ہمعصر تھے ان کے مقابلہ میں مقبول نہ ہوگا۔ چنانچہ امام شعبہ اس کی روایت لینے سے منع کرتے ہیں اور ابن مبارک نے اس روایت کے رمی کا حکم دیا ہے۔ نیز امام صالح جزرہ سے نقل کیا گیا کہ اس کی حدیث نہ لکھی جائے گی۔

صفحہ ۱۷۱:...... دوسرا حوالہ مولوی عبدالحی لکھنوی صاحب کی فتاویٰ سے نقل کرتے ہیں کہ ''اس قدر ضعیف نہیں ہے کہ اس کی روایت کو ترک کیا جائے۔''

جواب:...... **اولاً:** لکھنوی صاحب نے یہ عبارت شاہ عبدالعزیز سے نقل کی ہے (مجموعہ فتاویٰ لکھنوی صفحہ ۱۲۲ ج ۱ ھامش خلاصہ فتاویٰ) کے فتاویٰ عزیزیہ میں ہے اور اس کا حوالہ دے کر نقل کرتے ہیں لہٰذا اس کے لیے جواب یہ ہے جو پہلے گذرا۔

ثانیاً:...... لکھنوی صاحب بھی انہیں ضعیف تسلیم کرتے ہیں اور وہی فتاویٰ صفحہ ۱۱۴ ج ۱۔ میں کہتے ہیں کہ ''لیکن سند ایں روایت ضعیف است چنانچہ تفصیل آن مع ماله وما علیه در تحفة الاخیار فی احیاء السنة الا برار بیان ساخته ام زیلعی در تخریج احادیث هدایه می نویسند وهو معلول با بی شیبة ابراهیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبة وهو متفق علی ضعفه انتهیٰ۔'' اور اس پر کسی قسم کا رد نہیں کرتا۔ جس کا مطلب کہ وہ قبول کرتے ہیں کہ ابوشیبہ بالاجماع ضعیف ہے۔ نیز پھر بھی صفحہ ۱۱۵ ج ۱۔ میں علامہ ابن حجر ہیثمی سے بھی اس روایت کا ضعیف ہونا نقل کرتے ہیں اور انہیں رد نہیں کرتے۔ وهو الثالث

رابعاً:...... التعلیق الممجد سے عبارت نقل ہوئے کہ اسی روایت کے ضعیف ہونے میں کوئی شک نہیں۔ نیز تحریر کرتے ہیں کہ ''واما عدد ما صلی (ﷺ) ففی حدیث ضعیف بانه صلی عشرین رکعة والوتر اخرجه ابن ابی شیبة من حدیث ابن عباس واخرج ابن حبان فی صحیحه من حدیث جابر انه صلی بهم ثمان رکعات ثم اوتر وهذا اصح (التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد صفحه ۱۴۱۔ باب قیام شهر رمضان وما فیه من الفضل۔'' یہ عبارت بانگ دہل پکار رہی ہے کہ علامہ لکھنوی بیس والی روایت کو ضعیف کہتے ہیں اور آٹھ والی روایت جابر رضی اللہ عنہ جس کو مولوی صاحب نے ضعیف ثابت کرنے کی نامراد کوشش کی ہے اس بیس والی روایت سے اصح کہہ رہے ہیں۔ وهو الخامس

وسادساً:...... علاوہ ازیں خود لکھنوی صاحب تحفۃ الاخیار (مجموعۃ الرسائل الثمانی لکھنوی صفحہ ۱۹۵) میں تہذیب الکمال سے ابوشیبہ کے حق میں شدید جرح نقل کرتے ہیں۔ جس سے یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''قال

النسائی والدولابی متروك" پھر کس طرح انکار کرتے ہیں کہ وہ متروک نہیں ہے اور ائمہ حدیث کے فیصلہ کو کس دلیل کی بنا پر رد کرتے ہیں؟ صرف اپنے ہی قول ائمہ جرح وتعدیل کے فیصلہ کو رد کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ وھو السابع

وثامنا: ...... یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ "وقال الصالح ضعیف لا یکتب حدیثه روی عن الحکم احادیث مناکیر" اور شعبہ کا قول بھی نقل کرتے ہیں کہ "لا تروعنه فانه رجل مذموم" اور ابن مبارک سے نقل کرتے ہیں کہ "ارم به" اور احمد سے "منکر الحدیث" نقل کرتے ہیں اور پھر کس طرح کہتے ہیں کہ یہ اس قدر ضعیف نہیں ہے کہ اس کو ترک کیا جائے۔

تاسعا: ...... خود ابن عدی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت ابو شیبہ کی منکر روایات سے ہے پھر کس طرح اس روایت کا تحفظ کرتے ہیں؟

عاشرا: ...... اسی ورق پر ایک صالح جزرہ سے نقل کرتے ہیں کہ "روی عن الحکم احادیث" یعنی حکم سے متعدد روایات نقل کرتے ہیں اور خود پھر انہیں سے نقل کرتے ہیں کہ "ما سمعت من الحکم الا حدیثا واحدا" یعنی میں نے حکم سے ایک روایت سے زائد نہیں سنیں ہیں، پھر لکھنوی صاحب تو خود ابو شیبہ کو اپنی ہی کلام سے کذاب ثابت کر رہا ہے۔ اب بھی مولوی صاحب لکھنوی صاحب کا نام لیں گے؟

حاصل کلام: ...... محدث ابتدا سے انتہاء تک ابو شیبہ کو ضعیف تصور کرتے ہیں اور سلف وخلف احناف بھی تمام اسے ضعیف کہتے ہیں۔ صرف شاہ عبدالعزیز ایک ہے جو کہتے ہیں وہ اس قدر ضعیف نہیں ہے کہ ان کی روایت ترک کی جائے اس قول کو لکھنوی صاحب نے نقل کیا ہے۔ لیکن اس کا بھی مکمل تجزیہ کیا گیا کہ وہ متروک اور جھوٹا ہے۔ لہٰذا یہ روایت کسی بھی کیفیت میں محقق نہیں ہوسکتی اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی جانب لائق نسبت ہے اور خود علماء احناف اس کے ناکارہ ہونے کا اعلان کر چکے ہیں۔ وللہ الحمد

اس کے بعد عنوان قائم کرتے ہیں کہ "بیس رکعت تراویح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل" اس عنوان کے تحت جو کچھ رقم کرتے ہیں اس پر تفصیلی بحث ہوگی۔ لیکن اجمالی طور پر عرض کیا جاتا ہے کہ محقق فیصلہ یہ ہے کہ کسی ایک صحابی سے بھی بیس رکعات تراویح پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے۔ جو روایات نقل کی ہیں وہ تمام ضعیف ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی صحیح اور ثابت نہیں ہے۔ اس بات کی تائید امام مالک کا قول بھی کرتا ہے کہ "لا ادری من این احدث هذا العدد الکثیر" معلوم نہیں کہ گیارہ یا تیرہ سے زائد عدد دین میں کہاں سے اندراج کیا گیا ہے۔ جیسا کہ درج بالا میں سیوطی کے رسالہ المصابیح سے نقل کیا گیا۔ نیز عقل بھی اس بات پر باور نہیں کرتی کہ جب علماء محدثین اور احناف اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے

بیس پڑھنا ثابت نہیں ہیں۔ بلکہ آٹھ ہی پڑھی ہیں۔ پھر صحابہ کرام نے آٹھ کے بجائے بیس کا عدد کہاں سے لیا؟ یہ قرینہ خود دال ہے کہ صحابہ کی جانب یہ نسبت ٹھیک نہیں ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے معلوم ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

مولوی صاحب نے اس عنوان کے تحت تین باتیں تحریر کی ہیں۔ اور ان سے نتیجہ نکالتے ہیں۔

الاول:...... یہ کہ قرن رسول اللہ ﷺ میں ابی بن کعب نے چند اشخاص کو تراویح با جماعت پڑھائی ہو۔

الثانی:...... یہ کہ جن تین راتوں میں آپ ﷺ نے تراویح بالجماعت پڑھی ان میں امیر عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔

الثالث:...... امیر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ابی بن کعب کو امام مقرر کیا جس نے جماعت کو بیس رکعات پڑھائیں۔ اس سے دلیل لیتے ہیں کہ ان دونوں صحابہ امیر عمر اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں بیس رکعات پڑھتے دیکھی ہیں۔

الجواب: اولاً:...... اس تقریر کا مغز یہ ہے کہ انہوں نے بیس رکعات پڑھی ہوں ایسا ثبوت قطعاً موجود نہیں ہے بلکہ کسی بھی صحابی سے بیس کا ثبوت نہیں ہے۔ جو اثر مولوی صاحب نے نقل کیے ہیں تمام ضعیف اور ناکارہ ہیں۔ پھر جب کہ دلیل کا اہم مقدمہ یا اہم حصہ ہی باطل ہے تو پھر دلیل کس طرح وارد ہوگی۔ بلکہ دلیل بیکار ہوئی۔

ثانیاً:...... پھر جب کہ رسول اللہ ﷺ سے آٹھ رکعات محقق ہیں اور ان تین راتوں والی روایت کے راوی بھی جابر رضی اللہ عنہ ہیں کہ آپ ﷺ نے آٹھ رکعات پڑھیں تو پھر مولوی صاحب کی یہ خوش فہمی کے ان صحابہ نے قرن رسول اللہ ﷺ میں بیس رکعات پڑھتے دیکھی ہیں۔ کسی کام کی نہیں یہ محض وہم ہے۔ جس سے اپنے بیمار قلب کو امید یا سپوٹ دے سکتے ہیں۔ لیکن کسی دوسرے کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس خوش فہمی کی بنا کسی نص پر نہیں بلکہ اپنی ہی خواہش اور ہواء نفسانی سے منضبط ہے۔ بلکہ نص تو اس کے خلاف ہے۔ وھو الثالث

رابعاً:...... بلکہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے تو ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ موطا امام مالک صفحہ ۴۰ پر تہجد اور تراویح کی بحث میں بیان کیا گیا۔ لہٰذا مولوی صاحب کی پوری دلیل باطل ہوئی۔ بلکہ یہاں بھی کہا جاسکتا ہے کہ خلافت فاروقیہ میں اس جماعت وقت تمام صحابہ موجود تھے۔ کسی نے بھی اعتراض نہ کیا۔ جس کا مطلب کہ اس عدد پر تمام کا اجماع تھا۔ وھو الخامس

وسادساً:...... بلکہ یہاں بھی مولوی صاحب کی مانند کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ نے یہ عدد گیارہ قرن رسول اللہ

ﷺ میں دیکھا اور یہ آپ ﷺ کی نماز سے زیادہ واقف تھے۔

الغرض! یہ طریقہ استدلال مولوی صاحب کے لیے باعث ضرر ثابت ہوا اور ان کی امید پر پانی پھر گیا اور امام ابو الولید الباجی المنتقی شرح مؤطا صفحہ ۲۰۸ ج ۲۔ میں امیر عمر کا اثر جس میں اس نے ابی بن کعب اور تمیم الداری کو گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے اس کی شرح میں کہتے ہیں کہ "ولعل عمر انما امتثل فی ذلك صلاة النبی ﷺ من اللیل علی ما روته عائشة انه كان یصلی من اللیل احدی عشرة ركعة" اور علامہ زرقانی شرح مؤطا صفحہ ۲۳۸ ج ۱۔ میں اسی روایت کے تحت لکھتے ہیں کہ "قال الباجی لعل عمر اخذ ذالك من صلوٰة النبی ﷺ ففی حدیث عائشة انها سئلت عن صلاته فی رمضان فقالت ماكان یزید فی رمضان ولا غیره عن احدی عشرة ركعة." اور اسی طرح سیوطی تنویر الحوالک صفحہ ۱۰۵ ج ۱۔ میں بیان کرتے ہیں یعنی امیر عمر نے جو گیارہ کا حکم دیا وہ عمل رسول اللہ ﷺ سے لیا۔ اور آپ کی نماز کا اسوہ اپنایا اور اتباع کی ہے یہ استدلال مولوی صاحب کے وہم سے ہزار بار بہتر اور واضح ہے۔ وهو السابع

وثامناً: ...... قیام اللیل للمروزی صفحہ ۱۵۵۔ میں روایت ہے۔ "عن جابر رضی اللہ عنہ جاء ابی بن كعب رضی اللہ عنہ فی رمضان فقال یا رسول الله كان منی اللیلة شی قال وما ذاك یا ابی قال نسوة واری قلن انا لا نقرا القرآن فنصلی خلفك بصلوٰتك فصلیت بهن ثمان ركعات والوتر فسكت عنه وكان شبه الرضاء." اور نیموی حنفی آثار السنن صفحہ ۵۵ ج ۲۔ میں اس روایت متعلق امام ہیثمی سے نقل کرتے ہیں کہ اسنادہ حسن پھر جب کہ ثابت ہوا کہ ابی بن کعب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آٹھ رکعات پڑھا کر آپ سے اس متعلق مسرت اور رضا حاصل کر چکے ہیں تو پھر وہ کس طرح بیس پڑھائیں گے؟ کوئی بھی فطین شخص اس پر باور نہ کرے گا۔ بلکہ اس سے ثابت ہوا کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ کا حکم دیا اور ابی بن کعب، تمیم داری نے گیارہ رکعات پڑھائیں۔ دراصل یہی عدد قرن رسول اللہ ﷺ سے ہی لے چکے اور معمول بنا چکے تھے۔ وهو التاسع

صفحہ ۲۔۷۔۱۷۳: ...... بعد اس کے ابی بن کعب کے زمانہ میں رسول ﷺ میں امامت متعلق حدیث اور امیر عمر کا ابی بن کعب کو امام مقرر کرنے کے متعلق حدیث پیش کرتے ہیں۔ لیکن دونوں احادیث کے مفہوم میں کوئی بحث نہیں بحث عدد رکعات میں ہے۔ وہ ان دونوں میں نہیں۔ بلکہ اور روایات میں ابی بن کعب سے گیارہ پڑھنا ثابت ہیں اور امیر عمر سے گیارہ کا حکم ثابت ہے۔ پھر جن روایات میں بیان شدہ ہے وہ قاطع ہیں اور جن میں مبین نہیں ان کے لیے تفسیر ہے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ والی روایت کی اسنادی حیثیت

ثانیاً:...... مولوی صاحب نے جو تین مقدمہ جات بیان کیے ان سے دو کا ثبوت یعنی قرن نبوی میں جماعت اور امیر عمر کا جماعت نبوی میں ہونا ان دونوں مقدموں کے ثبوت میں یہ دونوں روایات لکھی ہیں۔ مگر تیسرا مقدمہ تو امیر عمر اور ابی بن کعب نے بیس رکعات پڑھیں اور پڑھائیں اس کے لیے کوئی ثبوت نہیں دیتے۔ حالانکہ اسی تیسرے مقدمہ کے علاوہ مولوی صاحب کی دلیل نصف وناقص ہوئی۔ بلکہ بیکار و بے معنی ہے۔ بقیہ اثر جو نقل کرتے ہیں ان سے کوئی بھی درست نہیں جیسا کہ تفصیلی بحث سے معلوم ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

صفحہ ۱۷۴:...... پہلی روایت ابو داؤد کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں اور اس میں دو مقامات پر کلام ہے پہلا یہ کہ یہ روایت مرسل ہے جس کا مولوی صاحب خود بھی اقرار کرتے ہیں کہ ”عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس“ الحدیث۔ حالانکہ حسن بصری کا امیر عمر رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔ لہٰذا درمیان کا واسطہ مجہول ہے اور روایت ضعیف ثابت ہوئی۔ مولوی صاحب نے زور لگایا ہے کہ مرسل روایت ضعیف نہیں ہے اور ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ تمام تابعی مرسل کو قبول کرتے تھے۔ لیکن یہ پورا معاملہ غلط ہے اس کی بحث تفصیل سے گزر چکی ہے کہ روایت مرسل حجت نہیں ہے اور زمانہ تابعین میں ہی انکار کیا گیا۔ اس متعلق مقدمہ صحیح مسلم اور حافظ ابن حجر کی کتاب النکت وغیرہ کتب کی عبارات بیان کی گئیں بالخصوص جب متصل اور صحیح روایت میں اس کے خلاف موجود ہے۔ کہ امیر عمر نے ابی بن کعب کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا۔ جو روایت بالکل صحیح اور اعلیٰ درجہ کی سند ہے۔ مالک خود امام ہے، ثقات سے بڑا ثقہ ہے اور اس کا استاد محمد بن یوسف معروف ثقہ ہے۔ تہذیب اور تقریب میں اس کا ترجمہ مذکور ہے اور تمام ائمہ جرح وتعدیل انہیں ثقہ کہتے ہیں۔ جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے بلکہ یحییٰ بن سعید القطان ان کے حق میں کہتے ہیں کہ ”لم ار شیخاً یشبهه فی الثقة“ (التہذیب صفحہ ۵۳۵ ج ۹) اور ان کے استاد سائب بن یزید صحابی ہیں۔ ایسی صحیح سند کے مقابلہ میں اس مرسل اور مجہول کو کس طرح قبول کیا جائے؟ وهو الثانی

صفحہ ۱۷۵:...... لکھتے ہیں کہ حسن بصری کی مرسل محدثین تسلیم کرتے ہیں اور اس کے بعد یحییٰ بن سعید القطان کا قول نقل کرتے ہیں۔

جواب: ...... **اولاً:** یحییٰ بن سعید القطان کا یہ قول خارج الموضوع ہے کیونکہ الفاظ یہ ہیں۔ ”ما قال الحسن فی حدیثه قال رسول الله ﷺ الا وجد ناله اصلاً الا حدیثا او حدیثین“ اور اس روایت میں ”قال رسول اللہ ﷺ“ نہیں کہتے لہٰذا یہ قول متنازعہ نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تو امیر عمر رضی اللہ عنہ سے

روایت کرتے ہیں۔ لہٰذا امام قطان کا قول اس روایت پر لاگو نہیں ہے اور گر خواہ مخواہ ہوگا تو اس سے تمام روایات مراد ہیں۔ (اگرچہ قال رسول اللہ ﷺ کے الفاظ خود دلالت کرتے ہیں کہ خاص یہ روایات مراد ہیں۔ جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کریں نہ کہ دوسری) تب بھی مولوی صاحب کو یہ عبارت فائدہ نہ دے گی۔ کیونکہ امام قطان نے ایک یا دو احادیث کی استثنیٰ کی ہے کہ ان کے علاوہ باقی کا اصل ملا ہے اور یہ ایک یا دو کا ہونا نہیں بیان کرتا۔ لہٰذا معاملہ پھر ظلمات میں رہا۔ کیونکہ یہ خاطری نہیں ہے۔ کہ مولوی صاحب والی نقل شدہ روایت ان میں سے ہے۔ جن کی اصل ملی ہے۔ یا ان ایک دو میں سے ہے۔ جن کی اصل نہیں ملی۔ ایسی تعیین امام قطان نے کی ہے جب تک یہ تعیین نہیں ہوتی تب تک مولوی صاحب کا مطلب پورا نہ ہوگا۔ وھو الثانی

وثالثاً:...... امام قطان کے قول کی معنی ظاہر ہے کہ ان مرسل روایات کی سند ملی ہے۔ مگر یہ تصریح نہیں کرتے کہ یہ اسناد تمام صحیح ہیں۔ یا نہیں؟ اور یہ روایت صحیح سند سے ہے یا نہیں؟ یعنی حسن بصری اور امیر عمر کے درمیان واسطہ ثقہ کا ہے یا ضعیف کا۔ بحث پھر بھی احاطہ ظلمات میں رہی۔

رابعاً:...... یہ بات واضح ہے کہ حسن بصری امیر عمر کی شہادت وقت اندازاً ''۲'' برس کے تھے۔ چنانچہ امیر عمر رضی اللہ عنہ سنہ ۲۳ھ میں شہید ہوا (تذکرۃ الحفاظ للذہبی صفحہ ۸ ج ۱۔ التہذیب صفحہ ۴۴۱ ج ۷) اور حسن بصری سنہ ۱۱۰ھ میں فوت ہوا ہے اور ان کی عمر ''۸۵'' سال ہے (تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۷۲ ج ۱۔ التہذیب صفحہ ۲۶۶ ج ۲) اس کے تحت امیر عمر کی شہادت کے وقت حسن بصری کی عمر دو سال کے اندر تھی اور امام صلاح الدین العلائی جامع التحصیل صفحہ ۱۹۵ میں حسن بصری متعلق لکھتے ہیں کہ ''ولد لسنتین بقیتا من خلافۃ رضی اللہ عنہ '' اب قارئین تدبر سے کام لیں دو سال کے بچہ کو کیا خبر کہ امیر عمر نے ابی بن کعب کو حکم دیا یا نہیں؟ گر دیا تو کیا دیا؟ اور ابی بن کعب نے کیا کیا؟ یقیناً اور سے سنی ہوئی بات ہے اور یہ پتا نہیں کہ جس سے سنی وہ ثقہ ہے یا ضعیف، کذاب ہے یا سچا، بلکہ بسا اوقات دو راویوں یا اس سے زیادہ کا واسطہ بھی ہوسکتا ہے۔ بلکہ سنن نسائی صفحہ ۱۰۰ ج ۱۔ ایک سند اس طرح ہے ''اخبرنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن حدثنا زائدۃ عن منصور عن ہلال بن یساف عن ربیع بن خیثم عن عمرو بن میمون عن ابی لیلیٰ عن امراۃ عن ابی ایوب عن النبی ﷺ'' اس سند میں ہلال بن یساف ہے تابعی ہے اور ابو ایوب انصاری صحابی دونوں کے درمیان میں چار واسطے ہیں اور معلوم نہیں یہاں بھی حسن بصری اور امیر عمر کے درمیان میں کتنے واسطے ہوں گے۔ کیونکہ تابعین کی روایات صحابہ خواہ تابعین سے ہوتی ہیں۔ لہٰذا علماء کا فیصلہ ہے کہ حسن بصری کی روایت امیر عمر سے متصل نہیں ہے؟ چنانچہ حافظ علائی جامع التحصیل صفحہ مذکورہ میں

کہتے ہیں کہ "فروایته عن ابی بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم مرسلة بلاشك" اور تهذيب صفحه ۲٦٣ ج ۲۔ میں ہے "روىٰ عن ابی بن کعب وسعد بن عبادة وعمر بن الخطاب ولم يدركهم" پھر جب کہ حسن بصری نے نہ امیر عمر کا زمانہ پایا۔ نہ زمانہ ابی بن کعب کو تو پھر اس صورت میں اس روایت میں جو واسطہ ہے وہ مجہول وغیر معروف ہے اور آپ کے بڑے علامہ ابن الترکمانی الجوہر النقی صفحہ ۴۹۸ ج ۲۔ فی ذیل السنن الکبریٰ للبیہقی میں اس روایت متعلق کہتے ہیں کہ "قلت اثر ابی فی سنده مجهول والحسن لم يدرك عمر لانه ولد لسنتين بقيتا من خلافته" اور علامہ خلیل احمد سہارنپوری بذل المجہود صفحہ ۲۵۲ میں انہیں ضعیف کہا ہے۔ اس طرح امام منذری بھی مختصر ابی داؤد صفحہ ۱۳۷ ج ۱۔ میں لکھا ہے۔ نیز زیلعی بھی نصب الرایہ صفحہ ۱۲۶ ج ۲۔ میں راقم ہیں کہ "هٰذا منقطع فان الحسن لم يدرك عمر" اور دوسرے مقام پر کلام اس طرح ہے کہ اصل روایت تحریف شدہ ہے، ہمارے ہاں کا نہایت ہی قدیم نسخہ ہے جو سنہ ۱۲۸۳ھ میں شایع ہوا ہے یعنی آج سے ۱۱۸ سال قبل اور جس نسخہ سے مولوی صاحب نے نقل کیا ہے وہ سنہ ۱۳۶۹ھ کا شایع شدہ ہے یعنی وہ قدیم نسخہ اس سے ۸۰ سال قبل کا شایع کردہ ہے جس کے صفحہ ۲۰۳ ج ۱۔ میں یہ روایت اس طرح ہے "حدثنا شجاع بن مخلدنا هشيم انا يونس بن عبيد عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس على ابی ابن كعب فكان يصلی لهم عشرين ليلة ولا يقنت بهم الا فی النصف الباقی فاذا كانت العشر الا واخر تخلف فصلی فی بيته فكانو يقولون ابق ابی ." اب قارئین غور کریں کہ اصل عبارت کس طرح ہے اور اس میں کس طرح تحریف کی گئی ہے؟ اصل روایت میں بھی لفظ عشرين ليلة (بیس راتیں) ہیں اور انہیں بدلا کر لفظ عشرين ركعة (بیس رکعات) کیا گیا ہے تا کہ اپنے مطلب کو ثابت کیا جائے۔ یہ نسخہ جس میں ليلة کے بجائے ركعة ہے وہ نور محمد والوں کے کارخانہ اصح المطابع کا شایع شدہ ہے اور اسی مطبع میں اس سے تقریباً نصف صدی قبل ابو داؤد حاشیہ عون الودود سے شایع شدہ ہے۔ جس پر آخر میں سال ۱۳۱۸ھ لکھا ہے اس میں صفحہ ۱۴۳ ج ۱۔ میں عشرین لیلۃ کے الفاظ ہیں۔ بلکہ سنہ ۱۳۱۸ھ تک ہندوستان میں سنن ابو داؤد کے جو بھی نسخہ جات شایع ہوئے ہیں۔ ان تمام میں عشرین لیلۃ ہے۔ کسی میں بھی عشرین رکعۃ کا لفظ نہیں ہے اور نہ ہی نسخوں کے اختلاف کا ذکر ہے۔ صرف دو نسخہ جات ایک جو شیخ محمود الحسن کے حاشیہ سے چھپا اس کے متن کے لفظ تو لیلۃ ہے مگر حاشیہ میں علامت "ن" (بعد نسخہ) دیگر رکعۃ لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد شیخ فخر الحسن کے مع حاشیہ ابو داؤد شایع ہوا۔ اس کے متن میں رکعۃ لکھا گیا اور حاشیہ میں علامت "نہ" دے کر "لیلۃ" لکھا گیا اور یہ تاثر دیا گیا کہ نسخوں میں اختلاف ہے اور شیخ خلیل احمد

سہارنپوری کی شرح مع بذل المجہود ابوداؤد شایع ہوا ہے اس میں بھی یہ حدیث صفحہ ۲۵۲ ج ۷۔ میں باب قنوت الوتر میں ہے اس میں بھی لفظ "عشرین لیلة" ہے۔ نہ کہ "رکعة" لیکن حاشیہ میں اتنا لکھتے ہیں کہ "فی نسخة بدله رکعة کذا فی نسخة مقروة علی الشیخ مولانا محمد اسحاق رحمه الله تعالٰی اور یہ وضاحت نہیں کہ حاشیہ میں عبارت کس کی ہے اور یہ نسخہ کس نے دیا کہاں دیکھا اور اس وقت کہاں ہے؟ صرف اڑائی ہوئی افواہ پر اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ قدیم نسخہ جس کا ہم نے بیان کیا ہے۔ ان تمام نسخوں سے قدیم ہے۔ لہٰذا یہی اس کے لیے قول فیصل ہے۔ بلکہ علامہ خلیل احمد سہارنپوری کا یہ نسخہ خود نقل ہے کہ ان کی تحقیق مطابق بھی صحیح لیلة ہے حتیٰ کہ وہ شرح میں بھی اس طرح رقم کرتے ہیں "فکان ابی یصلی لهم عشرین لیلة ولا یقنت بهم الا فی النصف الباقی الظاهرا ذالمراد من النصف الباقی العشر الاوسط کانه لا یقنت فی العشرة الا ولی ویقنت فی العشرة الثانیة واما العشرة الثالثة فیتخلف فیها فی بیته ویتفرد عن الناس." یہ عبارت واضح دلیل ہے کہ اس حدیث "دلیل" کا ذکر ہے نہ کہ رکعات کا اور سہارنپوری "عشرین رکعة" متعلق کوئی اشارہ ہی نہیں۔ یہ تمام قرائن دال ہیں کہ اصل روایت میں تحریف اور الفاظ میں ہیر پھیر ہے۔ صرف اپنے مذہب کی تائید خاطر اس میں عشرین لیلة کے بجائے عشرین رکعة کیا گیا۔

ثانیاً:...... یہی روایت امام بیہقی السنن الکبریٰ صفحہ ۴۹۸ ج ۲۔ میں اپنی سند سے امام ابوداؤد کے واسطہ سے لائے ہیں۔ اس میں لیلة کا لفظ ہے۔ لفظ رکعة نہیں ہے روایت پیش نظر ہے "انباء ابو علی الروزباری انباء ابو بکر ثنا ابو داؤد ثنا شجاع بن مخلد ثنا هشیم انبا یونس بن عبید عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بهم عشرین لیلة ولا یقنت بهم الافی النصف الباقی فاذا کانت العشرا لا واخر تخلف فصلی فی بیته فکانوا یقولون ابق ابی."

ناظرین! امام بیہقی دو واسطوں سے امام ابوداؤد کا شاگرد ہے اور اسی سند سے ابوداؤد سے روایت لاتے ہیں۔ مگر اس میں لفظ لیلة ہے رکعة نہیں ہے ثابت ہوا کہ امام داؤد کے نسخہ میں تحریف کی گئی ہے

ثالثاً:...... امام حافظ عبدالعظیم المنذری نے سنن ابوداؤد کا اختصار کیا ہے جو بنام مختصر ابوداؤد سے معروف ہے۔ اس کے صفحہ ۱۲۶ ج ۲۔ میں یہ روایت مذکور ہے۔ مگر اس میں عشرین لیلة کے الفاظ ہیں نہ کہ رکعة کے ہیں۔ یہ بھی واضح دلیل ہے، کہ سنن ابوداؤد میں لیلة کا لفظ ہے رکعة کا نہیں۔

رابعاً:...... اور کئی علماء نے ابوداؤد سے یہ روایت نقل کی ہے، لیکن یہ سب لیلة ہی کہتے ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ

جو حدیث کی مشہور ومعروف کتاب ہے، اس کے کتاب الصلوۃ، باب القنوت الفصل الثالث میں یہ روایت ہے "وعن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم عشرین لیلة ولا یقنت بھم الا فی النصف الباقی فاذا کانت العشر الاواخر تخلف فصلی فی بیته فکانوا یقولون ابق ابی رواه ابو داؤد." اس طرح آپ کے زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۱۲۶ ج ۲۔ میں راقم ہیں کہ "اخرج ابو داؤد عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم عشرین لیلة" الحدیث حافظ ابن حجر الدرایہ صفحہ ۱۹۴ ج ۱۔ میں راقم ہیں کہ "واخرج ابو داؤد من طریق الحسن ان عمر جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم عشرین لیلة" حافظ ذہبی نے بیہقی کا اختصار کیا ہے، یہ المہذب فی اختصار السنن الکبیر کے نام سے معروف ہے صفحہ ۴۶۴ ج ۲۔ میں یہ روایت ابو داؤد کے حوالہ سے مذکور ہے۔ اس میں بھی عشرین لیلة ہے۔ نہ کہ رکعۃ حافظ ابو الحجاج المزی تہذیب الکمال کے مصنف تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف صفحہ ۱۲ ج ۱۔ میں یہ روایت ابو داؤد کے حوالہ سے لاتے ہیں۔ اس میں بھی لیلۃ کا لفظ ہے۔ جس کی عبارت اس طرح ہے حدیث "ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم عشرین لیلة الحدیث موقوف وفی الصلوٰة عن شجاع بن مخلد عن ھشیم عن یونس بن عبید عن الحسن به."

ناظرین! امام مزی کی یہ کتاب صحاح ستہ کے اطراف کے متعلق ہے جو کہ چھ کتب سے ہر کتاب کی حدیث کا متن اور سند بیان کرتے ہیں اور متن میں لفظ لیلۃ لاتے ہیں نہ کہ رکعۃ۔ جس سے واضح ہے کہ ابو داؤد کی اس روایت میں بھی "رکعۃ" کا لفظ قطعاً نہیں ہے۔ امام ابو السعادات ابن الاثیر الجزری، جس کی کتاب جامع الاصول فی احادیث الرسول معروف ہے۔ جس میں انہوں نے چھ کتب مؤطا مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی کی تمام احادیث ابواب کی ترتیب پر جمع کی ہیں۔ صفحہ ۲۶۴ ج ۶۔ کتاب الصلوٰۃ القسم الاول الباب الاول الفصل الخامس الفرع الرابع میں یہ روایت ابو داؤد کے حوالہ سے لاتے ہیں اس میں لفظ "عشرین لیلة" ہے۔ علامہ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی المتوفی سنہ ۱۰۹۴ھ جمع الفوائد جامع الاصول ومجمع الزوائد صفحہ ۲۰۸ ج ۱۔ میں یہ روایت ابوداؤد سے لاتے ہیں۔ لیکن اس میں لفظ "عشرین لیلة" ہیں۔ جانکاری ہوئی کہ اس زمانہ تک بھی ابو داؤد میں "رکعۃ" کا لفظ نہ تھا۔ امام نووی شرح المہذب صفحہ ۱۸ ج ۴۔ میں بھی یہ روایت ابو داؤد سے ذکر کرتے ہیں اور اس میں الفاظ "عشرین لیلة" ہیں روایت مکمل کر کے پھر کہتے ہیں کہ ھذا لفظ ابی داؤد ثابت ہوا کہ ابو داؤد میں لفظ "لیلۃ" ہے۔ لفظ "رکعۃ" نہیں ہے۔ علامہ موفق

الدین ابن قدامہ المغنی صفحہ ۱۲۵ ج ۲۔ میں یہ روایت ابوداؤد سے نقل کرتے ہیں۔ اس میں عشرین لیلۃ کا لفظ ہے۔ یہ تمام شہادات بتلاتی ہیں کہ ابوداؤد میں الفاظ "عشرین لیلۃ" ہیں۔

خامساً: ...... خود قرینہ روایت موجود ہے۔ جو دال ہے کہ یہاں لفظ لیلۃ ہے، نہ کہ رکعۃ کیونکہ آخری جملہ اس طرح ہے "فاذا کانت العشر الا واخر تخلف وصلی فی بیتہ" اس مقام پر "ف" تفریع اور ترتیب کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ جملہ "فکان یصلی بھم عشرین لیلۃ" پر مرتب اور متفرع ہے۔ یہ تفریع اور ترتیب تب درست ہوگی، جب لفظ لیلۃ ہو۔ ورنہ ترتیب اور تفریع نہ ہو، کیونکہ عبارت ایسے ہی ہے۔ کہ بیس راتوں کے بعد ابی بن کعب اپنے گھر چلے جاتے تھے جس کا کوئی مطلب واضح نہیں ہوتا۔

الحاصل: ...... اس روایت پر مولوی صاحب مسرت سے پھولے نہیں سہار رہے تھے۔

مگر ثابت ہوا کہ ایک تو اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ دوسرا یہ الفاظ ہی نہیں ہیں۔ جو مولوی صاحب کہہ رہے ہیں اور تعداد رکعات کا کوئی اس میں لفظ ہی نہیں بلکہ اس میں صرف یہ بیان ہے کہ بیس راتوں کے بعد ابی بن کعب اپنے گھر چلے جاتے تھے۔ اس کے بعد دوسری روایت ابی بن کعب شیبہ کے حوالہ سے یحییٰ بن سعید الانصاری سے نقل کرتے ہیں کہ "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔"

جواب: ...... یہ روایت بھی منقطع ہے یحییٰ بن سعید الانصاری کا امیر عمر رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔ بلکہ سواء انس بن مالک کے کسی بھی صحابی سے ان کا سماع ہی ثابت نہیں۔ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ "لا اعلمہ سمع من صحابی غیر انس" (تہذیب صفحہ ۲۲۳ ج ۱۱) خود آپ کا حنفی بھائی نیموی اثار السنن صفحہ ۵۸ ج ۲۔ میں انہیں مرسل مانتے ہیں اور حاشیہ التعلیق السنن (صفحہ مذکورہ) میں راقم ہے یحییٰ بن سعید الانصاری لم یدرک عمر۔ یعنی یہ روایت مرسل ہے اور یحییٰ بن سعید الانصاری امیر عمر کے زمانہ کا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں کہی جائے گی۔

ثانیاً: ...... صحیح روایت یہ ہے جس میں تراویح امیر عمر نے گیارہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ جو مؤطا امام مالک سے نقل کی گئی جو اس کے خلاف ہے۔

صفحہ ۱۷۶: ...... پھر خوش ہو کر لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید نے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے لہٰذا سند متصل ہے۔

یحییٰ بن سعید انصاری والی روایت کی اسنادی حیثیت

جواب: ...... بلکہ بیچارے کو اتنی بھی معلومات نہیں ہے کہ یہ یحییٰ بن سعید کون ہے؟ اور کس طبقہ کا ہے۔ بحمد للہ واضح کیا گیا کہ اس کو سوا انس کے کسی بھی صحابی سے سماع نہیں ہے۔ درج بالا میں انھی کے حنفی سے بطور شاہد ثابت کیا کہ وہ امیر عمر کے عصر کو نہ پہنچا ہے اس طرح بیچارے مولوی صاحب کی خوشی ماتم میں بدل گئی۔

پھر لکھتے ہیں کہ ''جس قاری کو نماز پڑھانے کا حکم کیا وہ حضرت ابی بن کعب تھا۔''

حالانکہ درج بالا روایت موطا امام مالک سے معلوم ہوا کہ امیر عمر نے ابی کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ پھر اگر اس روایت سے رجل سے مراد ابی بن کعب ہے تو پھر اس کے غلط ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ صحیح روایت کے خلاف ہے۔

تیسری روایت ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے عبدالعزیز بن رفیع سے لاتے ہیں کہ ابی بن کعب مدینہ کے لوگوں کو بیس رکعات پڑھاتے تھے۔

جواب: ...... یہ روایت بھی بوجہ منقطع ہونے کے ضعیف ہے کیونکہ عبدالعزیز بن رفیع نے ابی بن کعب کو نہیں پایا،، نہ ہی ان سے سماع ہے۔ خود آپ کا نیموی حنفی صاحب آثار السنن صفحہ ۸ ج ۲۔ میں اسے مرسل کہتا ہے اور حاشیہ میں کہتے ہیں کہ عبدالعزیز بن رفیع لم یدرک ابی بن کعب پھر جب کہ سند میں انقطاع ہوا۔ واسطہ مجہول ہوا اور سند صحیح نہ ہوئی۔ ایسی روایت کو مولوی صاحب صحیح اور متصل کہہ رہا ہے۔ یہ ان کا اپنا ذوق ہے۔ جو اوروں کے ہاں مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت کے خلاف ہے اور قاعدہ ہے کہ منقطع سند صحیح نہیں ہوتی۔

ثانیاً: ...... یہ ابی بن کعب کی موطا والی روایت صحیح روایت کے خلاف ہے جس میں ذکر ہوا کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا۔

ثالثاً: ...... یہ منقطع اس روایت کے بھی خلاف ہے۔ جو ابی بن کعب سے بحوالہ قیام اللیل میں گزری کہ اس نے گھر کی عورتوں کو آٹھ رکعات پڑھائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا۔

ناظرین! خود انصاف کریں، ایک طرف ابی بن کعب سے اثر منقطع ہے۔ دوسری جانب صحیح اثر موجود ہے اور اس کے ساتھ ابی بن کعب والی تقریری مرفوع روایت موجود ہے۔ جس میں ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدگی حاصل کی۔ یقیناً یہ روایت معتبر ہوگی۔ جو صحیح ہو اور مرفوع کو شامل ہو۔ مولوی صاحب کی علمیت تو دیکھیں حدیث کی صحت اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ روایت کے راوی صحاح ستہ کے محدثین کے استاذ ہیں۔ یہ ہے مولوی صاحب کا علم۔ راوی کتنے ہی ثقہ ہوں۔ درمیان میں سلسلہ کٹ گیا تو

پھر مجہول راوی کا واسطہ تصور ہوگا اور جس سند میں راوی مجہول ہو اسے کس طرح صحیح یا حسن کہا جائے گا۔ کیونکہ صحیح کے لیے شرط ہے کہ متصل ہو اور منقطع نہ ہو۔

صفحہ ۱۷۷:...... چوتھی روایت موطا مالک سے یزید بن رومان کی نقل کرتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں رمضان المبارک میں تین رکعات وتر اور بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔"

الجواب: اولاً:...... یہ روایت بھی منقطع ہے لہٰذا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یزید بن رومان امیر عمر کے زمانہ کو نہ پہنچا۔ آپ کے مذہب کا بڑا عالم جمال الدین زیلعی نصب الرأیہ صفحہ ۱۵۴ ج ۲۔ میں امام بیہقی سے ناقل ہے کہ "ویزید بن رومان لم یدرك عمر" پھر جب کے آپ کا حنفی ثابت کر رہا ہے کہ وہ زمانہ امیر عمر میں نہ تھا تو پھر روایت کے منقطع ہونے میں کوئی ریب باقی ہے؟ آپ کا علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری صفحہ ۱۷۸ ج ۷۔ طبع منیریہ میں راقم ہے کہ ویزید لم یدرك عمر فیکون منقطعاً اور صفحہ ۱۲۶ ج ۱۱۔ میں کہتے ہیں کہ "اما اثر عمر رضی اللہ عنہ فرواہ مالك فی الموطا باسناد منقطع" آپ کا نیموی صاحب بھی آثار السنن صفحہ ۵۸ ج ۲۔ میں انہیں مرسل کہتے ہیں اور حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "قلت یزید بن رومان لم یدرك عمر بن الخطاب وقد قال العراقی علی ماحکاہ عنه السیوطی فی التدریب وان روی التابعی عن الصحابی قصة ادرك وقوعها فمتصل و کذا ان لم یدرك وقوعها ولکن اسندها له والا فمنقطعه۔" پھر جب کہ وہ اس زمانہ یا واقعہ کو نہ پہنچا ہے تو پھر روایت کے منقطع ہونے میں کیا شک رہا۔ آپ کا بنوری صاحب معارف السنن صفحہ ۵۴۲ ج ۵۔ میں کہتے ہیں کہ "وھو مرسل وان ابن رومان لم یدرك عمر" علامہ خلیل احمد سہارنپوری بذل المجہود صفحہ ۱۶۰ ج ۷۔ میں بھی اسے مرسل تسلیم کرتے ہیں، پھر جب آپ کے بڑے اس بات پر متفق ہیں تو یہ روایت منقطع مرسل اور یزید بن رومان نے امیر عمر کا زمانہ نہیں پایا تو پھر مولوی صاحب کو ایسی روایت سے دلیل لیتے کچھ تو ہوتا کہ کم از کم اپنوں کی لسٹ سے تو خارج نہ ہوتا۔

ثانیاً:...... علماء حنفیہ کے غیر علما نے بھی اسے منقطع قرار دیا ہے۔ امام نووی شرح المہذب صفحہ ۳۳ ج ۴۔ میں کہتے ہیں کہ "رواہ مالك فی الموطا عن یزید بن رومان رواہ البیهقی لکنه مرسل فان یزید بن رومان لم یدرك عمر" حافظ ابوزرعہ ابن العراقی طرح التقریب فی شرح التقریب صفحہ ۹۷ ج ۳ میں کہتے ہیں کہ "ویزید بن رومان لم یدرك" اس طرح علامہ ساعاتی بلوغ الامانی نے صفحہ ۱۷ ج ۵۔ میں بھی لکھا ہے۔

ثالثاً:...... تہذیب صفحہ ۳۲۵ ج ۱۱۔ میں یزید بن رومان کے ترجمہ میں ہے "وارسل عن ابی هریرۃ" پھر

جبکہ ابوہریرہ سے بھی اس کی روایت مرسل اور منقطع ہے تو پھر امیر عمر سے تو بطریق اولیٰ منقطع ہے۔ کیونکہ درج بالا میں بیان ہوا کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ سنہ ۲۳ھ میں شہید ہوئے ہیں اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سنہ ۵۸ھ میں فوت ہوئے ہیں (تہذیب صفحہ ۲۶۶ ج ۱۲) یعنی امیر عمر کی شہادت کے بعد بھی ابوہریرہ "۳۴" برس زندہ رہے ہیں۔ پھر جب ان سے یزید بن رومان نہ مل سکے ہیں اور ان سے کوئی روایت سنی بھی نہیں تو پھر امیر عمر کے زمانہ کو کس طرح پایا؟ اور یہ واقعہ کس طرح دریافت کیا؟ یقیناً درمیان میں ایک یا ایک سے زائد واسطے ہیں۔ جس کے حال کی خبر نہیں ہے۔ کہ سچا ہے یا جھوٹا، لہٰذا سند مجہول ہوئی۔

رابعاً: ...... صحیح اور متصل سند میں مذکور ہے کہ امیر عمر نے گیارہ پڑھنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ موطا سے نقل کیا گیا۔ پھر اس کے خلاف اس منقطع اور مجہول روایت کو قبول کرنا علم حدیث پر ظلم ہے اور خلق خدا سے صحیح روایت چھپا کر اور ضعیف منقطع بتلانا دھوکا ہے۔ وھو الخامس

سادساً: ...... اس روایت میں امیر عمر کے اپنے پڑھنے کا بھی بیان نہیں اور موطا سائب والی روایت میں ہے۔ کہ امیر عمر نے گیارہ کا حکم دیا لہٰذا یہ بوجہ صریح ہونے کے مقدم ہوگی۔

سابعاً: ...... اسی یزید بن رومان والی روایت میں یہ بھی بیان نہیں کہ بیس پڑھنے والے کون تھے؟ صحابی یا دوسرے؟ پھر ایسی مجہول روایت جس میں بصراحت ذکر صحابہ بھی نہیں ہے، اس کا سہارا لے کر اور صحابہ کی طرف بیس کی نسبت کرنا انتہائی جرات ہے۔ بلکہ مجرد وہم وگمان ہے۔ "ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً" (یونس والنجم) جب کہ صریح حدیث موجود ہے کہ امیر عمر نے گیارہ کا حکم دیا پھر اس کے خلاف خود عمل کیسے کریں گے۔ یا کروائیں گے اور لوگوں نے ان کے حکم کے خلاف کس طرح عمل کیا اس روایت کے غیر ثابت ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ وھو الثامن

دراصل دین میں بگاڑ پیدا کرنے والوں کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں ضعیف اور مبہم لا کر خلق خدا کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن فیصلہ الٰہی ہے کہ "ویحق اللہ الحق بکلماتہ ولو کرہ المجرمون" (یونس) اس حدیث کے تحفظ کی خاطر تین جواب لکھتے ہیں، جو نہ تو علمی ہیں نہ تحقیقی۔

پہلے میں ہمارے رسالہ ضرب الیدین سے نقل کرتے ہیں کہ موطا امام مالک کتب حدیث میں طبقہ اولیٰ کا ہے۔

جواب: ...... یہ قول شاہ ولی اللہ سے نقل کیا گیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی منقطع اور معضل روایات بھی درست ہیں۔ یہ تو سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں مرسل اور منقطع روایات موجود ہیں۔

ثانیاً: ...... موطا میں تو دونوں روایات ہیں۔ ایک روایت میں "۱۳" تیرہ رکعات ہیں اور دوسری میں "۲۰" بیس اب مولوی صاحب بتلائے کہ کس کو ترجیح دے گا؟ کیونکہ مولوی صاحب کے کہنے کے مطابق دونوں

روایات طبقہ اولی کی کتب میں ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ گیارہ والی روایت متصل اور بیس والی منقطع وہ ہم نے خود نہیں کہی بلکہ محدثین کا فیصلہ ہے۔ جن سے آپ کے احناف بھی متفق ہیں۔ پھر جب کہ دونوں روایات ایک ہی کتاب کی ہیں تو پھر متصل کو ترجیح ہوگی نہ کہ منقطع کو۔ ایضاً گیارہ والی روایت صریح ہے کہ امیر عمر نے حکم دیا اور بیس والی میں نہ امیر عمر کے حکم کا بیان ہے اور نہ اس کے عمل کا ہی اس میں بیان ہے کہ بیس پڑھنے کا اطلاع امیر عمر کو پہنچا۔ اس لحاظ سے بھی گیارہ والی روایت راجح ہوگی ایضاً گیارہ والی روایت میں بیان صحابہ حتمی ہے۔ کیونکہ امیر عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا۔ لہٰذا دو صحابہ تو یقینی کہے جائیں گے۔ تیسرا ناقل سائب بن یزید بھی صحابی ہے اور بیس والی روایت میں کسی صحابی کا ذکر نہیں ہے اور خود ناقل بھی صحابی نہیں ہے۔ محض "کان الناس" کے الفاظ ہیں، جو مبہم ہیں اور صحابی خواہ غیر صحابی کو محتمل ہیں۔ اس لیے بھی گیارہ والی روایت مقدم اور راجح ہوگی۔ ایضاً مرفوع حدیث بھی عدد گیارہ والی روایت کی تائید کرتی ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے گزرا۔ لہٰذا یہ ہی مقدم ہے نیز ابی کا عہد نبوی ﷺ میں آٹھ رکعات مع الوتر پڑھانا بھی گیارہ والی روایت کی تائید ہے۔ ایضاً ام المومنین عائشہ کا یہ کہنا کہ "ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ" بھی اسی کو راجح بناتے ہیں۔

ثالثاً: ...... گیارہ والی روایت بھی کتب طبقہ اولی کی ہے، پھر مولوی صاحب اس کا انکار کرتا ہے اور بیس والی روایت کو دلیل بناتا ہے تو کیوں؟

اگر اپنے امام مذہب کا لحاظ کرتا ہے تو پھر ہمیں بھی حق ہے کہ ہم بھی اپنے امام مذہب اکرم الاولین والآخرین سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کا ہی لحاظ رکھیں۔

نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

اگر میدان تحقیق میں اترتا ہے تو گیارہ والی روایت صحیح اور صریح اور اس کے مقابل منقطع اور مبہم ہے وھو الرابع

خامساً: ...... موطا محمد آپ ہی کی کتاب ہے۔ امام محمد اس میں کوئی بھی روایت بیس متعلق نہ موقوف لاتے ہیں نہ مرفوع۔ نہ ہی رسول اللہ ﷺ سے، نہ صحابی سے، حالانکہ باب قائم کرتے ہیں کہ "باب قیام شهر رمضان وما فیه من الفضل" (موطا محمد صفحہ ۱۴۱) اس باب میں بیس متعلق کسی کا بھی قول یا عمل نہیں نقل کرتے۔ بلکہ ام المومنین عائشہؓ والی روایت "ماکان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة" الحدیث لاتے ہیں اور اپنا فیصلہ یہ دیتے ہیں کہ "وبهذا کله ناخذ" جس کا مطلب ظاہر ہے کہ آپ کے امام محمد کے ہاں بھی گیارہ والی روایت راجح

ہے۔ کیونکہ اس موطا کو بھی آپ کے احناف موطا مالک ہی تصور کرتے ہیں چنانچہ لکھنوی صاحب موطا مالک کے نسخہ جات شمار کرتے پندرھواں نسخہ امام محمد کا شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "الخامسة عشر نسخة محمد بن الحسن الشيباني تلميذ الامام ابی حنيفه (التعلیق الممجد صفحہ ۱۹) اس قائدے کو تو مولوی صاحب خود ہی نہیں تسلیم کرتا کیونکہ موطا مالک میں ابن عمر کی رفع الیدین متعلق بھی حدیث ہے اور طبقہ اولیٰ کے دوسرے دو کتب صحیح بخاری اور صحیح مسلم ان میں بھی ہے۔ پھر بھی اسے منہدم کر نے کے لیے مولوی صاحب نے ناخن سے سر تک کا زور لگایا، پھر بھی انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ لیکن اتنا ثابت ہوا کہ مولوی صاحب اس قانون کا قائل نہیں ہے پھر جس قائدہ کا خود قائل نہیں وہ کس طرح وارد کرتا ہے؟ اگر کہے میں بطور الزام کہتا ہوں تب بھی ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ وہاں الزام کا خود ہی ملزم ہے۔ کیونکہ حدیث رفع الیدین کتب طبقہ اولیٰ میں ہے۔ لیکن انہیں تسلیم نہیں کرتا اگر کہے گا کہ میں اس قائدہ کا قائل ہی نہیں ہوں، پھر علماء محدثین کے خلاف مولوی صاحب اور کون سا قائدہ اپنائے گا۔

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے

الحاصل: ...... یہ جواب ہی فرسودہ اور بیکار ہے جس حدیث کا انقطاع ثابت ہو چکا ہے۔ اسے مولوی صاحب کیسے تو ثابت کر سکے گا۔

دوسرے جواب میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری کے پایہ کا استاد امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ مرسلات مالک مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور کسی شخص کے ہاں مالک سے زیادہ صحیح احادیث نہیں ہیں۔

الجواب اولاً: ...... اس کا جواب لکھا جا چکا ہے۔

ثانیاً: ...... انہوں نے یہاں کہا ہے "احب الی" جس کا مطلب کہ یہ نسبتی فیصلہ ہے یعنی اوروں کی مرسلات سے مرسلات امام مالک اعلیٰ درجہ کی حامل ہیں نہ کہ صحیح تسلیم کرتا ہے۔ ضعیف روایات کے بھی طبقے ہوتے ہیں۔

ثالثاً: ...... لغایۃً یہ بحث روایت مرسل میں ہے اور مرسل روایت اسے کہتے ہیں کہ تابعی بلا واسطہ رسول اللہ ﷺ سے حدیث نقل کرے جیسا کہ شرح نخبۃ اور مصطلح کے دوسرے عام کتب میں بیان شدہ ہے۔ یہ روایت مرسل نہیں ہے۔ بلکہ منقطع ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع منقول نہیں ہے۔ لہٰذا امام قطان کا قول کہ امام مالک دوسروں سے صحت حدیث میں پختہ ہے تو اس میں کوئی ریب نہیں ہے۔ کہ اس کی حدیث اصح الاحادیث ہے۔ مگر شرط ہے کہ متصل ہو۔ بلکہ اس طرح کہا جائے کہ امام مالک کی متصل روایات دوسروں کی متصل روایات سے زیادہ صحیح ہیں اور اس کی مرسل اور منقطع روایات اوروں کی مرسل اور منقطع

روایات سے قدر ضعف میں کم ہیں۔ مگر یہ بات مولوی صاحب کے لیے سودمند نہ ہوگی۔ کیونکہ اس سے اس کا صحیح ہونا ثابت نہ ہوا۔ وھو الخامس

سادساً: ...... امام زہری امام مالک کا استاد ہے اس کا ایک واقعہ پیش نظر ہے۔ نعمان بن راشد ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ "عن زید بن ابی انیسة ان رجلا اجنب فغسل فمات فقال النبی ﷺ لو یمموه قتلوه قتلهم الله قال النعمان فحدثت به الزهری ورایته بعد یروی عن النبی ﷺ فقلت من حدثك قال انت حدثتنی عمن فحدثه قلت عن رجل من اهل الکوفة قال افسد ته فی حدیث اهل الکوفة دغل کثیر." (الأحکام لابن حزم، ص ۱۳۸) ثابت ہوا کہ جب تابعی رسول اللہ ﷺ بلا واسطہ کے روایت کرے بسا اوقات اس میں راوی مجہول۔ ضعیف اور غلط روایات والے بھی ہوسکتے ہیں۔ جب کہ امام مالک کے استاذ زہری کی روایت جس میں تھا "قال رسول الله ﷺ" سے بیان کرتا ہے۔ اس کی سند میں ہیر پھیر ہوسکتی ہے تو پھر دوسروں کی مرسل پر کیا اعتبار۔

سابعاً: ...... خود امام یحییٰ بن سعید سے ایک قول ملتا ہے۔ جو مولوی صاحب کے بیان کردہ قول کی تفسیر کرتا ہے۔ چنانچہ ابن حزم الاحکام (صفحہ مذکورہ) میں نقل کرتے ہیں "قال یحییٰ ابن سعید القطان مالك عن سعید بن المسیب احب الی من الثوری عن ابراهیم لو کان شیخ الثوری فیه رحق لبرح به وصاح وقال مرة اخری کلا هما عندی شبه الریح." ثابت ہوا کہ امام یحییٰ القطان تمام مرسل روایات کو شبہ الریح کہتا ہے۔ کسی کو بھی معتبر تصور نہیں کرتا۔ خواہ وہ مالک سے ہو یا کسی اور سے۔ لہٰذا ان کے اسی قول "احبَّ" میں معنی نسبتی ہے نہ کہ اسے درست کہہ رہا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

صفحہ ۱۷۸: ...... تیسرا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ "شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موطا مالک کی تمام احادیث صحیح ہیں اور اس میں کوئی بھی مرسل اور منقطع حدیث نہیں ہے

جواب: اولاً: ...... اس طرح کہ الفاظ نہ شاہ صاحب نے کہے ہیں اور نہ ہی اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ یہ مولوی صاحب کا اپنا خیال ہے۔ امام ذہبی سیر النبلاءِ (جزء خاص بترجمۃ الامام ابن حزم الاندلسی صفحہ ۴۲) میں راقم ہیں کہ "رتبه الموطا ان یذکر تلوا الصحیحین مع سنن ابی داؤد والنسائی" یعنی امام ذہبی واضح کرتے ہیں کہ درجہ موطا صحیحین کے بعد ہے اور ابوداؤد ونسائی کے درجہ پر ہے۔ نیز صفحہ ۴۱ میں امام ابن حزم سے نقل کرتے ہیں کہ وہ سب سے درجہ اوّل میں ان کتب میں شمار کرتے ہیں، جن میں بالخصوص مرفوع احادیث رسول اللہ ﷺ ہوں اور طبقہ ثانیہ میں وہ کتب ہیں جن میں مرفوع احادیث کے ساتھ صحابہ

اور تابعین کے آثار بکثرت ہوں۔ جیسا کہ موطا مالک مصنف عبدالرزاق مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ "فـمـا لك لا يرى الانقطاع فى الاسناد قاد حا فلذالك يخرج المراسيل والمنقطعات والبلاغات فى اصل موضوع كتابه والبخارى يرى ان الانـقـطـاع علة فلا يخرج ما هذا سبيله الا فى غير اصل موضوع كتابه كا لتعليقات والتـراجـم ولا شك ان الـمـنقطع وان كان عند قوم من قبيل ما يحتج به۔ فالمتصل اقـوى مـنـه اذا اشتـرك كل من رواتها فى العدالة والحفظ فبان بذالك شفوف كتاب البخارى ." مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۹ میں ہے کہ وكتـابـهـمـا اصـح الـكتب بعد كتاب الله العزيز واما ما رويناه عن الشافعى رضی اللہ عنہ من انه قال ما اعلم فى الارض كتابا فى العلم اكثـر صـوابـا مـن كـتـاب مـالك ومنهم من رواه بغير هٰذا اللفظ فانما قال ذالك قبل وجود كتاب البخارى ومسلم ." ثابت ہوا کہ دعویٰ اجماع درست نہیں ہے۔

ثانیاً:...... یہ دعویٰ کسی نے بھی نہیں کی کہ موطا مالک میں تمام روایات صحیح ہیں۔ بلکہ موطا صفحہ ۵۵۔ میں ایک روایت عبدالکریم بن ابی الخارق سے ہے جو حد درجہ کا ضعیف ہے جس کے لیے امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ "ليس بشئى" اور امام احمد کہتے ہیں کہ "شبه المتروك" اور نسائی ودار قطنی کہتے ہیں کہ "متروك" اور حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ "لا يختلفون فى ضعفه" (المیزان صفحہ ۱۴۵ ج ۲۔) اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ "كثير الوهم فاحش للخطا فلما كثر ذالك منه بطل الاحتجاج به وقال ابو داؤد الـخـلـيـل وغير واحد ما روى مالك اضعف منه" (التہذیب صفحہ ۳۷۸ ج ۶) پھر جب کہ اس کتاب میں ایسے نام والا راوی ضعیف اور متروک ملتا ہے۔ پھر جس کا نام ذکر نہیں یا درمیان میں گرا ہوا ہے۔ اس پر کیا اعتبار رہے گا؟

ثالثاً:...... خود شاہ ولی اللہ شرح التراجم ابواب صحیح البخاری صفحہ ۲ میں فرماتے ہیں کہ "اول صـنـف اهل الحديث فى علم الحديث جعلوه مدو نا فى اربعة فنون فن السنة اعنى الذى يقال له الـفـقه مثل موطا مالك وجامع سفيان وفن التفسير مثل كتاب ابن جريج وفن السير مثل كتاب مـحـمـد بـن اسحاق وفن الزهد والرقاق مثل كتاب ابن المبارك فاراد البـخارى رحمه الله ان يجمع الفنون الاربعة فى كتاب ويجرده لما حكم له العلماء بـالـصـحة قبل البـخارى و فى زمانه ويجرده الحديث المرفوع المسند وما فيه من الآثـار وغيـر هـمـا انـما جاء به تبعا لا باصالة ولهذا سمى كتاب بالجامع الصحيح

المسند. '' یہ عبارت بھی مولوی صاحب کے مطلب کے خلاف ہے۔

رابعاً:...... مولوی صاحب خود اسی اصول کے خلاف ہے۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رفع الیدین متعلق حدیث موطا میں موجود ہے اور ہے بھی متصل نہ مرسل نہ منقطع، پھر مولوی صاحب انہیں درست تسلیم نہیں کرتا۔ پھر جس قانون کے خود خلاف ہے وہ اوروں کے لیے کس طرح تو پیش کرتا ہے؟

اس کے بعد مولوی صاحب نے شاہ صاحب کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے عبارت نقل کی ہے۔ اس کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

ناظرین! اس عبارت کا مولوی صاحب نے جس طرح ترجمہ لکھا ہے۔ اسی مطابق اس پر کلام کرتے ہیں

پہلی بات لکھتے ہیں کہ کافی غور وخوض کے بعد پہلا طبقہ حدیث کی تین کتب کو حاصل ہے (۱) مؤطا مالک (۲) صحیح بخاری (۳) صحیح مسلم

اولاً:...... لفظ استقراء ہے اور مولوی صاحب نے ترجمہ کیا ہے غور وخوض۔ بلکہ یہ لفظ علم اور احاطہ کی معنی میں ہے اور درج بالا میں معلوم ہوا کہ اس کے خلاف بھی اہل علم کے اقوال موجود ہیں لہٰذا یہ استقراء قطعی نہ رہا

ثانیاً:...... جب طبقہ اولیٰ میں یہ تین کتب ہیں اور تینوں اک ہی طبقہ کے ہیں تو پھر یہ بات بالکل مسلم کہی جائے گی کہ جس حدیث کے روایت کرنے میں کتب ثلاثہ متفق ہیں۔ وہ ان روایات سے اعلیٰ طبقہ کی تصور ہوگی۔ جو سب میں نہ ہو اور ظاہر ہے کہ بیس والی روایت نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں اور گیارہ والی روایت ''ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ'' تینوں کتب میں مروی ہے لہٰذا یہ اولیٰ اور اقدم تصور ہوگی۔ بلکہ گیارہ والی روایت جو کتب ثلاثہ میں ہے وہ صریحاً مرفوع ہے اور بیس والی جو صرف موطا میں ہے (جسے ہم ضعیف بھی ثابت کر چکے ہیں) نہ مرفوع لفظاً ہے نہ حکماً۔ بلکہ اس کا موقوف ہونا بھی یقینی نہیں ہے۔ کیونکہ کسی صحابی کی تصریح نہیں ہے۔ جیسا کہ درج بالا میں بیان ہوا۔ لہٰذا گیارہ والی روایت کے مقدم ہونے کے لیے یہ دلیل ثانی ہے اور دلیل ثالث یہ ہے کہ گیارہ والی روایت پر کوئی جرح نہیں ہے بلکہ متفق علیہ ہے اور موطا کی بیس والی روایت پھر جرح ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔ دلیل رابع یہ کہ کتب ثلاثہ سے کسی ایک کتاب میں گیارہ والی مرفوع حدیث کے معارض اور کوئی روایت نہیں اور بیس والا اثر موطا میں ہے اس موطا میں اس کے معارض اثر موجود ہے۔ جو کہ صحیح بھی ہے اور صریح بھی ہے جیسا کہ درج بالا میں بیان ہوا۔ پھر اسی روایت کا موطا میں ہونا مولوی صاحب کو کیا سپوٹ دے گی؟ کیونکہ ایک طرف بالاتفاق مرفوع حدیث ہے اور تعارض سے عاری ہے تو دوسری جانب صرف ایک کتاب میں وہ بھی نہ مرفوع بلکہ موقوف اور منقطع اور ضعیف ہے اور تعارض سے بھی عاری نہیں ہے۔ ایسی واضح مقارنہ کو ہر ایک عامی اور کم علم دیکھ کر ہی فیصلہ دے سکتا ہے۔ لیکن مولوی

صاحب کو اللہ تعالیٰ فہم عطا کرے۔

ثالثاً: ......شاہ صاحب نے طبقہ اولیٰ میں یہ تین کتب ہی شمار کی ہیں لیکن یہ تفصیل نہیں دیکھی کہ ان میں کیا ترتیب ہے۔ پہلی کتاب کون سی ہے؟ دوسری کون سی ہے؟ اور تیسری کون سی ہے؟ اسی مجمل کا تفصیل درج بالا میں ابن حزم اور دوسروں کی عبارات سے ظاہر ہوا۔ کہ بخاری و مسلم کا طبقہ پہلا ہے اور مقدمہ ابن صلاح کی عبارت گذری اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "ثم ان کتاب البخاری اصح الکتابین صحیحاً واکثر ھما فوائد. " بلکہ عام محدثین کا فیصلہ ہے کہ سب سے قبل بالخصوص جو احادیث صحیحہ پر کتاب لکھی گئی وہ صحیح بخاری ہے۔ جیسا کہ امام نووی تقریب میں اور سیوطی اس کی شرح تدریب الراوی صفحہ ۲۴۔ میں اور ابن الصلاح مقدمہ صفحہ ۹۔ وغیرہ تمام کتب میں اسی طرح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحیح بخاری سے قبل دوسری کوئی ایسی حدیث کی کتاب تصنیف نہ ہوئی تھی۔ جسے صحیح کہا جائے۔ وھو الرابع

خامساً: ......حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ "ان مالکا لم ینفرد الصحیح بل ادخل فیہ المرسل والمنقطع والبلاغات ومن بلاغاتہ احادیث لاتعرف کما ذکرہ ابن عبدالبر (تدریب الراوی صفحہ ۲۵) ثابت ہوا کہ موطا کو امام مالک نے صرف صحیح روایات جمع کرنے کے لیے نہ لکھا ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کا یہ سوال زائل ہوا۔ کہ یہ (بیس والی) روایت موطا میں ہے۔ لہٰذا صحیح ہے۔ اب موطا کی وہ روایات اعلیٰ طبقہ میں شمار ہوں گی جو متصل ہوں اور ان کی سند میں کوئی راوی ضعیف نہ ہو اور نہ ہی سند میں انقطاع ہو تو ایسی روایت مولوی صاحب موطا سے پیش نہ کر سکا وھو السادس۔

وسابعاً: ......مولوی صاحب چاہے مرسل اور منقطع روایات کو بھی صحیح تصور کرے لیکن اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ متصل روایت منقطع سے صحت میں اعلیٰ طبقہ رکھتی ہے اور سمجھ میں آتا ہے کہ مولوی صاحب خود بھی منقطع کو ضعیف تصور کرتا ہے۔ کیونکہ آگے چل کر موطا کی منقطع روایات کے لیے یہ جواب دیتے ہیں کہ جو موطا میں منقطع روایات ہیں۔ وہ دوسری اسناد سے متصل ہیں اسی جواب سے ظاہر ہے کہ مولوی صاحب کے ہاں متصل اور منقطع میں فرق ہے۔ اگر دونوں برابر ہیں تو پھر اس جواب کی کوئی حاجت نہیں یہی وجہ ترجیح صحیحین کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ انہیں دونوں (بخاری و مسلم) میں مرسل یا منقطع روایات نہیں ہیں اور موطا میں ایسی لا تعداد ہیں۔

دوسری بات لکھتے ہیں کہ "امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کتاب الٰہی کے بعد سب سے صحیح کتاب موطا امام مالک ہے۔"

جواب: اولاً: ......زمانہ امام شافعیؒ میں نہ بخاری تصنیف ہوئی اور نہ ہی مسلم۔ لہٰذا امام شافعی کا یہ فیصلہ ان

کتب کے مطابق ہے جو ان کے وقت میں تصنیف ہوئیں تھیں۔ جیسا کہ درج بالا میں ابن الصلاح کی عبارت سے معلوم ہوا۔ اس طرح مقدمہ فتح الباری اور تدریب الراوی اور دوسری اصطلاح کی کتب میں ہے لہٰذا امام شافعی کے اس قول کو صحیحین اور موطا کے درمیان بطور تقابل استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

ثانیاً: ...... مجمل فیصلہ امام شافعی کی ہر ایک روایت کے لیے کارگر ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس کی معنی یہ ہوگی کہ اس کتاب میں اس وقت کی اور کتب کی بنسبت ضعیف روایات کم ہیں اور بمقابل دوسری کتب کے اس میں صحیح روایات بکثرت ہیں یا ان کی روایات میں اتنا کلام نہیں ہے۔ جو اوروں کی روایات میں ہے لیکن امام شافعی یہ انکار نہیں کرتے کہ اس میں ضعیف روایت ہے ہی نہیں یہ مولوی صاحب کی کم فہمی ہے۔

ثالثاً: ...... امام شافعی اپنے رسالہ میں منقطع اور مرسل کو بڑی شدت سے رد کرتے ہیں۔ پھر کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ امام شافعی موطا کی تمام روایات کو صحیح تصور کرتے ہیں؟ بلکہ یہی مطلب ہے کہ امام مالک کی کتاب میں بمقابل ان کی ہم عصر کتب سے ضعیف روایات کم ہیں۔ بلکہ اس سے ثابت ہوا کہ امام شافعی موطا کی صرف ان روایات کو صحیح سمجھتے ہیں جو متصل ہوں۔ وھو الرابع۔

تیسری بات یہ ذکر کرتے ہیں کہ اہل حدیث کا خیال ہے کہ جو کچھ موطا میں ہے وہ امام مالک اور ان کے موافقین کے خیال میں صحیح ہے۔

جواب: ...... ثابت ہوا کہ اوروں کے ہاں اس کا صحیح ہونا لازم نہیں ہے۔ لہٰذا مسئلہ مختلف فیہ رہا اور معاملہ تحقیق طلب رہا اور مولوی صاحب کا یہ دعویٰ کہ تمام احادیث صحیح ہیں۔ غلط ثابت ہوا۔

ثانیاً: ...... معاملہ خود مختلف فیہ ہے۔ کیونکہ درج بالا میں ثابت ہوا کہ امام مالک کا مسلک ہے کہ مرسل اور منقطع ان کے ہاں حجت نہیں ہے۔

ثالثا: ...... دعویٰ اتفاق بھی غلط ہے کیونکہ امام مسلم اور امام حاکم وغیرہ سے نقل کیا گیا کہ امام مالک کے ہاں مرسل اور منقطع۔ حجت نہیں ہے۔ لہٰذا خود امام مالک سے نقل میں بھی اختلاف ہے۔

رابعاً: ...... یہ بھی کوئی لازم نہیں کہ جو روایت امام مالک کے ہاں صحیح ہے یہ اوروں کے ہاں بھی صحیح ہو۔ یا خواہ مخواہ اور بھی انہیں درست سمجھیں یا ان پر یہ حجت ثابت ہو۔ کئی روایات امام مالک اپنی موطا میں لائے ہیں۔ پھر دوسروں کو کس طرح مجبور کرتے ہو۔ وھو الخامس

سادساً: ...... بلکہ اس کے خلاف ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ موطا میں کئی روایات یزید بن عبداللہ بن قسیط امام مالک کا استاد ہے۔ قال ابن عبدالبر احتج به مالك فى مواضع (التہذیب صفحہ ۳۴۳ ج ۱۱) اور موطا صفحہ ۱۳۔ میں انہیں کی روایت موجود ہے "مالك عن يزيد بن عبدالله بن قسيط الليثى انه

رای سعید بن المسیب وعف وهو یصلی فاتی حجرة ام سلمة زوج النبی صلی الله ﷺ فاتی بوضوء فتوضا ثم رجع فبنیٰ علی ما قد صلیٰ۔ " اور یہ ہی یزید بن عبداللہ بن قسیط امام مالک کے ہاں معتبر نہیں ہے چنانچہ تہذیب (صفحہ مذکورہ) میں ہے "قال ابو حاتم لیس بالقوی لان ما لکالم یرضه" اور میزان صفحہ ۳۱۴ ج ۳۔ میں ہے "لیس عند نا هناك" ثابت ہوا کہ امام مالک خود اپنی کتاب میں ایسے راویوں سے روایات لاتے ہیں۔ جنہیں معتبر نہیں مانتے پھر ایسا کہنا کس طرح درست ہوگا۔ کہ امام مالک موطا کی تمام روایات کو صحیح تصور کرتے ہیں؟

چوتھے بات بین القوسین لکھتے ہیں۔

"کیونکہ وہ مرسل اور منقطع روایت کو حجت سمجھتے ہیں"

جواب:...... اولاً: اسی کی حقیقت اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہے لہٰذا مولوی صاحب کی اسی تحریر پر لوگ اعتماد نہیں کرینگے۔

ثانیاً:...... گر امام مالک کے ہاں حجت ہے تو ان تک ہی ہے۔ لیکن جن کے ہاں حجت نہیں ان کے سامنے ایسی روایت کس طرح پیش کی جاتی ہے؟ جو ان کی مسلمات سے نہیں ہے۔ پھر مولوی صاحب کسی مالکی مذہب والے کے سامنے یہ روایت پیش کرے تو یہ اور بات ہے لیکن دوسروں کے سامنے انہیں پیش کرنے کا کیا حق ہے؟ وهو الثالث

رابعاً:...... امام ابن حزم کتاب مراتب الدیانة میں موطا متعلق فرماتے ہیں کہ "وفيه نيف سبعون حديثاً قد ترك مالك نفسه العمل بها وفيه احاديث ضعيفة وهٰها جمهور العلماء.

(تنویر الحوالک للسیوطی صفحہ ۷ ج ۱)

پھر جب ستر سے زائد موطا کی ایسی احادیث ہیں۔ جن پر خود امام مالک عامل نہ تھے تو پھر کس طرح کہتے ہو کہ ان کے ہاں سب حجت ہیں۔ بلکہ ثابت ہوا کہ اکثر علماء ان کی کتنی احادیث کو ضعیف اور واھی کہتے ہیں۔ وهو الخامس

پانچویں بات یہ لکھتے ہیں کہ "بقیہ دوسروں کے ہاں بھی موطا میں کوئی بھی روایت مرسل اور منقطع ایسی نہیں ہے۔ جو دوسری اسناد سے متصل ثابت نہ ہو سکتی ہو۔"

جواب:...... یہ قول ابن عبدالبر کا ہے اور اس نے در اصل ان روایات کے لیے کہا ہے۔ جو مرفوع ہیں۔ چنانچہ کتاب تجرید التمھید صفحہ ۲۴۲۔ میں لکھتے ہیں کہ "باب بلاغات مالك ومرسلاته مما بلغه عن الرجال الثقات ومما ارسله عن نفسه فی موطا ورفعه الی النبی ﷺ وذالك

احد وستون حدیثا قد ذکر تھا والحمد للہ کلھا مسندۃ متصلۃ فی التمھید حاشا اربعۃ احادیث ." ثابت ہوا کہ یہ جو روایات متصل سند سے ملی ہیں وہ تمام مرفوع ہیں صحابہ یا تابعین کے اثر نہیں ہیں اور یہ روایت مرفوع بھی نہیں ہے لہٰذا یہ قول اس کے ساتھ متصل نہیں ہے۔

ثانیاً: ......اگر تمام روایات کے لیے تسلیم کیا جائے تب بھی مولوی صاحب کو کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ کس کو معلوم کہ اس کی سند کیسی ہے؟ مولوی صاحب بتا سکے گا کہ اس روایت میں یزید بن رومان اور امیر عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان میں کتنے راوی گرے ہوئے ہیں اور کون سے؟ تا کہ معلوم کیے جائیں کہ سچے ہیں یا جھوٹے ہیں۔ وھو الثالث

رابعاً: ...... منقطع سند میں بھی شبہ ہے کہ ایک راوی گرا ہوا ہے یا دو۔ شاید کہ وہ ثقہ بھی نہ ہوں۔ لیکن مولوی صاحب کے سوال موجب پوری سند ہی مجہول ہے۔ مولوی صاحب خوشی سے جھوم رہے ہے کہ سند مل گئی ہے۔ لیکن یہ انہی خبر بھی نہیں وہ کون سی ہے؟ اور کون سی کتاب میں رقم ہے؟ اس میں کون سے راوی ہیں؟

یک نہ شد دو شد

پھر دوسروں کے ہاں اگر چہ منجملہ یہ مرسل روایات متصل کہی جائیں گی لیکن نہ تو کوئی صحیح ہونے کی تسلی دیتا ہے اور نہ اس روایت (یزید بن رومان) متعلق خاص فیصلہ دیا ہے۔ لہٰذا معاملہ پھر بھی مجہول روایت کا رہا۔ وھو الخامس

صفحہ ۱۷۹: ...... چھٹی بات یہ پیش کرتے ہیں کہ "قرن امام مالک میں کئی کتب بنام موطا کے لکھے گئے ہیں جن میں موطا امام مالک کی روایات کو بالخصوص بیان کیا گیا ہے اور موطا کی منقطع اسناد کو متصل بنا کر بیان کیا گیا۔ جیسا کہ ابن ابی ذئب، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور امام معمر کی کتب جو امام مالک سے ان کے استادوں میں مشترک تھے۔"

جواب: ......اولاً: جن کتب کے نام لیے ہیں کیا مولوی صاحب نے ان کو دیکھا ہے؟ یا انہیں یہ معلوم ہے کہ دنیا کے کس کتب خانہ میں ہیں؟

اور انہیں معلوم ہے کہ مذکورہ روایت یزید بن رومان والی ان میں سے کون سی کتاب میں ہے؟ اس کی سند کون سی ہے؟ جب انہیں کوئی خبر نہیں تو وہی معاملہ مجہول والا رہا۔ مولوی صاحب دل میں خوش ہوا ہوگا۔ کہ میں نے کوئی تیر مارا ہے۔ لیکن ہے اندھے کا کیچڑ تھاپنا، کیونکہ بیچارے نے تگ ودو کی کہ یزید بن رومان والی روایت کو متصل ثابت کرتا ہوں۔ یا اسے متصل کی ہم پلہ ثابت کرتا ہوں۔ مگر جتنا زور لگائے اتنا ہی اندھیرا

روایت مجہول در مجہول ——اے بسا آرزو کہ خاک شد

الحاصل: ...... یہ روایت مرسل اور منقطع ہونے کے سبب غیر مقبول ہے۔ اور مبہم اور غیر واضح ہونے کے سبب لائق قبول نہیں ہے اور مولوی صاحب کے پانچ جوابات نے انہیں مزید مجہول ثابت کر دیا۔ والحمد للہ

پانچویں روایت بیہقی کے حوالہ سے سائب بن یزید سے نقل کرتا ہے کہ امیر عمر کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھتے تھے اور بڑیدعویٰ کرتے ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

سائب بن یزید والی روایت کی اسنادی حیثیت

الجواب: ...... یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ شاذ ہے۔ کیونکہ یزید بن خصیفہ (وھو یزید بن عبداللہ بن خصیفہ) محمد بن یوسف کی مخالفت کرتا ہے۔ کہ وہ گیارہ رکعات نقل کرتا ہے۔ جیسا کہ درج بالا میں مؤطا سے نقل کیا گیا اور وہ ابن خصیفہ سے اوثق ہے۔ چنانچہ تقریب التہذیب میں یزید بن عبداللہ بن خصیفہ کے لیے رقم کرتے ہیں کہ "ثقة" اور محمد بن یوسف متعلق لکھتے ہیں کہ "ثقة ثبت" لہٰذا محمد بن یوسف کی توثیق طبقہ اولیٰ میں ہے اور ابن خصیفہ کی دوسرے درجہ میں جیسا کہ تقریب کے مقدمہ میں بیان شدہ ہے۔

لہٰذا بوقت اختلاف محمد بن یوسف کی روایت راجح اور محفوظ ہوگی اور ابن خصیفہ کی روایت شاذ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت کی ہے۔ جیسا کہ درج بالا میں شرح نخبہ سے شاذ کی تعریف کی گئی۔

ثانیاً: ...... ابن خصیفہ کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں کہ "منکر الحدیث" (میزان صفحہ ۳۱۳ ج ۳ و التہذیب صفحہ ۳۴۰ ج ۱۱) یہ اس لیے کہ ابن خصیفہ کبھی کبھار ثقہ راویوں کی مخالفت میں روایات لاتے ہیں۔ جن میں وہ منفرد اور اکیلا ہوتا ہے۔ یہ ہی مطلب امام احمد کے قول منکر الحدیث کا ہے جو آپ کے لکھنوی حنفی نے الرفع والتکمیل صفحہ ۱۵ پر بیان کیا ہے پھر اگرچہ اس کی اور روایات مقبول ہیں لیکن جس روایت میں ثقات کی مخالفت کرے اور منفرد ہو تو پھر اس کی یہ روایت لائق قبول نہیں ہے۔ بلکہ ثقات کی روایت قبول ہوگی۔ اس طرح یہاں بھی محمد بن یوسف کی روایت مقبول ہوگی نہ کہ ابن خصیفہ کی۔

ثالثاً: ...... محمد بن یوسف سائب بن یزید کے گھر کا بندہ ہے۔ یعنی اس کا بھتیجا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا بھانجا ہے اور کچھ کا خیال ہے کہ وہ ان کا نواسہ ہے (تہذیب صفحہ ۵۳۴ ج ۹) پھر یہ ان کے گھر کا فرد ہے۔ لہٰذا انہیں سائب بن یزید کی روایت کے متعلق کافی جانکاری ہے۔ امام حازمی کتاب الاعتبار صفحہ ۱۲ میں فرماتے ہیں: "الوجه الحادی العشر ان یکون احد الراویین اکثر ملازمة لشیخه فان المحدث قد ینبسط تارة فیسوقی الحدیث علی وجه وقدیتکاسل فی الاوقات فیقتصر علی البعض او یرویه مرسلاً الیٰ غیر ذالك من الاسباب."

رابعاً: ......ابن خصیفہ نے الفاظ روایت میں اضطراب کیا ہے کیونکہ یہ ہی روایت کتاب الفوائد ابو بکر النیساپوری کی صفحہ ۱۳۵ ج ۱۔ (بحوالہ صلوٰۃ التراویح مصنف شیخ محمد ناصر الدین الالبانی صفحہ ۵۳) میں بھی ہے اور اس میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ "حسبت ان السائب قال احد و عشرون " یعنی میں سمجھتا اور خیال کرتا ہوں کہ "سائب بن یزید " نے اکیس رکعات کہیں۔ اس مقام پر دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلا تو عدد اختلاف ہے۔ مولوی صاحب کی نقل شدہ روایت میں بیس ہیں تو پھر یہاں اکیس ہیں۔ یہ ہی عدد مصنف عبدالرزاق صفحہ ۲۶۰ ج ۴ میں ہے پہلے تو مولوی صاحب یہ اختلاف رفع کریں اور اس کے علاوہ یہ فیصلہ کریں کہ اکیس رکعات کس طرح ہونگیں؟ گر بیس رکعات کہیں گے تو ایک رکعت ماننی پڑے گی۔ جو بات ان کے مذہب کے خلاف ہے۔ اگر کہیں گے کہ تین وتر ہیں تو پھر اٹھارہ رکعات ہونگیں پوری بیس نہ ہونگیں۔ دونوں طرح مولوی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے۔ دوسری بات قابل غور ہے کہ اس نقل میں یزید بن خصیفہ کو خود عدد میں یقین نہیں ہے۔ گمان اور ظن ظاہر کر رہا ہے۔

الغرض: ......اس روایت میں بڑی ہی ہیر پھیر ہے وھو الخامس

سادساً: ......امام مالک سب سے اوثق ہے جنہیں نجم الحدیث واہلہ کا لقب ملا ہوا ہے۔ وہ بلا تردد یا ریب کے محمد بن یوسف سے نقل کرتے ہیں اور محمد بن یوسف سائب یزید سے بلا تردد کے گیارہ کا عدد نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ واضح روایت ہی قابل قبول ہوگی اور اس کے مقابل تردد شدہ روایت لائق قبول نہیں ہے۔ بلکہ امام مالک باوجود عظیم امام ہونے کے اس روایت میں منفرد نہیں ہے۔ اس کے ساتھ امام یحیٰی بن سعید القطان جسے خود مولوی صاحب نے صفحہ ۱۷۸۔ پر امام المحدثین کہا ہے وہ بھی متابع ہے اس کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۱ ج ۲۔ میں ہے "قال حدثنا یحییٰ بن سعید القطان عن محمد بن یوسف ان السائب اخبرہ ان عمر جمع الناس علی ابی و تمیم فکانا یصلیان احدی عشرۃ رکعۃ یقرأن بالمئین ." یعنی فی رمضان وھو السابع

وثامناً: ......جن مرفوع روایات میں آٹھ یا گیارہ رکعات کا بیان ہے۔ وہ خود فیصلہ دیتی ہیں کہ ابن خصیفہ کی بیس والی روایت درست نہیں ہے۔ بلکہ محمد بن یوسف کی گیارہ والی روایت صحیح ہے علامہ زرقانی شرح موطا میں لکھتے ہیں کہ "رواہ سعید بن منصور من وجہ آخر عن محمد بن یوسف قال احدی عشرۃ کما قال مالك" ثابت ہوا کہ یہ بھی متابعت امام مالک ہے اور سیوطی المصابیح صفحہ ۱۳ میں سعید بن منصور کی سند متعلق کہتے ہیں کہ "فی غایۃ الصحۃ " یعنی یہ روایت صحت کے درجہ انتہا کو متوصل ہے۔ پھر بھی اس کے مقابلہ میں ابن خصیفہ کی روایت کس طرح مقبول ہوگی؟ وھو التاسع .

عاشراً: ...... درج بالا تمام باتوں سے اغماض کیا جائے تب بھی معاملہ ظاہر ہے کہ اس روایت میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ امیر عمر کے امر سے لوگ بیس پڑھتے تھے۔ نہ ہی یہ وضاحت ہے کہ ان کی بیس پڑھنے کا علم امیر عمر کو تھا یا نہیں؟ موطا کی سائب بن یزید والی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ امیر عمر نے خود گیارہ پڑھنے کا حکم دیا۔ لہٰذا یہ مقدم تصور ہوگی۔

الحادی عشر: ...... اس روایت میں یہ وضاحت نہیں کہ پڑھنے والے اشخاص کون تھے صحابہ یا غیر صحابہ؟ اور موطا والی روایت میں تو امیر عمر کے علاوہ دو صحابہ کا تو صریحاً بیان ہے۔ یعنی ابی بن کعب اور تمیم داری۔ لہٰذا اس روایت متعلق قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ نے گیارہ رکعات پڑھی ہیں۔ لیکن مولوی صاحب والی نقل کی امید پر کسی صحابی کی طرف نسبت نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا معاملہ مبہم رہا۔ بلکہ موطا والی روایت میں وضاحت ہے کہ امیر عمر نے گیارہ کا حکم دیا اور وہ گیارہ پڑھتے رہے۔ اس سے واضح ہے کہ مولوی صاحب والی نقل شدہ روایت بالفرض درست تسلیم کی جائے تب بھی وہ کسی اور افراد کی جماعت ہوگی۔ کیونکہ امیر عمر نے جس جماعت کو حکم دیا وہ تو گیارہ پڑھتے تھے جیسا کہ ابھی ابن ابی شیبہ سے روایت بیان کی گئی کہ "ان عمر جمع الناس علیٰ ابی تمیم فکانا یصلیان احدیٰ عشرۃ رکعۃ" اس سے ثابت ہوا کہ امیر عمر کے زمانہ میں لوگوں کا اجماع گیارہ پڑھنے پر ہوا۔ پھر بیس پڑھنے والے کون لوگ تھے؟ اس بیس والی روایت کے منکر ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ وھو الثانی عشر

صفحہ ۱۸۰: ...... بعنوان فائدہ چار باتیں نقل کرتے ہیں پہلی میں کہتے ہیں کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور امام نووی نے انہیں صحیح کہا ہے۔

اولاً: ...... صحت حال روایت قارئین نے اپنی نگاہوں سے دیکھا اور یہ دعویٰ مولوی صاحب "ھباء منثوراً" بن گیا۔

ثانیاً: ...... امام نووی نے راویوں کو صحیح نہیں کہا ہے بلکہ بالاسناد الصحیح کہا ہے اور سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۃ الفاتحہ کی بحث میں نتائج الافکار للصنعانی صفحہ ۱۹۵۔ ۲۳۴ ج ۱۔ سے عبارت نقل کی گئی۔ چونکہ اس میں شذوذ اور دوسری علتیں ہیں۔

ثالثاً: ...... صحیح مسلم کی احادیث پر ابواب قائم ہیں۔ یہ امام مسلم کے نہیں ہیں بلکہ امام نووی نے قائم کیے ہیں۔ جیسا کہ خود مقدمہ شرح مسلم صفحہ ۱۳ میں بیان کرتے ہیں کہ صلاۃ اللیل متعلق جو امام مسلم نے احادیث پیش کی ہیں ان میں حدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا "ما کان یزید فی رمضان" الحدیث نہیں ہے اسی اجمال پر امام نووی یہ باب قائم کرتے ہیں "باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل

الـــخ" دیکھیں صحیح مسلم شرح النووی صفحہ ۲۵۳ ج ۱۔ تا ۲۵۸۔ ثابت ہوا کہ امام نووی اسی بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل گیارہ رکعات تھا۔ اب مولوی صاحب امام نووی کا یہ قول تسلیم کریں گے؟ اسی شرح مھذب میں نووی نے یزید بن رومان کی بیس والی روایت کو منقطع قرار دیا ہے جیسا کہ درج بالا عبارت گذری۔ مولوی صاحب ان کا یہ فیصلہ قبول کریں گے؟ وھو الرابع

خامساً:...... امام نووی اپنی کتاب المنہاج (صفحہ ۶۵ مع شرح السراج المنہاج للغمراوی) میں فرماتے ہیں کہ "وان الجماعة تسن في التراويح ولا حصر للنفل المطلق "تو ثابت ہوا کہ امام نووی تراویح متعلق کوئی عدد معین اور مسنون نہیں کہتا جس سے واضح ہے کہ امام نووی کے ہاں بیس رکعات سنت نہیں ہیں (اور فائدہ نمبر ۲) میں تاج الدین سبکی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے روایت کی سند کو صحیح نہیں کہا ہے۔

جواب:...... **اولاً**: سبکی کے کلام کو سیوطی رد کرتے ہیں اور المصابیح صفحہ ۱۳ میں کلام سبکی نقل کر کے پھر فرماتے ہیں "هٰكذا ذكره المصنف (السبكى) واستد ل به ورأيت اسناده فى البيهقى لكن فى الموطا وفى مصنف سعيد بن منصور بسند فى غاية الصحة من السائب بن يزيد احدى عشرة ركعة ." یعنی کہ موطا اور سعید بن منصور والی روایت گیارہ رکعات متعلق اس سے کئی گنا زیادہ صحیح ہے اور قاعدہ ہے کہ تعارض کے وقت اصح روایت راجح ہوتی ہے۔

ثانیاً:...... سبکی کا پورا کلام مصابیح صفحہ ۱۳ تا ۱۵۔ میں ذکر کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ "الذى جمع عليه الناس عمر بن الخطاب احب الیٰ وهو احدیٰ عشرة ركعة " گویا کہ سبکی کے اپنے کلام میں تعارض ہے۔ ایک طرف امیر عمر سے بیس رکعات نقل کرتے ہیں تو دوسری جانب نقل کرتے ہیں کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو گیارہ رکعات پر جمع کیا۔ اس سے قبل امام مالک کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔ وھی صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ ۔ یعنی وہ گیارہ رکعات نماز رسول ﷺ تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ امیر عمر کی گیارہ والی روایت کو عمل نبوی کی تائید حاصل ہے۔ لہٰذا یہ راجح تصور ہوگی۔ وھو الثالث

رابعاً:...... سبکی کی اسی عبارت میں یہ الفاظ بھی ہیں "ورايت فى كتاب سعيد بن منصور آثار فى صلوٰة عشرين ركعة وست وثلاثين ركعة لٰكنها ما بعد زمان عمر بن الخطاب" یعنی عصر امیر عمر کے بعد بیس کا ثبوت کہتا ہے نہ کہ ان کے زمانہ میں۔ معلوم ہوا کہ خود سبکی کا اسی روایت پر مکمل اعتماد نہیں ہے۔ جو مولوی صاحب نے نقل کی ہے۔

خامساً:...... اسی عبارت میں یہ الفاظ ہیں کہ "فانه (سعيد بن منصور) رواها كما رواها مالك عن عبدالعزيز بن محمد عن محمد بن يوسف شيخ مالك فقد تظافر و مالك

وعبدالعزیز انه راوردی علی روایتها . " یعنی عبدالعزیز دراوردی نے بھی امام مالک کی متابعت کی ہے کہ اسی کے استاذ محمد بن یوسف مقدار رکعات گیارہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی روایت سنن سعید بن منصور میں ہے۔ یہاں تو سبکی گیارہ والی روایت کو ترجیح دے رہے ہیں۔

سادساً:......سبکی کا یہ قول کہ ہمارا مذہب بیس رکعات ہے اور خود اس سے فرار اختیار کر رہے ہیں۔ ان کی عبارت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "الا ان هذا امر یسهل الخلاف فیه فان ذالك من النوافل من شاء اقل ومن شاء اکثر " ثابت ہوا کہ سبکی خود بھی تراویح متعلق کوئی معین عدد اختیار نہیں کرتے۔ لہٰذا بیس کا عدد بھی قائم نہ رہا۔

الغرض:......خود کتاب شرح المنهاج جس سے مولوی صاحب نے بڑی امیدیں لگائے عبارت نقل کی اس نے بھی مولوی صاحب کی امید کو افسوس اور نا امیدی میں بدل دیا۔

فائدہ نمبر ۲ :...... میں رسالہ تراویح کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "اسی روایت کو حافظ ابن عبدالبر اور شاہ عبدالعزیز صحیح کہتے ہیں۔"

الجواب:...... **اولاً**: رسالہ تراویح میں نہ ابن عبدالبر کی کتاب کا ذکر ہے نہ شاہ عبدالعزیز کی کسی کتاب کا ہی ذکر ہے بلکہ حافظ ابن عبدالبر کی کتاب الاستذکار ہمارے سامنے موجود ہے اس میں بیہقی والی اس روایت کا بیان ہی نہیں لیکن شاہ عبدالعزیز کی فتاویٰ العزیزیہ میں بیان شدہ ہے لیکن جب تحقیق سے ثابت ہوا کہ یہ سند صحیح نہیں ہے بلکہ کئی وجوہات کی بنا پر شاذ اور غیر محفوظ ہے تو پھر اسے صحیح کہنا غلط ہوگا۔ مولوی صاحب بار بار تقلید کا نام ہی لیے جارہا ہے مگر ناظرین نے دیکھا کہ ہم نے اس روایت کو دلائل سے شاذ اور غیر صحیح ثابت کیا ہے اور مولوی صاحب صرف ایک دو قول نقل کر کے اس روایت کو درست تصور کر رہے ہیں۔

اب قارئین انصاف کریں کہ تقلید کے مرض میں مبتلا کون ہے؟

چوتھے قاعدہ میں لکھتے ہیں کہ "اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح پڑھیں جاتی تھی

اولاً:...... یہ بھی مولوی صاحب کی انتہاء درجہ کی بے علمی اور کم فہمی ہے کہ امیر عثمان کی طرف ایسی جھوٹی نسبت کی ہے کہ اسکے زمانہ میں بیس رکعات پڑھی جاتی تھی کیونکہ یہ الفاظ اس روایت میں قطعاً نہیں ہیں کہ کوئی شخص قرن امیر عثمان میں بیس رکعات پڑھتا تھا یہ روایت دو حصوں میں منقسم ہے پہلے حصے کا ترجمہ مولوی صاحب کچھ اس انداز سے لکھتے ہیں کہ "لوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رمضان المبارک کے ماہ میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے" حصہ ثانی کا ترجمہ اسطرح رقم کرتے ہیں" اور حضرت

عثمان کے دورِ خلافت میں (قرآن کریم کی قرأت میں اضافہ کیا گیا) یہ سورتیں (تراویح میں) پڑھتے تھے جس میں سو سے زیادہ آیات ہوتی تھیں اور بکثرت قیام لاٹھیوں پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے"

ناظرین:...... انصاف کریں اور مولوی صاحب کا یہ ترجمہ بار بار پڑھیں اور اوروں کو پڑھائیں پھر دیکھیں کہ اس روایت میں قرن عثمان کی طرف بیس رکعات تراویح کی نسبت ہے؟ ہرگز نہیں !!! بلکہ انکے زمانہ کی طرف صرف طوالت قرات کرنے اور طویل قیام سبب لاٹھیوں پر ٹیک لگانے کا بیان ہے اور مقدار بیس کی نسبت صرف قرن امیر عمر کی طرف کی گئی ہے تعجب ہے کہ صحیح اور صریح روایت امیر عمر کے بمقابل ضعیف اور شاذ روایت پیش کرتے ہیں پھر ترجمہ بھی خود کرتے ہیں۔

پھر اس سے غلط مطلب بھی خود ہی لیتے ہیں عربی عبارت میں یہ الفاظ ہیں ہی نہیں جن سے تصور کیا جائے کہ عصر امیر عثمان میں بھی بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں کیونکہ عبارت اس طرح ہے "قال کانو یقرؤن بالمئین وکانو یتوکؤن علی عصیهم فی عهد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدة القیام."

اولاً:...... قال کہنے سے دوسرا جملہ ہوا اور بیان ہی دوسری بات کا ہوا۔

ثانیاً:...... فی عصر عثمان جار مجرور متعلق کانوا یقراؤن" سے ہے لہٰذا یہ دوسری بات ہے۔ اس میں عدد رکعات کا بیان نہیں ہے۔ ایضاً گر مولوی صاحب کا ترجمہ درست ہے تو ان کا یہ استدلال غلط اور اگر استدلال صحیح ہے تو ترجمہ غلط۔

دن غلط رات غلط صبح غلط شام غلط
یہاں تو غضب ہے کہ آپ کا سب کام غلط

اس کے بعد مولوی صاحب ایک اعتراض نقل کرتے ہیں "سائب بن یزید کی ایک روایت میں آتا ہے کہ عہد سیّدنا عمر میں حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما نے آٹھ رکعات پڑھائی ہیں" اور اس اعتراض کرنے والے کو اصل حدیث سے نا آشنا کہتا ہے۔

ناظرین:...... یہ اعتراض نہایت ہی مضبوط ہے۔

اولاً:...... یہ روایت بالکل صحیح ہے اسکے مقابلے میں کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے جیسا کہ تفصیل سے بیان ہوا۔

ثانیاً:...... گیارہ والی روایت کو مرفوع حدیث کی تائید حاصل ہے

ثالثاً:...... اصول حدیث سے انکی نا آشنائی اور عاری ہونا کہا جائے گا کیونکہ ایک جانب درج بالا میں خود قبول کر آئے ہیں کہ تین کتب موطا مالک، صحیح بخاری، اور صحیح مسلم اعلیٰ ہیں اور یہ تینوں گیارہ والی حدیث کے

نقل کرنے پر متفق ہیں پھر ان کے مقابلہ میں دوسری روایت کس طرح آ سکتی ہے؟ انتہا درجہ کی ناواقفیت اور جہالت تو یہ ہے کہ ضعیف روایت کے مقابلہ میں صحیح روایت کے پیش کرنے کو اصول حدیث کا ناواقف کہتا ہے بلکہ بڑا نااہل تو وہ ہے جو صحیح کے مقابلہ میں ضعیف کو پیش کرے۔ وھو الرابع

بھرحال اعتراض کے جواب میں جو مولوی صاحب نے لکھا ہے اسکی تفتیش کی گئی ہے۔

صفحہ ۱۸۱:...... عنوان قائم کرتے ہیں کہ (پانچ جواب ہیں) پہلا جواب اسطرح تحریر کرتے ہیں کہ درج بالا پانچ صحیح روایات سے ثابت ہو چکا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔''

جواب: ...... **اولاً:** یہ سفید جھوٹ اور ظاہری کذب ہے درج بالا میں تفصیل سے ثابت کیا گیا کہ یہ تمام روایات ضعیف اور مھمل ہیں لہٰذا صحیح کے مقابلہ میں مردود شمار ہونگیں وھو الثانی۔

ثالثاً: ...... جو گیارہ والی روایت موطا میں ہے اس پر مولوی صاحب نے کوئی جرح نہیں کی جسکا مطلب کہ دونوں اطراف کا اسکی صحت پر اتفاق ہے اور انکی اپنی روایات میں اختلاف ہے ہم انہیں ضعیف کہتے ہیں اور ثابت کر آئے ہیں اور انکے کئی احناف بھی انہیں ضعیف تسلیم کر چکے ہیں جیسا کہ درج بالا میں گزرا پھر اگر اس کے ہوتے ہوئے بھی ان روایات کو درست ماننا ہے تب بھی لغایۃ اتنا ہوگا کہ ہم میں اور مولوی صاحب کے مابین ان روایات کی صحت میں اختلاف ہے پھر مختلف فیہ شی کو۔ بالاتفاق کے مقابلہ میں پیش کرنا علیت نہیں ہے بلکہ انہیں کا شعر انہیں پر صادق ہوا کہ

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

رابعاً: ...... ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے تب بھی لغایۃ ایک ابی بن کعب کا عمل ہوگا اور گیارہ والی روایت جس کی صحت پر مولوی صاحب کو بھی اعتراض نہیں ہے اس میں ابی بن کعب اور تمیم داری اور صحابہ کا تذکرہ ہے ثابت ہوا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے وہ روایات ایک دوسرے کہ معارض ہیں۔ لہٰذا معتبر وہ ہوگی جس میں انہیں صحابہ کا عمل شامل ہو لہٰذا یہ پانچ ہی روایات سائب بن یزید کی گیارہ والی روایت کے مقابلہ کی نہیں ہے۔

خامساً: ...... سائب کی گیارہ والی روایت میں یہ واضح ہے کہ یہ کام حکم امیر عمر رضی اللہ عنہ سے کیا گیا اور مولوی صاحب کی پانچوں روایات میں سے کسی میں بھی ایسا تذکرہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان روایات کو اسکے مقابلہ میں پیش کرنے کا مولوی صاحب کو کوئی حق نہیں ہے۔

سادساً: ...... تمام باتوں سے اعراض کیا جائے تب بھی اتنا ہی ہوگا کہ صحابہ ابی بن کعب اور تمیم

داری کے درمیان مختلف فیہ رہا اور تعارض کی سورت میں ہمیں بجانب مرفوع لوٹنے کا حکم ہے ﴿فان تنازعتم في شيء فردوه الى الله والرسول﴾ لٰہذا یہ سائب کی گیارہ والی روایت قابل عمل ہوگی نہ کہ مولوی صاحب کی پیش کردہ روایت۔

یہ تمام باتیں اسی بنا پر ہیں کہ ان پانچ روایات کی صحت میں کوئی بھی کلام نہ ہو حالانکہ ہم وضاحت سے دلائل پیش کر کے انہیں ضعیف ثابت کر چکے ہیں۔ ولله الحمد

اور دوسرا جواب اسطرح رقم کرتے ہیں کہ اصول حدیث کا قانون ہے کہ کسی بھی شی کو ایک وقت بیان نہ کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ غیر بیان شدہ چیز کا وجود ہی نہیں ہے'' الخ

الجواب: اولاً: ...... الحمد للہ مولوی صاحب نے آٹھ کا وجود تسلیم تو کیا بیس رکعات متعلق ثبوت ان کے ذمہ باقی ہے۔ جو روایات لائے ہیں۔ وہ تمام ضعیف اور ناکارہ ہیں۔ لٰہذا یہ جواب واپس انہیں کی جیب کی طرف لوٹے گا۔

یہ گنبد کی صدا جیسی کہی ویسی سنی

ثانیاً: ...... جب ثبوت آٹھ رکعات کا ہے اور بیس کے لیے کوئی بھی صحیح روایت نہیں۔ لٰہذا جس عمل کا ثبوت نہیں وہ شریعت میں منفی حیثیت رکھتا ہے اسی لیے تو آپ کے فقہاء نے انکار کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیس رکعات نہیں پڑھی ہیں۔ جیسا کہ درج بالا میں طحاوی اور دوسروں سے نقل کیا گیا۔ مولوی صاحب اس طرح بھی لکھتے ہیں کہ'' قابل عمل وہ ہوگی جس میں کثیر عدد کا ذکر ہوگا الخ''

الجواب: اولاً: ...... پھر زیادہ تعداد بھی کسی دلیل سے تو ثابت ہو مولوی صاحب کا اپنا فرمان تو کسی دلیل کی حیثیت نہیں رکھتا۔

ثانیاً: ......اگر چہ اس طرح ہے تو پھر وتر تین رکعات تک محدود کیوں قرار دیتے ہو۔ جن روایات میں تین سے زائد پانچ، سات، نو یا اس سے زائد رکعات وتر کا بیان وارد ہے اس پر عمل کیوں نہیں کرتے آپ ہی کے فیصلہ کا مطابق زائد تعداد والی روایت ہی قابل عمل ہوگی۔

دام گیسو میں پھنسا دل پاؤں میں زنجیر ہے
وہ تمہارا خواب تھا یہ خواب کی تعبیر ہے۔

لکھتے ہیں کہ'' کسی صحابی سے بیس رکعات سے زائد تعداد کا بیان ہوتا تو اس کو بھی تسلیم کیا جاتا لیکن ثبوت نہیں ہے۔''

جواب: اولاً: ......ہم بھی ایسے ہی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے آٹھ سے زائد کا ثبوت ہوتا تو قبول

کرتے لیکن زیادہ ثبوت نہیں ہے۔

ثانیاً:......مولوی صاحب کی روایات میں یہ الفاظ تھے "کان یقومون فی رمضان عشرین رکعة" بلکہ اس میں کسی صحابی کا بیان نہیں صرف عہد فاروقی کا بیان ہے۔ اس زمانہ میں غیر صحابی مراد لے رہا ہے تو پھر کچھ اثر قیام اللیل صفحہ ۱۵۸ پر مذکور ہیں۔ چنانچہ امام نافع معروف تابعی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "لم ادرك الناس الا وهم يصلون تسعاً وثلاثين ركعة ويوترون منها بخمس" پھر مولوی صاحب یہاں بھی صحابہ کا عمل تصور کر کے دونوں روایات مطابق چھتیس (۳۶) رکعات تراویح پڑھیں اور گر کہیگا کہ اس میں صحابہ کا بیان نہیں تو اس کا جواب ہے کے ناقل تابعی ہے اور گر کہے گا کہ ناقل کوئی بھی ہو۔ لیکن لفظ الناس ہے۔ جو صحابی کے لیے یقینی نہیں ہے بلکہ صحابی وغیر صحابی کے لیے محتمل ہے تو ہمارا بھی یہ اعتراض ہے کہ مولوی صاحب والی روایت میں بھی لفظ الناس ہے۔ کسی صحابی کی تصریح نہیں۔ اب مولوی صاحب دو باتوں کے درمیان ہے یا تو اس بیس والی روایت سے ہاتھ اٹھائے یا بیس سے زائد چھتیس کا قائل ہو۔ کیونکہ ان کے قاعدے کے مطابق ثبوت موجود ہے۔ دونوں صورتوں میں اپنے ہی مذہب کا کام تمام کریگا۔ پہلی صورت میں اپنے مذہب کی دلیل سے ہاتھ اٹھائے گا اور دوسری صورت میں اپنے مذہب مطابق بیس سے زائد پڑھ کر مکروہ کام کا مرتکب ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۱۵ ج ا۔ میں ہے "فصل فی التراویح وهی خمس ترویحات کل ترویحة اربع رکعات بتسلیمتین کذا فی السراجیة ولو زادعلی خمس ترویحات بالجماعة یکره عندنا کذا فی الخلاصة۔"

جواب ثالث میں رقم کرتے ہیں کہ "اصول حدیث کا یہ بھی قانون ہے کہ دو روایات میں سے جس میں زیادتی کا ثبوت ہے وہ ہی مقبول ہے اور وہی قابل اعتماد ہے (شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۴۰) تو یہاں بھی بیس رکعات کی زیادتی وہی سائب بن یزید بتلا رہے ہیں پھر یہ قاعدہ کے مطابق قبول کرنی ہوگی۔

جواب:......**اولاً:** اصول حدیث میں ثقہ کی زیادتی قبول کرنے کا مسئلہ ہے مگر شرط یہ ہے کہ نقل کرنے والا ایسا ثقہ اور معتبر ہو۔ لیکن یہاں ایسا ثقہ نہیں ہے۔ کیونکہ ابن خصیفہ اور محمد بن یوسف دونوں سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں۔ مگر طبقہ سائب بن یزید میں ابن خصیفہ نہیں ہے لہٰذا ایسی زیادتی قبول کرنے میں بڑا تامل ہے۔ بلکہ یہ ثابت ہوا کہ ابن خصیفہ ثقات کے خلاف روایت کرنے میں منفرد ہوتا ہے۔ اسی لیے امام احمد نے انہیں منکر الحدیث کہا ہے۔ جیسا کہ درج بالا میں لکھا گیا ہے۔ ایسے راوی کی زیادتی قابل قبول نہ ہوگی۔ وهو الثانی

ثالثاً:...... زیادتی قبول کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ اصل روایت کے منافی نہ ہو۔ جیسا کہ شرح نخبۃ الفکر

میں بیان ہوا ہے اور اس مقام پر صراحتاً منافات موجود ہیں۔ کیونکہ محمد بن یوسف سائب بن یزید سے گیارہ رکعات نقل کرتے ہیں اور ابن خصیفہ ان سے بیس رکعات نقل کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ گیارہ سے بیس اور گیارہ نہیں کہا۔ لہٰذا دونوں باتیں ایک دوسرے کے منافی ہیں لہٰذا یہاں ثقہ کی زیادتی قبول کرنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ شاذ اور محفوظ کا بحث ہے چونکہ محمد بن یوسف ابن خصیفہ، سے زیادہ ثقہ ہے۔ لہٰذا ان کی روایت محفوظ اور ابن خصیفہ کی شاذ کہی جائے گی۔ وھوالرابع

خامساً: ...... یہی سوال وتر کے متعلق ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وتر متعلق تین سے زائد رکعات کے لیے صحیح اور مرفوع احادیث موجود ہیں پھر مولوی صاحب یہاں اس قانون کو کیوں نہیں نافذ کرتے؟ چوتھے جواب میں لکھتے ہیں کہ مولانا محمد عمر کے حاشیہ مشکوٰۃ سے نقل کرتے ہیں کہ ثقہ راویوں کی زیادتی بالاتفاق قبول ہے لہٰذا یہاں لکھتے ہیں کہ یہاں بیس کی زیادتی قبول ہے۔

جواب: اولاً: ...... بیان ہو چکا ہے کہ یہ ثقہ کی زیادتی متعلق نہیں ہے بلکہ شاذ اور محفوظ کا مقام ہے۔

ثانیاً: ...... مولانا محمد عمر کے مسئلہ کی نوعیت اور اس مسئلہ کی نوعیت میں تفاوت ہے۔ کیونکہ مولانا صاحب نے اثبات رفع الیدین والی روایت کو صحیح اور نفی والی روایت کو ضعیف ثابت کیا ہے اور حقیقت بھی ایسے ہی ہے۔ جیسا کہ درج بالا میں تفصیل سے بیان ہوا یہاں آٹھ رکعات والی حدیث صحیح اور بیس والی ضعیف پھر صحیح سے ضعیف پر زیادتی کی جاسکتی ہے لیکن اس کے برعکس ضعیف پر صحیح کی زیادتی کرنا بھی کوئی دانشمندی ہے؟ مولوی صاحب نے اعتراض کیا لیکن کر کے نہ سمجھے۔

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا
مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

ثالثاً: ...... اگر زیادتی کہی جائے تب بھی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اصل روایت کے منافی ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

رابعاً: ...... ان کا یہ کہنا غیر مفید ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ صرف سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو لازم نہیں ہے کیونکہ یہاں شذوذ موجود ہیں۔

صفحہ ۱۸۲: ...... پانچویں جواب میں ہمارے رسالہ ضرب الیدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "من عرف الشیی حجة علی من لم یعرف ...... الخ"

جواب: اولاً: ...... یہ تب ہو جب بیس والی روایت میں کوئی بھی ایک روایت صحیح یا حسن ہو۔ جب کوئی بھی ثابت نہیں ہوتی اور تمام درجہ قبولیت سے گری ہوئی ہیں تو پھر یہاں معرفت وعدم معرفت کا مسئلہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

ثانیا: ...... یہاں اسی قانون کے استعمال کرنے کا موقعہ محل نہیں ہے۔ کیونکہ ایک شخص متعلق دو شخص مختلف بات کریں۔ ایک کہتا ہے کہ گیارہ پڑھائیں دوسرا کہتا ہے کہ بیس پڑھائیں۔ اس صورت میں معرفت وعدم معرفت کا مسئلہ نہ ہوگا۔ کیونکہ نقل اس بات پر دال ہے کہ دونوں ایک شخص سے نقل کرتے ہیں۔ اس میں کسی سننے والے کی غیر موجودگی کا تو سوال ہی نہیں رہتا۔ کہ کہا جائے کہ فلاں نے سنا اور فلاں نے نہ سنا اور سننے والے کو جانکاری ہے اور معرفت والے کی بات غیر معرفت والے پر حجت ہے یہاں اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ یہاں دونوں نقل میں اختلاف کرتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ گیارہ پڑھنے کا حکم ہوا اور دوسرا کہتا ہے کہ بیس پڑھیں اور کسی لمحے کہتے ہیں خیال کرتا ہوں کہ بیس پڑھیں یہ نقل میں اختلاف ہے۔ لہٰذا نقل اسی کا معتبر تصور ہوگا۔ جو زیادہ ثقہ اور پختہ راوی ہو۔

پھر لکھتے ہیں کہ ''بیس رکعات کی روایات کے دس پندرہ راوی حسن بصری سے اخذ کر کے حضرت سائب بن یزید صحابی تک اسے جانتے ہیں۔''

جواب: ...... **اولاً:** ...... یہاں تو مولوی صاحب نے ہاتھ باندھ کر جھوٹ بولا ہے مجموعی روایات پانچ نقل کی ہیں اور دس، پندرہ راوی کیسے ہوئے؟

قارئین: ...... کے سامنے مولوی صاحب کی غلط بیانی ظاہر ہوگئی۔

آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ گیا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ گیا۔

ناظرین: ...... مولوی نے جو پانچ روایات نقل کی ہیں جن میں چار تو وہ ہیں جو بیان شدہ واقعہ تک پہنچتی ہی نہیں ہیں پہلے میں حسن بصری جو عہد امیر عمر کے بعد کے ہیں دوسرے میں یحییٰ بن سعید بھی عہد امیر عمر کے نہیں ہیں۔ تیسرے میں عبدالعزیز بن رفیع اس کا ابی بن کعب سے سماع ہی نہیں اور چوتھے میں یزید بن رومان جو قرن امیر عمر کے نہیں ہیں بلکہ بعد کے ہیں۔ پھر انہیں معرفت کس طرح حاصل ہوئی؟ جانکاری تو سائب بن یزید کو کہی جائے گی۔ جو قرن رسول ﷺ کا ہے یقیناً امیر عمر کے زمانہ کو دیکھ چکے ہیں۔ وہ ان سے گیارہ رکعات کا حکم نقل کرتے ہیں اور ان چار نے یہ زمانہ نہ دیکھا لہٰذا اسی قانون (من عرف الشی حجه علی من لم یعرفه) تو برعکس ثابت ہوا کہ سائب بن یزید کا نقل معرفت پر مبنی ہے لہٰذا وہ ان چار کی نقل پر مقدم ہے کیونکہ ان کا نقل معرفت پر مبنی ہے۔ وھو الثانی

وثالثا: ...... بقیہ جو روایت سائب بن یزید سے نقل کی ہے اس کا ناقل گیارہ والی روایت کے ناقل سے پختگی وفقاہت کے درجہ میں کم ہے۔ لہٰذا شاذ ثابت ہوئی۔ یہ تھے مولوی صاحب کے جواب جن کی حقیقت

پیش کی گئی۔

خلاصہ کلام:...... امیر عمر رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعات متعلق صریح اور صحیح روایات میں ثبوت موجود ہے اور آپ نے گیارہ ہی پڑھنے کا حکم فرمایا اور ان کے زمانے میں ان پر کسی نے بھی اعتراض وارد نہ کیا کہ بیس سے گیارہ کس طرح ہوئیں؟ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ انہیں کہ زمانہ میں صحابی خواہ دوسرے گیارہ رکعات پڑھتے رہے اور یہ امیر المومنین کا گیارہ متعلق حکم یا اس مقدار پر مسلمانوں کو جمع کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسنون عدد کے عین موافق تھا۔ جب کہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ پڑھیں تو عہد صدیقی میں ابو بکر اور دوسرے صحابہ نے بھی یقیناً اتنی ہی پڑھی ہیں اور کبھی صحابہ نے اس متعلق اختلاف نہ کیا مولوی صاحب نے اس متعلق جو ہاتھ پیر مارے ہیں ان میں سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ واللہ یرید ان یحق الحق بکلماته.

صفحہ ۱۸۳:...... یہ عنوان قائم کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دوِر خلافت اور بیس رکعات تراویح''

اولاً:...... ہم درج بالا میں ثابت کر آئے ہیں کہ کسی بھی صحابی سے بیس کا ثبوت نہیں ہے۔

ثانیاً:...... امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کا گیارہ کے متعلق حکم دینا اور اس حکم مطابق ان کے دور خلافت میں تراویح کا ادا ہونا خود ہی اسی عنوان کو جھوٹا اور باطل بناتا ہے۔ کیونکہ اس وقت بھی علی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اس نے اس پر کوئی اعتراض کیا؟ یا کہا کہ سنت بیس رکعات ہیں۔ گیارہ کیوں پڑھتے ہو؟ یا ان سے الگ ہوکر خود بیس رکعات پڑھیں ان سوالات کے جوابات علاوہ نفی کے کوئی بھی نہیں ہیں اور نہ ہی مولوی صاحب کے ہاں ایسا ثبوت ہے اور نہ ہی قیامت تک پیش کر سکتے ہیں پھر یقیناً ثابت ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ بھی گیارہ رکعات کے قائلین وعاملین میں سے ہیں۔ وھو الثالث

بہر حال اس عنوان کی مولوی صاحب سے تین روایات نقل کی ہیں ہر ایک کی الگ الگ حقیقت پیش نظر رکھی جاتی ہے۔ پہلی روایت عمدۃ القاری کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔ اور ترجمہ کرتے ہیں کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص (قاری) کو حکم فرمایا کہ انہیں بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات والی روایتوں کی اسنادی حیثیت

جواب:...... یہ روایت ضعیف اور منقطع ہے۔

اولاً:...... اس میں راوی ابو الحسناء ہے جو علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں یہ مجہول ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی میزان صفحہ ۳۵۴ ج ۳۔ میں اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''لا یعرف'' اور المغنی صفحہ ۷۸۰ ج ۲۔ میں فرماتے ہیں

کہ "قال ابن الخراش لا اعرفه" حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں کہ "مجہول" اور آپ کے نیموی حنفی التعلیق الحسن علیٰ آثار السنن صفحہ ۶۰ ج ۲۔ میں راقم ہیں کہ "مدار هذا الاثر علی ابی الحسناء وَهو لا يُعرف" پھر مجہول کی روایت صحیح روایات کے مقابلہ میں نقل کریں گے یا بطور دلیل بنائیں گے۔ مولوی صاحب کو کوئی خوف خدا ہو!!!

ثانیاً: ......اسی ابو الحسناء کا علی رضی اللہ عنہ سے لقاء یا سماع بھی نہیں ملتا۔ کیونکہ تہذیب صفحہ ۴۷، ۵۷ ج ۱۱ میں ہے "ابو الحسناء الكوفی اسمه الحسن ويقال الحسين روى عن الحكم بن عتيبه عن خش عن علی فی الاضحيه" الخ پھر جب ابو الحسناء اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے درمیان دو راویوں کا واسطہ ہے تو پھر ان کی ان سے بلا واسطہ روایت کس طرح متعلق تصور ہوگی۔ بلکہ منقطع تصور ہوگی۔ امام بیہقی سنن الکبریٰ صفحہ ۴۹۷ ج ۲۔ میں یہ روایت لا کر فرماتے ہیں کہ "وفی هٰذا الاسناد ضعف." "مولوی بیچارے کو ضعیف اور منقطع روایات کے علاوہ کوئی ہاتھ ہی نہیں آتی۔ کہتے ہیں کہ

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

پس بیس کا لفظ دیکھ کر پھر چاہے روایت کیسی بھی ہو اور سند مجہول اور ظلمت والی ہو تب بھی خوشی میں آپے سے نکلے جاتے ہیں۔ لیکن الحمد للہ جرح وتعدیل کی کتب موجود ہیں اور مولوی صاحب کے دلائل کی حقیقت واضح ہو رہی ہے۔

اور دوسری روایت بحوالہ بیہقی شتیر بن شکل سے روایت کرتے ہیں کہ یہ حضرت علی کے رفقاء میں سے تھا۔ وہ خود لوگوں کو رمضان میں پانچ تراویح (بیس رکعات) نماز پڑھاتے تھے۔"

جواب: اولاً: یہ روایت بیہقی صفحہ ۴۹۶ ج ۲۔ میں امام بیہقی نے غیر سند کے ذکر کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں "وروينا عن شتير بن شكل وكان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ كان يومهم فی شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث" معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے خود تو بیہقی دیکھی نہیں حالانکہ ان الفاظ سے بیہقی میں روایت نہیں یعنی جن الفاظ سے مولوی صاحب نے نقل کیا ہے اور جس طرح نقل کی ہے وہ بھی غیر سند کے ہماری کتاب الوسیق کا بار بار حوالہ دیتے ہیں کہ اس میں تفصیلاً بیان ہے۔ اسی کی عبارت ہی پیش کرتے ہیں کیونکہ مولوی صاحب نے بھی یہ روایت غالباً مولوی میر محمد ہالائی کی تقلید میں نقل کی ہے ہم نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ دلیل نمبر ۸ بیہقی کے حوالہ سے روایت شتیر کہ "وہ حضرت علی کے اصحاب سے تھا۔ جو بحیثیت امام رمضان میں پانچ ترویحات یعنی بیس رکعات پڑھاتا تھا" اور عربی عبارت اس طرح نقل کی ہے "اخرج البيهقي عن شتير وكان من اصحاب علی انه كان

یومھم فی رمضان فیصلی خمس ترویحات" مگر یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بیہقی میں نہیں بلکہ الفاظ اس طرح ہیں "وروینا عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ انه کان یومھم فی شھر رمضان بعشرین رکعة ویوتر بثلاث" لیکن یہ روایت تو کسی کام کی نہیں ہے کیونکہ بیہقی نے اس کی سند ہی نقل نہیں کی ہے اور سند کے غیر بموجب اصول روایت مردود ہے ذرا اصول حدیث کی کتب کا مطالعہ کر کے پھر ہی روایت نقل کیا کریں اور شتیر بن شکل کوئی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہے اور تابعی کا قول وعمل آپ کے مذہب موجب معتبر نہیں ہے۔ نیز ان روایات میں یہ بھی تو ذکر نہیں کہ یہ کام اس نے حضرت علی کے حکم یا اجازت سے کیا۔ نہ ہی یہ وضاحت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کی خبر بھی تھی۔ ایسی حقانیت کے لیے مولوی صاحب کو دوسری روایات ڈھونڈنی چاہئیں۔ پھر جو روایات ایسے شکوک وشبہات سے عاری نہیں ہیں۔ انہیں صحیح احادیث اور قوی اثر کے مقابلہ میں کرنا آپ جیسے مجتہدین کا ہی کام ہے۔ کسی طرح تو آئی مولوی صاحب کو بات خیال میں؟"

ناظرین:...... غیر سند روایت کو معلق کہا جاتا ہے اور معلق روایت مردود شمار ہوتی ہے۔ جب تک اس کے لیے کوئی صحیح سند نہ ملے شرح نخبہ صفحہ ۳۸ میں ہے "ثم المردود موجب الرد واما ان یکون لسقط من اسناد او طعن فی راو علی اختلاف وجوہ الطعن اعم من ان یکون الامر یرجع الی دیانة الزاوی والی ضبطه فالسقط اما ان یکون من مبادی السند من تصرف مصنف اومن اٰخرہ اي الاسناد بعد التابعی او غیر ذالك فالاول المعلق سواء کان الساقط واحدا ام اکثر." پھر تقدیم میں تحریر کرتے ہیں کہ "وانما ذکر التعلیق فی قسم المردود للجھل بحال المحذوف وقد یحکم بصحته ان عرف بان یحییٰ مسمی من وجه اٰخر فان قال جمیع من احذفه ثقات جاءت مسئلة التعدیل علی الابھام وعند الجمھور لا یقبل حتی یسمی لکن قال ابن الصلاح ھنا ان وقع الحذف فی کتاب التزمت صحته کالبخاری ومسلم فما اتی فیه بالجزم دل علی انه ثبت اسنادہ عندہ وانما حذف لغرض من الاغراض وما اتی فیه بغیر الجزم ففیه مقال وقد اوضحت امثلة ذالك فی النکت علی ابن الصلاح." اسی لیے امام بخاری کی معلق روایات کی اہل علم نے تخریج کر کے اسناد ظاہر کی ہیں مثلاً حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں ان کی تخریج کی ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجر نے بخاری کی معلق روایات کو موصول بنانے کے لیے مستقل کتاب لکھی ہے۔ جو بنام تغلیق التعلیق کے نام سے معروف ہے مولوی صاحب میں اگر جرات ہوتی تو اس روایت کو تخریج نقل کرتے اور جانکاری لیتے کہ

اس کے راوی ثقہ ہیں یا نہیں؟ اور سند متصل ہے یا منقطع اور اس میں شذوذ یا کوئی اور علت تو نہیں ہے۔ لیکن غیر مسند کے نقل پر کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمیں یہ روایت باسند ملی ہے جو پیش نظر کرتے ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۲ ج ۲۔ میں ہے "ثنا وكيع عن سفيان عن ابى اسحاق عن عبدالله بن قيس عن شتيربن شكل انه كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة والوتر" لیکن یہ سند شدید ضعیف اور مہمل ہے کیونکہ قیس بن عبداللہ راوی مجہول ہے خود آپ کا نیموی حنفی آثار السنن کے حاشیہ صفحہ ۶۰ ج ۲۔ میں ابن ابی شیبہ سے یہ روایت لاکر پھر فرماتے ہیں کہ "قلت عبدالله بن قيس لا يدرى من هو تفرد عنه ابو اسحاق" اس طرح حافظ ذہبی میزان صفحہ ۶۶۳ ج ۲۔ میں رقم کرتے ہیں کہ "لا يدرى من هو تفرد عنه ابو اسحاق" اور "ديوان الضعفاء والمتروكين" صفحہ ۱۷۴۔ میں انہیں ذکر فرماتے ہیں کہ "لا يعرف" اور "مغنى فى الضعفا" صفحہ ۳۵۱ ج ۱۔ میں لکھتے ہیں کہ "لا يدرى من هو" اور تقریب میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ "مجہول" پھر مجہول کی روایت یقیناً مردود ہے۔ اب اگر بیہقی والی معلق روایت اسی سند سے ہے جیسا کہ نیموی نے لکھا ہے۔ پھر اس میں مجہول راوی ثابت ہوا اور اگر دوسری کوئی سند ہے تو پھر پوری کی پوری مجہول۔ اس کے علاوہ شتیر بن شکل کوئی صحابی نہیں اور یہ بھی نہیں بیان کرتا کہ یہ بیس رکعات امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے پڑھائیں۔ یا ان کے پڑھنے کی امیر المومنین کو جانکاری ہوئی یا آپ نے اجازت دی پھر مرفوع یا صحیح حدیث کے مقابلہ میں یا صحابہ کے صحیح اثر کے معارضہ میں تابعی کا عمل پیش کرنا خود مولوی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے۔ یہ روایت بھی مولوی صاحب کے کام کی نہ رہی

پھر اس طرح اپنے علم کے پھول کھلاتے ہیں کہ "درج بالا (تین سے پہلی) روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاری کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم ہے اور اس روایت میں امام کا نام ظاہر ہے۔"

قاری چاہے کیسا بھی ہو لیکن دونوں روایات کی سند مجہول لہٰذا مولوی صاحب کی تمام تگ ودو مردود اور نا مقبول ہوئی۔

تیسری روایت بیہقی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ "حضرت ابی عبدالرحمٰن سلمی" تابعی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قارئین کو منگوایا پھر ایک کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائیں اور حضرت علیؓ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔"

الجواب: اولاً:...... یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے اور بیہقی میں اس کی سند اس طرح ہے "اخبرنا ابو الحسن بن الفضل القطان ببغداد انبا محمد بن احمد بن عيسى بن عبدك الرازى ثنا حماد بن شعيب عن عطا بن السائب عن ابى عبدالرحمن السلمى عن على رضی اللہ عنہ قال

دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة قال وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بهم" (بیہقی صفحہ ۲۹۶ ج ۲) اس سند میں دو مقامات پر کلام ہے پہلا حماد بن شعیب میزان صفحہ ۲۷۹ ج ۱۔ میں ہے "ضعفه ابن معین وغیره قال یحییٰ مرة لا یکتب حدیثه وقال (البخاری) فیه نظر وقال (النسائی) ضعیف وقال ابن عدی اکثر حدیثه مما لا یتابعه علیه ومن مناکیر رواه جماعة عن ابی الزبیر عن جابر نهی رسول الله ﷺ ان یدخل الماء الا بشر وقال العقیلی لا ثیابه علیه الا من هو دونه او مثله وقال ابو حاتم لیس بالقوی اور لسان المیزان صفحہ ۳۴۸ ج ۳۔ میں ہے: قال ابو زرعة ضعیف ونقل ابن الجارود عن البخاری انه قال فیه منکرا لحدیث وفی موضع آخر ترکوا حدیثه وقال الساجی فیه ضعف اور امام عقیلی کتاب الضعفاء صفحہ ۳۰۴ ج ۱۰۔ قلمی میں اسے ذکر کرتے ہیں اور ابن معین سے نقل کرتے ہیں کہ "لیس بشی" اور امام ابن حبان کتاب المجروحین صفحہ ۲۵۱ ج ۱۔ میں کہتے ہیں کہ "یقلب الاخبار ویرویها علیٰ غیر جهتها" اور اس کی دو روایتیں نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "لیس اصل" اور امام ابن الجوزی کتاب الضعفاء والواضعین صفحہ ۱۱۵۔ قلمی میں بھی انہیں ذکر کیا ہے اور ابن معین، نسائی اور ابن حبان سے جرح نقل کرتے ہیں کہ امام ذہبی الضعفاء صفحہ ۲۷۔ میں اس کو ذکر کیا ہے اور المغنی صفحہ ۱۸۹ ج ۱۔ میں کہتے ہیں کہ "ضعفوه" پھر اس قسم کے راوی کی روایت لینے کے قابل نہیں ہے بلکہ مغنی کے قول سے ظاہر ہوا کہ سب نے اسے ضعیف کہا ہے اور امام بخاری کا قول کہ "منکر الحدیث" سے واضح ہوا کہ اس کی روایت لینا جائز ہی نہیں۔ جیسا کہ اس قول کا مطلب سیوطی تدریب الراوی صفحہ ۱۲۷۔ میں لکھنوی الرفع والتکمیل صفحہ ۹۵ میں واضح کیا ہے۔ بلکہ امام ابن الہمام التحریر صفحہ ۳۱۷۔ میں امام بخاری کے اسی قول متعلق لکھتے ہیں کہ ایسے شخص کی روایت نہ بطور دلیل معتبر ہے نہ شاہد اور متابعت اور دوسرے مقام پر یہ بھی ہے کہ اس کا استاد عطاء بن سائبہ جس کا اخیر عمر میں حافظہ بدل گیا تھا اور مختلطین میں شمار ہے، چنانچہ میزان صفحہ ۱۹۷ ج ۲ میں ہے: "وتغیر باخره وساء حفظه قال احمد من سمع منه قدیما فهو صحیح ومن سمع منه حدیثا لم یکن بشی وقال یحییٰ لا یحتج به وقال احمد بن ابی خیثمة عن یحییٰ حدیثه ضعیف الاعن شعبة وسفیان وقال یحییٰ بن سعید سمع حماد بن زید عن عطاء بن السائب قیل ان تغیر وقال البخاری احادیث عطاء بن السائب القدیمة صحیحة وقال ابو حاتم محله الصدق قبل ان یختلط وقال النسائی ثقة فی حدیثه القدیمة لکنه تغیر ورواية شعبة والثوری وحماد بن زید عنه جیدة الخ یعنی

ائمۃ حدیث احمد، ابن معین، یحییٰ بن سعید القطان، بخاری، نسائی." سب تصریح کرتے ہیں کہ اس کا آخر میں حافظہ بدل گیا تھا۔ نیز وہیب، ابن عدی، عجلی، حمیدی، ابن حبان، دار قطنی، حاکم، ساجی، عقیلی، ابن المدینی، طبرانی، ابن سعد اور یعقوب بن سفیان ان تمام نے بھی اس طرح کہا ہے (تہذیب صفحہ ۲۰۵ تا ۲۰۷ ج ۷) اس طرح حافظ ابن الصلاح مقدمہ صفحہ ۱۹۵۔ میں اور ابن العجمی الاغتباط صفحہ ۱۸ میں اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں بھی بیان کیا ہے۔ پھر ایسی روایت کس طرح قبول ہوگی جب تک مولوی صاحب یہ ثابت کرے کہ یہ روایت حافظہ بدلنے کے قبل بیان کی ہے۔ بلکہ درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ تین اشخاص شعبہ سفیان ثوری اور حماد بن زید کی احادیث ان سے حافظہ خراب ہونے کے قبل کی ہیں اور دوسروں کی روایات ان سے ضعیف ہیں اور ابن حجر تہذیب صفحہ ۲۰۷ ج ۷۔ میں دو نام اور بیان کرتے ہیں۔ زہیر بن معاویہ اور زائدہ بن قدامہ اور حماد بن سلمہ متعلق اختلاف بتلاتے ہیں بہر حال یہ روایت ان چھ راویوں میں سے کسی سے بھی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ وجہ اس کے ضعیف ہونے کے لیے قوی ہے۔ یہ ہے مولوی صاحب کی اس روایت کا حال۔ خود آپ کا نیموی اس روایت کو تعلیق آثار السنن صفحہ ۵۹ ج ۲۔ میں ضعیف کہتے ہیں۔ چنانچہ روایت لا کر پھر رقم کرتے ہیں کہ "قلت حماد ابن شعیب ضعیف قال الذھبی فی المیزان ضعفہ ابن معین وغیرہ وقال یحییٰ مرۃ لا یکتب حدیثہ وقال البخاری فیہ نظر وقال النسائی ضعیف وقال ابن عدی اکثر احادیثہ مما لا یتابع علیہ انتھیٰ."

الحاصل: ...... مولوی صاحب کی تینوں روایات بیکار ثابت ہوئیں۔ دو مجہول اور تیسری سخت ضعیف۔ لہٰذا مولوی صاحب نے جو تگ و دو کی کہ امیر عمر سے بیس کی رسم ثابت کرے۔ امیر علیؓ سے اس پر عمل ثابت کرے یہ ساری خاک میں مل گئی۔

صفحہ ۱۸۴: ...... یہ عنوان قائم کر کے "صحابہ کرام کی سنت کی اتباع کا حکم اور قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے" اور اس عنوان کے تحت سورۃ النساء کی یہ آیت نقل کرتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

جواب: اولاً: ...... درج بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ کسی بھی صحابی سے بیس کا ثبوت نہ قولاً ثابت ہے اور نہ ہی فعلاً اور نہ ہی تقریراً لہٰذا اس مقام پر اس آیت کا استعمال بے محل اور بے موقع ہے۔

ثانیا: ...... بلکہ ہم نے صحابہ سے آٹھ کا ثبوت واضح اور صحیح روایات سے ثابت کیا، لہٰذا یہ آیت مولوی صاحب پر حجت ثابت ہوئی۔

ثالثا: ...... بالفرض تمام تحقیق سے چشم پوشی کی جائے اور مولوی صاحب کی پیش کردہ روایت صحابہ متعلق کو خواہ

مخواہ بھی صحیح تسلیم کیا جائے تب بھی مولوی صاحب کو فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ پھر یہ مسئلہ صحابہ کے درمیان میں اختلافی رہا اور مولوی صاحب نے مکمل آیت تحریر نہیں کی اور آگے اس طرح ہے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ لہٰذا مرفوع حدیث کی طرف لوٹے گا اور حدیث میں تو بیس کا ثبوت نہیں جیسا کہ احناف کو بھی اعتراف ہے۔ بلکہ حدیث میں صرف آٹھ کا ثبوت ہے۔ مولوی صاحب کی اپنی نقل شدہ آیت نے انھی کا کام تمام کر دیا۔ کیونکہ آیت کے فیصلہ مطابق آٹھ رکعات ثابت ہوئیں نہ کہ بیس۔

رابعاً: ...... خود آپ کے احناف صحابہ کے آثار جو مرفوع احادیث کے معارض ہیں۔ انہیں حجت نہیں تصور کرتے۔ جب ان کے مابین مسئلہ مختلف فیہا ہو۔

فائدہ کا عنوان لکھ کر پھر ابن کثیر سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس سے روایت ہے کہ ''اولی الامر'' سے مراد حضور اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب اور دوسرے وہ مراد ہیں۔ جو فقہ اور دین والے ہیں اور نیز ابن کثیر کے حوالہ سے یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد، حضرت عطاء، حضرت حسن بصری سے اس طرح منقول ہے۔

الجواب: اولاً: ...... ابن کثیر کی عبارت اس طرح ہے: "وقال علی بن ابی طلحة عن ابن عباس (واولی الامر منکم) یعنی اھل الفقه والدین وکذا قال مجاھد وعطاء والحسن البصری وابو العالیة (واولی الامر منکم) یعنی العلماء والظاھر والله اعلم انها عامة فی کل اولی الامر من الامراء والعلماء کما تقدم (ابن کثیر صفحہ ۵۱۸ ج ۱)

اس عبارت میں کوئی ایسا بیان نہیں کہ ابن عباس یا دوسروں نے "اولی الامر" سے مراد صحابی لیا ہو۔ لہٰذا مولوی صاحب کا یہ استدلال غلط ہوا۔

ثانیاً: ...... آیت میں اختلاف وقت قرآن وحدیث کیطرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ جیسا کہ درج بالا میں بیان ہوا۔ لہٰذا اس مقام پر مولوی صاحب کی دلیل کو یہ آیت نقض کرتی ہے۔ پھر تفسیر ابن کثیر سے نقل کرتے ہیں کہ "اولی الامر" سے مراد چار خلفاء اور ابن مسعود ہیں یہاں بھی مولوی صاحب نے دیانت سے کام نہیں لیا ہے۔ امام ابن جریر اپنی کتاب صفحہ ۱۴۷ تا ۱۵۰ ج ۵۔ میں فرماتے ہیں "واختلف اھل التاویل فی اولی الامر الذین امر الله عباده بطاعتھم فی ھٰذه الایة" جس کی معنی کہ ابن جریر خود اختلاف نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا پھر کچھ کا قول نقل کرتے ہیں کہ "وقال بعضھم الامراء" اس متعلق ابوہریرہ، ابن عباس، میمون بن مہران زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اور اسی کی تائید میں ایک

حدیث نقل کرتے ہیں پھر دوسرا قول نقل کرتے ہیں کہ "وقال آخرون هم اهل العلم والفقه" اس متعلق "مجاهد ، عبدالله بن ابی نجیح ، ابن عباس ، عطاء بن السائب حسن بصری" اور ابو العالیہ سے قول نقل کرتے ہیں اور تیسرا قول یہ نقل کرتے ہیں کہ "وقال آخرون هم اصحاب محمد ﷺ" اس کے متعلق مجاہد کا قول نقل کرتے ہیں اور چوتھا قول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "وقال آخرون هم ابو بكر وعمر رضی اللہ عنہما" اس کے متعلق عکرمہ کا قول نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد امام ابن جریر اپنا فیصلہ اس طرح دیتے ہیں کہ "واولى الاقوال فى ذالك بالصواب قول من قال هم الامراء والولاة لصحة الاخبار عن رسول الله ﷺ بالامر بطاعة الائمة والولاة فيما كان طاعة وللمسلمين مصلحة ." یہاں سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ تو ابن جریر کا فیصلہ نہیں ہے۔ جو مولوی صاحب نے لکھا ہے۔ ثانی اس میں مختلف قول ہیں۔

ثالثاً:...... امیر عثمان اور امیر علی اور ابن سعود رضی اللہ عنہم کا بھی مولوی صاحب نے نام لیا ہے مگر ابن جریر نے اس کے متعلق خود کچھ کہا ہے اور نہ دوسروں سے نقل کیا ہے۔ مولوی صاحب کا یہ بھی کلام میں اضافہ ہے۔

رابعاً:...... امام ابن جریر نے درست قول یہ قرار دیا ہے کہ اس سے مراد امراء اور حکام ہیں پھر مولوی صاحب کی امید پوری نہ ہوئی۔ کیونکہ اس صورت میں مسائل سے واسطہ ہی نہ رہا۔

خامساً:...... ان صحابہ کرام سے بیس کا ثبوت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کی کوشش رائیگاں گئی۔ بلکہ امیر عمر سے صریحاً گیارہ کا ثبوت ہے۔ یہی ثبوت رسول اللہ ﷺ سے ملا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا ہے۔ وہ بھی یہی عدد ہے۔ اسی طرح علی اور عثمان رضی اللہ عنہما یہ بھی یقیناً ان کی جماعت میں تھے۔

لہٰذا کسی کی طرف بھی آٹھ سے زائد تراویح کی نسبت کرنا درست نہیں ہے۔ فائدہ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "صحابہ کرام سے زائد دوسرا فقیہ فی الدین کون سا ہوسکتا ہے؟ سبحان الله یہ تو ہمارا اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ سب سے زیادہ وہ فقہ دین میں اقدم ہیں۔ مگر پھر آپ فقہ حنفی اور دوسروں کی فقہ کی اتباع کر رہے ہو؟

سادساً:...... جب ان سے بیس کا ثبوت تو نہیں پھر مولوی صاحب حرج زبانی کیوں کر رہے ہیں؟ بلکہ جب کہ ان سے آٹھ ہی ثابت ہیں تو پھر مولوی صاحب دوسری فقہیں چھوڑ کر ان صحابہ کرام کے طریقہ کو لیں۔ وهو السابع

پھر عنوان قائم کرتے ہیں کہ "صحابہ کرام کی سنت کی مخالفت کے لیے جہنم کی وعید قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾

(النساء: ۱۱۵)"

جواب: ...... قرآن میں سنت صحابہ کا بیان کہیں بھی نہیں یہ مولوی صاحب کا اپنا بڑھایا ہوا لفظ ہے۔ اس کے علاوہ جو آیت لکھی ہے اس میں بھی لفظ سبیل المومنین ہے۔ یعنی مسلمانوں کی راہ یہ ایک ہی راہ ہے یعنی ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ایک رسول اللہ ﷺ کی اطاعت۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام مومنین میں صحابہ افضل اور اکمل ہیں۔ لیکن مولوی صاحب کو اس سے کیا فائدہ؟ کیونکہ صحابہ کرام سے آٹھ کا ثبوت ہے۔ بیس کا ثبوت ہی نہیں۔ چنانچہ خود ترجمہ یہ لکھتے ہیں "جو شخص حضور اکرم ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ اس کے بعد کہ ان پر کلام حق ظاہر ہو چکا اور مومنین کا راستہ ترک کر کے دوسرا طریقہ استعمال کرے گا۔ ہم انہیں حق بجانب کریں گے جسے اس نے اپنا بنایا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بدترین جگہ ہے۔"

ناظرین: ...... آیت پر غور کریں تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر تنبیہ ہے۔ پھر مولوی صاحب کو اور مذہب ترک کر دینے چاہئیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ سے صرف آٹھ کا ثبوت ہے نہ کہ بیس کا جیسا کہ خود ان کے کئی احناف نے قبول کیا ہے۔ پھر مولوی صاحب اللہ تعالیٰ کا خوف کریں اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کریں۔ یہی مومن کی شان ہے۔ اس کے سوا مسلمان کی اور کوئی راہ نہیں ہے۔ آیت کیا کہہ رہی ہے اور مولوی صاحب کیا کہہ رہا ہے؟ ایضاً صحابہ میں کتنے ہی مسائل میں اختلاف تھا۔ پھر ایک مسئلہ کے اختلاف کے سبب ان پر سبیل المومنین کی مخالفت کا فتویٰ لگائے گا؟ صحابہ کے بعد اپنے مذاہب اربعہ دیکھو ہر ایک دو تین کی مخالفت کر رہے ہیں۔ پھر انہیں بھی سبیل المومنین پر چلنے والا کہے گا یا اس کے خلاف؟ پہلی صورت میں کس کو تصور کریں گے؟ کہ احناف علی سبیل المومنین ہیں تو بقیہ تین کے خلاف اور اگر کہیں گے کہ شافعی علی سبیل المومنین ہیں تو بقیہ تین اس کے خلاف اور اگر مالکین اور حنابلہ کو علی سبیل المومنین تصور کیا جائے اور اگر کہیں گے چار ہی علی سبیل المومنین ہیں تو پھر ایک دوسرے کے خلاف کیوں؟ مولوی صاحب ان پر بھی فتویٰ لگائے؟ درج بالا میں گذرا کہ امام مالک نے گیارہ رکعات کو اختیار کیا ہے۔ پھر انہیں بھی سبیل المومنین کے خلاف کہیں گے؟ لہٰذا صحابہ سے تو ثابت کیا گیا کہ ان کا عمل آٹھ رکعات پر تھا۔ پھر اور سبیل المومنین کیا ہوگا؟ مولوی صاحب اتنا تو بتائے کہ سبیل المومنین ایک ہے یا دو ہیں تو پھر ایک تو یہ جس کے پیشوا رسول اللہ ﷺ ہیں اور دوسری کس کی جماعت ہے؟ اور اگر ایک ہے اور یقیناً ایک ہی ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی صراط یا صحابہ کرام یا مومنین کی راہ اور ہوگی کیا؟ مولوی صاحب! بتا دے کہ ہوش ٹھکانے آیا یا نہیں؟ حقیقت میں صحابہ کرام اور تمام مسلمین کی قیامت تک ایک ہی راہ ہے جس کا راہ نما اور قائد رسول اللہ ﷺ ہے۔ پھر جو آن کے اسوہ پر ہے وہ ہی علی سبیل المومنین تصور ہوگا۔

ایضاً لفظ سبیل المومنین (ایک مومن کی راہ) نہیں ہے بلکہ لفظ سبیل المومنین (تمام مومنین کی راہ) ہے۔ جس پر رسول اللہ ﷺ تھے اور اسی پر اپنے صحابہ کو رواں دواں چھوڑ گئے، پھر جب ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعات پڑھائیں ہیں نہ کہ بیس جیسا کہ آپ کے احناف نے بھی تصریح کی ہے تو پھر دوسری کون سی جماعت سبیل المومنین ہوگی؟ اور صحابہ کرام بھی سبیل المومنین پر تب تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ آٹھ پڑھتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے تھے۔ یہ اپنے مقام پر ایک زبردست قرینہ ہے تو پھر صحابہ کرام اپنی طرف سے بڑھا کر بیش کس طرح کریں گے؟ یہ بات اور ہے جس مسئلہ متعلق رسول اللہ ﷺ سے کوئی صریح حکم یا عمل صحابہ کرام کو معلوم نہ ہوسکا۔ پھر انہوں نے اجتہاد یا تفقہ سے کام لیا۔ پھر تو یہ حکم ہے کہ "المجتهد قد يخطى ويصيب" مگر ایسی بے ضعفی اور ظلم کس طرح ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ سے صریح ثبوت ہے کہ آپ ﷺ آٹھ پڑھتے تھے اور امیر المومنین حضرت عمر کے زمانہ میں بھی اسی طرح (آٹھ) ہوتی رہیں اور انھی کے حکم سے گیارہ پڑھی جاتی ہیں۔ پھر بھی صحابہ کرام بڑھا کر بیس رکعات کر کے پھر جدید سبیل المومنین بنائیں گے؟ اس قسم کا گمان مسلمان نہیں کر سکتا۔

پھر فائدہ کا عنوان دے کر اس کے تحت تین باتیں رقم کرتے ہیں ایک تو "صحابہ کرام سے زیادہ پختہ ایمان والا سوا حضور اکرم ﷺ کے کوئی بھی نہیں ہے۔"

اولاً:...... اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرام اس امت میں اول المومنین ہیں اور ان کا ایمان بے مثل ہے لیکن آیت میں سبیل المومنین کے الفاظ ہیں نہ کہ سبیل المومنین الاولین۔ لہٰذا معنی حصر نہ ہوئی اور مولوی صاحب کا استدلال اسی پر قائم ہے۔

ثانیاً:...... مولوی صاحب کی عبارت سے ظاہر ہے کہ وہ "المومنین" میں رسول اللہ ﷺ کو بھی شمار کرتے ہیں اور حق بھی یہی ہے "امرت ان اكون من المومنين" پھر تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ جمیع مومنین اولین و آخرین کی سبیل ایک ہی تھی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے آٹھ ہی پڑھی ہیں۔ زیادہ نہیں۔ پھر تو سبیل المومنین تو یہی ہوئی اور تمام مسلمانوں کا مذہب یہی ہوا نہ کہ دوسرا۔ وهو الثالث

رابعاً:...... جب پہلے مومن (صحابہ) جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کو پایا ان کا عمل آٹھ پر رہا بلکہ ان کے خلیفہ نے آٹھ پڑھنے کا حکم دیا تو پھر سب کے لیے سبیل المومنین یہ تصور ہوگی یا کوئی دوسری؟

دوسری بات اس طرح رقم کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تارک اسوہ مومن کو جہنم رسید کریں گے اور یہ برا ٹھکانہ ہے۔"

جواب: اولاً:...... اس کا جواب گزر چکا ہے کہ اسوہ مومنین کونسا ہے۔ صحابہ میں سے کسی سے بھی بیس کا

ثبوت نہیں ہے۔ جن سے ثبوت ملا ہے وہ آٹھ رکعات کا۔ پھر اگر بقول مولوی صاحب اسی ایک مسئلہ میں سبیل المومنین کو دیکھنا ہے تو پھر خود ہی مولوی صاحب دھیان کریں یہ برا ٹھکانہ ہے کن کیلئے۔ آٹھ والوں کے لیے یا بیس والوں کے لیے؟

ثانیاً: ...... اگر بیس والے مولوی صاحب کے ہاں سبیل المومنین پر ہیں تو پھر معاذ اللہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس نے گیارہ کا حکم دیا انہیں جہنمی کہیں گے؟ یا جن صحابہ نے ان کے حکم پر گیارہ گیارہ پڑھیں انہیں بھی جہنمی کہیں گے؟ اور امام مالک نے بھی گیارہ کو پسند کیا ہے انہیں بھی جہنمی کہیں گے؟

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار شد مست

مولوی صاحب! اہل حدیث پر حملہ کرنے سے قبل دھیان کر لیا کروں؟ یہ یلغار کس پر ہوتی ہے؟ کیونکہ انہوں نے اپنا منہج رسول اللہ ﷺ لیا ہے اور اسی پر عمل صحابہ کا رہا ہے تمہیں اہلحدیث کی کیا پہچان؟ اہل حدیث کی جانکاری امام شافعی سے دریافت کریں؟ جو فرماتے ہیں کہ "اذا رایت رجلا من اصحاب الحدیث کانی رایت النبی ﷺ حیا" یا اپنے مذہب کے عظیم رکن امام ابو یوسف سے دریافت کریں جو جماعت اہل حدیث کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ "ما علی الارض خیر منکم الیس قد جئتم او بکر تم تسمعون حدیث رسول اللہ ﷺ تسلیماً" یا امام احمد سے دریافت کریں جو فرماتے ہیں کہ "اھل الحدیث افضل من تکلم فی العلم" یا امام عبداللہ بن المبارک سے دریافت کریں۔ جو فرماتے ہیں کہ "اثبت الناس علی الصراط اصحاب الحدیث" یا امام ابن المدینی سے دریافت کریں جو کہتے ہیں کہ "حدیث "لا تزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خالفھم" کے متعلق فرماتے ہیں "ھم اھل الحدیث" اور امام سفیان ثوری سے دریافت کیا گیا۔ فرماتے ہیں کہ "الملائکہ حراس السماء واصحاب الحدیث حراس الارض" یا امام ابو داؤد طیالسی سے دریافت کرو جو کہتے ہیں کہ "لم لا ھذہ العصابة لا ندرس الاسلام" یعنی اصحاب الحدیث "الذین یکتبون الآثار" یا خلیفہ ہارون الرشید سے دریافت کرو جو کہتے ہیں کہ "وطلبت الحق ووجدت مع اصحاب الحدیث" یا امام قتیبہ بن سعید سے دریافت کرو جو کہتے ہیں کہ "اذا رایت الرجل یحب اھل الحدیث مثل یحییٰ بن سعید القطان وعبدالرحمان ابن مھدی واحمد بن حنبل واسحاق بن راھویہ وذکر قوما آخرین فانہ علی السنة ومن خالف ھذا فاعلم انہ مبتدع" یا امام احمد ابن سنان القطان سے پوچھو تو

فرماتے ہیں کہ لیس فی الدنیا مبتدع الا وھو یبغض اھل الحدیث فاذا ابتدع الرجل نزع حلاوۃ الحدیث من قبلہ ولنعم ما قیل .

دین النبی محمد اخبار
نعم المطیۃ للفتیٰ الاثار
لا تخدعن الحدیث واھلہ
فالرای لیل والحدیث نہار
ولربما غلط الفتی سبل الھدیٰ
والشمس بارغۃ لھا انوار

ان اقوال کے حوالہ جات کے لیے امام خطیب بغدادی کی کتاب شرف اصحاب الحدیث دیکھنی چاہیے۔

صفحہ ۱۸۵:...... تیسری بات یہ کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کو اسوہ حسنہ پسند ہے جن کے لیے فرمایا ہے کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ الخ''

جواب:...... اولاً: پھر تو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ طریقہ آٹھ کا کہا جائے گا کیونکہ ان سے ہی آٹھ کا ثبوت ہے

**ثانیاً:...... اللہ تعالیٰ ان سے راضی اس طرح ہوا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ﴾ (آل عمران) وہی انہوں نے طریقہ اپنایا۔ جب رسول اللہ ﷺ کا عمل آٹھ رکعات ہے پھر صحابہ کا بھی یہی طریقہ کہا جائے گا۔ وھو الثالث

**رابعاً:...... اللہ تعالیٰ سے وہ راضی ہوئے اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسی طریقہ کو اپنے لیے کافی سمجھا۔ جو ان سے رسول اللہ ﷺ نے بتلایا۔

پھر عنوان قائم کرتے ہیں کہ ''صحابہ کی اتباع خود حضور اکرم ﷺ کی اتباع ہے۔''

الجواب: اولاً:...... جس صحابی کا جو عمل رسول اللہ ﷺ کے عمل سے موافق ہو۔ اس میں ان کی تابعداری یقیناً رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے اور جو مرفوع حدیث کے خلاف ہو۔ یہ شرط خود آپ کے احناف نے لگائی ہے۔ جیسا کہ درج بالا میں گذرا ''رئیس الاحناف ابن الہمام کی فتح القدیر صفحہ ۳۲۱ ج ۱۔ سے عبارت نقل کی گئی کہ ''ان اقوال الصحابی حجۃ فیجب تقلید عندنا مالم ینفہ شی آخر من السنۃ الخ'' وھو الثانی

وثالثاً:...... اس مسئلہ (تراویح) میں ان سے آٹھ کا ثبوت ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے یہی ثبوت ہے۔ لہٰذا آٹھ رکعات پڑھنے میں ہی ان کی اتباع ہے نہ کہ بیس میں اور اس عنوان کے تحت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ

کی مشہور حدیث نقل کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ" اور ترجمہ میں مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ "پھر آپ پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع لازم ہے۔ جو ہدایت والے ہیں اور اس سنت کو آپ مضبوطی سے پکڑو اور اپنی داڑھوں کے ساتھ" اب مولوی صاحب خود فیصلہ کریں کہ رسول اللہ ﷺ دو سنتیں کہہ رہے ہیں یا ایک ترجمہ سے ظاہر ہے کہ ایک سنت ہے اور حدیث کے الفاظ میں تو یہی وضاحت ہے یعنی "تمسکوا بھا" اور ضمیر واحد ہے گر دو سنتیں ہوتیں تو وہاں بھی ضمیر تثنیہ کی ہوتی یعنی "بھما" ہوتی نہ کہ "بھا" نیز آپ کا فرمان کہ "وعضوا علیھا" اگر دو تین ہوتیں تو وہاں بھی ضمیر تثنیہ کی ہوتی۔ یعنی علیھما ہوتی۔ تعلیم رسول ﷺ نہایت جامع ہونے کے ساتھ واضح بھی ہے۔ اس لیے آپ نے وضاحت کردی کہ یہ صفت ایک ہے شاید کوئی دو سنتیں تصور کرے اور سنت صحابہ الگ تصور کرے۔ لہٰذا آپ نے اپنے حکم کو واضح کر دیا۔ پھر جب کہ ایک ہی سنت ہے تو پھر دوسری کہاں سے آئی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے آٹھ پڑھی ہیں تو پھر صحابہ نے بیس کس طرح پڑھی ہوں گی۔ خود ابراہیم نخعی کا قول جس کی طرف آپ جلدی لپکتے ہو اور قاضی یوسف کی کتاب الآثار اور امام محمد کی کتاب موطا الآثار "الحجة علی اھل المدینه اور کتاب الاصل وغیرہ" میں اکثر آثار ابراہیم نخعی کے ہوتے ہیں اس کا فرمان آپ کی تسلی کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ "کان یکرہ ان یقال سنة ابی بکر وعمر ولکن سنة الله عزوجل سنة رسوله ﷺ (الاحکام لابن حزم صفحہ ۱۸۸) ایضاً خلفائے راشدین کئی مسائل میں خود مختلف فیہ تھے لہٰذا تینوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔ چوتھی کوئی بھی نہیں الاولیٰ یا کہا جائے کہ سب کی مختلف باتوں کو لیا جائے۔ اس طرح تو بالکل محال ہے کیونکہ اور مختلف اشیاء لینا ناممکن ہے۔ مثلاً ایک صحابی کسی کام کو جائز کہتا ہے اور دوسرا ناجائز کہتا ہے۔ ایک حلال دوسرا حرام کہتا ہے، اس لیے تمام اقوال کا لینا محال ہے۔

الثانیه: ...... یا تو اس طرح کہا جائے کہ بوقت اختلاف جسے جس کا قول پسند آئے وہ لے یہ طریقہ خلاف اسلام ہے۔ کیونکہ اس طرح کوئی حق کا معیار ہی نہ رہا۔ گویا کہ فیصلہ کا حق ہم میں سے ہر ایک کے حوالہ ہے۔ جسے جو بات پسند آئے اسے حق سمجھتا رہے۔ یہ تو عقیدہ کفریہ ہے۔ حالانکہ قرآن تو فرماتا ہے کہ بوقت اختلاف قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء: ۵۹)

الثالثه: ...... یا تو اس طرح کہا جائے کہ یہ صورت مراد ہے جس میں تمام صحابہ متفق ہیں۔ وہی صورت ہوسکتی ہے تو اس مسئلہ میں بیس متعلق اجماع تو ہوا۔ لیکن کسی ایک صحابی سے بھی صحیح سند سے ثابت نہ ہوا۔ جیسا

درج بالا میں گزرا۔ بلکہ صحیح سند سے ثابت ہوا کہ عہد امیر عمر میں ان کے حکم سے گیارہ پڑھیں گئیں اور کسی سے بھی اختلاف منقول نہیں ہے۔ اس صورت میں آٹھ متعلق اجماع صحابہ کی دعویٰ کرنے کا جواز موجود ہے اور اسی طرح سنت خلفاء راشدین پر عمل ہوسکتا ہے۔ ایضاً امر رسول اللہ ﷺ سے سنت خلفاء راشدین کو لیا جائے اس سے کیا مراد ہے؟ یعنی انہیں جو چاہیے وہ اپنی مرضی سے دین میں کام بڑھائیں اور جو چاہیں طریقہ جات اپناتے رہیں؟ اس طرح تو کوئی بھی مسلمان نہیں کہہ سکتا بلکہ مراد یہ ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت مطابق جو عمل کریں اس میں ان کی اقتدا کی جائے کیونکہ اصل اقتدا تو رسول اللہ ﷺ کی ہی لازم ہے اور گر مولوی صاحب کہیں گے کہ کسی کی بات کو بلا دلیل لینا بھی صحیح ہے تو انتہائی غلط ہوگا، کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ان چار خلفاء سے بعض کے اقوال کو رسول اللہ ﷺ نے رد فرمایا چنانچہ ابو بکر صدیق نے ایک خواب کی تعبیر بیان کی۔ پھر کہا کہ فاخبرنی یا رسول اللہ ﷺ بابی انت اصبت ام اخطات قال النبی ﷺ اصبت بعضاً واخطات بعضا. (بخاری صفحہ ۱۰۴۲ ج ۲) امیر عمر نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کو کہا "نحن احق برسول اللہ ﷺ منکم" آپ ﷺ نے اسے رد فرمایا۔ نیز رسول اللہ ﷺ کو عرض کیا کہ آپ کا بچا ہوا پانی کا پیالا ابو بکر کو دیں لیکن آپ نے انکار فرمایا اور فرمایا کہ دائیں جانب والوں کو دیا جائے گا۔ حالانکہ اس طرف اعرابی بیٹھا تھا۔ نیز نماز عشاء پر دیر ہونے کے سبب امیر عمر نے انہیں بلایا آپ نے وہاں بھی انکار کیا کہ "ماکان لکم ان تنذروا رسول اللہ ﷺ" نیز قبلة الصائم کو امیر عمر نے خطا تصور کیا۔ لیکن آپ (ﷺ) نے ان کے خیال کو خطا کہا (الاحکام لابن حزم صفحہ ۸۱۱۔۸۱۲) جس کا مطلب کہ خطا سے معصوم صرف صاحب الوحی ﷺ ہے لہٰذا اسوہ صرف اسی کا ہے۔ دوسرے سب اس کے متبع ہیں۔ خود صحابہ کرام جو کہتے یا کرتے تھے۔ اس کو اس پر محمول کرنا کہ رسول اللہ ﷺ کو انہوں نے دیکھا یا آپ سے سنا ہوگا درست نہیں ہے۔ کیونکہ بعض اوقات بن دیکھے یا غیر سنے اپنے فہم سے بھی کہتے تھے۔ مثلاً مسروق تابعی سے روایت ہے "قال سالت ابن عمر عن نقض الوتر فقال لیس ارویه عن احد انما هو شی اقوله برای (الاحکام لابن حزم صفحہ ۸۱۳) نیز عبداللہ بن مسعود ایک معاملہ متعلق فیصلہ فرماتے ہیں کہ "فان یك صوابا فمن الله وان یك خطا فمنی ومن الشیطٰن والله ورسوله بریئان" (ابوداود صفحہ ۲۸۸) ثابت ہوا کہ غیر حدیث معلوم ہونے کے اپنی سمجھ کے مطابق فیصلہ دیا۔ (نیز ابو موسیٰ اشعری نے ورثہ متعلق ایک فیصلہ دیا اور جب ابن مسعود کو خبر ہوئی تب کہا کہ "لقد ضللت اذن وما انا من المهتدین اقضی فیها بما قضی النبی ﷺ (مشکوٰۃ کتاب الفرائض الفصل الثانی بحوالہ بخاری) معلوم ہوا کہ ابو

موسیٰ اشعری جلیل القدر صحابی تھا۔ لیکن ان کا یہ فیصلہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے خلاف ہے اور ابن مسعود اسے ضال کہہ رہا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے کئی فیصلہ جات کو ردّ فرمایا، مثلاً: ابو السنابل ایک عورت کے لیے جو حاملہ تھیں اور اس کا شوہر فوت ہو گیا اس کے لیے فتویٰ دیا کہ اس کی عدت بعد الاجلین ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ستر ہزار میری امت کے افراد جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے چہرے بدر اللیل کی مانند چمک رہے ہوں گے۔ پھر کسی صحابی نے کہا کہ اس سے مراد ہیں جو فطرت اسلام پر پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس قول کو خطا قرار دیا۔ امیر عمر کی موجودگی میں طلحہ نے ارادہ کیا کہ ادھار پر سونے اور چاندی کی ہیر پھیر کا کاروبار کرے لیکن امیر عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرمایا اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کاروبار کو حرام کیا ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ نے ایک قسم کی کھجور کے دو صاع دے کر دوسری قسم کی کھجور کا ایک صاع لے آیا۔ آپ نے اسے رد فرمایا اور اسی بیع کو فسخ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ سود ہے۔ بعض صحابہ باندی بریرہ کو فروخت کرنا چاہتے تھے اور یہ شرط لگائی کہ اس کی ولاء ان کے لیے ہو گی۔ لیکن آپ ﷺ نے اسے باطل قرار دیا۔ عمار بن یاسر جنبی ہوئے۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں اونٹ کی مانند زمین پر لیٹے لیکن آپ نے اسے رد فرمایا کہ تجھے تیمم کافی تھا۔ ایسے امثلہ اور بھی کافی ہیں جو ابن حزم الاحکام صفحہ ۱۱۔ ۸۱۲۔ میں بیان کی ہیں جس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کے تمام فیصلہ جات رسول اللہ ﷺ سے سننے یا دیکھنے پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ان کے تفقہ اور اجتہاد کو بھی دخل ہے۔ ایسی صورت میں معیار قرآن وحدیث ہے اور ان کی اتباع صحیح وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے نقل کریں اسے بلا چوں چرا قبول کیا جائے۔ کیونکہ وہ نقل میں سچے، امین، عدول، صالح اور معتبر ہیں۔

ناظرین:...... خود خلفاء راشدین کے کتنے مسائل ہیں۔ جنہیں احناف خود تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً مسئلہ قضاء بالیمین مع الشاہد یعنی مدعی کے ہاں ایک شاہد ہے۔ دوسرے کے بجائے اس سے قسم لے کر فیصلہ کیا جائے۔ خلفاء اربعہ ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم سے اس قسم کا فیصلہ منقول ہے اور اسی طرح فیصلے کرتے رہے مگر یہ فیصلہ مذہب حنفیہ کے خلاف ہے یہاں سنت خلفاء راشدین کی پرواہ نہیں کرتے۔ (بیہقی صفحہ ۱۷۳ ج ۱۰)

(۲) خلفاء اربعہ نماز فجر تغلیس (اندھیرے) ہی میں پڑھنے کو افضل کہتے ہیں۔ (الاعتبار للحازمی صفحہ ۷۶) مگر احناف کا مذہب اس کے خلاف ہے (۳) خلفاء اربعہ بعد عصر نفل پڑھنے کے قائل تھے (المحلی لابن حزم صفحہ ۵ ج ۳) اور احناف اس کے قائل نہیں ہیں۔ (۴) تین خلفاء عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اشتراط فی الحج کے قائل ہیں۔ (المحلی صفحہ ۱۱۳ ج ۳) مگر احناف قائل نہیں ہیں۔ نیز ابو بکر اور علی رضی اللہ عنہما سجدۂ شکر ادا کرتے تھے۔ (المحلی صفحہ ۱۱۲ ج ۵) مگر احناف کے ہاں یہ سجدہ نہیں۔ وغیرھا من المسائل۔ جس میں احناف خلفاء راشدین کا

کچھ خیال نہیں کرتے۔

پھر فائدہ کے عنوان سے دو باتیں لکھتے ہیں (۱) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس طرح تم پر میری سنت کی تابعداری لازم ہے اسی طرح خلفاء راشدین کی سنت کی تابعداری بھی لازم ہے۔

جواب: ...... یہ لفظ حدیث میں نہیں ہیں۔ بلکہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ ایک ہی سنت ہے دو نہیں ہیں۔ ورنہ کئی مفاسد لازم آئیں گے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

صفحہ ۱۸۶:...... بات میں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے خلفاء راشدین کو ہدایت والا فرمایا۔ الخ

الجواب: اولاً:...... اس وجہ سے کہ وہ حدیث مل جانے کے بعد اپنے فہم اور رائے کو چھوڑ دیتے تھے اور تمہاری طرح خواہ مخواہ تاویلیں کر کے اپنے مذہب کو اوپر نہیں کرتے تھے۔

ثانیاً: ...... جب ثابت ہوا کہ ان کا عمل آٹھ رکعات پر تھا تو پھر ہدایت والا طریقہ کہا جائے گا۔ ہدایت سے دوران کا طریقہ کہا جائے گا۔ جو رسول اللہ ﷺ سے الگ ہو۔

اس کے بعد عنوان رکھتے ہیں کہ "مشاہیر اسلام اور بیس رکعت تراویح" یہ عنوان اور اس کے تحت مضمون بلا فائدہ ہے...... کیونکہ جب ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل آٹھ سے زیادہ نہیں ہے تو پھر دیگر مشاہیر خواہ غیر مشاہیر کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے۔

ثالثاً: ......امت میں سب سے بڑے مشاہیر صحابہ کرام ہیں۔ ان میں سے کسی سے بھی بیس ثابت نہ ہو سکیں کیونکہ اصل مقصد ہے سند سے ثابت کرنا وہ کسی بھی ایک صحابی سے صحیح سند سے بیس رکعات کا ثبوت نہیں ملتا۔ باقی دوسری عبارتیں بلا سند نقل کرنا مولوی صاحب کو کون سا سہارا دیں گی؟ و ھو الثالث

رابعاً: ......امت اسلامیہ میں بڑے مشہور تو امیر عمر رضی اللہ عنہ ، ہیں ان سے تو یہی ثابت ہوا کہ انہوں نے گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا اور خود جماعت کے لیے امام مقرر کیا پھر کون سے دوسرے مشاہیر مولوی صاحب پیش کرتے ہیں؟

خامساً: ......اس جماعت میں امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ موجود تھے جنہوں نے امیر عمر کے مقرر کردہ امام کے پیچھے گیارہ رکعات پڑھیں مشاہیر اسلام کا معاملہ تو یہیں ختم ہو گیا۔ بہر حال اس عنوان کے تحت مولوی صاحب نے امام ترمذی کی عبارت نقل کی ہے۔

جواب: اولاً:......اس میں نقل بلا سند ہے۔

ثانیاً: ......مؤطا کی روایت صحیح سند سے ہے کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ پڑھنے کا حکم دیا اس کے مقابلے میں بغیر سند کے بات کو کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے

ثالثاً: ...... امام ترمذی یہ نقل مجہول کے صیغہ سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "روی عن علی وعمر ...... الخ" یہ صیغہ تمریض ہے۔ جو دلالت کرتا ہے کہ امام ترمذی اس نقل کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ اس مولوی صاحب کی یہ بات بھی رد ہوگئی جو لکھتے ہیں کہ "خلفاء اور عام صحابہ بیس (رکعات) پڑھتے تھے" یہ بات امام ترمذی نے بھی تسلیم کی ہے، کیونکہ امام ترمذی اگر خود اس بات کو تسلیم کرتے ہوتے تو جزم سے نقل کرتے مثلاً ثَبَتَ یا اَمَرَ یا صَلّٰی وغیرہ لیکن خود امام موصوف اس نقل کو صحیح تسلیم نہیں کرتے تب تو اس کو مجہول کے صیغہ سے نقل کیا ہے۔ وھو الرابع

خامساً: ...... اوپر ہم نے تفصیل سے تحقیق کر کے ثابت کیا کہ امیر عمر یا امیر علی یا کسی بھی دوسرے صحابی سے صحیح سند سے بیس رکعات کا ثبوت نہیں ہے۔ پھر ایسی غیر ثابت نقل کو امام ترمذی کس طرح تسلیم کریں گے؟ بلکہ امام ترمذی کا اس کو مجہول کے صیغہ سے نقل کرنے میں ہماری تحقیق کی تائید ہے اور تسلیم کرتے ہیں کہ ان سے بیس کی نقل صحیح نہیں ہے۔ وھو السادس

سابعاً: ...... باقی رہا اکثر اہل علم کا سوال سو ایک تو امام ترمذی نے ان کے نہ نام ظاہر کیے ہیں اور نہ یہ بتایا ہے کہ وہ کون سے ہیں؟ دوسرا یہ کہ خبر نہیں کہ امام ترمذی جن اہل علم کے لیے کہہ رہے ان کے درمیان کون سے واسطے ہیں؟ اور وہ ثقہ ہیں یا ضعیف؟ اور تیسرا یہ کہ صحیح سند سے ثابت ہو چکا ہے کہ پھر خلافت فاروقیہ میں خلیفہ کے حکم سے امام مقرر ہوئے اور انہیں گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم ملا اور وہ پڑھاتے رہے اور کسی بھی صحابی نے اعتراض نہ کیا۔ پھر ایسے اجماع کے خلاف اکثر اہل علم کس طرح ہوں گے؟

ثامناً: ...... صحیح احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعات پڑھیں ہیں اور حدیث ما کان یزید سے آٹھ کی زیادتی کی نفی ظاہر ہے۔ پھر صحیح حدیث کے مقابلے میں اکثریت کا سہارا لینا یا اس کو حجت بنانا یا اس کے مقابلے میں پیش کرنا تو کسی کا مذہب نہیں ہے۔

تاسعاً: ...... اکثریت فی نفسہا کوئی دلیل یا حجت نہیں ہے تمہارے فقہاء نے بھی چار دلائل بتائے ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع، اور قیاس۔ لیکن اس طرح نہیں کہا کہ جمہور اور اکثریت بھی پانچویں دلیل ہے۔ ذرا اپنے اصول کا خیال کریں؟

عاشراً: ...... قرآن کریم میں اکثر مقامات پر اکثریت کی نفی گئی ہے۔ ﴿ولکن اکثر الناس لا یعلمون﴾ ﴿ولکن اکثر الناس لا یشکرون﴾ (یوسف) ﴿واکثرھم یجھلون﴾ (انعام) ﴿اکثرھم الفاسقون﴾ (آل عمران) ﴿اکثرھم الکاذبون﴾ (الشعراء) ﴿اکثرھم الکافرون﴾ (النمل) ﴿وما وجدنا لاکثرھم من عھد وان وجدنا اکثرھم لفاسقین﴾

(الاعراف) ﴿وان کثیرا من الناس بلقاء ربهم لکافرون﴾ (الروم) ﴿وما یومن اکثر هم باللہ الا وهم مشرکون﴾ (یوسف) یعنی اکثریت بے عمل، جہلاء، فاسقوں، کافروں، جھوٹوں، ناشکروں اور مشرکوں کی ہے اور دوسری طرف صالحین اور ایمانداروں کی اقلیت بتائی گئی ہے۔ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ﴾ (ص: ۲۴) ﴿وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (السباء: ۱۳) ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ (البقرة: ۲۴۶) ﴿وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ﴾ (النساء: ۶۶) ﴿قلیلا ما تذکرون﴾ (النمل) اللہ تعالیٰ نے صاف فیصلہ بتایا ہے۔ ﴿وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۱۶) اس آیت نے مسئلے کو واضح کر دیا ہے کہ ہر مسئلہ میں اکثریت کا سہارا لینا یا اس کو اپنی دلیل بنانا ہدایت والوں کا کام نہیں ہے اور نیز اس آیت نے یہ بھی واضح کیا کہ جس طرف اکثریت ہو اور وہ خواہ مخواہ اس بناء پر نہیں ہے۔ نہ ان کے پاس کوئی دلیل یا حجت اور برہان ہے۔ بلکہ یہ گمان اور تخمینہ یا اندازے کے مطابق چلتے ہیں اور اپنے گمان اور اندازے کی پیروی کرتے ہیں، لہٰذا صرف اکثریت کا نام سن کر خوش ہونا تو یہ دلیل ہے کہ یہ کم عقلی ہے۔

الحادي عشر: ......تمہارے بڑے بزرگ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے منجد اردو کا مقدمہ لکھا ہے۔ صفحہ ۱۴ پر "عربی زبان کی وسعت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ قرآن وسنت کے بے مثال عالم وفقیہ اور تقریباً نصف دنیا کے امام ومتبوع ہونے کے ساتھ ادب اور لغت کے مشہور امام ہیں" اب آپ کے شیخ کبیر کے فیصلے کے مطابق دنیا تو شافعی المذہب ہوئی باقی آدھی دنیا اس میں سے غیر اسلامی فرقے مثلاً عیسائی، یھودی، مجوسی، بدھ دھرم، ھندو، سکھ، اور دہریئے وغیرہ نکالو۔ باقی دنیا میں سے شیعہ اور خوارج بھی نکالو۔ باقی جماعت اہل حدیث کو بھی الگ کرو۔ پھر باقی دنیا تین مذاہب میں تقسیم شدہ ہے۔ یعنی مالکیوں اور حنبلیوں کو نکالنے سے باقی ٹولہ حنفیہ کا رہے گا۔ جو شوافع کے مقابلے میں بالکل اقلیت میں ہوئے اور شافعی تو بڑی اکثریت میں ہوئے۔ لہٰذا مولوی صاحب کو فی الفور اقلیت کو چھوڑ کر اکثریت میں چلے جانا چاہیے۔ یعنی حنفیت سے نکل کر شافعی بن جانا چاہیے پھر تو پہلے تین مسائل میں شافعی اہل حدیث کے ساتھ متفق ہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کو ان تینوں مسائل میں حنفیت سے رجوع کرنا چاہیے اور انہیں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے وقت رفع الیدین کرنا اور وتر ایک سے تیرہ تک پڑھنا چاہیے۔ ورنہ ہم مجبوراً یہ شعر پڑھیں گے۔

نہیں وہ قول کے پکے۔ ہمیشہ قول دے دے کر
جو اس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

چوتھا مسئلہ تراویح کا:...... اس میں بھی امام شافعی بیس مقرر نہیں کرتے۔ وہ آٹھ کو بھی پسند کرتے ہیں جس طرح آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ! اس معاملے میں مولوی صاحب سمجھیں کہ اکثریت بیس مقرر کرنے پر نہیں ہے۔

الثاني عشر: ...... کئی مسائل میں خود حنفیہ جمہور اور اکثریت کے خلاف ہیں۔ مثلاً تکبیرات العیدین جمہور کے مذہب کے مطابق بارہ تکبیریں کہنی ہیں۔ یعنی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ امام ترمذی باب التکبیر فی العیدین میں فرماتے ہیں کہ "وھو قول اھل المدینة وبه یقول مالك بن انس والشافعی واحمد واسحاق" (یعنی یہ قول اہل مدینہ کا ہے اور یہی بات مالک بن انس، شافعی، احمد اور اسحاق فرماتے ہیں) اور امام عراقی فرماتے ہیں کہ "وھو قول اکثر اھل العلم من الصحابة والتابعین والائمة قال وھو مروی عن عمر وعلی وابی ھریرة وابی سعید وجابر وابن عمر وابن عباس وابی ایوب، وزید بن ثابت و عائشة وھو قول الفقھاء السبعة من اھل المدینة وعمر بن عبدالعزیز والزھری ومکحول وبه یقول مالك والاوزاعی والشافعی واحمد واسحاق. (نیل الاوطار صفحہ ۲۵۳ ج ۳) (یعنی یہ قول اکثر اہل علم کا صحابہ تابعین اور ائمہ وغیرہ سے ہے کہا کہ یہ مروی ہے عمر علی .... الخ اور یہی قول ساتوں فقہاء مدینہ کا ہے عمر بن عبدالعزیز، زہری ....) اور امام بیہقی سنن کبری صفحہ ۲۹۱ ج ۳ میں عام مسلمانوں کا یہ عمل کہتے ہیں۔ لیکن احناف کا مذہب اس کے خلاف ہے وہ چھ تکبیریں کہتے ہیں یعنی ہر ایک رکعت میں تین تکبیریں اس مقام پر اکثریت کی پرواہ نہیں کرتے (۲) اشعار البدن اکثر اہل علم اس کے قائل ہیں اور امام نووی فرماتے ہیں کہ "وبھذا قال جماھیر العلماء من السلف والخلف" (تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۰۶ ج ۲) (یعنی یہ بات جمہور علماء متقدمین ومتاخرین نے کہی ہے) اور خود امام ترمذی ابو اب الحج باب ماجاء فی اشعار البدن میں فرماتے ہیں کہ "والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرھم یرون الاشعار وھو قول الثوری والشافعی واحمد واسحاق" (یعنی اس پر اہل علم اصحاب نبی ﷺ کا عمل ہے وہ اشعار کو جائز سمجھتے ہیں اور یہی قول ثوری، شافعی احمد اور اسحاق کا ہے) (۳) ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں اسی طرح جمہور کہتے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۷ ج ۲۔ بحوالہ فتح الباری) اور امام ترمذی ابواب النکاح باب ماجاء لا نکاح الا بولی کے آخر میں فرماتے

ہیں کہ "وبھذا یقول سفیان الثوری والاوزاعی ومالك وعبد الله بن المبارك والشافعی واحمد واسحاق" (یعنی یہ بات سفیان ثوری، اوزاعی، مالک، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کہتے ہیں) لیکن یہاں بھی حنفیہ جمہور کے خلاف ہیں (۴) مصراۃ کے مسئلہ میں حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۳۶۴ ج ۴ میں کہتے ہیں "قد اخذ بظاهر هذا الحديث المذكور جمهور اهل العلم وافتی به ابن مسعود وابوهريره ولا مخالف لهم من الصحابة وقال به من التابعين ومن بعدهم ومن لا يحصی عدده" (یعنی جمہور اہل علم نے اس حدیث کے ظاہر کو لیا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا ہے ابن مسعود اور ابو ہریرہ نے صحابہ کرام میں سے کوئی بھی ان کے مخالف نہیں ہے اور یہی بات تابعین اور ان کے بعد والوں نے کہی ہے جن کی تعداد کا شمار نہیں ہے) یہاں پر بھی حنفی اکثریت کے خلاف ہیں۔ (۵) امام ترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی ثمن الکلب میں فرماتے ہیں "والعمل علی هذا عند اكثر اهل العلم كرهوا ثمن الكلب وهو قول الشافعی واحمد واسحاق (یعنی اس پر اکثر اہل علم نے کتے کی قیمت کو مکروہ سمجھا ہے اور یہی قول شافعی، احمد اور اسحاق کا ہے) اور تحفۃ الاحوذی صفحہ ۲۵۷ ج ۲ میں امام طیبی سے نقل کرتے ہیں یہ جمہور کا مذہب ہے کہ کتے کا کاروبار جائز نہیں ہے اور یہ بیع فاسد ہے صحیح نہیں ہے اور حنفی اکثریت اس کے خلاف کتے کے کاروبار کو جائز کہتے ہیں۔ بلکہ ان کی فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ کتا ذبح کر کے اس کا گوشت بیچا جائے تب بھی جائز ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور اور معتبر کتاب فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۱۵ ج ۳ کتاب البیوع باب التاسع میں ہے "اذا ذبح كلبه وباع لحمه جاز" (یعنی جب کتا ذبح کر کے اور اس کے گوشت کو بیچے تو جائز ہے) (۶) القضاء بالیمین مع الشاہد اکثر اہل علم کا مذہب ہے امام ترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء فی الیمین مع الشاہد میں فرماتے ہیں کہ "وهو قول مالك بن انس والشافعی واحمد واسحاق" (یعنی یہی قول امام مالک بن انس شافعی احمد اور اسحاق کا ہے) اور امام نووی فرماتے ہیں کہ "قال جمهور علماء الاسلام من الصحابة والتابعين ومن بعدهم من علماء الا مصار يقضی بشاهد ويمين المدعی فی الاموال وما يقصد به الاموال وبه قال ابو بكر الصديق وعلی وعمر بن عبدالعزيز ومالك والشافعی واحمد۔ وفقهاء المدينة وسائر علماء الحجاز ومعظم علماء الامصار" (یعنی جمہور علماء اسلام صحابہ کرام تابعین اور اور ان کے بعد شہروں کے علماء نے بھی ایک گواہ اور مدعی کی قسم کے ساتھ مالوں اور جس سے مالوں کا قصد کیا جائے فیصلہ کیا اور یہی بات ابو بکر الصدیق علی، عمر بن عبدالعزیز مالک، شافعی، احمد، فقہاء مدینہ حجاز کے تمام علماء اور بڑے بڑے شہروں کے علماء نے کہی

ہے (تحفۃ الاحوذی صفحہ ۲۸۱ ج ۲) اس طرح جم غفیر اور سواد اعظم کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور ان کے مذہب کے مطابق اس طرح سے فیصلہ صحیح نہیں ہے۔ (۷) اسی طرح مرتد عورت کے لیے جمہور ائمہ اور علماء قتل کا حکم دیتے ہیں (ترمذی مع تحفۃ الاحوذی صفحہ ۳۳۷ ج ۲) لیکن احناف کے نزدیک اس کے لیے قتل کی سزا نہیں ہے جیسا کہ ان کی فقہ کی کتب میں مذکور ہے اس کے علاوہ بھی کئی مسائل ہیں لہٰذا اس مسئلہ میں اکثریت کا نام کم از کم مولوی صاحب کو اچھا نہیں لگتا۔

فائدے کا عنوان رکھ کر تین باتیں لکھتے ہیں: (۱) امام ترمذی کی تحقیقات سے ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ سے بیس رکعات کی روایت صحیح ہے۔

جواب:...... **اولاً:** امام ترمذی نے کوئی بھی ایسا فیصلہ نہیں دیا یہ مولوی صاحب کے اپنے دماغ کی خواہش ہے۔

ثانیاً:...... امام ترمذی نے تو صحیح کے بجائے اس کو ضعیف ثابت کیا ہے جو کہ مجہول کے صیغہ سے نقل کرتے ہیں جیسا کہ تفصیل گزری۔

(۲) یہ بات لکھتے ہیں ''اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے خلاف کوئی بھی صحابی نہیں ہے۔''

الجواب:...... **اولاً:** جب ثابت ہوا کہ بیس والی روایت صحیح نہیں ہے تو پھر کس کی موافقت یا مخالفت؟

ثالثاً:...... آٹھ کے متعلق واضح ثبوت پیش کیا گیا اور اس کے متعلق کسی بھی ایک صحابی سے مخالفت ثابت نہ ہوئی۔ جس طرح مولوی صاحب کا گمان فاسد ہے اس طرح نہیں ہے بلکہ معاملہ برعکس ہے۔

صفحہ ۱۸۷:...... عنوان مقرر کرتے ہیں کہ ''حضرات تابعین اور بیس رکعات تراویح۔''

تابعین کرام اور بیس رکعات تراویح

الجواب:...... **اولاً:** جب کہ رسول اللہ ﷺ سے صرف آٹھ رکعات ثابت ہوئیں اور صحابہ کرام کا اجماع بھی آٹھ رکعات پر ثابت ہوا تو پھر یہ عنوان مولوی صاحب کو کیا فائدہ دے گا؟

ثانیاً:...... تمہاری اصول فقہ حنفی کی معتبر کتاب تلویح صفحہ ۱۷ ج ۲ میں ہے۔ "وفی ظاهر الرواية لا تقليد اذهم رجال ونحن رجال بخلاف قول الصحابی فانه جعل حجة لا حتمال السماع وزيادہ الاصابة فی الرأی ببركة صحبة النبی عليه الصلوٰة والسلام وذكر الامام السرخسی رحمه الله تعالىٰ انه لا خلاف فی انه لا يترك القياس بقول التابعی وانما الخلاف فی انه هل يعتد به فی اجماع الصحابی حتی لا يتم اجماعهم مع خلافه فعند نا يعتد به عند الشافعی" پھر جب تمہارے نزدیک تابعی کا قول یا عمل بھی حجت نہیں

ہے تو پھر اس عنوان سے کیا فائدہ؟

ثالثاً:......مولوی صاحب نے تابعین کے نام علامہ عینی کی عمدۃ القاری سے نقل کیے ہیں اور اسی عینی نے عمدۃ القاری صفحہ ۱۳۱۔ ۱۲۷ ج ۱۱ میں تابعین کے اور بھی اقوال نقل کیے ہیں مثلاً۔ اسود بن یزید چالیس (۴۰) رکعات اور نو (۹) وتر پڑھتے تھے اور نافع سے نقل کرتے ہیں کہ ''لم ادرك الناس الا وهم يصلون تسع و ثلاثين ركعة ويوترون منها بثلاث'' (یعنی میں نے لوگوں کو انتالیس رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا) اور زرارہ بن ابی اوفی اور سعید بن جبیر سے اٹھائیس (۲۸) رکعات نقل کرتے ہیں، پھر آپ بیس (۲۰) سے زیادہ کو مکروہ کیوں سمجھتے ہو؟ جس طرح اوپر عالمگیری کا حوالہ دیا گیا۔ بلکہ اس سے سمجھا گیا۔ کہ تابعین میں بھی مسئلہ مختلف فیہ رہا۔ نیز ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۳ ج ۲ میں داؤد بن قیس سے روایت ہے ''قال ادركت الناس بالمدينة فى زمن عمر بن عبدالعزيز وابان بن عثمان يصلون ستة ثلاثين ركعة ويوترون بثلاث'' (یعنی کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا مدینہ میں عمر بن عبدالعزیز اور ابان بن عثمان کے زمانہ میں چھتیس (۳۶) رکعات پڑھتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے) نیز شیخ عبدالحق دہلوی ما ثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں کہ ''وروى انه كان بعض السلف فى عهد عمر بن عبدالعزيز يصلون احدى عشره ركعة قصداً للتشبه برسول الله ﷺ'' (یعنی روایت کیا گیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں بعض لوگ گیارہ رکعات قصداً پڑھا کرتے تھے تاکہ ان کی نماز جناب رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہو) پھر جب کہ مسئلہ مختلف فیہ رہا تو پھر اصل مرفوع کی طرف لوٹنا ہے، بقولہ تعالیٰ ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء: ۵۹) بہر حال مولوی صاحب نے جن تابعین کے نام لیے ہیں ان کا تفصیل سے جائزہ لیا جاتا ہے (۱) شتیر بن شکل کو ذکر کرتے ہیں ان کی روایت پر بحث گزر چکی ہے کہ اس کی سند مجہول اور بے کار ہے شتیر بن شکل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے (۲) ابن ابی ملیکہ جس کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۳ ج ۲ میں اس طرح سے ہے ''حدثنا وكيع عن نافع بن عمر قال كان ابن ابى مليكة يصلى بنا فى رمضان عشرين ركعة ويكره بحمد الملئكة فى ركعة.'' اس روایت میں من وجوہ کلام ہے اوّل یہ وہی روایت اس سے پہلے صفحہ ۳۹۲ ج ۲ میں اس طرح سے ہے۔ حدثنا ابو اسامة عن نافع بن عمر سمعت ابن ابى مليكة يقول كنت اقوم بالناس فى شهر رمضان فاقرأ فى الركعة الحمد لله فاطر و نحو ها وما يبلغنى ان احدا يستقل ذلك. اس روایت میں عشرین رکعت کا ذکر نہیں ہے اس اختلاف کی بناء پر فیصلہ نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ کوئی دوسرا ثبوت اس کے متعلق نہ ملے۔

ثانیاً: ...... روایت میں اضطراب معلوم ہوتا ہے پہلی روایت میں نافع بن عمر کہتے ہیں "یصلی بنا فی رمضان" جس کا معنی کہ وہ خود ابن ابی ملیکہ کے پیچھے پڑھتے تھے اور دوسری روایت میں نافع ابن عمر کہتے ہیں کہ "سمعت ابن ابی ملیکة یقول کنت اقوم بالناس" جس سے صاف ظاہر ہے کہ نافع ابن عمر، ابن ابی ملیکہ کے پیچھے خود نہیں پڑھتے تھے بلکہ ایک واقعہ ہے جو کہ ابن ابی ملیکہ بتا رہے ہیں۔

ثالثاً: ...... متن کے الفاظ میں بھی اختلاف ہے پہلی روایت میں قطعی فیصلہ ہے کہ وہ رکعت میں سورہ فاطر پڑھتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ سورہ فاطر کے برابر پڑھتے تھے۔ بہر حال یہ اختلاف بھی روایت کو مشکوک بناتے ہیں۔

(۳) میں حارث ہمدانی کو نقل کرتے ہیں۔ اس کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ مذکور میں اس طرح ہے "حدثنا ابو معاویة عن حجاج عن ابی اسحاق عن الحارث انه کان یوم الناس فی رمضان باللیل بعشر بن رکعة ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع."

الجواب: اوّلاً: ...... یہ وہ حجاج بن ارطاۃ ہے جو کہ مشہور ضعیف ہے۔ ابن معین اور نسائی کہتے ہیں کہ لیس بالقوی (یعنی اس سے حجت نہیں لی جا سکتی) اس کے علاوہ اور بھی جروح ہیں جو کہ تہذیب میں مذکور ہیں اور تقریب میں لکھتے ہیں کہ "صدوق کثیر الخطاو التدلیس" (یعنی سچا ہے لیکن بہت زیادہ غلطیاں اور تدلیس کرنے والا ہے) نیز ابن معین۔ ابو حاتم، ابن مبارک، ابن عدی، ساجی، ابن خزیمہ، بزار اور محمد بن نصر المروزی اس کو مدلس کہتے ہیں (تہذیب صفحہ ۱۹۷۔ ۱۹۸ ج ۲) اس طرح حافظ ابن حجر طبقات المدلسین میں اور حافظ ابن العجمی التبیین فی اسماء المدلسین میں اس کو ذکر کرتے ہیں اور یہ روایت ابو اسحاق سے عن سے نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی یہ روایت ضعیف کہی جائے گی۔

ثانیاً: ...... ابو اسحاق یہ عمرو بن عبداللہ السبیعی الہمدانی ہے جو کہ مختلط ہے ان کا آخری عمر میں حافظہ تبدیل ہو گیا تھا جیسا کہ تقریب میں ذکر کیا گیا ہے اور میزان صفحہ ۲۹۳ ج ۲ اور تہذیب صفحہ ۶۷ ج ۸ میں مذکور ہے۔

ثالثاً: ...... یہ ابو اسحاق مدلس بھی ہے جیسا کہ تہذیب صفحہ ۶۶، ۶۷ ج ۸ میں ابن حبان، حسن الکرابیسی اور ابن جریر الطبری وغیرہم سے منقول ہے اور یہاں پر حارث سے عن سے نقل کرتے ہیں۔

رابعاً: ...... یہ حارث الہمدانی، حارث بن عبداللہ الاعور ہے جو کہ خود مشہور ضعیف ہے۔ بلکہ انہیں جھوٹا کہا گیا ہے۔ میزان صفحہ ۲۰۳ ج ۱۔ میں ہے روی مغیرة عن الشعبی حدثنی الحارث الاعور وکان کذابا وقال منصور عن ابراھیم ان الحارث انھم وکان کذابا وقال منصور عن ابراھیم ان الحارث انھم وروی ابو بکر بن عیاش عن مغیرة قال لم یکن الحارث

یصدق عن علی فی الحدیث وقال ابن المدینی کذاب وقال جریر بن عبدالحمید کان ضعیفاً" اس کے علاوہ ان پر اور بھی بہت سی جروح ہیں جو کہ تہذیب صفحہ ۱۴۵۔۱۴۷ ج ۲ میں مذکور ہیں۔ پھر تو ایسی روایت مولوی صاحب کو ہی مبارک ہو۔

خامساً: ......تہذیب صفحہ ۶۵ پر عجلی سے منقول ہے کہ "لم یسمع ابو اسحاق من علقمة ولم یسمع من حارث الا اربعة احادیث" (یعنی ابواسحاق نے علقمہ سے نہیں سنا اور حارث سے صرف چار احادیث سنی ہیں) اس وجہ سے سند میں انقطاع کا شبہ بھی رہا۔ (۴) میں عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں۔ ان کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۳ ج ۲ میں ہے "حدثنا ابن نمیر عن عبد الملک عن عطاء قال ادرکت الناس وهم یصلون ثلاثة وعشرین رکعة بالوتر" اس میں صراحت نہیں ہے کہ عطاء خود پڑھتے تھے۔ بلکہ لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں نہ معلوم کہ وہ کون ہیں اور ان کے نام کیا ہے۔

ثانیاً: ......عطاء بن ابی رباح ایک دوسرا "ادرک" (پہنچنا) بھی نقل کرتے ہیں چنانچہ بیہقی صفحہ ۵۹ ج ۲ میں ہے "عن عطاء ادرکت مائتین من اصحاب النبی ﷺ فی هذا المسجد اذا قال الامام غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین سمعت لهم رجة بآمین" (یعنی عطاء سے ہے کہ میں نے دوسو (۲۰۰) اصحاب رسول اللہ ﷺ کو اس مسجد میں پایا جب امام نے غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین کہتا تو میں نے ان کی آواز میں آمین سنا) یہ روایت ابن حبان کی کتاب الثقات صفحہ ۲۶۵ ج ۶ میں بھی ہے اب مولوی صاحب عطاء کے اس قول کو مانیں گے؟ حالانکہ اس میں صریحاً صحابہ کرام سے نقل ہے۔

ثالثاً: ...... یہ روایت بھی مولوی صاحب کے طریقہ تحقیق کے مطابق صحیح نہ ہوگی، کیونکہ سند میں عبدالملک بن ابی سلیمان ہے۔ اس کو اگرچہ عام طور پر ثقہ کہا گیا ہے لیکن شعبہ نے ان کو ضعیف کہا ہے اور ان کی ایک حدیث کو امام احمد نے منکر کہا ہے (میزان صفحہ ۱۴۹ ج ۷) مولوی صاحب کو اگر ایک شخص کی جرح مل جاتی ہے تو اس کی روایت کو ضعیف کہتا ہے، پھر اگرچہ اس کے حق میں کئی سے توثیق منقول ہو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن مولوی صاحب کو بتاتے ہیں کہ جس طرح سے آپ اپنی کتاب میں تعلیل اور جرح کرتے رہے ہیں اس کے مطابق آپ کو اس روایت کے پیش کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اس کے علاوہ اس روایت میں یہ تصریح بھی نہیں ہے کہ اس میں وتر کی کتنی رکعات ہیں۔ کیونکہ سلف سے وتر کی ایک سے تیرہ تک رکعات ثابت ہیں اور اس اثر میں کوئی ایسی وضاحت نہیں ہے۔ خواہ مخواہ بیس تراویح ہونا یا نو وتر اور اٹھارہ تراویح ہونا یا سات وتر اور سولہ تراویح کا ہونا یا نو وتر اور چودہ تراویح کا ہونا یا گیارہ وتر اور تراویح کا

ہونا یا تیرہ وتر اور دس تراویح کا ہونا اور اسی حساب کے مطابق اگر دو رکعتیں وتر کے بعد بیٹھ کر شمار کی جائیں تو پھر آٹھ رکعات ہوں گی۔ یہ سب طریقے مولوی صاحب کے مذہب کے خلاف ہیں کیونکہ اس اثر میں الفاظ ہیں کہ "ثلاثة وعشرين ركعة بالوتر" یعنی وتر سمیت تیس رکعات جس کی مذکور صورتیں سب ہو سکتی ہیں پھر پہلے مولوی صاحب کو ان میں سے کوئی ایک صورت مقرر کرنے کے لیے پھر کوئی اور دلیل تلاش کرنی چاہیے۔ صرف اس اثر سے مولوی صاحب کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

(۵) میں ابوالبختری کو کہتے ہیں اس کی روایت ابن ابی شیبہ صفحہ مذکورہ پر اس طرح سے ہے۔ حدثنا غندر عن شعبة عن خلف عن ربيع واثنى عليه خيرا عن ابى البخترى انه يصلى خمس ترويحات فى رمضان ويوتر بثلاث یہ سند صحیح نہیں ہے۔

اولاً:...... راوی خلف کا پتہ نہیں کہ وہ کون ہے خود آپ کے نیموی حنفی آثار السنن کے حاشیہ صفحہ ۶۰ ج ۲ میں یہ روایت لاکر کہتے ہیں کہ "قلت فيه خلف الامام لا اعرف من هو" پھر مجہول کی روایت کس طرح سے قبول ہوگی۔

ثانیاً:...... ان کا استاد ربیع کے لیے بھی متعین نہیں ہوسکا کہ وہ کون سا ربیع ہے جب تک یہ معلوم نہ ہوگا تب تک اس کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف اس کے بعد مولوی صاحب تین تابعین کے نام لیتے ہیں سعید بن ابی الحسن البصری۔ عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق اور عمران العبدی ان تینوں کا مشترکہ اثر قیام اللیل للمروزی میں ہے لیکن قیام اللیل کا اصل نسخہ نایاب ہے اور جو کہ عام طور کتب خانوں میں ملتا ہے یا مطبوع ہے وہ اس کا مختصر ہے۔ جو کہ علامہ احمد بن علی المقریزی المتوفی سنہ ۸۴۵ ھ میں لکھا ہے۔ انہوں نے صرف مرفوع احادیث کی اسناد ذکر کی ہیں باقی صحابہ خواہ تابعین سب کی روایات کی اسناد حذف کردی ہیں جیسا کہ خود مقدمہ میں لکھتے ہیں: "فانى اختصرت فى هذا الجزء كتاب قيام الليل تاليف الامام ابى عبد الله محمد بن نصر المروزى رحمة الله عليه انى احذف المكرر من الاحاديث المسندة والآثار مع حذف اسانيدها والله اسئل الاعانة على اتمامه والتوفيق للعمل به انه قريب مجيب" اور ان تینوں شخصیات کا ذکر ایک اثر میں ہے جو اسی مختصر قیام اللیل صفحہ ۱۵۸ پر اس طرح سے ہے "يونس ادركت مسجد الجامع قبل فتنة ابن الاشعث يصلى بهم عبد الرحمن بن ابى بكر وسعيد بن ابى الحسن وعمران العبدى يصلون خمس ترويحات فاذا دخل العشر زادوا واحدة ويقنتون فى النصف الاخر ويختمون القرآن مرتين" پھر جب روایت کی سند ہی نہیں ہے تو پھر کس طرح سے قابل قبول ہوگی۔

ثالثاً: ......تم خود اس روایت کے خلاف ہو۔ کیونکہ اس میں ہے کہ آخری عشرے میں ایک تراویح (چار رکعات) زیادہ پڑھتے تھے یعنی چوبیس پوری کرتے تھے اور تمہارے مذہب میں بیس سے زیادہ مکروہ ہے۔

رابعاً: ......اس روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ رمضان کے صرف نصف آخر میں قنوت پڑھتے تھے اور یہ بات بھی تمہارے مذہب کے خلاف ہے الغرض یہ تابعی جن پر مولوی صاحب فخر کر رہے تھے ان میں سے اکثر تو سند کے لحاظ سے ثابت نہ ہوئے اور بعض کا مفہوم مولوی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے اور بعض کا مضمون مولوی صاحب کے مدعی پر صریح دلالت نہیں کرتا پھر اس طرح سے بھی کہتے ہیں کہ اور کئی تابعی جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا، پھر ایسی مجبوری کیوں ذکر نہیں کی؟ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ تابعین میں مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے اور صحابہ سے آٹھ ہی ثابت ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی صرف آٹھ پر ہے، لہٰذا یہ سارا عنوان مولوی صاحب کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔

اس کے بعد حافظ ابن عبدالبر کا قول نقل کرتے ہیں اور ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ ''جمہور علماء کا یہی قول ہے (تراویح بیس رکعات ہے) کوفہ کے علماء امام شافعی اور بہت سے فقہاء کا بھی یہی کہنا (قول) ہے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے (از اس کے علاوہ) اس میں کسی بھی صحابی کا اختلاف نہیں ہے۔''

جواب: ......**اوّلاً**: جمہور کے متعلق حقیقت پہلے واضح ہو چکی ہے۔

ثانیاً: ......کوفیوں کا ذکر بھی ہے حالانکہ امام محمد بن الحسن الشیبانی کوفہ کا مشہور بزرگ ہے، لیکن انہوں نے تو مؤطا میں گیارہ رکعات لکھی ہیں۔ جیسا کہ اوپر گزرا۔

ثالثاً: ......امیر عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے تو مدینہ میں گیارہ پڑھائی گئیں پھر ان کے مقابل کوفہ والوں کا قول کیا فائدہ دے گا؟

رابعاً: ......علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کوفہ میں رہے یقیناً یہ خلافت فاروقیہ میں مدینہ کی جماعت میں شریک تھے جہاں پر خلیفہ کے حکم سے گیارہ پڑھی گئیں اور ان کا اعتراض نہ کرنا دلیل ہے کہ انہیں یقین تھا کہ یہی عدد مسنون اور رسول اللہ ﷺ کا معمول ہے پھر یہ بات ناممکن ہے جو عدد مسنون سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہے پھر کوفہ میں جا کر تبدیل کیا۔ حاشا وکلا۔ صحابہ کرام کی شان سے یہ بات بعید ہے۔ ثابت ہوا کہ سب کوفہ والوں کی طرف بیس رکعات کی نسبت صحیح نہیں ہے۔

خامساً: ......امام شافعی کا نام لیا ہے لیکن ان کا مذہب خواہ مخواہ بیس نہیں ہے بلکہ فرماتے ہیں کہ ''لیس فی شیءٍ من ھذا ضیق ولا حد ینتھی الیه لانه نافلة فان اطال القیام واقل السجود

فحسن وهو احب الی وان اکثروا الرکوع والسجود فحسن " (مختصر قیام اللیل صفحہ ۱۵۹)
یعنی اس مقام پر تنگی نہیں ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے کیونکہ یہ نفلی عبادت ہے اگر قیام لمبا اور سجدے کم کرے تو اچھا ہے اور مجھے یہ زیادہ محبوب ہے اور اگر رکوع اور سجدے زیادہ کرے تب بھی اچھا ہے۔ ثابت ہوا کہ امام شافعی پر یہ تھوپنا صحیح نہیں ہے کہ ان کا مذہب بیس پڑھنا ہے۔ بلکہ آپ تحدید تو بالکل نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ رکعات کی کوئی حد نہیں ہے جہاں پر جا کر انتہاء ہو پھر آپ کا بیس سے زیادہ کو مکروہ کہنا یا بیس کو ہی طریقہ بنانا امام شافعی تو اس کے خلاف ہیں۔ وهو السادس

سابعاً: ...... امام شافعی کا اس کو غیر محدود کہنے کے لیے وجہ یہ پیش کرتے ہیں کہ "لانه نافلة" جس کا معنی کہ راتب نماز نہیں ہے۔ غیر راتب ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ سے صرف آٹھ رکعات ثابت ہیں اور زیادتی کی نفی ہے۔ لہٰذا اس میں زیادتی نہیں کی جا سکتی۔

ثامناً: ...... بلکہ امام شافعی کم تعداد جس میں قیام طویل ہو اس کو ترجیح دے رہے ہیں جو کہ اس کو "احب" کہہ رہے ہیں اور یہ کم عدد آٹھ ہی ہو سکتا ہے اور واقعتاً اگر آٹھ رکعات اطمینان اور آرام سے پڑھی جائیں تو ان تیز رفتار بیس رکعات سے ہزار بار زیادہ ہیں۔ قیامت کے روز اعمال کا شمار نہ ہوگا بلکہ انہیں تولا جائے گا اور وزن ہوگا۔ پھر اہل حدیث کی آٹھ رکعات وزنی ہوں گی ان شاء اللہ اور تمہاری اٹھک بیٹھک والی تیز رفتار بیس جو کہ وتر سمیت ایک گھنٹہ سے کم وقت میں پوری ہو جاتی ہیں ان کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا وهو التاسع

عاشراً: ...... امام شافعی نے تو صاف فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث جب بھی تمہیں ملے تو میرا وہی مذہب ہے خواہ میرے مرنے کے بعد ملے۔ اگرچہ میرا قول اس کے خلاف ہو۔ لیکن سمجھ لو کہ میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے شاہ ولی اللہ عقد الجید صفحہ ۲۲ پر فرماتے ہیں کہ "روی البیهقی فی السنن عند الکلام علی القراۃ بسند قال قال الشافعی رحمه الله تعالیٰ اذا قلت قولا وکان النبی ﷺ قال خلاف قولی فما یصح من حدیث النبی ﷺ اولی فلا تقلدونی ونقل امام الحرمین فی النهایة عن الشافعی رحمه الله تعالیٰ انه قال اذا بلغکم خبر صحیح یخالف مذهبی فاتبعوه واعلموا انه مذهبی وقد صح منصوصاً انه قال اذا بلغکم عن مذهب وصح عند کم خبر علی مخالفته فاعلموا ان مذهبی موجب الخبر " اور علامہ صالح الفلانی ایقاظ همم اولی الابصار صفحہ ۱۰۰ پر امام شافعی سے نقل کرتے ہیں کہ "فمهما قلت من قول او اصلت فیه من اصل فیه عن رسول الله ﷺ خلاف ما قلت فالقول قاله رسول الله ﷺ وهو قولی " صفحہ ۱۰۴ پر لکھتے ہیں کہ "قال احمد بن عیسی

بن ماھان الرازی سمعت الربیع یقول سمعت الشافعی یقول کل مسالة صح فیھا الخبر عن رسول اللہ ﷺ عند اھل النقل بخلاف ما قلت فانا راجع عنھا فی حیاتی وبعد موتی " (یعنی ہر وہ مسئلہ جس میں صحیح خبر (حدیث) رسول اللہ ﷺ سے اہل نقل سے ملیں اور میرا قول اس کے خلاف ہو تو میں زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اس سے رجوع کرنے والا ہوں) اور امام نووی شرح مہذب صفحہ ۶۳-۶۴ پر فرماتے ہیں کہ "وقد عمل بھذا اصحابنا فی مسئلة التثویب واشتراط التحلل من الاحرام بعذر المرض وغیرھما مما ھو معروف وقد حکی المصنف عن الاصحاب فیھما ومن حکی عنه انه افتی بالحدیث من اصحابنا ابو یعقوب البویطی وابو القاسم الدارکی وممن نص علیه ابوالحسن الکیا الطبری فی کتابه فی کتابه فی اصول الفقه وممن استعمله من اصحابنا المحدثین الامام ابو بکر البیھقی و آخرون وکان جماعة من متقدمی اصحابنا اذا رأو مسئلة فیھا حدیث ومذھب الشافعی خلافه عملوا بالحدیث وافتوابه قائلین مذھب الشافعی ما وافق الحدیث " اور اوپر احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ ہی پڑھی ہیں۔ لہٰذا امام شافعی کا قول ان کے صحیح مذہب کے مطابق آٹھ رکعات ہیں اگرچہ انہوں نے بیس کا مذہب اختیار بھی کیا ہو۔ (حالانکہ اس کا کوئی صریح ثبوت نہیں ہے) تب بھی ان کی وصیت کے مطابق ان کا اس سے رجوع سمجھا جائے گا۔ وھو الحادی عشر

الثاني عشر:...... اکثر فقہاء کہتے ہیں کہ کیا امیر عمر سے بڑا کوئی فقیہ اور ہے؟ جنھوں نے گیارہ کا حکم دیا اور ابی بن کعب سید القراء اور تمیم الداری یہ بھی خود فقیہ ہیں۔ جنہوں نے امیر عمر کے حکم پر گیارہ پڑھی ہیں آپ کے علاوہ ان کی جماعت میں کتنے صحابی موجود تھے۔ حالانکہ صحابی امت میں سب سے زیادہ افقہ ہیں ان کے بعد آپ چاروں مذاہب پر غور کریں حنفی المذہب کے سردار محمد بن الحسن الشیبانی مؤطا میں گیارہ ذکر کرتے ہیں۔ کما تقدم

امام شافعی کے نزدیک نقل کے مطابق عدد مقرر نہیں ہے۔ اگر چہ آپ کی وصیت حدیث کے مطابق آپ کا مذہب آٹھ ہی ہے اور امام احمد بن حنبل بھی عدد معین نہیں کرتے، چنانچہ مختصر قیام اللیل صفحہ ۱۵۹ پر ہے "وقال اسحٰق بن منصور قلت لا حمد کم من رکعة یصلی فی قیام شھر رمضان فقال قد قیل فیه لخوا من اربعین انما ھو تطوع " گویا کہ امام احمد بھی عدد مقرر نہیں کرتے اور امام مالک نے گیارہ کو اختیار کیا ہے اور اس سے زیادہ کو دین میں نیا کام سمجھتے ہیں۔ عبارت اوپر گزر چکی

ہے۔ باقی آپ کون سے فقہاء کہتے ہیں؟

الثالث عشر :....... یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ ابی بن کعب سے بیس کا عدد صحیح ثابت ہے۔ کیونکہ اس دعوی کو اچھی طرح سے باطل ثابت کیا گیا۔ جو روایات مولوی صاحب نے نقل کی ہیں۔ وہ سب ضعیف اور ناکارہ نکلیں۔ بلکہ ان کے برعکس یہ ثابت ہوا کہ ابی بن کعب نے امیر عمر کے حکم سے گیارہ پڑھائیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں آٹھ پڑھا کر آپ کی پسندیدگی حاصل کی۔ ایسی وضاحت ہونے کے باوجود بھی یہ کہنا کہ ابی سے بیس ثابت ہیں انتہائی دیدہ دلیری اور سینہ زوری ہے۔

الرابع عشر:...... یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس میں کسی کا بھی اختلاف ثابت نہیں ہے۔

اس کے بعد یہ عنوان مقرر کرتے ہیں کہ "بیس رکعت تراویح مکہ شریف کے بزرگوں کا عمل" مکہ معظمہ کا عمل مولوی صاحب کو صرف اس کے متعلق نظر آیا ہے باقی مسائل نظر نہیں آئے؟ ترجیع فی الاذان حنفی اس کے قائل نہیں ہیں لیکن امام ترمذی سنن صفحہ ۲۷ ج ۱ میں باب مقرر کرتے ہیں "ماجاء فی الترجیع فی الاذان" اس کے تحت حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "وعلیہ العمل بمکۃ وھو قول الشافعی" اس طرح اہل حجاز سب اکہری تکبیر کے قائل ہیں جس میں اہل مکہ بھی آجاتے ہیں (الاعتبار للحازمی صفحہ ۶۹) اسی طرح اہل حجاز فجر میں قنوت کے قائل ہیں (الاعتبار صفحہ ۹۰) ایضاً رفع الیدین کی بحث میں گذرا کہ جن دو سو صحابہ سے آمین بالجہر (اونچی آواز سے) سنی اور وہ مسجد الحرام تھی۔ جیسا کہ ثقات ابن حبان میں تصریح ہوگئی ہے ثابت ہوا کہ اہل مکہ کا مذہب جہر سے آمین کہنا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔ جن میں آپ اہل مکہ کے خلاف ہیں۔ پھر صرف اس ایک مسئلہ میں ان کا سہارا کس منہ سے لیتے ہو؟ اور اس عنوان کے تحت امام شافعی سے نقل کرتے ہیں "ہمارے شہر مکہ شریف میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

الجواب:...... **اولاً**: یہ زمانہ صحابہ کرام کے بعد کا تھا لہٰذا کسی کا بھی عمل حجت نہیں ہے۔

ثانیاً:...... امام شافعی کا اپنا مذہب تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

ثالثاً:...... امام شافعی تو اس طرح بھی فرماتے ہیں کہ "رایت الناس یقومون بالمدینۃ تسعاً وثلاثین رکعۃ" (مختصر قیام اللیل صفحہ ۱۴۹) (یعنی میں نے لوگوں کو مدینہ میں انتالیس رکعات کے ساتھ قیام کرتے ہوئے دیکھا ہے) پھر مولوی صاحب اس نقل کے متعلق کیا کہتے ہیں بلکہ امام شافعی کے کلام سے ظاہر ہوا کہ امت میں اختلاف رہا ہے۔ بیس کے عدد پر اجماع نہیں ہے۔ بلکہ مدینہ منورہ دار الخلافہ رہا ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کو اس کا تو خیال کرنا چاہیے کیونکہ عدد کی زیادتی بھی ہے۔ باقی ہمارے لیے اتنا ہی کافی

ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل صرف آٹھ رکعات پر تھا اور صحابہ کرام کا بھی یہی عمل تھا۔ وھو الرابع

پھر مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ "آج تک مکہ، مدینہ میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں۔"

الجواب: اوّلاً: ...... اصول کے مطابق کسی کا عمل امت کے لیے حجت نہیں ہے جب تک کہ رسول اکرم ﷺ سے ثبوت نہ ملے۔

ثانیاً: ...... اصل مدینہ والوں کا عمل تو گیارہ رکعتوں پر ہے، جیسا کہ خلافت فاروقیہ کا حوالہ دیا گیا۔ بعد میں کچھ بھی ہو یہ نئی چیز کہلائے گی۔

ثالثاً: ...... مولوی صاحب نے تراویح کا ایک مسئلہ ہی سامنے رکھا ہے۔ لہٰذا مکہ اور مدینہ کے دوسرے مسائل بھی نظر میں رکھ کر سوچنا چاہیے۔ کیونکہ دونوں پاکیزہ شہروں میں اونچی آواز سے آمین کہی جاتی ہے۔ امام کے پیچھے عام لوگ سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں، رفع الیدین کی جاتی ہے، نماز مغرب سے قبل عام طور پر دو رکعت سنت پڑھی جاتی ہیں، تین رکعت وتر تراویح کے بعد اس طرح پڑھتے ہیں کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں اور تیسری رکعت الگ پڑھتے ہیں۔ نیز تکبیر اکہری کہی جاتی ہے مولوی صاحب حرمین کے اس عمل کو بھی قبول کریں گے؟ اپنا معمول بنائیں گے؟ یا ھوا پرستی کا شکار بنیں گے جو بات ان کے مذہب کے مطابق ہوگی وہ لیں گے اور دوسری کے بارے میں کہیں گے کہ ہمارے امام کے مذہب میں یہ مسائل نہیں ہیں ہم بھی اپنے امام (امام اعظم محمد رسول اللہ ﷺ) کی وجہ سے مجبور ہیں اور اگر دلیل کے میدان میں آؤ گے تو پھر دلائل سے تو آٹھ ہی ثابت ہوئیں نہ کہ بیس، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

اس کے بعد امام ترمذی سے نقل کرتے ہیں کہ "یہ قول سفیان الثوری ابن المبارک اور امام شافعی کا ہے۔"

جواب: اوّلاً: ...... مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی کے قول کو لے کر کوئی مسئلہ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ یہ شان فقط رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ جن کا قول دلیل بن سکتا ہے اور آپ ﷺ ہی کے قول سے مسئلہ ثابت ہوسکتا ہے اور آپ سے ثبوت نہ ملنے سے ہی مسئلہ رد ہوسکتا ہے۔

یہ بلند رتبہ ملا جس کو ملا

اگر آپ کے پاس صحیح حدیث ہوتی تو وہی آپ کے لیے کافی تھی۔ جب وہاں سے کوئی ثبوت نہیں ملتا تو دوسروں میں کیوں چھپ رہے ہو اور اقوال کو سہارا بنا رہے ہو۔

ثانیاً: ...... صحیح حدیث کے مقابلے میں کسی کا قول بھی حجت نہیں ہے۔

ثالثاً: ...... صحابہ کرام کے اجتماعی عمل ملنے کے بعد کسی قول کی باقی کیا حیثیت رہتی ہے۔

رابعاً: ...... امام مالک سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے گیارہ کو پسند کیا اور زیادہ کو محدث کہتے ہیں تو پھر یہ

اختلافی صورت ہوئی اور ایسی صورت میں قرآن وحدیث کی طرف لوٹنے کا حکم ہے اور قرآن کریم میں حکم ہے کہ ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ۷) ﴿فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران) ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء) اور حدیث سے صرف آٹھ رکعات ثابت ہوئیں۔ لہٰذا صحیح قول امام مالک کا ہوا جو کہ قرآن وحدیث کے موافق ہے۔

خامساً: ...... امام شافعی کے متعلق تحقیق پیش کی گئی کہ بیس کی تعیین ان کے پاس نہیں ہے۔ نیز آپ کی وصیتوں سے ثابت ہوا کہ آپ کا صحیح مذہب آٹھ رکعات ہے۔ اس وجہ سے صحیح حدیث کا تقاضہ یہی ہے

سادساً: ...... سفیان الثوری اور ابن المبارک کا سہارا آپ کے لیے مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ انہیں آپ خود نہیں مانتے اور ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ ان دونوں ائمہ نے ابو حنیفہ کے متعلق کیا کہا ہے۔ اس کے علاوہ کئی اقوال ہیں جو کہ آپ کی حنفیت کے خلاف ہیں۔

صفحہ ۱۸۸: ...... امام سفیان الثوری کی تعریف کرتے ہیں جس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ لیکن عصبیت اور خطا سے محفوظ ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ جس میں کوئی بھی امتی ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ خواہ عالم ہو یا فقیہ۔ امام ہو یا ولی، مجتہد ہو یا صحابی تم خود سفیان ثوری کے کئی مسائل کے خلاف ہو۔ کیا اس مخالفت کی وجہ سے آپ کو یہ الزام دیا جاسکتا ہے کہ آپ امام سفیان ثوری کو امام المسلمین امیر المومنین فی الحدیث یا حجۃ اللہ علی خلقہ نہیں مانتے؟ اس طرح سے کسی بھی مسئلے میں حدیث سامنے رکھ کر کوئی شخص ان کے قول کو چھوڑ دے تو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اس کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مشہور ومعروف عالم اسلام میں مانے ہوئے قانون کے ماہر حضرت امام ابو حنیفہ، امام احمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ سے بیس رکعت تراویح اس قدر مشہور ہیں جس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے طحاوی شریف اور مؤطا محمد کے علاوہ کئی کتب میں ان سے بیس رکعات منقول ہیں۔"

جواب: اوّلاً: ...... مولوی صاحب نے اس جگہ پر بہت زیادہ مبالغہ کیا ہے بلکہ غلط لکھنے سے باز نہیں آئے کیونکہ طحاوی شریف سے مراد شرح معانی الآثار ہے۔ لیکن اس مسئلہ کا اس میں کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ صفحہ ۱۶۶ ج ۱۰ میں ام المومنین والی حدیث "ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة" موجود ہے اور بس اور اسی طرح طحاوی کی دوسری کتاب فقہ میں المختصر بھی ہے۔ لیکن اس میں اس مسئلہ کا ذکر نہیں ہے۔ مولوی صاحب پر لازم ہے کہ اس کی کوئی کتاب پیش کریں۔ جس میں ان تینوں ائمہ (ابو حنیفہ۔ محمد اور ابو یوسف) سے بیس رکعات کے متعلق قول یا عمل نقل کیا ہوا ہو۔

ثانیاً: ...... مؤطا محمد کا نام بھی لیا ہے لیکن اس میں بھی بیس کا ذکر نہیں ہے۔ پتہ نہیں کہ مولوی صاحب نے یہ

کتاب خود بھی دیکھی ہے یا نہیں۔ یا اندھیرے میں بندوق چلائی ہے بلکہ مؤطا محمد صفحہ ۱۴۱ میں امام محمد باب مقرر کرتے ہیں کہ "باب قیام شهر رمضان وما فيه من الفضل" اس میں تعداد رکعات کے متعلق فقط ایک روایت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا والی ہے کہ "ما كان يزيد فی رمضان ولا غيره على احدى عشرة ركعة" الحدیث۔ آخر میں امام محمد فیصلہ دیتے ہیں کہ "وبهذا كله ناخذ" باقی بیس کے متعلق کوئی بھی روایت نہ مرفوع نہ موقوف اور نہ مقطوع پیش کرتے ہیں اور نہ ہی امام ابوحنیفہ یا ابو یوسف سے بیس رکعات نقل کرتے ہیں۔ مولوی صاحب کو چاہیے کہ دوبارہ مؤطا کھول کر دیکھیں بلکہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امام محمد کی تصنیف کردہ کتب موجود ہے ا۔ موطا ۲۔ کتاب الآثار ۳۔ کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ جس کو کتاب الحج کہا جاتا ہے ۴۔ کتاب الاصل ۵۔ کتاب الزیادات ۶۔ الجامع الکبیر ۷۔ الجامع الصغیر ۸۔ الامانی ۹۔ المخارج فی الحیل ۱۰۔ الیسر الکبیر (مع شرحہ للسرخسی) لیکن کسی میں بھی یہ ذکر نہیں ہے کہ تراویح بیس رکعت پڑھی جائیں یا امام ابوحنیفہ پڑھتے تھے یا بیس پڑھنے کا حکم دیا ہو یا بیس کو پسند کیا ہو یا ان کے مذہب میں بیس رکعات پڑھتا ہو۔ بلکہ موطا کی طرح کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ صفحہ ۱۹۲ ج ۱ میں ام المومنین عائشہؓ کی حدیث ما کان یزید (الحدیث) مذکور ہے اور کتاب الآثار طبع لاہور۔ صفحہ ۲۳ پر یہ روایت ہے۔ "محمد قال اخبر نا ابو حنيفة قال حدثنا ابو جعفر قال كان رسول الله ﷺ يصلى مابين صلوٰة العشاء الاخرة الى صلوٰة الفجر ثلاث عشر ركعة ثمانى ركعات تطوعاً وثلاث ركعات الوتر وركعتين الفجر" (یعنی امام محمد اپنے استاد ابوحنیفہ سے بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابو جعفر نے بیان کیا کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز عشاء سے فجر تک تیرہ رکعات پڑھتے تھے آٹھ نفل رکعات تین رکعات وتر اور دو فجر کی رکعات) تینوں کتابوں (موطا، الحجۃ، الآثار) سے ہمارے مذہب کی تائید ہوتی ہے باقی بیس کا کسی بھی کتاب میں ذکر نہیں ہے۔ نہ امام محمد کا مذہب نہ امام ابو یوسف کا، نہ امام ابوحنیفہ کا۔ مولوی صاحب مکلف ہے اور ہمارا علی رؤس الاشہاد ان سے مطالبہ ہے کہ امام محمد کی کسی بھی کتاب سے ثابت کرے کہ انھوں نے بیس رکعات کہی ہوں یا امام ابوحنیفہ یا ابو یوسف سے نقل کی ہوں۔ اسی طرح امام ابو یوسف کی کتاب الآثار ہے اس میں بھی کہیں ایسا اشارہ نہیں ہے کہ میرا مذہب بیس رکعتیں ہے۔ یا ابوحنیفہ کا۔ بلکہ صفحہ ۴۱ پر ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ "ان الناس كانوا يصلون خمس ترويحات فى رمضان" پتہ نہیں کہ وہ کون سے لوگ ہیں؟ صحابہ کرام کا زمانہ تو انہوں نے دیکھا ہی نہیں ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور صفحہ ۳۴ پر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے "انه كان يصلى بعد العشاء الآخرة الى الفجر فيها بين ذالك ثمانى ركعات ويوتر بثلاث ويصلى ركعتى

الفجر" باقی یہ کہیں پر بھی ذکر نہیں ہے کہ ابو یوسف کہیں کہ میرا مذہب بیس رکعتیں پڑھنا ہے باقی عقل والے سمجھ سکتے ہیں کہ امام ابو یوسف رسول اللہ ﷺ سے آٹھ رکعات نقل کرتے ہیں اور ابراہیم نخعی سے بیس رکعتیں نقل کرتے ہیں اب انصاف والے فیصلہ کریں کہ امام ابو یوسف کس کی بات کو اونچا کریں گے اور ان کا مذہب کس کے موافق ہوسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے یا ابراہیم نخعی کے؟ بلکہ مولوی صاحب کو یہ بھی اجازت دیں گے کہ جب کہ امام ابوحنیفہ کی اپنی کوئی کتاب نہیں سمجھتے علامہ شبلی نعمانی سیرت النعمان صفحہ ۱۱۹ پر لکھتے ہیں کہ "آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے" اور امام محمد اور امام ابو یوسف کی کتابوں میں بیس رکعتوں کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ مولوی صاحب کسی بھی کتاب میں سے معتبر سند کے ساتھ تینوں ائمہ ابوحنیفہ، ابو یوسف اور امام محمد میں سے کسی ایک سے روایت نقل کریں بشرطیکہ اس کی سند ہو اور سند بھی صحیح ان شاء اللہ ایسا ثبوت نہیں دے سکیں گے۔ نیز مولوی عبدالحی لکھنوی النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر (۳) الجامع الکبیر (۴) السیر (۵) الزیادات۔ پھر جب کہ تمہاری ظاہر روایت میں بیس کا ذکر نہیں ہے تو پھر اس کو امام ابوحنیفہ کا مذہب کس طرح کہتے ہو؟ کیونکہ تمہاری فقہی کتب میں کئی مسائل ہیں جو کہ متاخرین کی تخریجات میں سے ہیں امام صاحب سے منقول نہیں ہیں۔ خود مولانا عبدالحی لکھنوی النافع الکبیر صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں کہ "انہ لیس کل ما فی الفتاوی المعتبرة المختلفة کالخلاصة والظھیریة وفتاوی قاضی خان وغیرھا من الفتاوی التی لم یمیز اصحابھا بین المذھب والتخریج وغیرہ قول ابی حنیفة وصاحبیہ بل منھا ماھو منقول عنھم ومنھا ما ھو مستنبط الفقھاء ومنھا ما ھو مخرج الفقھاء فیجب علی الناظر فیھا ان لا یتجاسر علی نسبه کل مافیھا الیھم بل یمیز بین ما ھو قولھم وما ھو مخرج من بعد ھم ومن لم یتمیز بین ذالك وبین ھذا اشکل الامر علیه" گویا کہ فقہ حنفی کی کتب میں صرف تین ائمہ ابوحنیفہ محمد اور ابو یوسف کے اقوال منقول نہیں ہیں اور نہ ہی اس میں ذکر شدہ سب مسائل ان سے منصوص یا منقول ہیں۔ بلکہ کئی مسائل ان کے بعد والوں کے استنباط اور تخریجات کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا ان کا مطالعہ کرنے والوں کو ایسی جرات نہیں کرنی چاہیے جو مسائل ان میں دیکھے ان تینوں ائمہ یا ان میں سے کسی ایک کی طرف منسوب کرے۔ یا ان کا قول کہے بلکہ آئمہ کے قول اور بعد والوں کے استنباط اور تخریج میں تمیز اور فرق کرے اور اگر اس طرح سے نہیں کرسکتے تو پھر ان کے لیے مسئلہ مشکل ہے اور لکھنوی صاحب اس کی شہادت کے طور پر دو مسئلے بھی پیش کرتے ہیں۔ ایک "دہ دردہ" کا مسئلہ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ "العشر فی العشر فی بحث الحیاض فان الفتاوی مملوۃ من اعتبارہ والفتوی علیه مع انه لیس مذھب

صاحب المذهب وانما مذهبه كما صرح به فى الموطا وقد ماء اصحابنا هوا نه لو كان الحوض بحيث لا يتحرك احد جوانبه بتحريك الجانب الآخر لا يتنجس بوقوع النجاسة فيه والا يتنجس ومن لم تيقنه وظن انه مذهب صاحب المذهب تعسر عليه الا مر فى تا صليه على اصل شرعى معتمد عليه" اور دوسرا مسئلہ التحیات کے وقت اشہد کہتے ہوئے انگلی اٹھانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ "كذالك مسئلة الاشاره فى التشهد فان كثيرا من كتب الفتاوى متواردة على منعها وكرا هتها فيظن الناظرون فيها انه مذهب ابى حنيفة وصاحبيه فيشكل عليهم الامر بورود احاديث متعددة قولية وفعلية تدل على جوازها وسنيتها" آخر میں فرماتے ہیں کہ "وقس عليه امثاله وهى كثيرة لا تخفى على المحقق" (النافع الکبیر صفحہ ۸) پھر جب کہ بیس تراویح کا قول ظاہر روایت میں نہیں ہے تو پھر اس کو امام ابوحنیفہ یا ابو یوسف یا محمد کا مذہب کہنا درست نہ ہوگا کیونکہ ان سے کوئی بھی نقل موجود نہیں ہے۔ باقی آپ کی فقہ اور فتاوی کی کتب اگر چہ ان میں بیس کی تصریح ہو لیکن یہ بعد والوں کی تخریج ہے۔ پھر بیس کو تم حنفی مذہب کہو تو تمہاری مرضی۔ لیکن امام ابوحنیفہ یا ابو یوسف یا محمد کا مذہب نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ "ده در ده" کے مسئلے اور دیگر مسائل کی طرح بعد والوں کی اپنی تحقیق سے نکالے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں آپ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ فقہ حنفی میں بیس رکعات کا ذکر ہے لیکن ان تینوں ائمہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔

پھر لکھتے ہیں کہ "حضرات احناف کے بزرگوں کا عمل دیکھنے کے لیے سندھی ایک کتاب موجود ہے اس کا نام الوثیق الاحناف بنام اشراق المصابیح فی فضائل رمضان وعشرین رکعۃ من التراویح" ہے۔

جواب: اوّلا: ...... الوثیق الاحناف تصنیف مولوی میر محمد ہالائی کی جو پہلے وثیق الاحناف کے نام سے ظاہر ہوئی پھر اس کو توثیق الاحناف کہا گیا اس کا جواب ہم نے پہلے ہی لکھ دیا ہے جو "الوسیق بجواب الوثیق" کے نام سے چھپ کر محبین دین کے ہاتھوں پہنچ چکا ہے۔ خود مولوی صاحب بھی دیکھ چکے ہیں۔ تب ہی تو بار بار اس کے حوالے دیتے ہیں۔ جن باتوں کے پہلے ہی اس میں مدلل دمسکت جوابات مذکور ہیں پھر وہی باتیں لکھی ہیں اور رسالہ اشراق المصابیح کا بھی ہم جواب الاحراق فی جواب الاشراق کے نام سے لکھ چکے ہیں جو کہ غیر مطبوع ہے۔ ہمارے پاس اس کا نسخہ موجود ہے مولوی صاحب کبھی بھی تشریف لا کر دیکھ سکتے ہیں۔

ثانیاً: ...... اس میں بھی صرف فقہاء حنفیہ سے مذکور ہے۔ تینوں ائمہ میں سے کسی سے بھی کوئی معتبر نقل نہیں ہے۔ نہ امام محمد نہ امام ابو یوسف کی کسی کتاب سے اور نہ ہی کسی کتاب کی معتبر سند سے تینوں ائمہ میں سے کسی ایک سے منقول ہے۔

مغنی ابن قدامہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ''امام احمد بن حنبل کے نزدیک بیس رکعت تراویح پسندیدہ ہیں۔ امام سفیان ثوری اور ابوحنیفہ بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں۔''

جواب: اوّلاً:...... المغنی کے مصنف ساتویں ہجری کے ہیں۔ جیسا کہ سرورق پر لکھا ہوا ہے۔ امام احمد اور ان کے درمیان واسطے معلوم نہیں ہیں۔ لیکن ہم نے جو پہلے قیام اللیل صفحہ ۱۵۹ سے عبارت نقل کی اس میں ہے کہ کئی اقوال ہیں چالیس کے قریب کہ یہ نفلی نماز ہے۔ یعنی اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ یہ قول نقل کے لحاظ سے مضبوط اور قوی ہے۔ کیونکہ امام مروزی اسحاق بن منصور سے نقل کرتے ہیں کہ وہ امام احمد کے خاص شاگردوں میں سے ہے۔ تہذیب صفحہ ۲۵۰ ج ۱۔ میں اسحٰق بن منصور کے ترجمہ میں ہے کہ "وتلمیذ لاحمد بن حنبل واسحاق بن راهویه ویحییٰ بن معین وله عنهم مسائل" (یعنی یہ احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ یحیٰی بن معین کا شاگرد ہے اور اس کے پاس ان کے مسائل ہیں) اور امام مروزی اسحٰق بن منصور کا ہمعصر ہے کیونکہ اسحٰق سنہ ۲۵۱ھ میں فوت ہوا ہے۔ (التہذیب صفحہ ۲۵۰ ج ۱۔ صفحہ ۲۹۴ ج ۹) لہٰذا اس کا لقاء بالکل قطعی ہے۔ اس وجہ سے یہ سند قوی اور نقل میں اقدم ہے یعنی امام احمد کوئی حد مقرر نہیں کرتے۔

ثانیاً: ...... اسی مغنی میں اس عبارت کے کچھ ہی بعد صفحہ ۷۸۲ ج ۱ میں ہے "نص علی هذا احمد رحمه الله وقال انا نذهب فی الوتر الی رکعت" اور صفحہ ۷۸۵ ج ۱ میں ہے کہ "ویقنت بعد الرکوع نص علیه احمد" اب مولوی صاحب اس نقل کو بھی قبول کریں گے؟ اور حنبلی خواہ دیگر مذاہب کے سب سے زیادہ جاننے والا امام ابن تیمیہ ان کے فتاوی صفحہ ۱۲۰ ج ۲۳ میں ہے "وقیام اللیل فی رمضان وغیره انما یکون بعد العشاء وقد جاء مصرحا به فی السنن انه (ﷺ) صلی بعد العشاء وکان النبی ﷺ قیامه باللیل هو وتره یصلی باللیل فی رمضان وغیر رمضان احدی عشرة رکعة اور ثلاث عشرة رکعه" اور صفحہ ۲۷۲ ج ۲۲ میں گیارہ بیس اور چھتیس کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "وهذا کله سائغ فکیف ما قام فی رمضان من هذه الوجوه فقد احسن" گویا کہ امام ابن تیمیہ بیان کرتے ہیں کہ حنبلی مذہب کے مطابق جتنی بھی پڑھے وہ ٹھیک ہے، بیس کی تعیین نہیں ہے۔

ثالثاً:...... امام احمد خود اپنے قول کو واجب الاتباع نہیں سمجھتے امام ابوداؤد (صاحب السنن) مسائل الامام احمد صفحہ ۲۷۶ میں لکھتے ہیں "سمعت احمد یقول لیس احد الا ویوخذ من رایه ویترك ما خلا النبی ﷺ" نیز فرماتے ہیں کہ "لا تقلدنی ولا مالکا ولا الشافعی ولا الاوزاعی ولا

الثوری وخذ من حیث اخذوا وقال من قلة فقه الرجل ان یقلد دینه الرجال" (ایقاظ ہم لاولی الابصار صفحہ ۱۱۳) اور صفحہ ۱۱۵ پر حافظ ابن قیم کی کتاب اعلام الموقعین کے حوالہ سے امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ "یکره ان یکتب کلا مه ویشتد علیه جدا" نیز فرماتے ہیں کہ "لیس لا حد مع الله ورسوله کلام" (عقد الجید مصنف شاہ ولی اللہ الدہلوی صفحہ ۳۲) پھر جب کہ رسول اللہ ﷺ سے آٹھ ہی ثابت ہیں تو پھر خود امام احمد کے فیصلے کے مطابق کسی دوسرے کا قول یا عمل قبول نہیں ہے۔ نیز شاہ ولی اللہ المسوی صفحہ ۱۷۴ ج۱ میں فرماتے ہیں کہ "خیر احمد بین احدی عشرة وثلاث وعشرین" (یعنی امام احمد نے گیارہ اور تئیس میں اختیار دیا ہے) اور المصفیٰ صفحہ ۱۷۷ ج۱ میں فرماتے ہیں کہ "امام احمد تخییر داشتہ است یازدہ رکعت وبیست وسہ رکعت واللہ اعلم یعنی امام احمد گیارہ خواہ تئیس میں اختیار دیتے ہیں۔ پھر خواہ مخواہ بیس رکعات کو آپ کا مذہب کہنا صحیح نہیں ہے اس طرح امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری اور امام شافعی کے متعلق ذکر ہو چکا ہے۔

اس کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی کا قول نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم پہلے بار بار بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل اور قول کے مقابلے میں کسی کا بھی قول اور عمل معتبر نہیں ہے۔

ثالثاً:...... شیخ صاحب کے چند مسائل ہم فاتحہ کی بحث میں نقل کر آئے ہیں جس کو تمہارے حنفی نہیں مانتے۔ خاص طور پر شیخ صاحب تو احناف کو مرجیہ کہتے ہیں۔ یعنی اہل سنت سے خارج کہتے ہیں۔ کیا آپ ان کے کہنے پر حنفیت کو چھوڑ دیں گے؟ یا جو اور مسائل لکھے ہیں ان کو مانیں گے؟ اگر نہیں تو پھر جس کی سب باتیں تمہارے نزدیک معتبر نہیں ہیں۔ اس کی بات کس طرح سے پیش کرتے ہو؟

ثالثاً: ...... شیخ صاحب کی عبارت بھی مولوی صاحب نے مکمل نقل نہیں کی عبارت یوں ہے "ویستحب لها الجماعة والجهر بالقراة لان النبی ﷺ صلاها كذالك فی تلك اللیالی ویکون ابتدؤها فی اللیلة التی یسفر صباحها غرة رمضان لانها لیلة من شهر رمضان ولا ن النبی صلی اله علیه وسلم كذالك صلاها ویکون فعلها بعد صلاة الفرض وبعد ركعتین بتسلیمة لان النبی ﷺ هكذا صلا ها وهی عشرون ركعة یجلس عقب كل ركعتین ویسلم فهی خمس ترویحات كل اربعة منها ترویحة" (غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۵۔ ۱۶ ج ۲ طبع مصر) اب پڑھنے والے عبارت پر غور کریں کہ شیخ صاحب اس عبارت میں چار مسئلے بیان کرتے ہیں پہلا یہ کہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا اور جہری قرأت کرنا مستحب ہے۔ دوسرا کہ رمضان کا چاند دیکھ کر تراویح شروع کرے تیسرا یہ کہ نماز عشاء کے بعد پڑھی جائیں اور ہر دو رکعات پر سلام ہو اور چوتھا یہ کہ کل

بیس رکعات ہوں پہلے تین مسائل میں سے ہر ایک کے بعد اس کے لیے دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح سے تراویح پڑھی ہیں لیکن چوتھے مسئلے (بیس رکعات) کے لیے اس قسم کی دلیل ذکر نہیں کرتے جس سے صاف ظاہر ہے کہ خود شیخ صاحب بیس کو سنت نبوی نہیں سمجھتے ورنہ اس کے لیے بھی یہی دلیل دیتے۔ دوسری صورت میں تینوں مسائل کے بعد بار بار انہی الفاظ کا تکرار کرنا کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح تراویح پڑھتے تھے اس کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ آخر میں چاروں مسائل ذکر کر کے کہتے کہ آپ ﷺ اس طرح سے تراویح پڑھتے تھے۔ لیکن اس طرح سے نہیں کیا۔ بلکہ انھوں نے اصلی اور نقلی کام میں فرق کیا ہے۔ پہلے تینوں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیے ہیں اور چوتھا آپ کی طرف منسوب نہیں کیا سمجھنے والوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ شیخ صاحب بیس کو رسول اللہ ﷺ کی سنت نہیں کہتے بلکہ اسی کتاب کے صفحہ ۸۰ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ ”واما قدر صلاته ﷺ فی اللیل فبما اخبرنا به الشیخ ابو نصر عن والده قال حدثنا محمد بن احمد بن ابی الفوارس قال حدثنا احمد بن یوسف قال حدثنا احمد بن ابراهیم بن ملحان قال حدثنی ابو بکر قال حدثنی اللیث عن ابی حبیب عن عراك عن عروة رحمه الله قال ان عائشة رضی اللہ عنہا اخبرته ان رسول الله ﷺ كان يصلی باللیل ثلاث عشرة ركعة وركعتی الفجر وروی انه ﷺ كان يصلی من اللیل اثنتی عشرة ركعة ثم یوتر بواحده وقیل عشرة ركعات ثم یوتر بواحدة “ ثابت ہوا کہ خود شیخ صاحب رسول اللہ ﷺ کا مسنون عدد فجر کی دو رکعات سنت کے علاوہ گیارہ رکعات کہتے ہیں اسی وجہ سے اس عبارت میں بیس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں کی اور شیخ صاحب کے اس طریقہ سے یہ بھی معلوم ہوا وہ رسول اللہ ﷺ کی تراویح اور تہجد کو ایک ہی نماز سمجھتے ہیں۔ ورنہ پہلی جگہ پر بیس کی طرف نسبت کرتے بلکہ صفحہ ۱۵ ج ۲ میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ نے دونوں راتیں جماعت کو تراویح پڑھائی لیکن عدد کی طرف منسوب نہیں کرتے اور یہاں پر آپ کی طرف گیارہ کا عدد منسوب کرتے ہیں جس سے واضح ہے کہ وہ آپ کی یہ ایک نماز کہتے ہیں۔ اب مولوی صاحب کو شیخ صاحب کی کتاب سے کیا فائدہ ہوا۔ بلکہ اس عبارت میں تصریح کر رہے ہیں کہ ایک رکعت وتر سنت ہے اور مولوی صاحب شیخ صاحب کو ان القاب سے یاد کرتے ہیں ”حضرت پیران پیر ، قطب الاقطاب ، سید عبدالقادر جیلانی “ دیکھیں کہ اب اپنے پیران پیر اور قطب الاقطاب کے بارے میں کیا اثر رکھتے ہیں۔ آپ کے فیصلے کو مانتے ہیں یا نہیں یا منہ چھپا کر بھاگ جاتے ہیں، نیز شیخ صاحب وتر کی قنوت کے بارے میں لکھتے ہیں ”اذا رفع راسه من الركوع فی الركعة الاخیرة (الغنیہ صفحہ ۸۶ ج ۲) ان سب

باتوں سے مولوی صاحب خود کو کس طرح بچا سکتے ہیں۔

صفحہ ۱۸۹:...... امام غزالی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بیس رکعات کے قائل تھے۔ لیکن ان کی عبارت کے ترجمہ میں مولوی صاحب نے موہوم عبارت لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ "یہ بیس رکعتیں ہیں۔ ان کے ادا کرنے کی ترتیب مشہور ہے اور یہ سنت موکدہ ہے" اور اس میں ابہام رکھتے ہیں کہ شاید بیس پڑھنا سنت ہے لیکن اس طرح نہیں ہے "وهي سنة مؤكدة" تراویح کی طرف اشارہ ہے تراویح کی طرف لوٹتا ہے۔ باقی عدد کے مسنون ہونے کی طرف غزالی کوئی تصریح نہیں کرتے۔ ایسے کئی اقوال ہم بھی نقل کر سکتے ہیں۔ لیکن اقوال میں سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اصل مقصد دلیل ہے وہ تو غزالی نے بالکل نقل نہیں کی۔ بلکہ اس مضمون کے آخر میں کہتے ہیں کہ "ومما يستحب القنوت في الوتر في النصف الاخر من رمضان" (احیاء العلوم صفحہ ۱۸۲ ج۱) اب مولوی صاحب غزالی کی یہ بات بھی مانیں گے؟ نیز تراویح سے قبل عیدین کا ذکر کرتے ہیں۔ بارہ تکبیرات کہتے ہیں سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری میں یہاں پر بھی مولوی صاحب غزالی کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے اور وتر کے متعلق فرماتے ہیں کہ "يجوز الوتر مفصولا وموصولا بتسليمة واحدة وتسليمتين وقد اوتر رسول الله ﷺ بركعة وثلاث وخمس وهكذا بالاوتار الى احدى عشرة ركعة" (الاحیاء صفحہ ۱۷۶ ج۱) اور صفحہ ۱۴۱ پر کہتے ہیں کہ "اما السنن فمن الافعال اربعة رفع اليدين في تكبيرة الا حرام وعند الهوى الى الركوع وعند الارتفاع الى القيام" الخ اور صفحہ ۱۵۷ پر لکھتے ہیں کہ "ويجهر بقوله آمين في الصلاة الجهرية وكذا المأموم ويقرنه المأموم تامينه بتأمين الا مام معا لا تعقيبا ويجهر ببسم الله الرحمن الرحيم" اور صفحہ ۱۵۸ پر کہتے ہیں کہ "ولا يقرأ المأموم وراء الا مام الا الفاتحة فان لم يسكت الا مام قرأ فاتحة الكتاب معه" وغیرھا من المسائل میں آپ غزالی کے خلاف ہیں اور آخر میں غلام رسول قلعہ میہاں سنگ ضلع گوجرانوالہ کی طرف منسوب کر کے رسالہ تراویح کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے اس عالم موصوف کے متعلق تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ وہ رسالہ علامہ موصوف کا نہیں ہے اگر صرف اقوال پر ہی فیصلہ کرنا ہے تو ہم کئی احناف سے نقل کر چکے ہیں کہ سنت صرف آٹھ رکعات ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے بیس ثابت نہیں ہیں آپ نے صرف آٹھ ہی پڑھی ہیں۔ تاہم جو عبارت نقل کی ہے اس کا جائزہ لیتے ہیں عبارت کا ترجمہ اس طرح سے ہے "حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام اور چاروں امام اور مسلمانوں کی تمام بڑی جماعت مشرق سے لے کر مغرب تک حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت سنہ ۱۲۸۴ھ تک سب بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے آئے ہیں۔"

کیا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے لے کر سن ۱۲۸۴ء تک بیس رکعات ہوتی تھیں ایک دعویٰ اور اس کی حقیقت

جواب: اوّلاً:...... پڑھنے والے غور کریں کہ اس عبارت میں جو دعوے کیے گئے ہیں وہ سب غیر صحیح ثابت ہوئے۔ کیونکہ کسی ایک صحابی سے بھی بیس کا عدد معتبر سند سے ثابت نہیں ہوا اور تابعین سے بھی قوی ثبوت نہیں ملا حالانکہ یہ خود احناف کے نزدیک بھی حجت نہیں ہے اور چاروں ائمہ کی طرف بھی نسبت غلط ہوئی۔ امام احمد اور شافعی نے کوئی حد مقرر نہیں کی۔ امام ابوحنیفہ سے کوئی قول یا عمل اس بارے میں ثابت نہیں ہوتا امام مالک نے گیارہ کو اختیار کیا ہے۔ یہ سب باتیں تفصیل سے بیان ہو چکی ہیں باقی یہ کہنا کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت مشرق سے مغرب تک اور امیر عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے اس وقت تک یہ سب انتہائی مبالغہ بلکہ حقیقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ کا حکم دیا اس میں سب صحابہ متفق تھے اور تابعین کے متعلق بھی خود اس رسالہ کے صفحہ ۴۴ پر ہے "ورد ماثبت بالسنة عبدالحق محدث دهلوی فرموده كان السلف فی زمان عمر بن عبد العزيز يصلون باحدى عشرة ركعة قصد التشبه برسول الله ﷺ" اور عمر بن عبدالعزیز خلیفہ تابعی بڑا مشہور عالم ہے۔ جب کہ سلف آپ کے زمانہ میں گیارہ پڑھتے تھے۔ وہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ کی متابعت بھی اسی میں ہے۔ لہٰذا بیس میں متابعت نہیں کہی جائے گی۔ اس کے علاوہ مشرق اور مغرب صرف پنجاب یا ہندوستان کا نام نہیں ہے۔ مولوی صاحب کو چاہیے کہ مسلمانوں کے ممالک کی سیر کرے۔ ہر ملک میں الحمد للہ کئی علماء اور دوسرے ملیں گے جو گیارہ رکعات پڑھتے ہیں۔ خود سعودی عرب کے کئی دیہاتوں میں اور مکہ مدینہ کی کئی مساجد میں گیارہ پڑھی جاتی ہیں خود حرمین میں بے شمار لوگ آٹھ رکعات پڑھ کر چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ دعوی غلط ہے۔ بلکہ خود اسی رسالہ کے صفحہ ۲۴ پر بیس والی حدیث ابوشیبہ راوی والی جو کہ مولوی صاحب نے نقل کی ہے اس کو ضعیف مانتے ہیں۔ اب یہ تاویل کرتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت مقبول ہوتی ہے۔ لیکن یہ جواب فرسودہ اور کمزور ہے۔

اوّلاً:...... یہ یہاں فضائل اعمال کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ احکام کا مسئلہ ہے یعنی ایک راتبہ نماز کی رکعات مقرر کرنی ہیں اس کے لیے ضعیف روایت کام نہیں آئے گی۔

ثانیاً:......اس کو قبول کرنے کی بھی شرائط ہیں۔ اول یہ کہ اس میں ضعف شدید نہ ہو دوم یہ کہ جس مسئلے کے متعلق یہ روایت ہو وہ مسئلہ کسی قاعدے یا اصل کے تحت مندرج ہو اور فی نفسہ ثابت ہو۔ سوم کہ اس پر عمل

صرف احتیاطی انداز میں ہو نہ کہ اعتقاداً اس کے مطابق ہو۔ یا اس کو سنت سمجھا جائے۔ چنانچہ تدریب الراوی صفحہ ۱۰۸ پر ہے کہ "ذکر شیخ الاسلام (الحافظ ابن حجر العسقلانی) له ثلاث شروط احدها ان یکون الضعف غیر شدید فیخرج من انفرد من الکذا بین والمتهمین بالکذب ومن فحش غلطه نقل العلائی الا تفاق وعلیه الثانی ان یندرج تحت اصل معمول به الثالث ان لا یعتقد عند العمل به ثبوته بل یعتقد الاحتیاط وقال هذان ذکر هما ابن عبد السلام وابن دقیق العید" اور یہاں پر خیر سے تین شرطیں نہیں ملیں اور یہ کہ اس کا راوی ابوشیبہ سخت ضعیف ہے۔ اس کو متروک اور منکر الحدیث کہا گیا ہے۔ کذب اور وضع کی نسبت بھی ان کی طرف کی گئی ہے اور ابن حبان کا قول نقل ہوا کہ "کثر وهمه وفحش خطائه" لہٰذا اس کی روایت کسی بھی طرح قبول کرنے کے لائق نہیں ہے۔ احکام میں نہ فضائل میں اور دوسرا یہ کہ اس روایت کے علاوہ کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ شرط بھی مفقود ہے اور تیسرا کہ مولوی صاحب جیسے مصنف اور محرر اس روایت میں ثبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اس روایت کی بناء پر بیس رکعات کو سنت سمجھ بیٹھے ہیں، لہٰذا یہ روایت کسی بھی طرح قبول کرنے کے لائق نہیں ہے۔

ثالثاً:...... دوسرا کوئی بھی اس کا طریقہ یا سند نہیں ہے۔ یا شاہد اور متابع نہیں ملتا۔ لہٰذا اس کا حسن کے درجے تک پہنچنا محال ہے۔ بلکہ اس کے لیے بھی شرط ہے کہ ضعف خفیف ہو اور یہاں پر شدید ہے۔ لہٰذا یہ روایت نہ دوسری روایت سے خود تقویت لے سکتی ہے اور نہ کسی دوسری کو تقویت دے سکتی ہے۔ نیز اسی رسالہ تراویح صفحہ ۲۵ پر یزید بن رومان والی روایت (جس میں ہے کہ امیر عمر کے زمانے میں لوگ بیس پڑھتے تھے) کو منقطع تسلیم کرتے ہیں بلکہ صفحہ ۲۹ پر صاف کہتے ہیں کہ "حدیث صحیح اینست که متمسك ما است علیكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشد ین المهدیین تمسكوا بها وعضوا علیها بالنوا جذ" ثابت ہوا کہ صاحب الرسالہ کے پاس کوئی دوسری صحیح اور صریح روایت نہیں ہے جس سے بیس رکعات ثابت ہوں۔ باقی یہ حدیث اس کے متعلق تفصیل سے بحث گزر چکی ہے کہ یہ ایک سنت ہے جو رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمائی اور خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا وہ صریح حدیث سے آپ ﷺ کے زمانہ میں آٹھ پر عمل ثابت ہوا خلفاء راشدین سے بھی صریحا امیر عمرؓ کے زمانہ میں ثبوت ملا۔ بلکہ صفحہ ۲۹ پر لکھتے ہیں کہ یقیناً "یازده سنت مؤکده نبویه علیه الصلاة والتحیة ادا کردیم" پھر صفحہ ۵۵ پر کہتے ہیں "اگر کسے تنها بطول قراة درخانه یازده رکعت میخواند درادائے سنت او قیل وقال نیست" اب مولوی صاحب یہ عبارت قبول کریں گے؟ نیز

جب تنہائی میں گیارہ سنت ہے تو پھر جماعت کے ساتھ سنت کیوں نہیں ہے الغرض! صاحب الرسالہ کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ

(۱) رسول اللہ ﷺ کا عمل صرف گیارہ رکعتیں ہے اور اس پر عمل کرنے والے کو سنت کے خلاف نہیں کہا جائے گا۔

(۲) اصل رسالہ جس کے جواب میں رسالہ تراویح لکھا گیا ہے اس میں یہ دعوی کیا گیا ہے کہ بیس رکعات والی روایت ضعیف ہے جس کا کئی احناف کو اعتراف بھی ہے اس طرح یزید بن رومان والی روایت کہ لوگ امیر عمر کے زمانہ میں بیس پڑھتے تھے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یزید بن رومان نے امیر عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں دیکھا۔

(۳) بیس رکعات کے متعلق کوئی بھی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔ اس کے جواب میں صاحب رسالہ تراویح نے کوئی معقول چیز پیش نہیں کی بلکہ دونوں روایات کا ضعف قبول کرتے ہیں باقی ان کا عذر کہ فضائل یا تعدد طرق اس کی حقیقت کو آشکارہ کیا گیا۔ وللہ الحمد۔

صفحہ ۱۹۰:...... یہ عنوان مقرر کرتے ہیں کہ ''مسلمانوں کی بڑی جماعت کی تابعداری کا حکم حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک'' یہ عنوان جس کے لیے مولوی صاحب نے اتنا تکلف کیا ہے وہ انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے گا۔ کیونکہ اوپر ثابت کیا گیا کہ اکثریت آٹھ رکعات پر عمل کرنے والی تھی۔ جیسا کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ کا حکم اور اس پر مسلمانوں کا اکٹھے ہونے سے ظاہر ہے نیز یہ بھی ثابت کیا گیا کہ خود تمہارے مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کے فیصلے کے مطابق اکثریت شوافع کی ہے۔ پھر اس عنوان کے مطابق تمھیں حنفیت کو چھوڑ کر شافعیوں کی تابعداری کرنی چاہیے بہر حال اس عنوان کے تحت مولوی صاحب نے مشکوۃ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ "اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ في النار ."

"اتبعوا السواد الأعظم" والی روایت کی اسنادی حیثیت

جواب: اوّلاً:...... مشکوۃ والے نے حوالہ ابن ماجہ کا دیا ہے لکھتے ہیں کہ رواہ ابن ماجۃ عن انس اور ابن ماجہ صفحہ ۳۹۱۔۹۲ میں یہ روایت اس طرح سے ہے: ''حدثنا العباس بن عثمان الدمشقي ثنا الوليد بن مسلم ثنا معان رفاعة السلامي حدثني ابو خلف الاعمى قال سمعت انس بن مالك يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول ان امتي لا تجتمع على ضلالة فاذا رايتم اختلافا فعليكم بالسواد الاعظم" سند سے ظاہر ہوا کہ روایت انتہائی درجے کی ضعیف اور باطل

ہے کیونکہ راوی ابو خلف الاعمیٰ مشہور ضعیف اور واہی ہے اس کو جھوٹا وغیرہ کہا گیا ہے میزان صفحہ ۳۵۶ ج ۱۲ میں ہے "ابو خلف عن انس بن مالك قيل اسمه حازم كذبه يحيىٰ بن معين وقال ابو حاتم منكر الحديث" اور تہذیب صفحہ ۸۷ ج ۱۲ میں ہے "قال ابو حاتم منكر الحديث ليس بالقوى ونقل ابن الجوزى عن ابن معين انه قال فى الاعمىٰ الراوى عن انس كذاب وجزم الدار قطنى فى الافراد بان اسم ابى خلف الراوى عن انس حازم بن عطاء وانه تفرد بالحديث الذى اخرجه ابن ماجه" اور تقریب میں ہے کہ "متروك ورماه ابن معين بالكذب" اور امام ابن حبان کتاب المجروحین صفحہ ۲۶۷ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "منكر الحديث على قلته يا تى باشياء لا تشبه حديث الا ثبات" اور اس کو ابن جوزی نے کتاب الضعفاء والواضعین صفحہ ۸۶ قلمی میں ذکر کیا ہے ایسے شخص کی روایت کو کس طرح سے قبول کیا جائے یا دین کا قاعدہ بنایا جائے؟

ثانیا: ......اس سے ناقل معاذ بن رفاعہ السلامی وہ بھی کوئی معتبر نہیں ہے، حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں کہ "ليس الحديث" اور حافظ ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۱۷۹ ج ۳ میں فیصلہ یہ دیتے ہیں کہ "ليس بمتقن" اور امام ابن حبان کتاب للمجروحین صفحہ ۳۶ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ "يروى مراسيل كثيرة ويحدث عن اقوام مجاهيل لا يشبه حديثه حديث الاثبات فلما صار الغالب على روايته ما تنكر القلوب استحق ترك الاحتجاج به" اور اس کو امام ابن جوزی نے کتاب الضعفاء صفحہ ۳۸۹ قلمی میں اور ذہبی نے دیوان الضعفاء صفحہ ۳۰۲ میں ذکر کیا ہے۔

ثالثا:......خود علماء نے بھی اس روایت کے ضعیف ہونے کی تصریح کی ہے علامہ بوصیری، زوائد ابن ماجہ صفحہ ۱۲۵۔ المصور میں باب السواد الاعظم میں یہ روایت لانے کے بعد فرماتے ہیں کہ "هذا اسناده ضعيف لضعف ابى خلف الاعمى واسمه حازم بن عطاء" (یعنی یہ سند ضعیف ہے ابو خلف الاعمیٰ کے ضعف کی وجہ سے اس کا نام حازم بن عطاء ہے) اسی طرح علامہ ابو الحسن سندھی حاشیہ ابن ماجہ صفحہ ۴۶۴ ج ۲ میں اس کو ضعیف کہتے ہیں۔

رابعا: ......علامہ علی قاری مرقاۃ صفحہ ۲۴۹ ج ۱۔ میں اس روایت کے تحت لکھتے ہیں کہ "يعبر به عن الجماعة الكثيرة والمراد ما عليه اكثر المسلمين قيل وهذا فى اصول الاعتقاد كان الا سلام واما الفروع كبطلا ن الوضوءِ بالمس مثلا فلا حاجة فيه الى الاجماع بل يجوز اتباع كل واحد من المجتهدين كا لائمة الا ربعة وما وقع من الخلاف بين الما

تریدیہ والا شعریۃ فی مسائل فھی ترجع الی الفروع فی الحقیقۃ فانھا ظنیات فلم تکن ھن الاعتقادیات المبنیۃ علی الیقینیات بل قال بعض المحققین ان الخلاف بینھما فی الکل لفظی وقیل المراد جمع المسلمین الذین ھم فی طاعۃ الامام وھو السلطان الاعظم وقیل الجماعۃ من اھل الایمان وقیل الکتاب والسنۃ لکثرۃ معانیھا وقیل کل عالم عامل بالکتاب والسنۃ فی الازھار اتبعوا السواد الا عظم یدل علی ان اعاظم الناس العلماء وان قل عدد ھم ولم یقل الاکثر لان العوام والجھال اکثر عددا۔"

اس عبارت میں سواد اعظم پانچ معانی لکھے ہوئے ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد اکثریت ہے لیکن اس میں بھی نقل کرتے ہیں کہ بعض کا خیال ہے کہ مراد اعتقادی مسائل میں باقی دیگر مسائل جن کو فروعی کہتے ہیں وہ یہاں پر مراد نہیں ہیں۔ پھر تو مولوی صاحب کا اس روایت کو پیش کرنا ہی عبث اور بے فائدہ ہوا۔ ایضاً اوپر اکثریت کی تردید کی گئی کہ اسلام میں اکثریت قطعاً نہ حجت ہے اور نہ ہی دلیل۔ امام ابن حزم الاحکام صفحہ ۵۳۸ پر فرماتے ہیں کہ "وبرھان کاف قاطع لکل من لہ اقل فھم فی انہ علیہ السلام لم یرد قط بالجماعۃ المذکورۃ کثرۃ العدد لا یشک فی ذالک لان النصاریٰ جماعۃ والیھود جماعۃ والمجوس وعباد النار جماعۃ افترونہ علیہ السلام اراد ھذہ الجماعات حاشا للہ من ھذا فان قالوا انما اراد جمیع المسلمین قلنا فان المنتمین الی السلام فرق فالخوارج جماعۃ والروافض جماعۃ والمرجیہ جماعۃ والمعتزلہ جماعۃ افترونہ علیہ السلام اراد شیئا من ھٰذہ الجماعات؟ حاشالہ ، من ذالک فان قالوا انما اراد اھل السنۃ قلنا اھل السنۃ فرق فالحنفیۃ جماعۃ والمالکیۃ جماعۃ والشافعیۃ جماعۃ والحنبلیۃ جماعۃ واصحاب الحدیث الذین لا یتعدونہ جماعۃ فای ھذہ الجماعات اراد علیہ السلام؟ ولیس بعضھا اولی بصحۃ الدعوی من بعض فصح یقینا قطعاً کما ان الشمس طالعۃ ھن مشرقھا انہ علیہ السلام لم یرد قط الاجماعۃ اھل الحق وھم المتبعون للقرآن ولما صح عن النبی ﷺ من بیانہ للقرآن بقولہ وفعلہ وھذہ ھی طریق جمیع الصحابۃ رضی اللہ عنہم وخیار التابعین ومن بعد ھم حتی حدث التقلید المھلک فاذا لا شک فی کل ھذا وقد بینا ان امرہ علیہ السلام بلزوم الجماعۃ انما اراد یقینا جماعۃ اھل الحق وان کانوا اقل من اھل الباطل بلا

شك لم يرده كثرة العدد فقط . "

ثابت ہوا کہ اکثریت کی پیروی کے لیے حکم کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف درست اور صحیح نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔ ایضاً ہم بھی بیان کر چکے ہیں کہ خود آپ کے بڑے بزرگ کے فیصلے کے مطابق شوافع کی اکثریت ہے۔ نیز یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ کئی مسائل میں تم حنفی جمہور اکثریت کے مخالف ہو۔ اگر آپ خواہ مخواہ کہو کہ ہم حنفیوں کی اکثریت ہے تب بھی یہ حدیث تمہاری گردن میں پڑے گی کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ "من شذ شذ في النار" تو پھر تمہیں اپنے تینوں تقلیدی بھائیوں مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کو کافر کہنا پڑے گا۔ پھر تمہارا یہ کہنا کہ یہ چاروں فرقے اہل سنت ہیں اور چاروں حق پر ہیں تمہارے اس ڈھول کا پول کھل جائے گا بلکہ تمہارے لیے بڑی مشکل یہ ہوگی کہ اگر مغرب وافریقہ کے علاقے میں جاؤ گے تو تمہیں مالکی ہونا پڑے گا۔ کیونکہ وہاں پر اکثریت ان کی ہے۔ ورنہ اپنی نقل کردہ روایت "شذ في النار" میں شمار ہو گے اس طرح مصر، شام، یمن، انڈونیشیا، ملائیشیا اور ملیبار میں جاؤ گے تو تمہیں شافعی ہونا پڑے گا کیونکہ وہاں پر ان کی اکثریت ہے اور اگر نجد اور امارات عربیہ میں جاؤ گے تو تمہیں حنبلی ہونا پڑے گا۔ کیونکہ وہاں ان کی اکثریت ہے اور اگر ایران جاؤ گے تو تمہیں شیعہ ہونا پڑے گا اس لیے کہ وہاں پر ان کی اکثریت ہے اور یہ تو دین سے مذاق ہوا؛ کہ ہر ملک کا الگ الگ دین ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ انسان ایک ملک سے دوسرے ملک جاتے رہیں گے۔ لہٰذا اس کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اپنے رسول معصوم ﷺ سے ایسے الفاظ کہلوائے۔ لہٰذا مراد اکثریت کے لینے سے زبردست غلطی اور بڑے فتنوں اور نقصانوں کا دروازہ کھولا ہے جو قیامت تک بند نہ کر سکو گے۔ الا ماشاء اللہ اور ملا علی قاری معنی لکھتے ہیں کہ یہ سب مسلمانوں کے سلطان اعظم کے تحت جمع ہوئے ہوں پھر تو یہ اجتماعی اور سیاسی مسئلہ ہوا۔ جس مسئلہ کے لیے تم نے تکلیف اٹھائی اس سے روایت کا کوئی تعلق نہ رہا اور تیسرا معنی یہ ہوا کہ جماعۃ اہل الایمان پھر تو خوارج۔ شیعہ، زیدیہ۔ بھی مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں۔ پھر وہی سوال ہوگا کہ جس ملک میں جائے وہی مذہب اختیار کرے۔ وہی تلاعب الدین۔ نیز آپ خود فیصلہ کرو کہ کس فرقے کو اہل ایمان کہو گے اور کس کو "شذ في النار" کہو گے۔

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

چوتھا معنی یہ لکھا ہے کہ کتاب وسنت کی اتباع پھر تو تمہارے سب مذاہب چھوٹ گئے۔ صرف مذہب اہل حدیث ہی رہے گا جو اس روایت سے مراد ہوگا۔ اس طرح سے قرآن وحدیث میں تحقیق کے مطابق صرف آٹھ رکعات تراویح کا ثبوت ہے لہٰذا اس روایت کے مطابق یہی سواد اعظم کا عمل کہا جائے گا اور پانچواں معنی

یہ لکھا ہے کہ کوئی بھی عالم جو قرآن وحدیث کے مطابق عمل کرتا ہو۔ پھر دیکھنا ہے کہ خالص قرآن وحدیث کس کا مذہب ہے اور ایسا کون سا فرقہ ہے جو قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ قیاس اور رائے کے مطابق بھی عمل کرتا ہے اور ائمہ اور فقہاء کے اقوال کو اپنے لیے واجب العمل جانتا ہے۔ اس آخری معنی نے تو مولوی صاحب کی سب امیدیں ختم کر دیں۔

الحاصل:...... یہ روایت نہ صحیح اور ثابت ہے۔ بلکہ معنی کے لحاظ سے بھی مولوی صاحب کے لیے بالکل مفید نہیں ہے بلکہ ملا علی قاری آخر میں لکھتے ہیں کہ سواد اعظم سے مراد وہ علماء ہیں جو علم میں عظیم حیثیت رکھتے ہوں۔ اس وجہ سے روایت میں لفظ سواد اعظم کا آیا ہے اور لفظ السواد الاکثر نہیں آیا ہے۔ کیونکہ اکثریت جہلاء اور عام لوگوں کی ہوتی ہے نتیجہ یہ نکلا کہ جس مقصد کے لیے مولوی صاحب نے یہ روایت پیش کی اس کے متعلق انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ بلکہ صحیح روایت کے مطابق حق پر چلنے کا حکم ہے۔ اگر چہ اس طرف تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام اکیلے تھے اور دوسرے سب ان کے خلاف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے اٹھے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے لیے فرعون نے کہا تھا: ﴿ان ھؤلاء لشر ذمة قليلون﴾ (الشعراء) پھر حق کس طرف تھا؟ اللہ تعالیٰ کس کا مددگار تھا اور تم حنفی ہمیشہ اپنی اکثریت کہہ کر فخر کرتے ہو لیکن اس کی حقیقت بھی شاہ ولی اللہ نے التفہیمات صفحہ ۲۱۲ ج ۲ میں اس طرح سے بیان کی ہے "وكان الجمهور الفقهاء والمحدثين و المتكلمين والصوفية متمذهبين بمذهب الشافعي وجمهور الملوك وعامة اليونان متمذهبين بمذهب ابي حنيفة" (یعنی جمہور فقہاء محدثین، متکلمین اور صوفی لوگ شافعی مذہب کے پیروکار تھے اور اکثر بادشاہ اور یونان کے عام لوگ ابوحنیفہ کے پیروکار تھے) آپ لوگوں کی اکثریت کس قسم کی ہے یہ راز ظاہر ہو گیا۔

خامساً:...... یہ سواد اعظم والی روایت ضعیف ثابت ہوئی۔ اگر خواہ مخواہ اس کو لیں گے تو پھر بھی سواد اعظم کی تفسیر دوسری روایت میں آ چکی ہے۔ جیسا کہ مجمع الزوائد صفحہ ۱۵۶ ج ۱ میں بحوالہ طبرانی روایت ہے جس میں الفاظ ہیں کہ "قالوا يا رسول الله ما السواد الاعظم قال من كان على ما انا عليه واصحابي" الحدیث۔ یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ لیکن جب تم اس روایت کو لے بیٹھے ہو تو پھر اس کی تفسیر بھی اس جیسی روایت میں ملتی ہے۔ پھر بڑی جماعت تو وہ کہلائے گی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھی اور تمہاری جماعتیں اور فرقے سواد اعظم میں نہ رہے اور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آٹھ رکعات پر عمل تھا تو پھر وہ سواد اعظم کا مذہب کہا جائے گا۔

صفحہ ۱۹۱:...... شاہ ولی اللہ کی کتاب عقد الجید کی عبارت لکھتے ہیں:

جواب: اوّلاً:...... شاہ صاحب کا یہ کلام بھی اسی روایت سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کی تابعداری والی پر مبنی ہے۔ پھر جب ثابت ہوا کہ یہ روایت ہی باطل ہے اور ہرگز ثابت نہیں تو اس پر رکھی ہوئی بنیاد بھی گر گئی۔

ثانیاً:...... دوسری بات یہ لکھتے ہیں کہ ''جب دوسرے مذہب سوا ان چاروں مذاہب کے نیست و نابود ہوگئے تو پھر ان کی پیروی کرنا گویا کہ بڑی جماعت کی پیروی کرنا ہے الخ۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ ان چاروں کے علاوہ کئی دوسرے ائمہ کے اقوال ملتے ہیں۔ مثلاً صحاح ستہ کے علاوہ سنن سعید بن منصور، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، تہذیب الآثار الطبری، مؤطا مالک، بیہقی اور المحلی لابن حزم وغیرہ میں ان کے اقوال ملتے ہیں۔ نیز چاروں فقہاء کی کتب میں مثلاً فتح القدیر لابن ہمام (حنفی) شرح المہذب للنووی (شافعی المدونۃ الکبری لابن القاسم (مالکی) المغنی لابن قدامہ (حنبلی) اور چاروں ائمہ کے علاوہ دیگر ائمہ کے اقوال اور مذاہب مذکور ہیں نیز فقہ مختلفہ کی کتب مثلاً اختلاف العلماء لابن جریر، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ لابی یوسف القاضی، بدایۃ المجتہد لابن رشد، المیزان الکبری شعرانی وغیرہ میں کئی ائمہ کے مذاہب مدون ہیں۔ لہٰذا کس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے مذاہب نابود ہوگئے کتب کا مطالعہ کرنے والے کے لیے سب کچھ آسان ہے۔ اکثر کے اقوال اس کو ملتے ہیں باقی کا اہل اور ست لوگوں پر کوئی حرف نہیں کیونکہ اگرچہ چاروں مذاہب کی فقہ مشہور ہے۔ لیکن دیگر ائمہ کے فتاویٰ اور فیصلے بھی کتب میں موجود ہیں خود تمہارے حنفی بعض مسائل میں چاروں ائمہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً بوقت ضرورت قاضی تحقیق کی خاطر شاہد سے قسم لے سکتا ہے۔ یہ چاروں ائمہ میں سے کسی کا بھی قول نہیں ہے۔ بلکہ ایک اور امام ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے جس پر خود تمہارے حنفی فتویٰ دیتے ہیں جیسا کہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۲۰۴ ج ۱۔ فی ذیل المستصفیٰ میں لکھا ہوا ہے۔

ثالثاً:...... یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ ان چاروں کی پیروی بڑی جماعت کی پیروی ہے۔ کیونکہ ان کے آپس میں بہت اختلاف ہیں اصولی خواہ فروعی مسائل میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں وہاں پر کس کو بڑی جماعت کہیں گے؟ اور اگر کہیں گے کہ جس کو بھی لیں صحیح ہے کیونکہ مراد مجموعی جماعت ہے۔ پھر تو یہ تلاعب بالدین ہوگا۔ نیز امام مالک نے گیارہ رکعات کو اختیار کیا ہے پھر آپ پر لازم ہے کہ اس مسلک کو بھی بڑی جماعت میں شمار کریں گویا کہ اعتراض سارا ختم ہوگیا۔

رابعاً:...... جماعت کتنی بھی بڑی ہو۔ لیکن حدیث کے مقابلے میں ان کا قول مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ جس کو حدیث پہنچی اس پر حجت قائم ہوچکی ہے۔ اب اسے چھوٹی یا بڑی جماعت کو نہیں دیکھنا شاہ ولی اللہ کتاب عقید

الجید صفحہ ۶۱ پر فرماتے ہیں کہ "فان بلغنا من حديث الرسول المعصوم الذى فرض الله علينا طاعته بسند صالح يدل على خلاف مذهبه وتركنا حديثه واتبعنا ذالك التخمين فمن اظلم منا؟ وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين؟" اور یقیناً مولوی صاحب کو آٹھ والی حدیث پہنچ چکی ہے اس کے باوجود بھی بڑی جماعت کا نام نہ جانے کیسے لیتے ہیں؟ بلکہ شاہ صاحب کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی پیروی اس بناء پر نہیں ہے۔ کہ ان کا ہر قول صحیح اور یقینی ہے اور یہ دلیل کی بناء پر ہے بلکہ یہ سارا معاملہ تخمین اور اندازے کا ہے یعنی کہ حسن ظن کی بناء پر۔ یہ علماء اور فقہاء جو کہتے ہیں وہ ضرور حق ہوگا اور دلیل کے موافق ہوگا۔ لیکن قرآن وحدیث یقینی چیز ہے اور جس شخص کو حدیث مل جائے پھر بھی اس تخمینے کے پیچھے چلے تو بقول شاہ صاحب اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اس کا کون سا عذر ہوگا؟ وهو الخامس

سادساً: ...... نیز شاہ صاحب صفحہ ۱۴۔۱۵ پر امام ابن حزم کا قول نقل کرتے ہیں کہ "التقليد حرام ولا يحل لاحد ان يا خذ قول احدٍ غير رسول الله ﷺ بلا برهان" الخ (یعنی تقلید حرام ہے اور کسی کے لیے بھی حلال (جائز) نہیں کہ وہ بغیر دلیل کے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کا قول لے۔ اس کے بعد شاہ صاحب اس قول کے متعلق یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ "انما يتم فيمن له ضرب من الاجتهاد ولو فى مسئلة واحدة وفيمن عليه ظهورا بينا ان النبى ﷺ امر بكذا او نهى عن كذا وانه ليس بمنسوخ اما ان يتبع الاحاديث واقوال المخالف والموافق فى المسئلة فلا يجد لها نسخها او بان يرىٰ جما غفيرا من المتبحرين فى العلم يذهبون اليه ويرى المخالف له لا يحتج به الا بقياس او استنباط او نحو ذالك فحينئذ لا سبب لمخالفه حديث النبى ﷺ الا نفاق خفى او حمق جلى" بعینہٖ یہ حال اس مسئلہ میں ہے، چنانچہ مسئلہ اولی کے متعلق صریح اور صحیح احادیث میں واضح الفاظ میں بیان ہے کہ سورہ الحمد کے بغیر نماز نہیں ہے اور احادیث کی وہ سب کتب جن کو دیکھنا ممکن ہے کسی میں بھی کوئی ایسی صحیح روایت نہیں ملتی جس میں فاتحہ سے منع یا چھوڑنے کی اجازت کا ذکر ہو۔ سب مذاہب کی کتب بھی دیکھی گئیں۔ کسی نے بھی کوئی دلیل پیش نہیں کی جس میں فاتحہ کی ممانعت ہو۔ یا اس کے نہ پڑھنے کی اجازت ہو اور مخالفین کا استدلال صحیح روایات سے نہیں ہے اور وہ بھی سورۃ فاتحہ کی ممانعت صریح نہیں ہے جس کا معنی صریح حدیث کے مقابلے میں استنباط ہے۔ ایسی صورت میں صریح حدیث کو چھوڑنا بقول شاہ صاحب یا اندرونی نفاق یا کھلی حماقت (بیوقوفی) ہے۔ مسئلہ ثانیہ میں احادیث رفع الیدین عند الرکوع والرفع منہ کے متعلق جو اعلیٰ درجے کی

صحیح اور متفق علیہ ہیں اور مسئلہ کے متعلق بالکل صریح ہیں اور اس کے مقابلے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے اور جو ہیں ان میں بھی وضاحت نہیں ہے کہ عند الرکوع والرفع منہ رفع الیدین نہ کی جائے۔ بلکہ استنباطی دلیل ہے اور حدیث کی سب ممکن کتب اور فقہ کی عام کتب دیکھی گئی ہیں۔ کہیں پر بھی کوئی صریح دلیل رفع الیدین کے نفی میں نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ صریح نہیں ہے۔ اس صورت میں بھی صحیح احادیث کو چھوڑنا شاہ صاحب کے فیصلے کے مطابق خفیہ منافقی یا ظاہراً احمقانہ حرکت ہے۔ مسئلہ ثالثہ وتر کے متعلق بھی صحیح احادیث وضاحت سے بتارہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعات سے کم اور اس سے زیادہ رکعات پڑھی ہیں اور اس کے خلاف کوئی بھی حدیث نہ صحیح اور نہ ضعیف ہے جس میں یہ بیان ہو کہ وتر فقط تین رکعتیں ہیں۔ نہ کم نہ زیادہ۔ نہ کسی حدیث کی کتاب میں ہے اور نہ فقہ کی کتاب میں لہٰذا ایمان کا تقاضہ یہ تھا کہ ایک رکعت، تین رکعتیں، پانچ، سات، نو اور اس سے زائد جہاں تک حدیث میں ذکر ہے سب کو حق اور سنت مانا جائے۔ لیکن اس کے باوجود بھی تین والی احادیث کے علاوہ باقی احادیث کی مخالفت کرنا شاہ صاحب کے فرمان کے مطابق پوشیدہ منافقت یا واضح حماقت ہے۔ مسئلہ رابعہ میں بھی صحیح احادیث میں ذکر ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعات پڑھی ہیں اور گیارہ سے زائد نہیں پڑھیں اور اس کے مقابلے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ نہ قولی نہ فعلی نہ احادیث کی کتب میں اور نہ ہی فقہی دفاتر میں پھر اس کی مخالفت کرنا شاہ صاحب کی عبارت کے موجب ان کے اندر نفاق ہے یا ظاہری حماقت ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اگر بیس رکعات کو ثابت کیا جاتا ہے تو پھر ان کو دونوں طرح آٹھ رکعات خواہ بیس سب کو سنت برحق کہیں لیکن افسوس ہے کہ ایسی وضاحت کے باوجود بھی صرف بیس کو حق کہتے ہیں اور بیس پڑھنے والے کو اہل سنت کہتے ہیں اور آٹھ پڑھنے والے کو اہل سنت سے خارج سمجھتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی

باقی جم غفیر وہ دو قسموں کا ہے۔ ایک اصلی دوسرا نقلی۔ اوپر امام عبداللہ بن مبارک تبع تابعی کا قول گزرا کہ کوفہ کی ایک قوم کے علاوہ دیگر سب لوگ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں دور اول میں اکثریت پڑھنے والوں کی تھی اور اقلیت نہ پڑھنے والوں کی اس طرح محمد بن نصر المروزی جو تبع تابعین کے بعد چوتھے طبقے کا شخص ہے ان کا قول گزرا کہ کوفہ کے علاوہ باقی سب شہروں کے علماء رفع الیدین کے قائل ہیں۔ جس کا معنی کہ پہلی تین صدیوں میں اکثریت رفع الیدین کرنے والوں کی تھی اور نہ کرنے والوں کی اقلیت۔ اسی طرح وتر کے متعلق قیام اللیل اور دیگر کتب میں عام صحابہ اور تابعین سے تین سے کم ایک رکعت اور تین سے زیادہ وتر پڑھنا نقل کیا گیا اور قیام اللیل صفحہ ۲۰۶ سے امام زہری تابعی کا قول نقل کیا گیا کہ صحابہ کرام تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ جو کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے پھر تیسری رکعت الگ پڑھتے تھے۔ اسی طرح صفحہ ۲۰۵ پر

تابعین سے منقول ہے کہ "عن نافع سمعت معاذ القاری یسلم بین الشفع والوتر وھو یوم الناس فی رمضان بالمدینة علی عھد عمر بن الخطاب وعنه کنا نقوم فی مسجدا لرسول ﷺ یومنا معاذ فکان یسلم رافعا صوته ثم یقوم فیوتر بواحدة وکان یصلی معه رجال من اصحاب رسول الله ﷺ لم ارا احداً یعیب ذلك علیه" (یعنی نافع کہتے ہیں کہ میں نے معاذ قاری کو سنا آپ کے بعد دو اور ایک رکعت وتر سے پہلے سلام پھیرتے تھے اور آپ رمضان میں لوگوں کی مدینہ منورہ میں امامت کروارہے ہوتے تھے عمر فاروق کے دور خلافت میں اور انہیں سے ہے کہ ہم مسجد رسول ﷺ میں قیام کیا کرتے تھے اور ہماری امامت معاذ کرواتے تھے آپ بلند آواز سے سلام پھیرتے پھر کھڑے ہوتے اور ایک رکعت وتر پڑھتے اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی جماعت ہوتی تھی میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ وہ اس کو معیوب سمجھتا ہو) ثابت ہوا کہ دور اول میں وتر کے متعلق اکثریت کا مذہب وہی تھا جو اہل حدیث کا ہے اور تراویح کے متعلق امیر عمر کے حکم سے ابی بن کعب اور تمیم الدارمی گیارہ رکعات پڑھاتے رہے ہیں۔ جس طرح کہ ذکر ہوا اور کسی سے بھی اختلاف منقول نہیں ہے۔ جس کا مطلب کہ شروع میں اکثریت آٹھ رکعات پڑھنے والوں کی تھی۔ اب قارئین انصاف کریں کہ جم غفیر اصلی اور پہلے دور والے کس طرف ہے اور نقلی اور بعد کی پیداوار کس طرف ہے؟

بس اک نگاہ پر ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

سابعاً: ......شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۵۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "اعلم ان الناس کا نوافی الماة الاولی والثانیه غیر مجتمعین علی التقلید المذھب واحد بعینه قال ابو طالب المکی فی قوت القلوب ان الکتب والمجموعات محدثة والقول بمقالات الناس والفتیا بمذھب الواحد من الناس واتخاذ قوله والحکایة له فی کل شی والتفقه علی مذھبه لم یکن الناس قدیما علی ذالك فی القرنین الاول والثانی انتھی۔ اقول بعد القرنین حدث فیھم شی من التخریج غیر ان اھل الماة الرابعة لم یکونوا مجتمعین علی التقلید الخالص علی مذھب واحد والفقه له والحکایة لقوله کما یظھر من التتبع" (معلوم ہونا چاہیے کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے لوگ کسی خالص ایک مذہب معین پر متفق نہ تھے۔ قوت القلوب میں ابو طالب مکی نے بیان کیا کہ یہ کتب اور مجموعے نئی چیزیں ہیں۔ قرن اول اور دوم میں پہلے لوگ دوسرے لوگوں کے اقوال کے قائل نہ تھے۔ کسی مذہب معین کے مطابق فتویٰ دینے کا طریقہ متعین نہ تھا۔ خاص کسی شخص کا قول اختیار نہ کیا جاتا تھا پھر ایک قسم کے امر میں اسی کے قول کو نقل نہیں کیا کرتے تھے

اسی کے مذہب پر فقہ کی بنیاد قائم نہیں ہوتی تھی۔ انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ دونوں قرنوں کے بعد کس قدر تخریج کا طریقہ پیدا ہوگیا۔ تاہم چوتھی صدی کے لوگ مذہب معین کی تقلید پر متفق نہ تھے۔ کسی ایک مذہب کہ فقہ کی پابندی نہ تھی۔ کہ اسی کا قول نقل کیا جائے۔ جیسا کہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے) اس سے ثابت ہوا کہ پہلے دور میں چوتھی صدی تک تقلید کا رواج نہ تھا اور چاروں مذہب نہ تھے۔ ثابت ہوا کہ اصلی جم غفیر کے مسلک پر اہل حدیث ہیں اور باقی چاروں مذاہب کا جم غفیر خود محدث اور بعد میں آنے والے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں کہ ''حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی حق والی جماعتیں ہیں'' تو پھر رفع الیدین کو بھی حق ماننا چاہیے کیونکہ شافعیوں اور حنبلیوں کا یہ مذہب ہے اور امام مالک کا بھی یہ صحیح مذہب ہے۔ جس طرح بیان ہوا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا بھی حق ہے کیونکہ شوافع کا بھی یہی مذہب ہے اور اس پر حنابلہ کا عمل ہے۔ اس طرح تین رکعات وتر میں دو الگ اور تیسری الگ پڑھنا بھی حق ہے۔ کیونکہ شوافع اور حنابلہ کا یہ مذہب ہے اور امام مالک نے بھی موطا میں اختیار کیا ہے اور امام احمد نے بھی اس کی اجازت دی ہے اور امام محمد نے بھی اصل مذہب حنفی یہی بیان کیا ہے۔ لہٰذا یہ طریقہ حق ہے۔ مولوی صاحب نے خواہ مخواہ تکلیف کی ہے۔ جو اس مسئلہ کے خلاف قلم اٹھایا ہے۔

ثانیاً: ...... یہ سب کچھ مولوی صاحب کے کہنے کے مطابق تھا۔ ورنہ اس پر زبردست اعتراض ہے۔ کیونکہ مذاہب اربعہ میں زبردست اختلافات ہیں۔ پھر یہ سب متضاد اقوال حق کس طرح کہے جائیں گے۔ مثلاً حنفی مدینہ منورہ کو حرم نہیں مانتے باقی تین اس کو حرم کہتے ہیں۔ حنفی مذہب میں کوّا کھانا حلال ہے اور شافعیوں کے نزدیک حرام ہے۔ احناف کے نزدیک نماز میں درود فرض نہیں ہے اور دوسروں کے نزدیک فرض ہے۔ احناف کے نزدیک اضحیٰ (قربانی) کرنا واجب ہے۔ حنابلہ کے نزدیک واجب نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک جبری طلاق واقع ہوجائے گی۔ باقی تینوں کے نزدیک واقع نہ ہوگی۔ حنفیوں کے پاس زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلہ ہے جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ سراجیہ صفحہ ۱۵۴ پر ہے "اذا اراد ان یحیل لا متناع وجوب الزکوٰہ لما خاف ان لا یودی یقع فی الما ثم فالسبیل ان یهب النصاب قبل تمام الحول من یثق به ویسلمه الیه ثم یستوهبه" حالانکہ باقی تینوں مذاہب میں اس طرح جائز نہیں ہے۔ حنفی مذہب میں زنا کے لیے اجرت پر کوئی عورت گھر میں لے آئے اور اس سے زنا کرے تو اس پر حد شرعی نہیں (فتاوی قاضی خان صفحہ ۳۰۷ ج ۲) لیکن دوسرے مذاہب اس پر زنا کی حد لگاتے ہیں۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب شامی صفحہ ۱۰۳ ج ۲ میں ہے کہ "یجوز ان یستمنی بید زوجته وخادمته" لیکن امام شافعی مشت زنی کو حرام کہتے ہیں۔ حنفی مذہب کے مطابق نجاست کی دو قسمیں ہیں ایک خفیف دوسری غلیظ۔

خفیف کپڑے کے چوتھائی حصے سے کم ہو تو معاف ہے۔ لیکن دوسروں کے نزدیک نجاست خفیف ہو یا غلیظ جتنی بھی نظر آئے کم یا زیادہ معاف نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک چار چیزوں سے بنائی گئی شراب یعنی گندم، جو، شہد جوار (باجرہ) یہ حرام نہیں ہے اور اس پر حد نہیں لگے گی۔ اگر چہ نشہ بھی ہو۔ (ہدایہ صفحہ ۴۹۶ ج ۴) اور باقی دیگر اس کو حرام کہتے ہیں فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ صفحہ ۵۴۵ ج ۲ میں ہے "واذا نقب اللص البیت فدخل واخذا لمال وناوله آخر خارج البیت فلا قطع علیهما لان الاول لم یوجد منه الاخراج لا عتراض ید معتبره علی المال قیل خروجه والثانی لم یوجد منه الاخراج لا عتراض ید معتبرة علی المال قبل خروجه والثانی لم یوجد هتك الحرز فلم یتم السرقة من کل واحد" اور صفحہ ۵۴۶ ج ۲ میں ہے "ومن نقب البیت وادخل یده فیه واخذ شی لم یقطع" اور دیگر ان سب صورتوں میں ہاتھ کاٹنے کا حکم لگاتے ہیں۔ سب مسائل کو مولوی صاحب حق کہیں گے؟ اب سوچ سمجھ کر بول کیا بولتا ہے اور کیا لکھتا ہے؟ پھر مولوی محمد عمر صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ اگر یہ چاروں حق تسلیم کیے جائیں تو حق تقسیم ہو کر چار آنے ہو جائے گا" اس کا کوئی جواب تو نہیں دیتے بلکہ لکھتے ہیں کہ واہ واہ سبحان اللہ اس میں تعجب والی کون سی بات ہے۔ کیونکہ یہ چاروں مذہب حق پر ہیں تو اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو چاروں میں حق تقسیم کیا ہوا ہو۔ جیسا کہ مولانا محمد عمر صاحب نے فرمایا ہے اور اس کا مطلب کہ چاروں میں سے ہر ایک کے پاس بارہ آنے (تین ربع) باطل ہے اور چار آنے (ایک ربع) حق ہے۔ یا پچھتر فی صد باطل ہے اور پچیس فی صد حق ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کہا جائے کہ حق چاروں میں گھومتا رہتا ہے کبھی اس کے پاس تو کبھی اس کے پاس۔ یہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ جس وقت کسی ایک کے پاس حق کہیں گے تو پھر باقی تینوں مکمل سولہ آنے باطل اور یہ سو فیصد باطل پر ہیں اور تیسری صورت یہ ہے کہ چاروں مکمل حق پر ہیں اور سب مسائل میں حق پر ہیں یہ تو اس سے بھی زیادہ خطرناک صورت ہوگی۔ کیونکہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں مثلاً جو کہتا ہے کہ کوا حلال ہے۔ وہ بھی حق پر ہے اور جو کہتا ہے کہ حرام وہ بھی حق پر اب غور کریں کہ ایک چیز ایک وقت میں حرام بھی ہو اور حلال بھی ہو ناممکن ہے۔ ان دونوں میں سے ایک بات حق ہوگی اگر حلال والے کا قول حق ہے تو حرام کہنے والے کا باطل۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ حق بھی حق ہے تو اس کا مدمقابل یعنی باطل بھی حق ہے۔ کوئی کسی چیز کو پاک کہے تو کوئی نجس تو دونوں حق کس طرح ہوں گے؟ مولانا محمد عمر صاحب کا اعتراض بالکل صحیح ہے۔ اسی وجہ سے مولوی صاحب نے جواب دینے کے بجائے صرف سبحان اللہ کہہ کر اپنے دل کو خوش کیا ہے۔

پھر ہمارے رسالہ الوثیق سے نقل کرتے ہیں ''اگر چار جماعتیں تسلیم کی جائیں تو پھر چار طریقے ہوجائیں گے ایک حق اور دوسرا باطل۔ حالانکہ حدیث تو ایک جماعت کہہ رہی ہے'' اس عبارت میں وہ حدیث مراد ہے جس کے الفاظ ہیں کہ "ستفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الاملة واحده قالوا ماهی قال ما انا علیه واصحابی" مولوی میر محمد ہالائی صاحب توثیق الاحناف کے شروع میں یہ حدیث لاکر ترجمہ کرتے ہیں کہ ''یعنی میری امت میں (بہتر) ۷۲۔ فرقے ہوں گے جن میں سے ناجی حق پر ایک جماعت ہے۔ صحابہ کے پوچھنے پر فرمایا کہ جس طریقے پر میں اور میرے اصحاب ہیں وہی جماعت حق پر ہے'' پھر جب کہ حدیث حق والی جماعت ایک بتا رہی ہے تو پھر چار جماعتیں حق والی کہنا حدیث کی سیدھی سی مخالفت ہے۔ بلکہ قرآن کریم کی مخالفت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ان هذه امتکم امة واحدة﴾ (الانبیاء والمومنون) اور چاروں میں جب اختلاف موجود ہے تو پھر ضرور ان مختلف اقوال میں سے ایک حق ہوگا اور دوسرا باطل پھر چاروں کس طرح سے حق پر ہوئے؟ یہ تھا ہمارا کہنا جس کے جواب میں مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ''اہل حدیثوں میں بہت اختلاف ہے۔ وہاں پر بھی حق چار چار آنا یا آٹھ آٹھ آنا ہوگا؟

اہل حدیث اور اہل سنت

جواب: اولاً:...... اہل حدیث کا بعض مسائل میں اختلاف تحقیق کی بناء پر ہے اور مقلدین کا آپس میں اختلاف تقلید کی بناء پر ہے۔ کیونکہ اہل حدیث کا امام ایک، دستور ایک یعنی قرآن وحدیث مصطلح اور اصول حدیث ایک اور تمہارے چار امام جدا جدا ہر کسی کا دستور الگ، بلکہ اہل حدیثوں میں سب کا مذہب ایک ہی ایک نام سے تمہارے چار مذہب ہر کسی کا نام جدا جدا، اہل حدیث اپنی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے ہیں اور تم چاروں میں سے ہر ایک کی نسبت الگ امام کی طرف اس وجہ سے ہمارا بعض مسائل میں اختلاف نظریاتی ہے۔ جو ایک دوسرے کو دلیل پیش کرنے سے کئی بار طے ہوجاتا ہے۔ لیکن تمہارا اختلاف افتراق کی بناء پر ہے۔ جس وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف الگ جماعتیں ہیں اس وجہ سے مولوی صاحب کا اعتراض غلط ہے۔ وهو الثانی

ثالثاً: ...... اگر اہل حدیثوں میں بعض مسائل میں اختلاف ہوتا بھی ہے لیکن اس صورت میں ہم اس طرح نہیں کہتے کہ سب حق پر ہیں اس وجہ سے مولوی صاحب کا یہ اعتراض قیاس مع الفارق کے باب سے ہے۔ جو کہ باطل ہے اس مسئلے کے لیے مولوی صاحب نے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے یا چھوڑنے کی مثال پیش کی

ہے۔ اس کے لیے ہماری لکھی ہوئی کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن وہاں پر بھی ہم اس طرح نہیں کہتے کہ دونوں حق پر ہیں مولوی صاحب کو چاہیے کہ وہ تقلید کے پھندے سے نکل کر حدیث کی کتب کا مطالعہ کریں۔ تب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہاتھ چھوڑنا یا باندھنا کیا حق ہے۔ اس کے علاوہ یہ اختلاف حدیث کے فہم کی بناء پر ہے نہ کہ دونوں طرف کے امام جدا ہیں اور کوئی اپنے امام کی تائید کے لیے دلیل تلاش کرنا اور مخالفین کے جوابات تلاش کرنے میں مصروف ہے یہ تمہارا طریقہ ہے اور تمھیں ہی مبارک ہو۔ پھر جمعہ کے دن خطبے کے لیے۔ اس سے پہلے اذان کی مثال دی ہے۔ لیکن اس کے لیے وہی جواب ہے کیونکہ اذان دینے والے خواہ نہ دینے والے الگ الگ امام نہیں ہیں۔ مولوی صاحب مقلدین کی لسٹ سے نکل کر محققین کی جماعت میں داخل ہوں۔ پھر تحقیق کریں کیونکہ اس میں بھی اہل حدیث اس طرح کہتے ہیں کہ ایک طرف حق ہے نہ کہ دونوں طرف۔

صفحہ ۱۹۲:...... پھر بنو قریظہ والا واقعہ مثال کے طور پر لاتے ہیں۔ لیکن۔

اولاً:...... اس پر کتاب کے آغاز میں بحث گزر چکی ہے۔

ثانیاً:...... ان کا یہ اختلاف تحقیق کی بنیاد پر تھا اور تقلید کی بناء پر نہیں تھا جس کا معنی کہ اس وقت بھی طریقہ اہل حدیث کا تھا۔ نہ کہ مقلدین کا۔ والحمد للہ

ثالثاً:...... خود دیکھتے ہیں کہ "حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے دونوں میں سے کسی پر بھی سختی پیش کی" سختی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ دونوں کی نیت صالح تھی، دونوں رسول اللہ ﷺ کے متبع تھے صرف آپ کا حکم سمجھنے میں اختلاف ہوا۔ وہ فطری ہے۔ کیونکہ انسانی فہم میں تفاوت ہے۔ لیکن "المجتهد قد يخطي ويصيب" سب کے نزدیک مسلم ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں سے ایک فریق مصیب اور دوسرا مخطی تھا اور اس صورت میں مخطی پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک اجر ہے جیسا کہ ابتداء میں حدیث گذری کہ مجتہد جس مسئلے میں مصیب ہے۔ اس میں اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور جس میں مخطی ہے تو اس میں بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔ باقی گناہ نہیں ہے ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِ﴾ (الاحزاب) اس وجہ سے آپ ﷺ نے کسی پر بھی سختی نہیں فرمائی یہ حصہ مقلد کو کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اجتہاد کرے تو پھر صواب والی صورت میں بھی دو اجر اور خطا والی حالت میں اجر لے لیکن یہ تو ﴿كل على مولا﴾ (النحل) (یعنی یہ تو اپنے وارثوں پر بوجھ ہے) اس کا بوجھ تو امام پر ہے۔ یہ کیا جانے کہ خطاء اور صواب میں سے کون سا حصہ لے گا۔

رابعاً:...... مولوی صاحب یہاں بھی ظلمۃ التقلید میں سے نکل کر مصباح التحقیق کی روشنی میں دیکھے تو ایسے

معلوم ہوگا کہ ایک فریق نے نص پر عمل کیا اور رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کے مطابق چلے جو آپ نے فرمایا کہ بنوقریظہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز نہ پڑھنا۔ لہٰذا ان کا فیصلہ منصوص تھا اور دونوں فریقوں کے سامنے نص نہ تھی۔ بلکہ انہوں نے سمجھا کہ نماز کے اوقات معین ہیں ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ (النساء: ۱۰۳) لہٰذا آپ ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جلدی جاؤ باقی نماز اپنے وقت پر پڑھنی ہے۔ گویا کہ ان کا فیصلہ استنباطی تھا اور قاعدہ ہے کہ منصوص مسئلہ استنباطی مسئلے سے اولیٰ اور اقدم ہے۔ جس طرح کہ ابھی شاہ ولی اللہ کی عبارت گزری۔ پھر امیر معاویہ اور امیر علی رضی اللہ عنہما کے درمیان اور ام المومنین عائشہ اور امیر علی رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف ذکر کیا گیا لیکن تمہارے چار مذہب تو صدیوں بعد ہوئے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ کا کلام گزرا۔

ثانیاً:...... صحابہ کرام کے اس جھگڑے کے متعلق سلف صالحین کا متفق علیہ یہ عقیدہ رہا ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے اور اپنی طرف سے کوئی بھی رائے زنی نہ کی جائے۔ بلکہ معاملہ اللہ کے سپرد کیا جائے۔ کیونکہ قرآن حکیم ان سب پر اللہ تعالیٰ کی رضا کا اعلان کرتا ہے۔ اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا بھی عمل یا نیکی ان کے عمل یا نیکی کے برابر نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل ؒ مومن اہل سنت والجماعت کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "وترحم على جميع اصحاب محمد (ﷺ) صغيرهم وكبيرهم و احدث بغضاً وامسلك عما شجر بينهم الخ" اور آخر میں فرماتے ہیں کہ هذا ما اجتمع عليه العلماء في الآفاق. (مناقب الامام احمد بن حنبل لابن الجزری صفحہ ۱۶۶، ۱۶۵)

ثالثاً:...... چاروں ائمہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل ان کا اختلاف کسی سے مخفی نہیں ہے۔ یہ سوال وہاں پر ہوگا کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر؟ اس کے لیے صحیح جواب یہی ہوگا کہ جس کا قول قرآن وحدیث کے موافق ہے وہی حق ہے ورنہ سب کو حق کہنے سے پھر وہی حق تقسیم ہونے والا مسئلہ ہوگا۔ یعنی ہرایک کے پاس چار آنے (ربع) یا ایک کے پاس سولہ آنے تو دوسرے تینوں خالی!

ناظرین:...... ان سب باتوں کے بعد مولوی صاحب اپنے گھر کی تلاشی لیں وہاں پر کس قدر اختلاف ہے۔ ایک امام، ایک ہی فقہ، اصول فقہ کی وہی کتب، پھر بھی اختلاف؟ امام ابوحنیفہ۔ امام ابو یوسف، امام محمد بن الحسن الشیبانی، امام زفر بن الھذیل ان کے آپس میں کئی مسائل میں اختلاف ہیں۔ ہدایہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً امام زفر کہتے ہیں کہ قے (الٹی) تھوڑی زیادہ سے وضوٹوٹ جاتا ہے اور دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ جب تک منہ نہ بھرے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (الھدایہ صفحہ ۲۳ ج ۱) بلغم کی قے کو امام ابوحنیفہ ناقض الوضوء نہیں کہتے لیکن ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر منہ بھرا ہوا ہے تو ناقض ہے (ہدایہ صفحہ ۲۵ ج ۱) بلی کے جھوٹے

کو امام ابو حنیفہ مکروہ کہتے ہیں اور امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے (صفحہ ۲۵ ج ۱ ھدایہ) "المرفقان والکعبان ید خلان فی الغسل خلا فالزفر" (ہدایہ صفحہ ۳۰ ج ۱) (یعنی کہنیاں اور ٹخنے دونوں غسل میں داخل ہیں زفر کے خلاف) فان بالت فیھا شاۃ نزح الماء کلہ عند ابی حنیفہ وابی یوسف وقال محمد لا ینزح الا اذا غلب علی الماء (ہدایہ صفحہ ۴۲ ج ۱) (یعنی اگر (کنویں میں) بکری پیشاب کرے تو سارا پانی نکالا جائے گا ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک محمد کہتے ہیں کہ نہیں نکالا جائے گا لیکن جب وہ پانی پر غالب آ جائے) سور الحمار و البغل مشکوک .... ویروی نص محمد علی طھارتہ ...... وعن ابی حنیفہ نجس (ہدایہ صفحہ ۵۰ ج ۱) "یعنی گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے۔ محمد کی نص طہارت پر ہے اور ابی حنیفہ نجس کہتے ہیں) فان حدث الامام اوالمقتدی فی صلاۃ تیمم وبنی عند ابی حنیفہ وقالا لا یتیمم (ہدایہ صفحہ ۵۶ ج ۱) "یعنی اگر امام یا مقتدی کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ تیمم کر کے نماز جاری رکھے اور دونوں (ابو یوسف۔ محمد) کہتے ہیں کہ تیمم نہیں کر سکتا" فان افتتح الصلاۃ فی الفارسیۃ اوقرأ فیھا الفارسیۃ او ذبح وسمی بالفارسیۃ وھو یحسن العربیۃ اجزأہ عند ابی حنیفۃ وقالا لایجزیہ الا فی الذبیحۃ وان لم یحسن العربیہ اجزاہ (ہدایہ صفحہ ۹۵ ج ۱) "یعنی اگر کسی شخص نے نماز فارسی (زبان میں) شروع کی اور قرات بھی فارسی میں کی۔ یا ذبح کیا اور بسم اللہ فارسی میں پڑھی اور وہ عربی بھی اچھی طرح سے جانتا ہے تو یہ ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور دونوں کہتے ہیں کہ جائز نہیں لیکن ذبیحہ میں جائز ہے جب وہ عربی اچھی طرح نہ جانتا ہو) الوتر واجب عند ابی حنیفہ قالا سنۃ (ہدایہ صفحہ ۱۲۸ ج ۱) (ابو حنیفہ کے نزدیک وتر واجب ہے اور دونوں کہتے ہیں کہ سنت ہے) ولو اقطر فی احلیلہ لم یفطر عند ابی حنیفۃ و وقال ابو یوسف یفطر وقول محمد مضطرب فیہ (ہدایہ صفحہ ۲۰۲ ج ۱) ومن اغمی علیہ فاھل عنہ رفقاء ہ جاز عند ابی حنیفۃ وعند ابی یوسف ومحمد الا ذن الیھا (ہدایہ صفحہ ۳۲۱ ج ۲) ثم ملۃ الرضاع ثلاثون شھرا عند ابی حنیفۃ وقالا سنتان وھو قول الشافعی وقال زفر ثلاثہ حوال (ہدایہ صفحہ ۲۲۹ ج ۲) پھر مدت رضاعت ابو حنیفہ کے نزدیک تین سال کہتے ہیں) وان قال انت علی حرام کظھر امی ونوی بہ طلا قا او ایلاء لم یکن الاظھار عند ابی حنیفۃ وقالا ھو علی ما نوی (ہدایہ صفحہ ۳۸۹ ج ۲) "یعنی اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو مجھ پر حرام میری ماں کی طرح اور طلاق کی نیت کی یا ایلاء کی تو ابو حنیفہ کے نزدیک ظہار نہ ہوگا اور ان دونوں (محمد و یوسف) نے کہا کہ وہ اس کی نیت کے مطابق ہے) ومن اتی امراۃ فی الموضع المکروہ او

عمل عمل قوم لوط فلاحد علیه عند ابی حنیفة ویعزر وقال فی الجامع الکبیر یودع فی السجن وقالا هو کالزنا فیحد (ہدایہ صفحہ ۴۹۵ ج ۲) جس نے عورت کی مکروہ جگہ میں برائی کی یا قوم لوط کا فعل کیا تو اس پر ابوحنیفہ کے نزدیک حد نہیں ہے اس پر صرف تعزیر ہے جامع کبیر میں ہے کہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے اور ان دونوں (ابو یوسف ومحمد) نے کہا کہ وہ زنا کی طرح ہے اس پر حد ہے) ومن اشتریٰ عشرة اذرع من مائة ذراع من دار اوحمام فالبیع فاسد عند ابی حنیفة وقالا جائز (ہدایہ صفحہ ۷ ج ۳) قال ابو حنیفة المساقاة بجزء من الثمر باطلة وقالا جائزة (ہدایہ صفحہ ۴۱۵ ج ۴) ولو حفر فی الطریق ومات الواقع فیه جوعا اوغما لا زمان علی الحاضر عند ابی حنیفة .... ان مات غما فالحافر ضامن ...... وقال محمد هو ضامن فی الوجوه کلها (ہدایہ صفحہ ۵۸۸ ج ۴) ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں ایک گھر میں اتنا بڑا اختلاف اور اس مجموعے کو حنفی مذہب کا نام دیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک امام ہے اور قاعدہ بھی ایک ہے۔ صرف فہم کا اختلاف ہے تو پھر اہل حدیث کے بعض اختلافی مسائل میں یہی جواب صحیح نہ ہوگا؟ نیز یہ تحقیق مقلدین کا کام نہیں ہے۔ بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ ائمہ کے اختلافات مقلد ختم کریں۔ الحمد للہ اہل حدیث ان الجھنوں سے بچے ہوئے ہیں۔ ان کا امام ایک ہے۔ دو یا اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ کہ ایسا اختلاف ہو۔

پھر حدیث ما انا علیه واصحابی کے متعلق مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرات غیر مقلدین صحابہ کی سنت کو نہیں مانتے۔ الخ

جواب:...... حدیث میں تو ایک سنت ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ کیا صحابہ کے طریقے یا سنت رسول اللہ ﷺ کے طریقے یا سنت سے الگ ہیں کیا؟ حاشا وکلا بلکہ اصل سنت رسول اللہ ﷺ کی ہے اور صحابہ کرام پہلی جماعت ہے۔ جو اس راستے پر چلی۔ بحث کردہ چاروں مسائل اس مثال کے لیے کافی ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کا حکم دیا اور کوئی بھی صحابی اس کے خلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ نیز آپ رفع الیدین کرتے رہے اور صحابہ کرام بھی سب کرتے رہے۔ یہ بھی تفصیل سے بیان ہوا۔ ایضاً جو آپ کا وتر پڑھنے کا طریقہ تھا صحابہ اس پر کاربند رہے جس طرح بیان ہوا۔ نیز رسول اللہ ﷺ آٹھ رکعات تراویح پڑھتے رہے اور امیر عمر کے زمانے میں صحابہ کرام نے بھی آٹھ رکعات پڑھیں جس طرح مؤطا کی روایت گزری۔ باقی مولوی صاحب نے یہ ایک نیا فتنہ ڈالا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے دو طریقے الگ اور دو سنتیں الگ الگ تھیں۔ پھر تو ایک دین میں سے دو دین

ہوئے اور اہل حدیث صحابہ کرام کو جس طرح انہیں ماننے کا حق ہے۔ اسی طرح مانتے ہیں اور سب کو عدول اور معتبر سمجھتے ہیں۔ تمہاری طرح نہیں کہتے کہ "فیھم عدول وفیھم غیر عدول" (التلویح صفحہ ۶ ج ۲) "یعنی ان (صحابہ) میں سے کچھ معتبر ہیں اور کچھ غیر معتبر۔ نیز اہل حدیث سب صحابہ کرام کو فقیہ اور اہل علم سمجھتے ہیں۔ لیکن ان میں درجات ہیں لیکن تمہاری طرح نہیں کہتے کہ ان میں سے کچھ فقیہ ہیں اور کچھ غیر فقیہ، تمہاری نور الانوار صفحہ ۱۴۵ میں ابوہریرہ اور انس رضی اللہ عنہما کو غیر فقیہ اور حسامی صفحہ ۶۹ میں مسلمہ بن المحبق اور وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہما کو مجہول کہا گیا ہے اور اہل حدیث سب صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر اپنے فہم کے مطابق چلنے والے تھے۔ تمہاری طرح نہیں کہتے کہ طریقے دو ہیں اور ان کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے الگ دوسرا طریقہ ہے جب کہ تم نے چار مذہب خود بنائے ہیں اور چار طریقے بنائے ہیں تبھی تو اس کے جواز کے لیے شروع سے ہی دو طریقوں کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے ناکام کوشش کر رہے ہو۔ تبھی تو دو الگ سنتیں کہہ رہے ہو۔ لیکن جب تک اہل حدیث تھوڑے یا زیادہ دنیا میں موجود ہیں۔ تب تک ان شاء اللہ تعالیٰ تمہاری مراد ہرگز پوری نہیں ہوسکتی۔ جبکہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "تمہاری جماعت ایک ہی ہے پھر اس کو دو کون کہہ سکتا ہے؟ بلکہ ناجی فرقہ جس کے لیے حدیث میں آیا ہے کہ "ما انا علیہ واصحابی" امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ جماعت اہل حدیث ہے (شرف اصحاب الحدیث للخطیب صفحہ ۲۵) بلکہ امام خطیب اسی صفحہ پر اپنے استاد ابوالحسن محمد بن عبداللہ بشر سے نقل کرتے ہیں کہ " رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقلت من الفرقۃ الناجیۃ من ثلاث وسبعین فرقۃ؟ قال انتم یا اصحاب الحدیث" (یعنی میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میں نے پوچھا کہ ان تہتر فرقوں میں سے ناجی فرقہ کون سا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اے اہل حدیثو! یہ خواب بھی امام احمد کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ "جمعہ کے دن پہلی اذان نہیں دیتے، حالانکہ بخاری شریف میں موجود ہے کہ حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں یہ اذان کہی گئی۔"

جواب: اوّلاً:...... مسئلہ صحابہ کرام میں متفق علیہ نہ تھا۔ بلکہ اختلاف موجود تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس اذان کو بدعت کہتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۴۰ ج ۲ میں آپ سے تین سندوں سے اس کے متعلق روایت منقول ہے "حدثنا ھشیم قال اخبر نا شیخ من قریش عن نافع قال سمعتہ یحدث عن ابن عمر انہ قال الاذان الاول یوم الجمعۃ الذی یکون عند خروج الامام والذی قبل ذالک محدث حدثنا شبابۃ قال حدثنا ھشام بن الغاز عن نافع عن ابن عمر قال

الاذان الاوّل یوم الجمعة بدعة ، حدثنا وکیع قال حدثنا هشام بن الغاز قال سالت نافعاً مولی ابن عمر الاذان الاوّل یوم الجمعة بدعة فقال قال ابن عمر بدعة" پھر جب مسئلہ اتفاقیہ نہ رہا۔ بلکہ اختلافی ہے۔ لہٰذا حکم ہے ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء: ۵۹) اسی وجہ سے فقط مسنون اذان پر اکتفا کیا جائے گا۔ لیکن تابعین میں بھی اس زائد اذان پر اتفاق نہ رہا۔ بلکہ اختلاف رہا ہے۔ جس طرح کہ ابن عمر کی روایات میں امام نافع تابعی کا قول بھی ذکر ہوا اور ابن ابی شیبہ نے اسی صفحہ پر دیگر تابعین امام حسن بصری اور امام زہری سے بھی اس طرح نقل کیا ہے اہل حدیث کا مسلک واضح ہے کہ اختلاف والی صورت میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ اور عمل ہی عدالت کی حیثیت رکھتا ہے اس وجہ سے یہ اعتراض اہل حدیث پر مولوی صاحب کا بے جا ہے۔

صفحہ ۱۹۳:...... لکھتے ہیں کہ " اہل سنت والجماعت کا نام تو اس حدیث سے لیا ہوا ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ "اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کی جماعت ہے۔"

الجواب: ...... **اوّلاً**: خود مولوی صاحب قبول کر چکے ہیں کہ سنت ایک ہی ہے اور جماعت کا مطلب ہے کہ ان کا رہنما ضرور ہونا چاہیے اور وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ لہٰذا سنت یا طریقہ امام کا کہاں جائے گا اور اس پر چلنے والی جماعت کو کیا کہتے ہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کا مطلب اس روایت سے پورا نہ ہوا۔ کیونکہ رہنما الگ نہیں ہے۔ پھر جماعت یا سنت اور طریقے جدا کس طرح سے ہوں گے؟ جیسا کہ تمہارے مذہب اربعہ کے امام جدا جدا ہیں۔ یا طریقے والوں کے پیر طریقت الگ الگ ہیں۔ لیکن یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ قائد بھی ایک، جماعت بھی ایک، سنت بھی ایک، تو طریقہ بھی ایک۔ وھو الثانی

ثالثاً: ...... اہل سنت میں دو کلمے ہیں ایک اہل دوسرا سنت اہل بمعنی والے سنت بمعنی طریقہ۔ پھر جب کہ مولوی صاحب خود تسلیم کر چکے ہیں کہ سنت رسول اللہ ﷺ کی مراد ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت یا طریقہ جن کتب میں مذکور ہے۔ ان کو کتب حدیث کہا جاتا ہے اور جو رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا فعلاً یا تقریراً منقول اور مروی ہو۔ اس کو حدیث کہا جاتا ہے اور اس کو معلوم کرنے کے لیے قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث کی کتب دیکھنا ضروری ہیں۔ کیونکہ قرآن وحدیث سے ہی آپ کا طریقہ اور سنت معلوم ہوگی اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ معلوم نہیں ہے اور لفظ حدیث جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے قول۔ فعل اور تقریر پر استعمال ہوتا ہے اسی طرح خود قرآن کریم کو بھی حدیث کہا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ﴿فبای حدیث بعده یومنون﴾ (المرسلات) ﴿الله نزّل احسن الحدیث کتاباً متشابها﴾ (الزمر) نیز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو بھی حدیث کہا گیا ہے۔ ﴿ومن اصدق من

اللہ حدیثاً﴾ (النساء) اور انبیاء کی گفتگو، واقعات اور سیرتوں کو بھی حدیث کہا گیا ہے۔ ﴿ھل اتاك حدیث ضیف ابراھیم المکرمین﴾ (الذاریات) ﴿ھل اتاك حدیث موسیٰ﴾ (طٰہٰ) رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو بھی حدیث کہا گیا ہے۔ ﴿واذا اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثاً﴾ (التحریم) پھر اہل حدیث کا معنی قرآن وحدیث والے: پھر جب تک تم اہل حدیث (قرآن وحدیث والے) نہیں ہوتے تب تم اہل سنت کو تو خاموش کروا سکتے ہو کہ وہ اہل حدیث ہیں اور ہم اہل سنت ہیں۔ لیکن جس شخص کو معمولی سوجھ بوجھ ہے اور حدیث کے مفہوم اور معنی کو سمجھتا ہے اور لفظ اہل کے بھی معنی کو جانتا ہے کہ اہل سنت بمعنی سنت اور طریقے والے جو یہ معنی اور استعمال سمجھتے ہیں وہ تمہارے منہ پر بتائیں گے کہ مولوی صاحب یہ دھول ان کی آنکھوں میں ڈالو جو تمہارے معتقد ہوں اور یہ تیر اور جادو ان پر چلاؤ۔ جو تمہاری ہر ہاں میں ہاں ملاتے ہوں۔ باقی ہم سمجھتے ہیں کہ تم صرف دھوکہ دیتے ہو؟ جب کہ تم اہل حدیث (قرآن وحدیث والے) نہیں ہو تو پھر اہل سنت کس طرح سے ہوئے اور تمہیں اہل حدیث نام سے نفرت ہے تو پھر اہل سنت سے تمہاری محبت کس طرح سے ہوئی۔ اہل حدیث مذہب کو تم غلط کہتے ہو پھر تم اہل سنت کس طرح ٹھیک ہوئے؟ تم اہل حدیث کو نیا مذہب کہتے ہو پھر اہل سنت مذہب کہاں سے آیا پہلے قرآن وحدیث والے بنو اور خود کو اہل حدیث کہلواؤ اسی کو حق سمجھو پھر اہل سنت کہلواؤ۔ کیونکہ اگر قرآن و حدیث والے نہیں ہو تو پھر یہ سنتیں کہاں سے لائے ہو۔ یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب مولوی صاحب کے پاس قیامت تک نہیں ہے۔ یا تو اہل حدیث بن جائے یا سنت سے دستبردار ہو جائے۔ اب ایک دوسری صورت ہے کہ آپ کہیں کہ سنت رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے۔ یہ کسی دوسرے کی ہے تو پھر یہ تمہیں مبارک ہو۔ باقی مسلمانوں کے نزدیک سنت رسول اللہ ﷺ کی مراد ہے۔ جو قرآن وحدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص پہلے اہل حدیث بنے پھر ہی اہل سنت بن سکتا ہے۔ ایضاً کئی روایات میں سنت کا لفظ آیا ہے مثلاً بخاری شریف صفحہ ۱۷۸ج ۱ میں روایت ہے "عن طلحة بن عبدالله بن عوف قال صلیت ابن عباس علی جنازة فقرأ بفاتحة الکتاب فقال لتعلموا انها سنة" (یعنی طلحہ بن عبداللہ عوف کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ جان لو کہ یہ سنت ہے) اب بتائیں کہ اہل سنت کہلانے والے تم جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھتے ہو۔ اگر نہیں تو پھر اہل سنت کس طرح ہوئے؟ بخاری صفحہ ۱۳۱ج ۱ میں حدیث ہے آپ ﷺ نے خطبہ عید میں فرمایا کہ "ان اول مانبدا فی یومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذالك اصاب سنتنا" (یعنی آج کے دن پہلے ہم نماز پڑھیں گے پھر قربانی کریں گے جو اس طرح (عمل) کرے گا وہ ہماری سنت کو پالے گا)

حالانکہ تمہارے مذہب میں دیہاتی لوگ عید سے پہلے قربانی کر سکتے ہیں۔ بلکہ تمہارے فقہاء نے شہروں کے لیے بھی حیلہ بتایا ہے کہ وحیلة المصری اذا اراد ان التعجیل ان یبعث بھا الی خارج المصر فیضعی بھا کما طلع الفجر (ہدایہ صفحہ ۴۴۶ ج ۴) ''یعنی شہر کے رہنے والے کے لیے حیلہ ہے کہ اگر وہ جلد (قربانی) کرنا چاہیے تو وہ اپنے جانور کو شہر سے باہر بھیج دے اور طلوع فجر کے بعد ذبح کرے) اب بتائیں کہ آپ کس کی سنت پر ہیں؟ بخاری شریف صفحہ ۵۶ ج ۱ میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''انہ رای رجلا لا یتم رکوعہ ولا سجودہ فلما قضی صلاتہ قال لہ حذیفة ما صلیت واحسبہ قال لومت مت علی غیر سنة محمد ﷺ'' (یعنی حذیفہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع اور سجدے مکمل طور پر ادا نہیں کر رہا جب نماز سے فارغ ہوا تو حذیفہ نے فرمایا کہ تو نے نماز پڑھی نہیں (راوی کہتا ہے) میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر تجھے موت آ گئی تو محمد ﷺ کی سنت کے بغیر تیری موت ہوگی) تمہارے عام اہل سنت کہلوانے والے ٹونگے مار کر نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن کبھی آپ نے انہیں اہل سنت سے خارج نہیں سمجھا اور ابوداؤد صفحہ ۱۱۰ پر ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''یقول صف القدمین ووضع الید علی الیدین السنة'' (یعنی کہتے ہیں کہ پاؤں کو پاؤں سے ملانا اور ہاتھ کو ہاتھ پر باندھنا سنت ہے) کہاں ہیں اہل سنت کہلوانے والے تم کس کی سنت پر ہو۔ تم تو صف میں ایک دوسرے سے پاؤں نہیں ملاتے۔ لیکن ملانے سے بھی نفرت کرتے ہو اور ملانے پر ہنسی اور مذاق کرتے ہو۔ کیا اسی طرح سے سنت کے اہل بنتے ہو؟ اور ابن ماجہ صفحہ ۸۳ میں ہے کہ ''سأل ابن عمر رجل فقال کیف اوتر قال اوتر بواحدة قال انی اخشی ان یقول الناس البتیرأ فقال سنة اللہ ورسولہ یرید ھذہ سنة اللہ ورسولہ ﷺ'' اور آپ ایک رکعت وتر کو سنت سمجھنا تو درکنار لیکن جائز بھی نہیں سمجھتے عجیب سنت والے ہو۔ ''یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم'' تاریخ اصفہان صفحہ ۲۰۰ ج ۲ میں موسیٰ بن سلمہ سے روایت ہے کہ ''قال سألت ابن عباس قلت ارایت ان فاتنی الجمعة وانا بالبطحاء لم اصلی قال رکعتین سنة ابی القاسم ﷺ'' اور تمہارا مذہب ہے کہ جس کی جمعہ کی نماز فوت ہو جائے وہ چار رکعات ظہر پڑھے اور الفوائد لابی القاسم الرازی صفحہ ۲۱۳ ج ۲ قلمی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''عن النبی ﷺ قال جلوس المؤذن بین الاذان والاقامة فی المغرب سنة'' یعنی نبی ﷺ نے فرمایا کہ موذن کا اذان اور اقامت کے درمیان بیٹھنا سنت ہے) اور تمہارے مذہب میں مغرب کی اذان اور تکبیر کے درمیان بیٹھنے کی ممانعت ہے جیسا کہ ہدایہ صفحہ ۸۹ ج ۱۔ اور شرح الوقایہ صفحہ ۱۳۱ ج ۱ میں مذکور ہے ایسی بہت سے مثالیں ہیں جن میں صریح لفظ سنت کا

ہے۔ پھر جس کام کو حدیث میں سنت کہا جائے اور تمہارا مذہب اس کے خلاف ہو۔ پھر ایسے مذہب والوں کو اہل سنت کس طرح کہا جائے گا۔ یا تو کہو کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کی سنت ہے تو پھر تم پر اعتراض نہیں باقی لفظ ''الجماعۃ'' اگر اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں تو پھر رسول اللہ ﷺ کے قول اور فعل پر عمل کرنا پڑے گا چھوٹے خواہ بڑے کے قول یا رائے یا قیاس کو چھوڑ کر مذہبی پابندی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنا پڑے گا۔ تب انسان صحابہ کی جماعت والا بن سکتا ہے۔ کیونکہ ان کا یہی طریقہ تھا۔ الحمد للہ۔ اہل حدیث اسی مسلک پر قائم ہیں جو صحابہ کرام کی جماعت کا تھا اسی وجہ سے فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب غنیۃ الطالبین صفحہ ۸۵ سے ان کا قول نقل کیا گیا تھا کہ اہل سنت والجماعۃ ایک ہی فرقہ ہے اور اس کا نام صرف اہل حدیث ہے پھر غیر چاہے اس کا کوئی بھی نام رکھے اور صحابہ ایک جماعت رہی خلفاء اربعہ ابوبکر عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اگر تمہارے چاروں ائمہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور تمہارے دنیا کے سارے پیر شیخ عبدالقادر جیلانی اور دیگر ان سب سے ایمان عقیدہ عمل اخلاص۔ صلاحیت، اہلیت، لیاقت، علم، فہم، تفقہ اور فراست سب میں ہزار بار زیادہ تھے۔ اس سے تو مولوی صاحب کو انکار نہ ہوگا اور یہ ان آئمہ اور پیروں سب سے قرآن وحدیث کو زیادہ جاننے والے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے مفہوم اور مراد کو سمجھنے والے تھے لیکن صحابہ نے اپنے مذہب نہیں بنائے اور نہ یہاں ان میں سے کسی نے ابوبکری یا صدیقی، عمری یا فاروقی اور عثمانی یا علوی مذاہب نہیں کہلوایا اور نہ ہی ایسا کوئی فرقہ وجود میں آیا بلکہ ایسی فرقہ بندی کے خلاف تھے چنانچہ المطالب العالیۃ لابن حجر صفحہ ۴۷ ج ۳ میں بحوالہ مسند ابن عمر امام طاؤس سے روایت ہے ''ان معاویۃ قال لابن عباس أعلی ملۃ ابن ابی طالب انت قال لا ولا وعلی ملۃ ابن عفان فقال معاویۃ فعلی ملۃ من انت قال علی ملۃ محمد ﷺ'' یہی روایت امام ابن حزم الاحکام صفحہ ۵۷۴ میں لائے ہیں بلکہ اس وقت صحابہ خود کو صرف رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یا کئے جاتے تھے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق صفحہ ۴۰۴ ج ۱۱۔ باب الحوض کی پہلی روایت میں مذکور ہے اور امام بیہقی کتب الاسماء والصفات صفحہ ۸۶ طبع ہند میں روایت لاتے ہیں:

''اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ قال سمعت ابا زکریا یحییٰ بن محمد العنبری یقول سمعت عمران بن موسی الجرجانی نیساپوری یقول سمعت سوید بن سعید یقول سمعت مالك بن انس وحماد بن زید وسفیان بن عیینۃ والفضیل بن عیاض وشریك بن عبداللہ ویحییٰ بن سلیم ومسلم بن خالد وھشام بن سلیمان المخزومی و جریر

بن عبدالحمید وعلی بن مسهر وعبدة وعبدالله بن ادریس وحفص بن غیاث ووکیعا ومحمد بن فضیل وعبدالرحیم بن سلیمان و عبدالعزیز بن ابی حازم والداوردی واسماعیل بن جعفر وحاتم بن اسماعیل وعبدالله بن یزید المقری وجمیع من حملت منهم العلم یقولون الایمان قول ، وعمل ویزید وینفص والقرآن کلام الله تعالیٰ وصفة ذاته غیر مخلوق من قالا انه مخلوق فهو کا فر بالله العظیم وافضل اصحاب رسول الله ﷺ ابو بکر ، وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم قال عمران وبذالك اقول به ادین الله عزوجل وما رایت محمدیا قط الا وهو یقوله . "

ناظرین:...... سوید بن سعید راوی سن ۲۴۰ھ میں فوت ہوئے ہیں (تہذیب صفحہ ۲۷۵ ج ۴) عمران بن موسیٰ الجرجانی حافظ مشہور ہے جو سنہ ۳۰۵ھ میں فوت ہوئے (تاریخ جرجان صفحہ ۲۸۵) گویا کہ اس وقت تک محمدی پکارے جاتے تھے اور ناموں کی اسی فہرست میں سب تبع تابعی یا ان کے شاگرد ہیں اور امام حافظ ابن شاہین جن کی ۳۳۰ کتب تصنیف ہیں۔ جن میں تفسیر، مسند، تاریخ اور کتاب الزہد وغیرہ ہیں اور سنہ ۳۸۵ میں فوت ہوئے ہیں (تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۸۹۔ ۱۸۸ ج ۳) ان کے متعلق تاریخ بغداد صفحہ ۲۶۷ ج ۱۱ میں ہے کہ "وکان اذا ذکر له مذاهب الفقهاء کالشافعی وغیره یقول انا محمدی المذهب . " یعنی ثابت ہوا کہ شروع میں کسی دوسرے کی طرف منسوب ہونے کا رواج نہ تھا اور الجماعۃ سے مراد جب صحابہ کرام ہیں تو پھر ان کو ماننے والے ان کے طریقے پر چلنے والے وہی ہیں جو محمدی کہلائیں نہ کہ دوسروں کی طرف اپنی نسبت کریں اسی طرح کتاب کے لحاظ سے وہی اہل حدیث کہلائیں گے کیونکہ قرآن وحدیث والی پہلی جماعت وہی صحابہ تھے۔ چنانچہ تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۸۳ ج ۱۔ میں امام شعبی سے مروی ہے کہ "لو استقبلت من امری ما ستدبرت ما حدثت الا بما اجمع علیه اهل الحدیث . " یہاں پر امام شعبی اپنے اساتذہ کو اہل حدیث کہہ رہے ہیں جن میں صحابہ اور کبار تابعین ہیں اور خود بھی تابعی ہیں اور فرماتے ہیں کہ "ادرکت فحس مائة من الصحابة" (تہذیب صفحہ ۶۷ ج ۵) اور اس مقام پر امام عجلی سے منقول ہے کہ "سمع من ثمانية واربعين من الصحابة" نیز حافظ ابن حجر تہذیب میں ان کے کافی اساتذہ صحابی بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ روی عن علی وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید وزید بن ثابت وقیس بن سعید بن عبادة وقرظة بن کعب وعبادة بن الصامت وابی موسیٰ الاشعری وابی مسعود الانصاری وابی هریرة والمغیرة بن شعبة وابی جحیفة السوائی النعمان بن بشیر وابی ثعلبة الخشنی وجریر بن عبدالله البجلی

وبریدة الحصیب والبراء بن عازب ومعاویة وجابر بن عبدالله وجابر بن سمرة وجریر بن عبدالله والحارث بن مالك بن البرصاء وحبشی بن جنادة والحسین وزید بن ارقم والضحاك بن قیس وسمرة بن جندب وعامر بن شهر والعبادلة الا ربعة (عبدالله بن عباس وعبد الله بن عمرو عبدالله بن الزبیر وعبدالله بن عمرو بن العاص) وعبد الله بن مطیع وعبدالله بن یزید الخطمی وعبد الرحمان بن سمرة وعدی بن حاتم وعروة بن الجعد البارقی وعروة بن مضرس وعمرو بن امیة وعمر و بن حریث وعمران بن حصین وعوف بن مالك وعیاض الاشعری وکعب بن عجرة ومحمد بن صیفی والمقدام بن معد یکرب ووابصة بن معبد وابی جبیرة بن الضحاك وابی سریحة الغفاری وابی سعید الخدری وانس وعائشة وام سلمة ومیمونة بن الحارث واسماء بنت عمیس وفاطمة بنت قیس وام هانی بنت ابی طالب وغیر هم من الصحابة. یہ صحابہ کرام اور دیگر اہل حدیث کہلاتے تھے۔ لہٰذا الجماعۃ والا مذہب وہی ہے جو کہ اہل حدیث کا ہے۔ یہی ان کے طریقے پر ہیں نہ کہ تمہارے چار مذاہب بلکہ اہل حدیث نام سے ظاہر ہے کہ یہ الجماعۃ صحابہ کرام سے لے کر چلی ہوئی ہے۔ لیکن تمہارے مذہب کھینچ تان کر اپنے چاروں ائمہ تک لائے ہیں۔ لیکن یہ بھی صحابہ کرام کے بعد ہیں۔ بلکہ شاہ ولی اللہ کے قول کے مطابق چوتھی صدی تک کسی کا کوئی مذہب مقرر نہ تھا۔ نیز حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۵۲ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "ثم بعد هذه القرون کان ناس آخرون ذهبوا یمینا وشما لا وحدث فیهم امور منها الجدل والخلاف فی علم الفقه ...... ومنها انهم اطمانوا بالتقلید ودب التقلید فی صدورهم دبیب النمل وهم لا یشعرون." الخ گویا کہ خیر القرون کی بھلائی کی شہادت رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے اس زمانہ کے گزرنے کے بعد اور لوگ آئے جن میں تقلید شروع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ تقلید مذہب "الجماعة" صحابہ کی جماعت کے طریقے پر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے طریقے پر وہ ہیں جو اصل حالت پر رہے۔ یعنی اہل حدیث (قرآن وحدیث والے) اور محمدی رہے۔ رائے اور قیاس کی تقلید میں نہ پھنسے نیز صحابہ کرام نے بھی شہر فتح کیے اور وہاں کے باشندے مسلمان ہوئے وہ سب بعد میں اہل حدیث کہے جاتے تھے۔ جیسا کہ تاریخ اہل حدیث مصنف الشیخ احمد الدہلوی المدنی صفحہ ۹۰۸ میں بحوالہ کتاب اصول الدین مصنف امام ابو منصور عبد القادر بن طاہر التمیمی البغدادی سے منقول ہے ایضاً امام ابو الحسن الاشعری جس کی طرف عقائد میں تمہارے حنفی خود کو منسوب کرتے ہیں اور اشعری کہلاتے ہیں انہوں نے خود ان عقائد سے

خلق کے سامنے توبہ کا اعلان کیا۔ جس طرح کہ امام حافظ عساکر کتاب تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری صفحہ ۳۸ تا ۴۵ میں مورخ ابن خلکان تاریخ وفیات الاعیان صفحہ ۶۷۷ ج ۲ میں حافظ ابن کثیر تاریخ البدایہ والنھایہ صفحہ ۱۸۷ ج ۱۱ میں اور حافظ ذہبی کتاب العلو للعلی الغفار صفحہ ۱۶۳ میں علامہ تاج الدین السبکی طبقات الشافعیہ الکبری صفحہ ۲۴۶ ج ۲ فی اعیان المذہب صفحہ ۱۹۳ میں، علامہ سید مرتضی زبیدی، حسینی حنفی اتحاف السادۃ المتقین بشرح اسرار احیاء علوم الدین صفحہ ۳ ج ۲ میں وغیرہم نقل کرتے ہیں اور رجوع کے بعد اس نے مسلک اہل حدیث اختیار کیا۔ چنانچہ امام ابن عساکر تبیین کذب المفتری صفحہ ۳۹ میں امام ابوبکر اسماعیل بن ابی عزرہ الازدی القیروانی سے نقل کرتے ہیں کہ "قال الاشعری شیخنا وامامنا ومن علیه معولنا قام علی مذاهب المعتزلة اربعین سنة وكان لهم اماما ثم غاب عن الناس فی بیته خمسة عشر یوما فبعد ذالك خرج الی الجامع فصعد المنبر وقال معاشر الناس انی انما تغیبت عنكم فی هذه المدة لانی نظرت فتكافات عندی الادلة ولم یترجح عندی حق علی باطل ولا باطل علی حق فاستهدیت الله تبارك وتعالیٰ فهدانی الی اعتقاد ما اودعته فی كتبی هذه وانخلعت من جمیع ماكنت اعتقده كما انخلعت من ثوبی هذا وانخلع من ثوب كان علیه ورمی به ودفع الكتب الی الناس فمنها كتاب (اللمع) وكتاب اظهر فیه عوار المعتزلة سمان یكتاب (كشف الاسرار وهتك الاستار) وغیرهما فلما قرأت الكتب اهل الحدیث والفقه من اهل السنة والجماعة اخذوا بما فیها وانتحلوه."

خود اپنے آپ کو امام ابوالحسن اشعری اہل حدیث کہتے ہیں چنانچہ ان کی کتاب مقالات الاسلامیین صفحہ ۲۴۵ تا ۲۵۰ میں اہل حدیث کے عقائد نقل کرتے ہیں جن میں الفاظ ہیں کہ "ویقرون بان الایمان قول وعمل یزید وینقص" اور آخر میں فرماتے ہیں کہ "وبكل ما ذكرنا من قولهم نقول والیه نذهب" اور اپنی مشہور کتاب الابانہ صفحہ ۵ پر فرماتے ہیں کہ "وحث الله فی كتابه علی التمسك بسنة رسوله علیه السلام فقال عزوجل ﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ وقال عزوجل ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ فقال ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ وقال ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ یقول الی كتاب الله وسنة نبیه ﷺ وقال ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ وقال ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ فامر هم ان يسمعوا قوله ويطيعوا امره ويحذروا مخالفته وقال ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ فامر هم بطاعة رسوله ﷺ كما امر هم بطاعته ودعا هم الى التمسك بسنة نبيه ﷺ كما امر هم بالعمل بكتابه فنبذ كثير ممن غلبت عليه شقوته واستحوذ عليهم الشيطٰن سنن نبی الله ﷺ وراء ظهورهم ومالوا الى الاسلاف لهم قلدوهم بدينهم ودانوا بديا نتهم وأبطلوا سنن رسول الله ﷺ ورفضوها وانكروها وجحدوها افتراء منهم على الله قد ضلوا وما كانوا مهتدين اه۔ نیز نماز میں سورت فاتحہ کے متعلق یہی مسلک اہلحدیث کا موجود ہے ابن عساکر تبیین کذب المفتری صفحہ ۱۲۴ میں شیخ عبداللہ بن محمد بن طاہر الصوفی سے نقل کرتے ہیں کہ "یقول رأيت ابا الحسن الاشعری رضی اللہ عنہ فی مسجد البصرة وقد ابهت المعتزلة فی المناظرة فقال له بعض الحاضرين قد عرفنا تبحرك فی علم الكلام وانا اسئلك عن مسألة ظاهرة فی الفقه فقال سل عما شئت فقال له ما تقول فی الصلاة بغير فاتحة الكتاب فقال نا زكريا بن يحيىٰ الساجی نا عبدالجبار نا سفيان حدثنی الزهری عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت عن النبی ﷺ قال لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب قال وحدثنا زكريا نا بندار نا يحيىٰ بن سعيد عن جعفر بن ميمون حديثنی ابو عثمان عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال امر نی رسول الله ﷺ ان انا بالمدينة ان لا صلاة الا بفاتحة الكتاب قال فسكت السائل ولم يقل شيئا اه."

ناظرین! امام اشعری کا ان روایات میں استاد امام زکریا بن یحییٰ الساجی مشہور محدث اور حافظ ہے سنہ ۳۰۷ میں فوت ہوئے۔ اس سے انہوں نے مسلک اہلحدیث حاصل کیا۔ امام الذہبی الساجی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ "وعنه اخذ ابو الحسن الاشعری الاصولی تحرير مقالة اهل الحديث والسلف (تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۷۰۹۔۷۱۰ ج ۲) غور کا مقام ہے کہ امام اشعری چوتھی صدی کا ہے سنہ ۳۲۴ میں فوت ہوا ہے (تبیین کذب المفتری صفحہ ۱۴۷) اس وقت تک الجماعۃ کا مذہب وہی سمجھا گیا جو اہل حدیثوں کا ہے۔ پھر کس طرح سے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اہل حدیث کے نام میں صحابی کا لفظ قائم مقام نہیں ہے۔ الحمدللہ اتنا تو مانا کہ ما انا علیہ کا قائم مقام ان کے نام میں موجود ہے باقی صحابہ کرام خود اس کے تابع تھے اور رسول اللہ ﷺ سے اس کے ناقل تھے۔ لہٰذا وہی جماعت آج تک اہل حدیث کے نام سے چلی آرہی

ہے۔ باقی تمہارے حنفی نام میں نہ ماانا علیہ کا کوئی قائم مقام لفظ نہ صحابی کے لیے امید ہے کہ مولوی صاحب جس مقابلے میں تھا اس سے اب ہوشیار ہوگا اسی طرح امام غزالی المتوفی سنہ ۵۰۵ھ کے آخر میں علم کلام کی بحث اور دیگر مذاہب کو چھوڑ کر مذہب اہل حدیث اختیار کیا تھا چنانچہ تبیین کذب المفتری صفحہ ۲۹۶ میں ہے کہ وكانت خاتمة امره اقباله على حديث المصطفى ﷺ ومجالسة اهله ومطالعة الصحيحين البخاری ومسلم اللذين هما حجة الاسلام الخ نیز التاج المکلل صفحہ ۳۸۹ مصنف نواب صدیق حسن خان میں ہے "وقد حكى على القاری ان الغزالی مات وكتاب الصحيح للبخاری على صدره وهذا يرشدك الى انه رجع آخر عما ذهب اليه اولا والحمد لله۔" الخ آخر میں تمہارے مذہبی بھائی علامہ لکھنوی حنفی کی اہل حدیث کی حقانیت کے متعلق گواہی پیش کرتے ہیں علامہ موصوف امام الکلام صفحہ ۲۱۶ پر لکھتے ہیں کہ ومن نظر بنظر الانصاف وغامر فی بحار الفقه والاصول محتنبا عن اعتساف يعلم علما يقينا ان اكثر المسائل الفرعية والاصلية التي اختلف العلماء فيها فمذهب المحدثين فيها اقوى من مذاهب غير هم وانی كلما اسير فی شعب الاختلاف اجد قول المحدثين فيه قريبا من الانصاف فلله درهم وعليه شكر هم كيف لاوهم ورثة النبی ﷺ حقا ونواب شرعه صدقا حشر نا الله فی زمر تهم اما تنا على حبهم وسيرتهم. الخ

خاتمہ

اللہ تعالیٰ کی خاص تائید اور توفیق سے چاروں مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی مولوی صاحب کے پیش کردہ دلائل کی حقیقت ظاہر کی گئی اور اہل حق کے صحیح دلائل کو مٹانے کی جو انہوں نے ناکام کوشش کی اس کو پوری طرح رد کیا گیا اور جو غلط حیلے مکر اور فریب کیے، ان کا اچھی طرح سے پردہ چاک کیا گیا اور حق کے طالبوں کے لیے حق اچھی طرح سے ظاہر ہوا اور باطل اور حق کو جاننے کے لیے اہل علم کے سامنے معیار ظاہر کیا گیا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو پہلے مختصر جواب (تقریر لاجواب) کی طرح عام قبولیت عطا فرمائے گا۔ مولوی صاحب کو ہم پھر بھی بتانا چاہتے ہیں کہ انصاف خیر الاوصاف ہے اور تعصب حق کو قبول کرنے سے مانع ہوگا۔ لہٰذا بجائے رائے اور قیاس کے قرآن وحدیث کو مشعل راہ بنایا جائے اور ہر اختلافی مسئلے کے لیے یہی واحد حل ہے۔ اس طرح سے مختلف مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن کر ایک ہو سکتے ہیں۔ بعد والے نقلی مذہب کے افتراق کا باعث بنے ہیں ان کے بجائے اصلی دین جو ان کے حدوث سے قبل ہی موجود تھا وہی مسلمانوں کو ایک کر سکتا ہے کیونکہ قوم اسی طرح متحد ہو سکتی ہے جس کی شخصیت متنازع فیہ نہ ہو۔ کسی بھی فرد کو اس کی قیادت پر اعتراض نہ ہو اور اسلام میں صرف ایک ایسی شخصیت اکرم الاولین والآخرین رسول رب العالمین ﷺ کی ہے دوسرے کسی پر بھی امت اتفاق نہیں کر سکتی۔ مثلاً خلفائے ثلاثہ ابوبکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا بھی نام لوگے تو شیعہ الگ ہو جائیں گے۔ حالانکہ وہ بھی اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں اور اگر خلیفہ چہارم علی رضی اللہ عنہ کا نام لوگے تو خوارج الگ ہو جائیں گے حالانکہ وہ بھی خود کو مسلمان کہلاتے ہیں۔ امام جعفر صادق کا نام لوگے جس کی تابعداری کا کافی حصہ دعویدار ہے تو اس صورت میں چار مذہب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی اور دیگر کئی الگ ہو جائیں گے اور اگر امام ابوحنیفہ کا نام لوگے تو جعفری، مالکی اور شافعی اور حنبلی الگ ہو جائیں گے اور اگر امام مالک کا نام لوگے تو جعفری یا حنفی، شافعی، حنبلی اور اگر امام شافعی کا نام لوگے تو جعفری، حنفی، مالکی اور حنبلی الگ ہو جائیں گے اور اگر امام احمد بن حنبل کا نام لوگے تو جعفری حنفی، مالکی اور شافعی الگ ہو جائیں گے اور اگر معاویہ کا نام لوگے تو شیعہ اور کئی برائے نام سنی الگ ہو جائیں گے مطلب کہ جس کو بھی سامنے کرو گے تو مسلمان کہلوانے والوں میں سے کوئی نہ کوئی ٹولہ الگ ہو جائے گا۔ نہ ہی حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر جمع ہو سکتے ہیں نہ عبدالقادر جیلانی کے نام پر، نہ امام ربانی کے نام پر، نہ معین الدین

اجمیری، نہ سید سہروردی، نہ سید شاذلی، نہ دسوقی، نہ دیوبندیوں کے مرشد علامہ حاجی امداداللہ، نہ بریلویوں کے رئیس علامہ احمد رضا خان، نہ علامہ مودودی، نہ پیر پگارہ نہ پیر جھنڈے والا، نہ خود حسن بصری جس کی طرف سب طریقے منسوب کیے جاتے ہیں۔ نہ کسی دوسرے پر سب کلمہ پڑھنے والے جمع ہو سکتے ہیں۔ یہ فقط شان امام اعظم، مرشد اکرم، قائد اقدم محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے جس کی قیادت سے کسی بھی مسلمان کہلوانے والے کو اختلاف نہیں ہوسکتا اور اگر اس سے اختلاف رکھو گے تو مسلمان کہلانے کا حق نہیں ہے دیگر گدیوں سے انکار کریں تو اسلام سے خارج نہیں کہا جائے گا۔ لہٰذا آیئے! اس کی قیادت کے تحت جمع ہوں اور اس طرح سے سب اختلاف ختم ہو سکتے ہیں اور سب مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت اس طرح سے پیش آئی کہ مولوی صاحب نے غلط باتوں اور غلط عبارتوں، غلط روایتوں، اور ان کی غلط معانی اور غلط تاویلیں اور غلط اعتراض اور غلط جواب اور ان چیزوں کا مجموعہ پیش کیا۔ جس سے کئی عام ناخواندہ کے گمراہ ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس وجہ سے بقول شاعر ؎

اگر بینم کہ نابینا وچاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

اس کا مفصل اور مکمل جواب لکھا گیا۔ امید ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ خود مولوی صاحب کی ہدایت کا باعث بھی بنے گا اگر اب بھی مزید ضرورت سمجھتے ہیں تو انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ یہاں پر کتب خانہ میں خود کتب کا مطالعہ کریں اور اپنے شکوک وشبہات دور کریں ہمارا کام تھا حق کو جو باطل میں چھپایا گیا تھا اس کو ظاہر اور باطل سے الگ کرنا آگے ہدایت کی توفیق اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔

وهو تعالىٰ ولی التوفيق والهادی إلىٰ سواء السبيل وبه يتم هذا السفر الجليل الفارق بين الطيب والخبيث بالبرهان والدليل ونسأل الله تعالىٰ ان يشفی به العليل وان يجنبا عن المحدثات والاباطيل وهو تعالىٰ حسبنا ونعم الوكيل.

۲۷ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۲ھ

❶ بحمد للہ کتاب کا ترجمہ آج مورخہ ۱۹ صفر سنہ ۱۴۳۴ھ بروز ہفتہ بعد نماز عصر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد سے مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس عمل کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے۔ آمین! والحمد لله علی ذالك.

تقریر لا جواب

آج سے تقریباً ۳۸ سال قبل ۳ ستمبر ۱۹۷۵ء کو ضلع تھرپارکر کے مشہور شہر ''ڈیپلو'' میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مولوی عبدالخالق میمن کی کتاب ''تحفۃ الحدیث'' کا جواب خطیبانہ انداز میں دیا جس کو اس وقت پروفیسر محمد کھٹی صاحب نے ٹیپ سے ریکارڈ کرکے مولانا امام الدین صاحب سے مل کر شائع کروایا اور بعد میں اس کا مکمل جواب **"تمییز الطیب من الخبیث بجواب تحفة الحديث"** تحریری شکل میں شائع کروایا۔

یہ تقریر سندھی میں تھی جس کو مولانا منیر احمد سلفی صاحب نے اردو میں نقل کیا۔

(الازہری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ والصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اعوذباللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (المائدہ : ۸)

تمہید:

انسانیت کی سلامتی اور اس کے برقرار رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور پیغام بھیجا اور اس کے ساتھ ہمیں عقل دی اور انصاف کرنا سکھایا، فرمایا:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید : ۲۵)

''ہم نے رسولوں کو بھیجا اور اس کے ساتھ کتاب اور میزان اتارا تاکہ لوگ انصاف قائم رکھیں۔''

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بڑی بڑی عدالتوں کے باہر عدل وانصاف کے اشارہ کے لیے ترازو کی شکل کا مونوگرام لگا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو فطرت سلیم دی ہے وہ ایسا ترازو ہے جس سے حق و باطل کو پہچانا جاسکتا ہے۔ تمام اشیاء کو تول کر صحیح وزن معلوم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عقل اور کتاب کا اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر کیا کیا جائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ عقل اور کتاب کا اختلاف ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ وحی اور عقل دونوں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات متضاد نہیں ہوتی۔

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء : ۸۲)

''اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں اختلاف کثیر پاتے۔''

اللہ کی طرف سے آئی ہوئی چیز لڑنے کے لیے نہیں آتی۔

کبھی ایک بات تو کبھی دوسری، ایک جگہ ایک بات تو دوسری جگہ دوسری بات، ایسا نہیں ہوتا۔ عقل صحیح اور وحی کبھی ایک دوسری کے خلاف نہیں ہوتے۔ صرف انسانی حرص یا شیطانی خواہش ہوتی ہے جس کی وجہ

سے فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں اور اختلاف ہوتا ہے ایسی اٹکلیں عقل نہیں ہوتیں۔ کتاب میں چاہے قرآن کے الفاظ ہوں یا حدیث کے اور حدیث اگر صحیح ہے اور عقل صریح ہے تو کبھی بھی اختلاف واقع نہیں ہوسکتا۔ اختلاف تب ہوتا ہے جب یا تو حدیث ضعیف ہو یا عقل میں خرابی ہو۔ اگر حدیث بھی صحیح ہو اور عقل میں بھی کوئی خامی نہ ہو تو پھر اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام پر چلے تو دنیا کی تمام مصیبتوں سے امن میں رہے گا۔ اختلاف، لڑائیوں اور خرابی کا قطعاً سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ لیکن کیا کریں کہ اختلاف جیسی مصیبت کو، ہمارے مولویوں نے رحمت قرار دیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ "**اختلاف** امتی رحمة" "میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔" اللہ کے بندوں سے پوچھنا چاہیے کہ کس کتاب میں یہ حدیث ہے۔ کسی کتاب کا نام تو لو یا پھر یہ آسمان و زمین کے بیچ پڑی ہے اتری ہی نہیں۔ جس طرح احادیث سند کے ساتھ مروی ہوتی ہیں کسی ایک کتاب میں یہ حدیث دکھا دو۔ یہ تو کسی صحابی کا بھی قول نہیں ہے۔ ایک تابعی کا قول ہے وہ ہیں قاسم بن محمد۔ جن کو امام ابن سعد نے الطبقات میں ذکر کیا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

"اِخْتِلَافُ اَصْحَابِ محمدٍ رَحْمَةٌ" رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا آپس میں اختلاف ہمارے لیے رحمت ہے۔ یہ تابعی کا اپنا قول ہے وہ بھی اس طرح کہ صحابہ کا اختلاف ہمارے لیے رحمت ہے نہ کہ ہمارا اختلاف اور تفرقہ بازی ہمارے لیے رحمت ہے، اختلاف ایک عذاب ہے۔ سورۃ ہود میں ہے:

﴿وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبِّي﴾ (ھود : ۱۱۸-۱۱۹)

"وہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر اللہ رحم کرے۔"

یعنی جس پر اللہ کی مہربانی ہوگی وہ اختلاف سے بچ جائے گا۔ تو اختلاف کو اللہ کی رحمت کہا جائے یا زحمت، جبکہ اتفاق اللہ تعالیٰ رحمت ہے۔ امام ابو کعب ابن ابوالعامی اپنی کتاب میں صحیح سَند کے ساتھ روایت لاتے ہیں کہ:

"الجماعةُ رحمةٌ وَالفِرقةُ عَذابٌ."

"جماعت رحمت ہے اور اختلاف مصیبت اور عذاب ہے۔"

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ (الانعام : ٦٥)

اللہ تعالیٰ ہر طرح کا عذاب کر سکتے ہیں۔ اوپر سے بھیجیں یا پاؤں کے نیچے سے یا آپس میں لڑائی جھگڑے کی صورت میں ایک دوسرے کو تکلیف چکھائے۔ تو عذاب کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے۔ پھر تکلیف

چاہے زبان کی ہو یا ہاتھ کی وہ تکلیف ہی ہے۔ الغرض! اس طرح کی باتیں چھیڑ کر پھر کہیں گے کہ یہ بھی حق ہے وہ بھی حق ہے، میں بھی حق پر ہوں وہ بھی حق پر ہے، پھر باطل کیا چیز ہے؟ حق بھی حق اور حق کا ہر مقابل بھی حق تو پھر باطل کس چیز کا نام ہے؟ مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ حق ہے۔ اس کے مقابلے میں جو معبود کھڑا کیا جائے تو اس کو کیا کہا جائے؟ اس کو باطل کہا جائے گا جیسا کہ فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ﴾ (الحج : ٦٢)

''اللہ تعالیٰ حق ہے۔ اس کے علاوہ جن چیزوں کو پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔''

کیونکہ وہ حق کے مقابلے میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا:

'' بالحق انزلناه وبالحق، نزل قوله الحق'' قرآن خود بھی حق، نازل بھی حق سے کیا اور پہنچا بھی حق سے اب اس کے مقابلے میں جو چیز ہوگی اس کو بھی حق کہا جائے گا؟ ہرگز نہیں وہ باطل رہے گی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس بات کو صرف دو لفظوں میں واضح کیا ہے۔ ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ﴾ حق کے بعد جو چیز ہے وہ ضلال اور گمراہی ہے۔ ایک شخص کہتا ہے فلاں چیز کھانا حلال ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ حرام ہے۔ جو کہتا ہے کھانا حلال ہے وہ بھی حق، اور جو کہتا ہے کھانا حرام ہے وہ بھی حق، ایک کہتا ہے کہ تیرا وضو ٹوٹ گیا، تیری نماز نہیں ہوگی۔ حق کہتا ہے، دوسرا کہتا ہے وضو ٹوٹ گیا لیکن نماز ہوگئی وہ بھی حق کہتا ہے، ایک کہتا ہے تیری بیوی کو طلاق ہوگئی، دوسرا کہتا ہے تیری بیوی کو طلاق نہیں ہوئی، بیوی حلال ہے کیا دونوں کی بات حق ہے؟ ہے کوئی عقل ودماغ، تماشے کی انتہا ہے۔ جو چیز حلال ہے وہ حرام کیسے ہوگی؟ اگر کوئی آدمی اپنے عقل وفہم کے مطابق کسی چیز کو حلال کہتا ہے، اور دوسرا اپنی عقل وفہم کے مطابق اس کو حرام کہتا ہے تو یہ ان کی سمجھ کی بحث ہے۔ شریعت کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ اپنی سمجھ کے مطابق جو کچھ انہوں نے کہا ہے ایک ان میں ضرور قصوروار ہوگا۔ اور دونوں میں سے ایک کی بات صحیح ہوگی۔ یا حلال کہنے والے کی بات صحیح ہوگی یا حرام کہنے والے کی۔ دنیا کا دستور ہے جب دو آپس میں اختلاف کرتے ہیں تو ان کے انصاف کے لیے ثالث ہوتا ہے۔ جج اور عدالت ہوتی ہے۔ دو افراد آپس میں لڑکر آئیں تو یوں کوئی بھی نہیں کہے گا کہ دونوں حق پر ہیں، جس کو عدالت حق پر قرار دے۔ لیکن تمہارے پاس نہ عدالت ہے، نہ جج، نہ انصاف ہے اور نہ ہی کوئی ثالث، کہاں جائیں! پھر اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو دیا کیا ہے؟ اگر آپ بوقت اختلاف ایک چیز کو حلال اور دوسری کو حرام کہو تو گویا اللہ نے تمہارے لیے عدالت بھیجی ہی نہیں، یا اس کے لیے کوئی قانون، کوئی حل بتایا ہی نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا کیا ہے؟ فرمایا:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠﴾ (النساء: ٥٩)

''اگر آپ کا کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر آپ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ آپ کے لیے بہتر ہے اور نتیجے کے لحاظ سے بھی اچھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے صرف حل ہی نہیں بتایا بلکہ بہترین حل دیا ہے جس کو ہم لوگوں نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ جو بات میں نے کہی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس کو ثابت کرنے کی کوشش کروں، اور جو بات میرے دوست نے کہی وہ بھی اس کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے۔ ہم سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے کوئی ثالث اور امین نہیں ہے۔ ائمہ دین گذرے جنھوں نے مسائل میں اختلاف کیا۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ اہل حدیث کا قصور صرف یہ ہے کہ ان کی کسوٹی کتاب اللہ اور سنت رسولؐ ہے۔ اگر ائمہ دین نے اختلاف کیا، ایک چیز کو امام ابو حنیفہ نے حلال کہا اور امام شافعی نے اس کو حرام کہا اور ہم نے اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کو منصف اور جج قرار دیا تو کیا اس میں ابو حنیفہ کی توہین ہے؟ یا امام شافعی کی اس میں گستاخی ہے؟ انصاف سے بتائیں! ایک چیز کو امام مالک صحیح کہتے ہیں۔ اسی چیز کو امام احمد بن حنبل غلط کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کے لیے امین محمد ﷺ ہیں۔ تو کیا اس میں امام مالک اور احمد بن حنبل کی بے عزتی اور توہین ہے؟ نہیں! تو پھر اہل حدیث نے کیا قصور کیا ہے؟ کہتے ہو ائمہ کے دشمن ہیں، فلاں کے دشمن ہیں، فلاں کو نہیں مانتے۔ ہمارے پاس بات صرف اتنی ہے کہ دیئے جل رہے ہیں بتیاں روشن ہیں، ہر کوئی ان کو اچھا سمجھتا ہے۔ لیکن سورج طلوع ہونے کے بعد اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو ہر کوئی اس کو بیوقوف سمجھے گا۔ پرانے زمانے میں جب بنیے دیوالیہ ہو جاتے تھے تو دن کو دیئے جلا کر دیوار پر رکھ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دیوالیہ ہو گیا ہے۔ اگر تمھارا بھی دیوالیہ ہو گیا ہے تو دن کو دیئے جلاؤ، لیکن فرمان رسول ﷺ آنے کے بعد ائمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آپ کے دیوالیہ ہونے کی دلیل ہے جو رسول اللہ کی حدیث آنے کے بعد بھی کہتے ہو کہ ہم اپنے بڑوں کو لیتے ہیں۔

اہل حدیث کی فتح

مگر اہل حدیثو؟ یہ تمہاری پہلی فتح ہے۔ جس کتاب کو تم سمجھتے ہو کہ یہ تمہارے لیے دردِ سر ہے۔ یہ آپ کی فتح ہے، سرورق پر لکھا ہوا ہے۔ "صَلُّوْا کما رأیتمونی أصلی " کتاب کے اندر کچھ بھی ہو اس کو چھوڑو مگر عنوان ہے: "صَلُّوْا کما رأیتُمونی أُصلّی" یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ ترجمہ اس

نے خود کیا ہے۔ ''جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اس طرح نماز پڑھو۔'' مولوی ہمارے سامنے اپنی شکست تسلیم کر چکا ہے کہ میری فقہ میں کوئی جواب نہیں ہے جو تمھیں دیا جائے۔ حدیث کے علاوہ حل نہیں ملے گا۔ یہ کیا ہے ہمارا مذہب بھی یہی ہے یا کوئی دوسرا؟ یعنی ان کے قول کے مطابق فقہی روایات پر، اقوال ائمہ پر ہم آپ سے گفتگو نہیں کر سکتے۔ فقہ کا نام لے کر ہم کسی مذہبی سوسائٹی میں بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں۔ جب تک حدیث کو آگے نہ رکھیں۔ پھر تاویلات وغیرہ سے فقہ اوپر نہیں ہوتی۔ فقہی روایات پر قناعت کر کے ہم مذہبی سوسائٹی میں رہیں یہ ہوئی نہیں سکتا۔ مذہبی معاشرے میں رہیں اس کے لیے ہمیں حدیث چاہئے۔ فقہ کافی نہیں ہے۔ یہ تمہاری فتح ہے۔

''کن کو خوش کرنا تھا! کوئی چیز تو حلال کرنی تھی!!

یہ ایسا وقت ہے کہ لوگوں کو دنیا کی اصولی باتوں کی دعوت دی جائے توحید، رسالت، نماز، پاکیزگی، حلال خوری، اخلاق، کردار کی ترغیب دی جائے اور بداخلاقی، فحاشی، عیاری، مکاری، سود خوری، رشوت خوری اور دوسری کئی حیا سوز خرابیوں سے روکنے کی کوشش کی جائے اور لوگوں کو خبردار کر کے قیامت کو خوف دلایا جائے۔ دنیا طوفان کی طرح دہریت میں تیرتی جا رہی ہے جس کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔ ہمارے دوست نے جو کتاب لکھی ہے اس نے کوئی نیا تیر نہیں مارا ہے۔ اتنی بڑی کتاب دیکھ کر پریشان نہیں ہونا۔ اس طرح کی کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ علمائے کرام نے کتابیں لکھ کر اپنی عقل وفہم کے مطابق دلائل جمع کئے ہیں۔ فریق ثانی کے دلائل کے جواب بھی دیئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم تمھیں دعوت دیں کہ بھائیو! لڑو نہیں۔ متقدمین سے لے کر متاخرین تک فریقین کی کئی کتب مکتوب ہیں، ان کا مطالعہ کریں پھر جو انصاف نظر آئے اس کو قبول کریں۔ ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ کسی فرقے کی دشمنی کی آڑ میں آ کر اس سے ناانصافی نہ کریں۔ انصاف کریں اللہ تعالیٰ نے ترازو بھیجا ہے اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ لیکن آخر کسی کو تو خوش کرنا تھا کوئی تو چیز حلال کرنی تھی جس کے لیے کتاب لکھنی پڑی پھر اس کو شایع کر کے میدان میں لایا گیا۔ میری نظروں سے یہ کتاب گذری ہے مجھے کوئی نئی چیز اس کتاب میں نظر نہیں آئی۔ وہ ہی پرانی لکیر پیٹی جا رہی ہے۔ جس چیز کو محدثین کرام نے کئی زمانوں سے مٹا کر ختم کر چکے اس چیز کو نیا رنگ دے کر پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کی حجم پر نہیں بھولنا، صرف تاویلات، سینہ زوری، ضعیف روایات اور غلط حوالوں کا مجموعہ ہے۔

چار مسائل

جس میں چار مسئلے لکھے گئے ہیں۔

۱: امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی جائے یا نہیں۔

۲: رفع الیدین کیا جائے یا نہیں۔

۳: وتر کس طرح پڑھا جائے۔

۴: تراویح کی رکعات ۸ ہیں یا ۲۰؟

پوری کتاب پڑھ کر تم میں سے کوئی یہ دکھائے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھو۔ صرف دو لفظ ہوں کہ رکوع کے وقت یا رکوع سے اٹھتے وقت رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین نہ کی ہو۔ پوری کتاب میں ایسے الفاظ نہیں ہیں۔ پوری کتاب میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس میں یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر میں دو رکعتوں کے بعد بیٹھے ہوں اور التحیات پڑھا ہو پھر اٹھے ہوں اور تین رکعتیں پوری کی ہوں۔ ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔ اور نہ ہی پوری کتاب میں ایسی کوئی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح پڑھنے کے بعد تہجد پڑھی ہو۔ کوئی حدیث نہیں ہے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں آپ کا کیا لگتا ہے؟ رشتے دار لگتا ہے یا کیا لگتا ہے؟ بالکل قریبی رشتہ داری ہے۔ چاچو والوں کی طرف سے، ماموں والوں کی طرف سے، نانا والوں کی طرف سے، بھتیجے والوں کی طرف سے یا کزن والوں کی طرف سے وغیرہ! یہ بات ہے۔ ہم صرف دو لفظ چاہتے ہیں۔ تعارض ہمیشہ جنس کا ہوتا ہے۔ اگر ایک جوان اور بوڑھے کو کشتی کرائی جائے ایک دوسرے کو گرا دے تو ہر کوئی کہے گا کہ یہ نا انصافی ہے۔ ایک جاہل اور عالم کا مناظرہ رکھنا بے وقوفی ہے۔ مقابلہ ہمیشہ ہم جنس کا ہوتا ہے۔ ہتھیاروں کا مقابلہ ہوتا ہے تو بندوقوں کا آپس میں مقابلہ ہوگا۔ مولوی صاحب نے جو کلام کیا ہے وہ اپنی جگہ لیکن جو دلائل پیش کیے ہیں ان میں یہی ذکر ہے کہ الحمد شریف پڑھو اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ ایسی ایک بھی حدیث نہیں ہے جس میں یہ ہو کہ الحمد نہ پڑھو۔ مولانا صاحب آپ ابھی ہمارے ساتھ بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں۔ مقابلہ تو دور کی بات ہے۔ راجح اور مرجوح کی بحث تب ہوگی جب آپ ایک حدیث پیش کریں جس میں ہو کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھو۔ پھر ہے مقابلہ پھر ہم کہیں گے کہ اب آپ مقابلہ کے لائق ہو۔ ہمارے مقابلہ کے لیے تمہارے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ کس سے ہاتھا پائی کریں۔ ایک حدیث ہونی چاہیے جس میں ہو کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھو۔ پھر ہوگی ٹکر۔ پھر عالم بیٹھ کر اس کو پرکھیں گے۔ پھر کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔ پھر فیصلے ہوں گے۔ منصفین

بیٹھ کر فیصلہ کریں گے کہ کس کی حدیث صحیح ہے اور کس کی ضعیف۔ کس کی حدیث راجح ہے اور کس کی مرجوح۔ کون سی حدیث ناسخ ہے اور کون سی منسوخ، کون سی مقدم ہے اور کون سی مؤخر۔ کس میں تاویل ہے اور کس میں تاویل نہیں ہے اور کون سی محکم وغیرہ ہے۔ یہ ساری چیزیں قانونی حیثیت رکھتی ہیں۔ پہلی بات کہ دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل نہ ہوں۔ لیکن یہاں تو مقابلہ ہی نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں آپ ہمارے دوش بدوش کھڑے ہونے کے لائق ہی نہیں ہو۔ صف میں کھڑے ہونے جیسے نہیں ہو۔ پہلے آپ نے آپ کو صف میں کھڑے ہونے کا لائق بناؤ۔ کوئی حدیث ڈھونڈ لاؤ جس میں یہ الفاظ ہوں کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھو پھر ہے مقابلہ۔

''فاتحہ کے متعلق تفصیلی جواب''

فاتحہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں پہلے قرآن کو سامنے رکھا گیا ہے پھر حدیث شریف کو۔ عنقریب کتابی شکل سامنے آئے گی۔ جواب دینے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ تاہم عوام کو دھوکہ دینے کے لیے جو کچھ کیا گیا ہے اس کے جواب میں کتاب ان شاء اللہ میدان میں لائی جائے گی۔ دیر کا سوال نہیں ہے میرے جس رسالے پر اعتراض ہوا ہے اس کو چھپے ہوئے ۱۵ سال سے زیادہ عرصہ ہوا ہے۔ مولوی محمد عمر صاحب کی لکھی ہوئی کتاب کو بھی ۱۵ سے ۲۰ سال ہوگئے ہیں۔ اِتنے سالوں کے بعد یہ کتاب لائی گئی ہے۔ ہمیں ان شاء اللہ اتنے مہینے بھی نہیں لگیں گے۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ اس وقت میں تمہارے سامنے چند اہم اور اصولی باتیں پیش کرتا ہوں۔ آپ خود غور کریں۔ انصاف کریں۔ ہمیشہ قاعدہ یہ ہے کہ جو طرفین کے لیے مقدم ہو دوسرے کو بھی اسی قاعدہ کے تحت لوں۔ جس قاعدہ کو میں خود تسلیم کرتا ہوں اور جس قاعدہ کی گرفت میں میں نہ آؤں اس قاعدہ میں دوسرے کو پھنسا سکتا ہوں؟ مثلاً رشوت گناہ ہے۔ اگر میں خود راشی ہوں تو دوسرے کو رشوت کی سزا دے سکتا ہوں؟ کبھی بھی نہیں۔

مولوی صاحب نے مولانا محمد عمر پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کی جو آیتیں پیش کی ہیں۔ ﴿وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ (الاعراف: ۲۰۵) ﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ﴾ (آل عمران: ۴۳) ان آیات کو پیش کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں تھا کیونکہ ان میں الحمد کا نام نہیں ہے اور نہ ہی قراءۃ یا امام یا نماز کا نام ہے۔ باقی ان کا اس مسئلہ سے کیا واسطہ؟ یہ ہے اعتراض جس کا جواب خود مولوی محمد عمر دیں گے۔ لیکن چالاک کو ہمیشہ دونوں ٹانگوں میں پھنستا ہے۔ میں معترض سے پوچھتا ہوں کہ جو آیت آپ نے لکھی ہے: ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ اس میں امام یا الحمد یا مقتدی یا نماز کا ذکر ہے!

نہیں !! تو پھر جس بات کے آپ خود چور ہے اس کا دوسرے کو الزام کیونکر دیتے ہو! جس قانون کو خود آپ نے توڑ رکھا ہے اس کو دوسرے پر کیسے وارد کرتے ہو! جس جرم میں تم خود قصور وار ہو ایسے جرم کا عیب دوسرے پر کیسے لگاتے ہو! میں اصولی بات کرتا ہوں تفصیل میں نہیں جاتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب آپ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسی آیات کیوں پیش کی گئی ہیں جن میں نہ الحمد کا ذکر ہے اور نہ ہی امام مقتدی کا۔ تو پھر تمھیں یہ کیسے حق پہنچا کہ ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ﴾ کی آیت پیش کردی۔ اس میں کہاں نماز یا مقتدی یا امام یا الحمد شریف کا ذکر ہے؟

''احناف کا مقرر کردہ قانون اور مولوی صاحب کی انحرافی''

میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کرتا ہوں: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ فقہاء احناف کا اصول ہے۔ انہوں نے قاعدہ لکھا ہے۔ آخر ہم جو قاعدہ بناتے ہیں ہم اس کی پاسداری کے ضامن ہیں۔ جو سوسائٹی یا قوم یا کوئی کونسل جس قانون کو پاس کرتی ہے تو اس قانون کو ماننے کے لیے تیار ہوتی ہے یا اس سے مستثنیٰ ہوتی ہے؟ فقہاء احناف کا اصول ہے کہ جہاں پر بھی دو آیات کا آپس میں ٹکراؤ ہو تو وہاں ان دونوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ دونوں کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ پھر یہ مسئلہ حدیث میں تلاش کیا جائے گا۔ نور الانوار، تلویح، مسلم الثبوت، اصول البلدوی سارے کے سارے یہ اصول لکھتے ہیں کہ جہاں پر بھی دو آیتیں آپس میں ٹکرائیں تو وہاں پر ان دونوں کو چھوڑا جائے گا۔ ہمارے پاس یہ قاعدہ نہیں ہے اور نہ ہی ہم قرآن کریم کے ٹکراؤ کے قائل ہیں۔ یہ ان کا اپنا قاعدہ ہے۔ یہ اصول لکھ کر اس کی مثال بھی دیتے ہیں۔ احناف کے مولوی جب تک مذکورہ کتابیں نہیں پڑھتے تب تک ان کو سند فراغت بھی نہیں ملتی۔ پہلے یہ کتابیں پڑھنی پڑیں گی۔ یہ ان کے قانون کی کتابیں ہیں۔ مثال دیتے ہیں کہ قرات کے متعلق یہ آیات آپس ٹکرتی ہیں۔ یعنی ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ﴾ اور ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ ان کے اصول مطابق ان آیتوں کو چھوڑ دینا ہے۔ جس مذہب کے آپ حامی اور مدعی ہو۔ اور جس کی طرف اپنی نسبت کر کے فخر محسوس کرتے ہو۔ تمہارے بڑوں کا یہ قانون ہے پھر آج تمھیں اپنے مذہب کو روند کر نئی بات پیش کرنے کا کیا حق پہنچا ہے؟ اپنے قانون کے مطابق ان آیات سے استدلال لینا تمہارے شایانِ شان ہے؟ یہ آیات تو تمہارے بڑوں کے قانون کے مطابق ٹکر کھا کر گر چکی ہیں۔ اب یہ مسئلہ آیات سے حل نہیں ہوگا۔ بلکہ حدیث میں تلاش کیا جائے گا یعنی امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کا مسئلہ تم اپنے بڑوں کے قانون کی مخالفت کر رہے ہو۔ ہمیں اس کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس پر بحث کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ ان کے قانون مطابق قرآنی بحث ختم ہو

چکی ہے۔

فاتحہ کے متعلق حدیث کے دلائل خاص و عام کی بحث

باقی حدیث کے متعلق تو انہوں نے ایک حدیث بھی ایسی نہیں لکھی جس میں یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے منع کیا ہو۔ اس طرح کے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔ اگر نہیں ہیں تو ٹکر کس بات کی۔ حالانکہ یہ قانون سب پر جاری ہوگا چاہے وہ محدثین ہوں، فقہاء ہوں، احناف ہوں، مالکی، شافعی اور حنبلی ہوں۔ سب کے اصولوں نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ جہاں پر خاص اور عام کا ٹکراؤ ہو وہاں پر خاص مقدم ہوگا۔ کچھ ایسے دلائل ہیں جن میں خصوصاً الحمد کا ذکر ہے کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھو۔ اس کے مقابلے میں جو دلیل پیش کرتے ہیں اس میں ہے کہ قراءت نہ کرو۔ الحمد نہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ یہ ایک عام چیز اور خاص چیز کا بیان ہے جہاں پر عام اور خاص کا مقابلہ ہو وہاں پر خاص مقدم ہوگا۔ یعنی الحمد پڑھو اس کے علاوہ کچھ بھی نہ پڑھو۔ یہ ایک قانون ہے جو کہ متفق علیہ ہے۔ ایک مسلم قانون ہے اس لیے اس بات کی بحث کرنا ضروری نہیں ہے۔ تاہم جو انہوں نے ذکر کیا ہے اس کا مختصر جواب پیش کیا جاتا ہے۔

روایت نمبر: 1 کا جواب

مسلم کے حوالے سے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت پیش کرتے ہیں "واذا قرأ فانصتوا" حالانکہ ابوہریرہ والی روایت صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ باقی ابوموسیٰ والی روایت کو امام مسلم نے معلق ذکر کیا ہے۔ امام مسلم کی شرط کے مطابق انہوں نے اس کو صحیح مسلم میں نہیں لایا ہے۔ انہوں نے صرف یہ بتایا ہے کہ اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ مگر انہوں نے سند کے بغیر معلق روایت پیش کی ہے۔ میں نہیں کہتا اس بات کو ائمہ دین بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ امام ابومسعود دمشقی جو کہ چوتھی صدی ہجری کا آدمی ہے۔ امام دارقطنی کا ہم عمر ہے وہ اپنے رسالہ میں لکھتا ہے۔ امام دارقطنی نے امام مسلم پر کچھ اعتراض کیے ہیں کہ انہوں نے ایسی روایات اپنی کتاب میں کیوں لائی ہیں۔ یہ ان کی شرائط کے موافق نہیں ہیں۔ امام ابو مسعود دمشقی اسی رسالے میں اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مسلم کی طرف سے مدافعت کی ہے۔ امام دارقطنی نے ابوموسیٰ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ اور اعتراض کیا ہے کہ امام مسلم یہ روایت کیوں لائے ہیں حالانکہ یہ ان کے شرط کے مطابق نہیں ہے۔ ابومسعود جواب دیتے ہیں کہ امام مسلم اس روایت کو سند کے ساتھ نہیں لائے ہیں بلکہ معلق لے کر آئے ہیں اس لیے یہ روایت ان کی کتاب صحیح مسلم کی نہیں کہی جائے گی۔ نووی

میں صاف الفاظ ہیں۔ "لم یروھا مستندة" پہلے طبقے کی صحیح روایت وہ ہے جس کو بخاری اور مسلم دونوں نے ذکر کیا ہو اور دوسرے درجے کی وہ ہے جس کو صرف بخاری نے روایت کیا ہو اور تیسرے درجہ کی وہ ہے جس کو اکیلے امام مسلم نے روایت کیا ہو۔ لیکن یہ تو تیسرے درجے کی بھی صحیح نہیں ہے۔ ابو ہریرہ والی روایت کی تو بات ہی غلط ہے۔

"مولوی صاحب کا علم اور جھوٹ"

مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ ابو موسیٰ والی روایت کو کسی نے بھی ضعیف نہیں کہا ہے اور نہ ہی غیر محفوظ کہا ہے۔ یہ ہے مولوی صاحب کا علم "ذالك مبلغهم من العلم" ابوداؤد، امام بخاری، امام بیہقی، امام خطابی وغیرہ سارے کہتے ہیں امام نووی کہتے ہیں کہ "فاجتماع هولاءِ مقدم على تفهيمهٖ" ائمہ دین بات واضح کر گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں الحمد کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے مقابلہ کی چیز نہیں ہے غرض یہ روایت کسی بنا پر صحیح نہیں ہے۔

"روایت نمبر ۲ کا جواب"

دوسری روایت پیش کی ہے۔ "من كان لهٗ امام فقرأة الامام لهٗ قرأة" اس حدیث کے لیے میں اس شخصیت کا فیصلہ پیش کرتا ہوں جس کا علم دنیا کے پاس مسلم ہے جس کو امام الدنیا کا لقب ملا ہوا ہے۔ جو کہ شیخ السنۃ ہے۔ یعنی حدیث کے معاملہ میں وہ استاد ہے۔ خود علامہ عینی احناف کا معتبر عالم ہے عمدۃ القاری شرح البخاری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "لا يختلف فى صحة تنقيدهٖ اثنان" یعنی امام بخاری نے جس حدیث پر تنقید کی ہے اس کے صحیح ہونے میں آج تک دو مسلمانوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ کہ ایک کہے کہ یہ صحیح ہے اور دوسرا کہے کہ صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری نے جزء القراءۃ میں لکھا ہے۔ اگر فاتحہ کا مسئلہ اتنا اہم نہ ہوتا تو امام بخاری اس مسئلہ پر مستقل کتاب نہ لکھتے۔ امام ابن خزیمہ نے مستقل کتاب لکھی ہے امام بخاری صاف کہتے ہیں۔ جزء القراءۃ صفحہ ۱۰ میں ہے: "ونقل أن النبى ﷺ قال من كان لهٗ امام فقراة الامام لهٗ قرأة" یعنی یہ روایت ایک مخالف نے نقل کی ہے جو فاتحہ کو نہیں مانتا۔ "فيقال لهُ هذا خبر لم يثبت عند اهل العلم من اهل الحجاز واهل العراق وغيرهم لا رسالهٖ وانقطاعهٖ" ہم اس کو کہیں گے کہ اس حدیث کے سہارے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ حجاز (مکہ و مدینہ) اور عراق (بصرہ و کوفہ) کے تمام عالم اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ فقہ کے لحاظ

سے حجاز اور عراق کا اختلاف رہا ہے۔ احناف عراق کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں اور اہل حدیث حجاز کی طرف جو کہ وحی کا مرکز ہے۔ امام بخاری کے فیصلہ کے مطابق یہ روایت مکہ خواہ مدینہ خواہ کوفہ کے علماء کی اتفاق رائے کے مطابق ثابت نہیں ہے۔ پھر دور حاضر میں اس طرح کی بات پیش کرنے کا کیا حق ہے۔ ایسی بات پیش کرنے کا مطلب ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے صحاح ستہ سے نقل کی ہے۔ صحاح ستہ کی آخری چھٹی کتاب ابن ماجہ ہے۔ ابن ماجہ کے علاوہ تو یہ حدیث نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں، اور نہ ہی ابوداود، ترمذی اور نسائی میں ہے۔ اس کا مطلب کہ ابن ماجہ کو دوسری کتابوں پر ترجیح ہوئی۔ ابن ماجہ میں یہ روایت جس سند کے ساتھ آئی ہے اس میں جابر بن یزید جعفی راوی ہے جس کو دوسرے تو پتہ نہیں کیا کچھ کہتے ہیں لیکن خود امام ابوحنیفہ کے الفاظ ہیں: " مارأیتُ اکذب من جابر الجعفي " جابر سے بڑھ کر جھوٹا میں نے دنیا میں کوئی نہیں دیکھا۔ بات ہی ختم۔

''حدیث کے الفاظ اور اس کی معنی پر بحث''

الفاظ دیکھو اور معنی دیکھو۔ "من کان لہٗ امام فقرأۃ الاَمام لہٗ قرأۃ" اس عبارت میں لفظ ہیں: "لہٗ قرأۃٌ" جس کا معنی ہے اس کے لیے قرأۃ ہے۔ قاعدے کے مطابق ضمیر ہمیشہ قریب کی طرف لوٹتی ہے۔ اب قرات کو امام قریب ہے ''یا من'' قریب ہے۔ اس قاعدے مطابق معنی ہوگا کہ امام کی قرأت خود اس کی قرات ہے۔ شریعت کا قاعدہ ہے: "اذا صلی احدکم فانما یصلّی لنفسہٖ" (مسلم) ہر کوئی نماز اپنے لیے نماز پڑھتا ہے۔ مطلب کہ امام اپنے لیے الگ پڑھتا ہے اور مقتدی اپنے لیے الگ پڑھتا ہے۔ ایسے نہیں ہے کہ امام کا پڑھنا مقتدی کا ہوگیا۔ لیکن اگر قراۃ کو ''من'' کی طرف لوٹائیں گے تو معنی ہوگا کہ امام کی قراۃ مقتدی کی قرأۃ ہے۔

ایک جملہ ایک مثال

سب سے پہلے ایسا کوئی جملہ نہیں ہے جس کی ضمیر اس طرح لوٹائی جائے مثال بنا کر دیتا ہوں۔

من کان لہٗ امامٌ + من کان لہٗ أبٌ۔

فقرأۃ الامام + فزوجۃُ الأب

۔لہ قرأۃ + لہٗ زوجۃٌ"

یہاں لہٗ کی ضمیر کس طرف لوٹے گی۔ معنی ہوگا: جس کا باپ ہو تو باپ کی بیوی اس کی بیوی ہے۔ اگر

"لـہٗ" کی ضمیر کو "مَن" کی طرف لوٹاؤ گے تو معنی بنے گا۔ باپ کی بیوی بیٹے کی بیوی ہے۔ لیکن اگر "لـہٗ" کو قریب یعنی "اَب" کی طرف لوٹاؤ گے تو معنی ہوگا والد کی بیوی اسی کی بیوی ہے۔ بیٹے کو اپنی شادی کرنی چاہئے۔ دونوں جملے ایک جیسے ہیں۔ اب دونوں جملوں کو ملا کر مولوی صاحب سے جا کر معنی کرواؤ۔ ہمیں تو چھوڑو تمہارا تو تمارے بڑوں نے کام اتار دیا ہے۔ شیخ ابو الحسن سندھی جس کے صحاح ستہ پر حاشیے ہیں۔ سارے اس کو حنفی شمار کرتے ہیں۔ وہ ابن ماجہ کے حاشیہ میں اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ اس کا معنی و مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "مـن کـان لـہ امـامُ فـلیقرأ لنفسہ "یعنی جس کا امام ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے لیے الگ قرات کرے۔ سوال یہ ہے کہ یہ روایت تمہارے پاس مسلم ہے اور آپ اس کی ضمیر کو "من" کی طرف موڑتے ہو۔ یہی روایت مختلف کتب میں آئی ہے۔ تاریخ بغداد میں یہ الفاظ ہیں: "فقراۃ الامام لـہٗ قـراۃ و صلوٰتہٗ لہٗ صلوٰۃ" معنی کہ امام کی قراۃ اسی کی قرات ہے اور امام کی نماز مقتدی کی نماز ہے۔ وہی بات ہوئی کیونکہ معنی وہی ہے مگر یہ سب کچھ ہمارے عقل کا کام ہے۔ اس قسم کی باتیں کر کے لوگوں کو دبانے سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوگی۔ اس روایت کے بارے مین مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ میں نے اس کے تمام طرق جمع کئے ہیں جس کو ہمارے اس یار نے خواب میں بھی نہیں دیکھے ہوگے۔ میں نے ایک ایک طرق پر بحث کی ہے جھوٹے اور ضعیف راویوں کے علاوہ دوسری کوئی چیز اس روایت میں نہیں ہے۔ سارے ضعیف اور مجہول راوی ہیں اس لئے اس روایت سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔

روایت نمبر (۳) پر بحث

ہمارے دوست نے ایک روایت پیش کی ہے جس کے الفاظ ہیں "مـالـی أُنازِع القرآن" ترجمہ کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم پڑھتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں دل میں کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ قرآن میں اختلاط ہوگیا۔ "الـمـرأ یـوخذ باقرارہٖ" ہمارے لیے یہ ایک لفظ ہی کافی ہے۔ حدیث کی صحت کو بعد میں دیکھیں گے۔ اب آپ خود انصاف کریں اگر یہاں پر 20، 25 آدمی بیٹھے ہوں اور آہستہ پڑھ رہے ہوں تو اختلاط کا کوئی سوال ہے ہی نہیں۔ لیکن سارے آہستہ پڑھ رہے ہیں ایک نے آواز بلند کیا تو پھر اختلاط پیدا ہوگا، اس کی معنی کہ اس نے پیچھے سے بلند آواز سے پڑھا۔ اگر آواز نہ ہوتی تو ٹکر بھی نہ ہوتی۔ تو اس روایت سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ بلند آواز سے نہ پڑھو۔ ایسی بے موقع بات لوگوں کو دلیل کی صورت میں بتانا دیانتداری نہیں ہے۔

بیہقی کی روایت اور خیانت

انہوں نے جزء القرأۃ للبیھقی کی روایات پیش کی ہیں۔ پتہ نہیں انہوں نے جزأ القراۃ للبیھقی دیکھی بھی ہے یا نہیں۔ لیکن انہوں نے سرفراز صاحب کا حوالہ دیا ہے۔ اور یہ ہمارے اوپر خیانت کا الزام تھوپتا ہے۔ لیکن خیانت کہتے کسے ہیں۔ خیانت کا معنی ہے ''کم کرنا'' مثلاً ایک آدمی نے مجھے ۱۰ روپے دیئے کہ فلاں کو پہنچانا میں نے اس میں سے دو روپے نکال لئے اور باقی آٹھ روپے اس کو پہنچا دیئے۔ یہ ہے خیانت۔ انہوں نے جو کتاب لکھی ہے وہ مکمل نقل کی بلکہ مختصر کاٹ کر کے الفاظ نقل کیے ہیں یہی خیانت ہے۔

مجھے الزام دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

خیانت کا پورا الزام ان پر ہے۔ یہی خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے جو تین چار روایات کتاب القرأۃ بیہقی سے نقل کی ہیں کیا ان کو پتہ ہے بیہقی ان کو کیوں لائے ہیں؟ امام صاحب کہتے ہیں یہ روایات وہ حضرات پیش کرتے ہیں جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کو ضروری نہیں سمجھتے۔ لیکن میں روایت پیش کر کے تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ ان میں کیا خرابی ہے۔ فلاں روایت میں فلاں راوی جھوٹا، ضعیف یا مجہول ہے۔ اسی بنا پر بیہقی نے اُن کو پیش کیا ہے۔ لیکن ہمارا یہ دوست جرح کاٹ کہ بے سند بات پیش کرتا ہے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح کسی کو کہا جائے کہ نماز پڑھو وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے کہ ''لا تقربوا الصلاۃ'' کہ نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔ ٹھیک ہے الفاظ قرآن کے ہیں، معنی بھی صحیح ہے۔ لیکن آگے الفاظ ہیں۔ ''وانتم سکارٰی'' یعنی نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ نشہ والے الفاظ کاٹ دیئے اور نماز کے قریب نہ جاؤ، پر جا کر نظر پڑی۔ یہ دوست بھی بے سند بات پیش کرتا ہے اور اس پر ہونے والی جرح کو بیان نہیں کرتا کہ فلاں جھوٹا یا مجہول یا ضعیف ہے۔ یہ خیانت نہیں تو اور کیا ہے پھر اوپر سے الزام ہمارے اوپر! ہمیں خیانت کی ضرورت بھی کیا، جبکہ ہمارے پاس قرآن و حدیث موجود ہیں۔ ہمیں بھڑکیاں مارنے کی کیا ضرورت؟ یہ بھڑکیاں وہ مارتا ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ آنکھیں بند کر کے مارے جہاں پر بھی لگے۔ جبکہ ہمارے پاس واضح حدیثیں ہیں جن میں امام، مقتدی اور فاتحہ سب کا ذکر ہے۔ ہمیں ایسی باتوں کی کیا ضرورت؟ ڈوبنے والا تنکے کو بھی سہارا سمجھتا ہے۔

''لا'' کمال اور اس پر بحث

اس دوست نے جو ہماری دو چار حدیثیں ذکر کی ہیں وہ بخاری و مسلم وغیرہ کی ہیں۔ حدیث ہے۔ ''لاَ

صلوٰۃَ لِمَنْ لَمْ یَقرَأ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ " اس شخص کی نماز نہیں ہے جس نے فاتحہ نہ پڑھی۔ اس نے جو تاویلات کی ہیں ان میں سے ایک تاویل یہ ہے کہ اس میں جو "لا" ہے وہ لا کمال کی ہے یعنی جس نے الحمد نہ پڑھی اس کی نماز کامل نہیں ہے۔ اس طرح نہیں ہے کہ اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ اب اتنا مانا کہ کامل نہیں ہوئی تو پھر ادھوری ہوئی۔ اللہ کے واسطے قیامت کے دن یہی گواہی دینا کہ اے اللہ انہوں نے کامل نماز پڑھی اور ہم نے ادھوری پڑھی۔ قیامت کے دن کچھ لوگ کہیں گے کہ ﴿لم نك من المصلين﴾ ہم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ ہم کہیں گے کہ "سمعنا و اطعنا" ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ اور آپ لوگ کہنا کہ ہم نے ادھوری نماز پڑھی۔ اپنے اوپر یہ گواہی کافی ہے۔

ایک حدیث ہے: "اَنا خاتمُ النبیین لانبیَ بعدی" میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ان کے کہنے کے مطابق کامل نبی تو نہیں آئے گا باقی ادھورا نبی آئے گا۔ مرزا بھی یہی کہتا ہے کہ میں کامل نبی نہیں ہوں بلکہ ظلی نبی ہوں۔ الفاظ ہیں " لا الـه الا الـلـه " اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔ کیا اس کی معنی بھی یہ کی جائے گی کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی کامل الٰہ نہیں ہے۔ باقی ادھورے موجود ہیں۔ یہ معنی کی جائے گی؟ جہالت کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔ میں تمہارے سامنے ایسی کوئی علمی بحث، قانون وقواعد کی بحث نہیں کرنا چاہتا صرف وہ باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں جس کو عام لوگ سمجھیں۔ آپ صرف "لا نبیِ " اور " لا اِلٰہَ" پر غور کریں اور "لا صلوٰ ۃ" کا مطلب سمجھیں۔ لا صلاۃ کے بارے میں دوسری احادیث بھی ہیں۔

"لا صلاۃَ لمن لایقیم صُلبه فی الرکوعِ والسجودِ" جو بھی رکوع اور سجدے میں بیٹھ سیدھی نہیں کرتا اس کی نماز صحیح نہیں ہے۔ "لاَ صَلاۃَ لمن لَّمْ یَسْتَنِفْ علی الارضِ " اس کی نماز نہیں ہے جس نے ناک کو زمین پر نہ رکھا کیا یہاں پر بھی یہ معنی ہوگا کہ نماز کامل نہیں ہے۔ بات صاف ہے کہ یہ بے قانونی بات ہے۔ قانون کے مطابق معنی یہ ہے کہ وہ نماز ہی نہیں ہے جس میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھی جائے۔ یہ روایت سنن دارمی میں ہے "من لَّمْ یقرَأ بفاتحۃ الکتاب فلاصلوٰ ۃ لهُ" جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ہی نہیں ہے۔ یہ تاویل تو بنتی ہی نہیں ہے۔ باقی وہ کہتا ہے کہ اس میں مقتدی کا ذکر نہیں تو پھر ہم بھی اس کو کہتے ہیں کہ مقتدی کو اس سے خارج کرنے کا فیصلہ تو بتا؟ دوسروں کے قول کیوں پیش کرتا ہے۔ دوسروں کے اقوال سے پیغمبر کی شریعت نہیں نکلے گی۔ تم خود کہتے ہو کہ نماز ادھوری ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ادھوری نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے؟ کیا ادھوری نماز اللہ کے ہاں قابل قبول ہے؟

لفظ ''خداج'' کا معنیٰ

خداج کا معنی ناقص کرتے ہیں۔ کیا تمھیں پتہ ہے کہ خداج کا معنی کیا ہے؟ "اَخدَجتِ النَّاقَةُ اِذَا اَلقَتْ وَلَدَهَا" جب اونٹنی نا تمام بچہ چھوڑتی ہے تو اس کو خداج کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کو جس میں الحمد نہ پڑھا جائے اس کو خداج قرار دیا ہے۔ کیا رسول اللہ ﷺ کی خداج کے ساتھ دی گئی تشبیہ غلط ہے؟ یعنی ایک بیکار چیز جو کسی کام کی نہ ہو، الحمد کے بغیر پڑھی گئی نماز بھی ویسے ہی بیکار ہے۔

''عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی راویت''

اب جبکہ واضح روایت آئی جو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی ہے جو کہ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ بیہقی دارقطنی، بخاری، جزء القراۃ، صحیح ابن جارود صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، مسند احمد بن حنبل مسند ابوداؤد طیالسی اور مسند ابی یعلیٰ میں موجود ہے۔ مختصر الفاظ ہیں کہ فجر کی نماز تھی رسول اللہ ﷺ پر قرات بھاری ہوگئی۔ سلام کے بعد پوچھا کہ تم لوگ میرے پیچھے پڑھتے ہو۔ کہنے لگے جی ہاں! آپ نے فرمایا "فلا تفعلوا" ایسا نہیں کیا کرو۔ "اِلاّ بامّ القرآن" مگر الحمد شریف پڑھا کرو۔ "فانه لاَ صَلوٰةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرأْهَا" کیوں کہ جس نے الحمد نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہے۔ یہ آپ ﷺ کس کو کہہ رہے ہیں ظاہر ہے کہ جماعت کو کہہ رہے ہیں۔

قرآن پڑھنے سے منہ میں دہکتے ہوئے انگارے پڑنا! افسوس!! احناف کے حال پر صد افسوس!!!

ہونا یہ چاہیے تھا کہ یہ مفتی صاحب کہتے کہ تم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھا کرو ورنہ تمہارے منہ میں دہکتے انگارے پڑیں گے۔ قرآن پڑھنے سے منہ میں انگارے !! انصاف والا انصاف کرتا ہے چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔ حنفی مذہب کے ایک بہت بڑے عالم شیخ عبدالرحیم کے نام سے ایک گذرے ہیں۔ ماوراء النہر حنفیوں کے استاد ہیں۔ وہ بہت بڑے عالم تھے شیخ التسلیم ان کا لقب تھا یعنی سند کا بہت بڑا فقیہ تھا وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیوں پڑھتے ہو یہ انگارے منہ پڑیں گے۔ تو جواب دیا۔ "لَوْ كَانَ فِیْ فَمِیْ جُمْرَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ يُقَالَ لاَ صَلوٰةَ لَكَ" یہ عبارت مولوی عبدالحی لکھنوی اپنی تصنیف امام الکلام صفحہ ۳۰ میں لکھی ہے۔ جو کہ اس مولوی کے گھر کی تصنیف ہے۔ وہ صاحب جواب دیتا ہے۔

آپ کہتے ہو کہ انگارے پڑیں گے اُدھر حدیث کا فیصلہ ہے کہ نماز نہیں ہوگی۔ مجھے منہ میں انگارے پڑنے والی بات اس سے آسان لگتی ہے کہ مجھے کہا جائے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح تو نہیں کہا کہ اگر تم نے پڑھا تو گویا انگارے پڑیں۔ جو حق تھا اور جتنی غلطی تھی وہ کتاب ہمیں بتاتے ہیں۔ مثلاً جس طرح کسان غلط پانی دے زمیندار کہے کہ یہ تم نے کیا کیا؟

اس ٹکرے کو پانی دے اس کو نہ دے۔

زمیندار کسان کی غلطی پر درستگی کرے گا۔ تو آپ ﷺ نے یہ درستگی کی کہ الحمد پڑھیں اور کچھ بھی نہ پڑھیں۔ اس حدیث نے واضح طور پر فیصلہ کر دیا۔ اور آخر میں آپ فیصلہ دیتے ہیں کہ "لا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرأْ بِھَا" اس کی نماز نہیں ہے جس نے الحمد نہیں پڑھی۔ یہ الفاظ آپ ﷺ مقتدیوں کو کہہ رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر واضح اور کیا بات ہو سکتی ہے۔

اعتراض کا جواب

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب نے اس حدیث پر کیا اعتراض کیا ہے۔ پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ حالانکہ ابن حبان اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ترمذی نے حسن کہا ہے ابو داؤد نے سکوت کیا ہے۔ دارقطنی نے کہیں پر حسن تو کہیں پر صحیح کہا ہے۔ بیہقی نے حسن کہا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ صحیح نہیں ہے۔ کیوں صحیح نہیں ہے۔ اس کے کہنے کے مطابق ایک راوی بنام محمد بن اسحاق مجروح ہے۔ جس کے متعلق فلاں نے اس طرح کہا ہے اور فلاں نے اس طرح کہا ہے۔ جب انسان متعصب ہو جاتا ہے تو آنکھوں پر ایسی پٹی چڑھ جاتی ہے جو اپنا گھر بھی ڈھونڈنے کا وقت نہیں دیتی۔ مولوی صاحب اگر اپنا گھر کا پتہ کرتے تو اس طرح لکھنے کی جرأت ہی نہیں کرتے۔ ابن ہمام کون تھا؟ ان ہی کا چودھری ہے۔ جن کو وہ فتح القدیر والا ابن ہمام کہہ کر لکھتے ہیں۔ ابن ہمام فتح القدیر میں بڑے زور و شور سے لکھتا ہے کہ ابن اسحاق ثقہ، معتبر اور سچا ہے۔ ان پر کوئی جرح ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ایک جگہ پر لکھتے ہیں۔ "ثقة ثقة لا شبهة عندنا ولا عندالمحقق المعتبر." یعنی معتبر ہے، معتبر ہے، معتبر ہے۔

ہمارے ہاں یا چاہے کسی بھی محقق کے ہاں، اس بات میں کوئی بھی شک یا شبہ نہیں ہے۔ اس صاحب نے اسی پر پوری بحث کی ہے۔ اسی طرح مولوی عبدالحی نے اس کو ثقہ کہا ہے یہ بھی آپ کا حنفی۔ لیکن اگر یہی روایت کسی اور سے ملے تو بھی! محمد بن اسحاق سے تمھیں چڑ ہے۔

امام بخاری جزء القراۃ میں روایت لائے ہیں۔ میں وہ روایت پیش کرتا ہوں۔ آپ نے یہ بتانا ہے کہ

کیا اس میں محمد بن اسحاق کا نام ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں:

”حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ حِزَامِ بْنِ حَكِيمٍ وَمَكْحُولٍ عَنْ رَبِيعَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَانَ عَلَى إِيلِيَاءَ فَأَبْطَأَ عُبَادَةُ عَنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَأَقَامَ أَبُوْ نُعَيْمٍ الصَّلٰوةَ وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ أَذَّنَ بِبَيْتِ الْمُقَدَّسِ فجئت مَعَ عُبَادَةَ حَتّٰى صَفَّ النَّاسُ وَأَبُوْ نُعَيْمٍ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فَقَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ حَتّٰى فَهِمْتُهَا مِنْهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَقَالَ نَعَمْ صَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ بَعْضَ الصَّلٰوتِ الَّتِي يُجْهَرُ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَقَالَ لَا يَقْرَأَنَّ أَحَدُكُمْ إِذَا جُهِرَ بِالْقِرَاءَةِ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ۔

”صدقہ بن خالد (امام بخاری رحمہ اللہ کا استاد) زید بن واقد سے روایت کرتے ہیں وہ حزام بن حکیم اور مکحول دونوں سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں ربیعہ سے روایت کرتے ہیں وہ عبادہ بن صامت صحابی سے روایت کرتا ہے ربیعہ کہتے ہیں کہ عبادہ ایلیاء کے اوپر کام پر مقرر تھے اور امام بھی تھے ایک دن فجر کی نماز میں آتے ہوئے دیر کی پھر ابو نعیم موذن جنہوں نے سب سے پہلے بیت المقدس میں اذان دی تھی انہوں نے نماز پڑھائی میں اور عبادۃ آئے یہاں تک کہ لوگوں نے پیچھے سے صفیں بنائیں۔ امام نعیم بلند آواز میں قراۃ کر رہے تھے اور میں سمجھ رہا تھا کہ عبادۃ الحمد پڑھ رہے تھے جب نماز پڑھ لی تو میں نے کہا کہ میں سن رہا تھا کہ آپ الحمد پڑھ رہے تھے۔ کہنے لگے جی ہاں! ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہری نماز پڑھ رہے تھے جس میں بلند آواز الحمد پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا جب جہری قرأت کی جائے تو الحمد کے بغیر کچھ بھی نہ پڑھو۔“

اس میں محمد بن اسحاق کا نام بالکل نہیں ہے۔ اس کے اوپر محمد بن اسحاق والی روایت ضرور لائے ہیں۔ اب اس روایت سے چار باتیں ظاہر ہوئیں۔ (۱) جہری نماز۔ (۲) پیچھے پڑھنا اور الحمد کا حکم۔ (۳) راوی عبادۃ خود امام کے پیچھے پڑھتا ہے۔ (۴) ابن اسحاق راوی اس میں نہیں ہے۔ جس راوی سے تم ڈرتے ہو۔ اور جن کے لیے تم نے اپنے ورق سیاہ کئے اور زحمت گوارا کی۔ وہ نہیں ہے تو کیا اب مانو گے؟

یہی روایت دوسرے صحابی سے

یہ روایت فقط عبادہ کی ہی نہیں ہے بلکہ دوسرا راوی بھی اس کو روایت کرتا ہے۔ دیکھیں صفحہ ۲۳۔

”حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَن

مُحَمَّدِ بِنْ اَبِیْ عَائِشَةَ عَمَّنْ شَهِدَ ذَالِكَ قَالَ صَلَّى النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ قَالَ أَتَقْرَؤُوْنَ وَ الاِمَامُ يَقْرَءُ قَالُوْا اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلاَ تَفْعَلُوْا اِلَّا اَنْ يَقْرَأَ اَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِیْ نَفْسِهٖ . "

''صحابی رسول ﷺ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی نماز کے بعد پوچھا کہ کیا آپ میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ کہنے لگے جی ہاں! آپ نے فرمایا ایسے نہیں کرو صرف الحمد دل میں پڑھ لیا کرو۔''

ایسی روایت ابوہریرہ کی ہے اس لیے اس کا انکار کرنا سراسر غلط ہے۔

امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی دو اور حدیثیں

اب میں آپ کو دو اور روایتیں پیش کرتا ہوں۔ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایتیں دو تین طریقوں سے منقول ہیں۔ امام بیہقی اپنی کتاب القراۃ میں ایک روایت لائے ہیں جس کا انہوں نے حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ ان کو روایت نقل کرنا چاہیے تھی۔ اگر نقل کرتا ہے تو سر جھکانا پڑتا ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے روایت بھی صحیح اور معتبر ہے الفاظ یہ ہیں: "لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْاِمَامِ . " یعنی اس آدمی کی نماز نہیں ہے جس نے امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھی ہو۔ دوسری روایت امام طبرانی کی مسند شامی میں موجود ہے۔

یہی روایت معجم الکبیر للطبرانی میں بھی ہے جس کو امام ہیثمی مجمع الزوائد میں لائے ہیں کہ'' رواتہ ثقات یا موثقون'' اس کے الفاظ ہیں: " مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْاِمَامِ فَلْيَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ " جو آدمی امام کے پیچھے نماز پڑھے اسے چاہیے کہ الحمد پڑھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ہیں اس وضاحت کے بعد اور کیا عرض کریں۔

صحابہ کے آثار

باقی صحابہ کے آثار جو انہوں نے لکھے ہیں ان کا نہ تو سر ہے اور نہ ہی پاؤں اور نہ ہی بنیاد ہے۔ اس کی نقل کی ساری بنیاد جصاص ہے۔ انہوں نے فتح الملہم کا حوالہ دیا ہے کہ کتنے ہی صحابی مثلاً ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم وغیرہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے منع کرتے تھے۔ جصاص نے اپنی کتاب احکام القرآن میں جو نقل کیا ہے، اس میں نہ کتاب کا حوالہ ہے اور نہ ہی سند کا بلکہ عبدالحی لکھنوی نے امام الکلام میں وضاحت کی

ہے کہ وہ سبز موتی نقل ہے سبق موتی عبداللہ بن یعقوب ہے جو کہ مشہور جھوٹا راوی ہے جو کہ حدیثیں گھڑتا، سندیں بناتا اور نقل کرتا تھا، خود مولوی عبدالحی اپنی "کتاب الفوائد البهيه فی تراجم الحنفيه" جس میں حنفی علماء کے تراجم اور حالات کا تذکرہ ہے۔ جس میں اس شخص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ شخص معتبر نہیں ہے۔ معاملہ ختم۔

امام بخاری کی اسی کتاب میں صحابہ کی روایات موجود ہیں:

(۱) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

"روی سفیان بن حسین عن الزهری عن مولی جابربن عبد اللّٰه قال لی جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه اقرا فی الظهر والعصر خلف الامام."

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے قرات کیا کرو۔''

(۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

"حدثنا ابو العالية فسالت ابن عمر بمكة اقرا فی الصلوة؟ قال انی لا استحی من رب هده البنية ان اصلی صلوة لا اقرأ فيها ولو بام الكتاب"

''ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مکہ میں اور بیت اللہ میں پوچھا کہ میں امام کے پیچھے نماز میں کچھ پڑھوں، کہنے لگے کہ اس بیت اللہ کے رب سے مجھے شرم آتی ہے جو اس کے آگے کھڑا ہوں اور الحمد نہ پڑھوں۔''

(۳) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ:

"عن يزيد بن شريك قال سالت عمر بن الخطاب اقرا خلف الامام قال نعم قلت وان قرات يا امير المومنين قال وان قرات."

''یزید بن شریک نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں امام کے پیچھے پڑھوں؟ کہنے لگے جی ہاں! کہنے لگے اے امیر المومنین آپ کے پیچھے بھی جب آپ قرات کر رہے ہوں۔ کہنے لگے ہاں اگر چہ میں پڑھ رہا ہوں۔''

(۴) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

"انه كان يقرا خلف الامام عن عبد اللّٰه بن الهذيل قال قلت لابی بن كعب اقرا خلف الامام قال نعم"

''ابی بن کعب امام کے پیچھے پڑھتے تھے عبداللہ بن ھذیل فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ میں

امام کے پیچھے پڑھوں کہنے لگے جی ہاں پڑھو۔"

(۵) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

"عن علی بن ابی طالبؓ انه کان یامر ویحب ان یقرأ خلف الامام فی الظهر والعصر بفاتحة الکتاب وسورة وفی الاخریین بفاتحة الکتاب."

"علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پسند کرتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ ظہر اور عصر کی دو رکعتوں میں فاتحہ اور دوسری سورت اور آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھی جائے۔"

(۶) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

"عن ابی مریم سمعت ابن مسعود رضی الله عنه یقرا خلف الامام"

"ابو مریم کہتے ہیں کہ میں ابن مسعود کے ساتھ کھڑا تھا اور سن رہا تھا کہ وہ امام کے پیچھے پڑھ رہے تھے۔"

(۷) حذیفہ رضی اللہ عنہ:

"عن سفیان وقال حذیفة یقرا."

"سفیان کہتے ہیں کہ حذیفہ امام کے پیچھے پڑھتے تھے۔"

(۸) ابو سعید رضی اللہ عنہ:

"حدثنا ابو نصرة قال سالت ابا سعید عن القراة خلف الامام فقال فاتحة الکتاب."

"ابو نصرۃ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ امام کے پیچھے پڑھوں۔ کہا کہ فاتحہ پڑھو۔"

(۹) عمران بن حصین رضی اللہ عنہ:

"قال لا تزکوا صلوة مسلم الا بطهور ورکوع وسجود وراء الامام بفاتحة الکتاب وآثنین وثلث"

"عمران بن حصین نے فرمایا کہ امام کے پیچھے ہو یا نہ ہو لیکن ان چیزوں کے علاوہ مسلمان کی نماز صحیح اور معتبر نہیں سمجھو۔ (۱) پاکیزگی۔ (۲) رکوع اور سجدہ (۳) الحمد شریف۔ (۴) اور دو یا تین آیات قرآنی۔"

(۱۰) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ:

"عن مجاهد سمعت عبدالله ابن عمرو ويقرا خلف الامام."

"مجاہد تابعی کہتے ہیں کہ میں سن رہا تھا عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قراءت کر رہے تھے۔"

(۱۱) عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ:

"عَنْ عَبْدُ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَنَّهٗ كَانَ يَقْرَاُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ خَلْفَ الاِمَامِ فِي الاُوْلَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ وَفِى اْلاُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ."

"عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر میں پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور کوئی اور سورت جبکہ آخری دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔"

یہ صحابہ کرام کا عمل تھا جس کو امام بخاری نے پیش کیا ہے غرض کہ مسئلہ صاف ہو گیا۔

"رفع الیدین"

ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت پر بحث

رفع الیدین کے مسئلہ کے بارے میں مولوی نے کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔ انہوں نے ابن مسعو رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث ذکر کی ہے اور اس پر ہی زور دیا ہے۔ اس میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کرتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے ہوں لفظ یہ ہیں کہ پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے "ثُمَّ لَمْ يَعِدْ" پھر اعادہ نہ کیا۔ اب اس میں رکوع یا سجدے کے الفاظ ہیں؟ "ثُمَّ لَمْ يُعِدْ" کی معنی کرتے ہو پھر نہیں لوٹائے۔ یعنی پھر نہیں اٹھائے۔ تو پھر سب سے بڑھ کر مخالف آپ ہوئے۔ مطلب یہ ہوا کہ سلام پھیرنے تک پھر دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھائے نہ رکوع میں جاتے وقت نہ رکوع سے اٹھتے وقت اور نہ ہی کسی اور جگہ، تو پھر اس کے مخالف آپ خود ہو کیوں کہ آپ ایسے کرتے ہو۔ وتر کے قنوت کے وقت رفع الیدین کرتے ہو۔ عید نماز میں تکبیرات کے وقت بھی ہاتھ اٹھاتے ہو۔ کیا یہ ہاتھ اٹھانے تکبیر اولیٰ سے قبل ہیں یا بعد میں ہیں۔ اس قانون کو تم خود توڑتے ہو اس حکم کو تم خود توڑتے ہو۔

"اس روایت کی اصل حقیقت"

امام بخاری اسی کتاب میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں وہ یحییٰ بن اعظم سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے اصل کتاب دیکھی کہ اس میں "ثُمَّ لَمْ يُعِدْ" کے الفاظ ہی نہیں تھے۔ جب اصل کتاب میں

یہ الفاظ تھے ہی نہیں تو اس کی بنیاد کس بات پر ہے۔ کیونکہ پچھلی کتابوں میں غلطیوں سے بچنے کے لیے محدثین اصل چیز یاد کرتے آرہے ہیں اور بعد والوں کے لیے چھوڑتے آرہے ہیں۔ امام احمد وضاحت سے کہتے ہیں کہ میرے استاد عبداللہ بن ادریس نے بتایا کہ میں نے یحییٰ بن اعظم کی اصل کتاب جا کر دیکھی تو اس میں "ثُمَّ لَمْ يَعِدْ" کے الفاظ تھے ہی نہیں۔ لفظ ہی نہیں تھے تو معاملہ ہی ختم ہوگیا۔

اب آیئے میں تمھیں بتاؤں کہ ائمہ دین اس روایت کو شروع سے ہی ناثابت بتاتے آرہے ہیں۔

سب سے پہلے عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ اسی عبداللہ بن مبارک کو حنفی کہتے ہیں کہ یہ ہمارا حنفی ہے۔ بلکہ احناف کے تراجم میں جو کہ احناف علماء کے تراجم و حالات کے کتب ہیں، مثلاً عبدالقادر قریشی کی "الجواهر المُضية في طبقات الحنفية" علامہ قاسم کا ترجمہ التراجم اور مولوی عبدالحی کا "الفوائد البهية في تراجم الحنفيه" وغیرہ ان سب کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے حنفی تھے۔ آپ ترمذی کھول کر دیکھیں، یہی عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ "لَمْ يَثْبُتْ" کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ بلکہ عبداللہ بن عمر والی حدیث جس میں رفع الیدین کرنے کا ذکر ہے وہ ثابت ہے۔ تمھارا بڑا خود کہتا ہے پھر آپ انکار کیسے کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا زمانہ گذرا، صحابہ کا زمانہ گذرا، تابعین کا زمانہ گذرا، تبع تابعین کا زمانہ گذرا امام ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں محمد بن نصر مروزی سے نقل کرتے ہیں: "اجمع علماء الامصار على مشروعية رفع اليدين الا اهل الكوفة" یعنی کوفہ والوں کے علاوہ سب شہروں کے علماء رفع الیدین کے قائل تھے۔ یہ تو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد کا زمانہ ہے۔ آپ کیا کہتے ہو؟ تم نے یہ باتیں کہاں سے لائی ہیں؟ اسی طرح ابن حبان، ابو داؤد، امام بخاری، امام احمد ابن حنبل، یحییٰ بن اعظم، عبداللہ بن احمد، ابو حاتم رازی اور ابن ابی حاتم سارے اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ پھر ضروری ہے کہ اس بات کو مانا جائے۔

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب اور حنفیوں کی اس سے انحراف"

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے جو دوسری باتیں نقل کی ہیں وہ مانو گے؟ مثلاً:

(۱)...... عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی فجر کی پہلی رکعت میں سورۃ الم سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر پڑھتے تھے۔ یہ روایت دوسرے بھی نقل کرتے ہیں لیکن عبداللہ بن مسعود الفاظ بڑھاتے ہیں کہ "وَيُدِيم ذالك" آپ ﷺ ہمیشہ ایسا کرتے تھے۔ معجم الصغير للطبرانی میں یہ روایت موجود ہے۔ بلوغ المرام میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کے کہنے کے مطابق رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اس طرح کرتے تھے لیکن تمہاری کتب میں ہے۔ ہمیشہ اس طرح کرنا مکروہ ہے۔ اس کا مطلب کہ تم عبداللہ بن مسعود کو نہیں مانتے۔

(۲)...... عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ ظہر یا عصر کی نماز بھول کی وجہ سے پانچ رکعتیں پڑھ لیں پھر سہو دو سجدے دیے۔

سلام پھیرنے کے بعد کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی غلطی سے پانچ رکعتیں پڑھ لیں پھر آپ ﷺ نے سہو کے سجدے دیے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ بتائیں حنفی اس حدیث کو مانتے ہیں؟ کبھی بھی نہیں۔ ان کا مذہب ہے کہ غلطی سے پانچ رکعتیں پڑھنے کی صورت میں نماز دوبارہ پڑھی جائے گی۔ تمھارا تو یہ مذہب ہے کہ جو بات چاہو لے لو جو چاہو چھوڑ دو۔

(۳)...... ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلالہ کروانے والے اور کرنے والے دونوں ملعون ہیں۔ لیکن حلالہ تم احناف کا مذہب ہے۔ حلالہ کو تم ضروری سمجھتے ہو، حلالہ تمہاری شریعت ہے۔ اُدھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ حلالہ کو لعنت کہہ رہے ہیں۔ تم ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے مذہب کو نہیں مانتے۔

(۴)...... ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن تم احناف کا مذہب ہے کہ نماز میں ہنسنے سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہاں پر بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تم نے نہیں مانا۔

(۵)...... ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رکوع میں ہاتھ بند کر کے دونوں گھٹنوں بیچ رکھو اور جب بیٹھو تب بھی اس طرح بیٹھو۔

(۶)...... ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ روزے کی حالت میں ناک میں دوائی وغیرہ ڈالی جاسکتی ہے (مسئلہ صحیح ہے یا غلط) لیکن تم نہیں مانتے۔

(۷)...... ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر شرم گاہ کو ہاتھ لگا تو وضو ٹوٹ گیا۔ یہ مؤطا کی روایت ہے۔ لیکن تم نہیں مانتے۔

"ہمارا مذہب"

بھائیو! ہمارا مذہب صاف ہے۔ ہمارے پیشوا محمد ﷺ ہیں ہم نے ان ہی کی بات کو لینا ہے خواہ دوسرے کسی کا قول ہو یا نہ ہو۔ اگر ہو تو ہماری آنکھوں پر، اگر نہیں تو ہاتھ جوڑ کر اس کو ماننے سے انکاری ہیں۔ تمہاری مثال اس بچھڑے کی طرح ہے جو ہر گائے کو دیکھ کر اس سے چمٹ جاتا ہے۔

"کوفے کا کارخانہ اور ملقن روایت"

اس کے بعد انہوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے۔ اس نے الفاظ نقل کیے ہیں۔ "رفع یدیہ حین افتتح الصلوٰۃ ثمّ لم یُعد" نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھائے اس کے بعد دوبارہ نہیں لوٹائے۔ اس روایت کی اصل حقیقت دیکھ سکے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کوفے کے کارخانے کی بنی ہوئی ہے۔ تمہارے گاؤں میں کارخانے ہیں یا نہیں! جن میں کپڑے وغیرہ بنتے ہیں۔ کوفہ میں بھی حدیثیں بنانے کا کارخانہ تھا یہ روایت وہاں کی بنی ہوئی ہے۔ دیکھو بیہقی جلد ۲۔ سفیان بن عیینہ امام شافعی کے استاد ایک زبردست محدث اور کئی محدثین کا استاد بیان کرتا ہے کہ اس حدیث کا یزید بن ابی زیاد، جو کہ براء بن عازبؓ سے نقل کرتا ہے کہ جب ہم مکہ میں اس کے ساتھ تھے تب انہوں نے میرے پاس یہ حدیث ان الفاظ سے بیان کی تھی۔ "عن البراء بن عازب قال کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ واذا رکع رفع یدیہ ورفع راسهٗ من الرکوع رفع یدیہ فلما قدمت الکوفۃ حدثنی عن البراء بن عازب قال کان رسول اللہ ﷺ اِذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ ثم لم یُعد فعلمتُ انھم لقنوۃ"

جب ہم مکہ میں تھے تو انہوں نے حدیث پڑھی کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تب رفع الیدین کرتے تھے اور جب رکوع کرتے تھے تب بھی رفع الیدین کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تب بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ پھر جب وہ ہم سے الگ ہو کر کوفہ میں جا کر رہنے لگے۔ ایک مرتبہ میرا بھی کوفہ جانا ہوا تو وہاں پر یہ حدیث یوں بیان کرنے لگے کہ براء بن عازب نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز شروع کرتے وقت رفع الیدین کی اس کے بعد نہیں کی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اس کو کوفہ والوں نے پڑھایا اور سکھایا ہے۔ بیہقی کی کتاب کھول کر دیکھیں کتنی غداری کی گئی ہے۔ خیانت کا الزام ہم پر تھوپتے ہیں، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ابتداء خیانت ان ہی سے ہوتی چلی آ رہی ہے۔ یہ روایت کوفہ کے کارخانے کی گھڑی ہوئی ہے۔ اصل روایت وہی ہے جو مکہ میں پڑھائی گئی تھی اور شروع میں نقل پر ہے۔ پھر کوفہ والوں نے اس میں تحریف کی اور اس کو پھیرا۔ یہ روایت ملقن ہے یعنی دوسرے کی تلقین کی ہوئی، پڑھائی ہوئی سکھائی ہوئی اور الفاظ پھیرائی ہوئی۔

رفع الیدین کی روایت "متواتر" ہے

باقی رفع الیدین کرنے کی روایات جو بالکل صریح ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ

پچاس صحابہ کرام کی روایتیں ہیں اس کے علاوہ چاروں مذاہب کے عالم اس کو متواتر مان چکے ہیں۔ کان کھول کر سنو! متواتر کے منکر کو تمہارے عقیدے کی کتب نے کافر لکھا ہے۔ احناف میں سے شیخ سلام اللہ دہلوی شرح موطا میں رفع الیدین کو متواتر مانتا ہے۔

مولوی عبدالحی لکھنوی متواتر مانتے ہیں۔ مولوی انور شاہ کاشمیری جن کو آپ استاد الاساتذہ کہتے ہو۔ انہوں نے اپنی کتاب "ذیل الفرقة" میں جو کہ انہوں نے رفع الیدین کے رد میں لکھی ہے۔ ثابت کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔ لیکن مانتا ہے رفع الیدین متواتر ہے۔ شافعیوں میں سے نووی، سیوطی اور محلی وغیرہ سارے متواتر مانتے ہیں۔ حنبلیوں میں سے ابن قدامہ ابن قیم وغیرہ متواتر مانتے ہیں، مالکیوں میں سے زرقانی وغیرہ متواتر مانتے ہیں۔ مطلب کہ چاروں مذاہب کے علماء اس کو متواتر مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ محدثین ابن تیمیہ، ابن حجر اور ابن حزم متواتر مانتے ہیں۔ متواتر وہ روایت ہے جس کی اتنی سندیں ہوں کہ جن کو غلط کہنا عقلاً محال ہو۔ عقل محال سمجھے کہ اتنے سارے کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں۔ ابن حجرؒ جنہوں نے پچاس صحابہ کی روایات کا کہا ہے۔ اس زمانہ میں اتنی کتب تھیں جن کا نام سننے کو ہم ترس رہے ہیں دیکھنا تو دور کی بات ہے۔ کتنی ہی کتب ضایع ہوگئیں۔ لیکن میں اپنے ناقص علم کے مطابق سناتا ہوں کہ ۲۰ سے اوپر ۲۱ یا ۲۲ صحابہ کرام کی روایات میں خود دیکھ چکا ہوں۔ یہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ ان صحابہ مین سے ابوبکر، عمر، علی، ابن عمر، ابن عباسِ ابن الزبیر، ابوہریرہ، ابوحمید الساعدی، ابواسید، ابوقتادہ، سہل بن سعد، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک، براء بن عازب اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ شامل ہیں۔

بہر حال ۲۱، ۲۲ صحابہ کی روایات مجھے یاد ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کن کن کتابوں میں ہیں۔ یہ صحابہ نبی کریم سے رفع الیدین کرنا نقل کرتے ہیں۔

کیا رفع الیدین منسوخ ہے؟

مولوی صاحب دعویٰ کرتا ہے کہ رفع الیدین منسوخ ہے۔ یہ حکم کسی زمانہ میں تھا لیکن بعد میں بند ہوگیا۔ منسوخ کا یہ معنی نہیں ہے کہ اصل یہ حکم تھا ہی نہیں، جس طرح قبلہ بیت المقدس کا حکم منسوخ ہوا۔ معنی کہ پہلے بیت المقدس قبلہ تھا۔ توریت منسوخ ہوئی نجیل منسوخ ہوئی۔ یہ توریت اور انجیل تھیں تب ہی تو منسوخ ہوئیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ رفع الیدین منسوخ ہوا یعنی وہ مان چکے کہ رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین کی ہے۔ چاہے کہ ایک دن ہی کی ہو۔ کرنا ثابت ہوا۔ مطلب کہ کرنے کی ثابتی میں بحث ختم ہوئی۔

دونوں اس بات پر متفق ہوئے آپ ﷺ نے رفع الیدین کی ہے۔ کیونکہ منسوخ ماننے کا مطلب ہی یہی ہے کہ پہلے یہ ثابت ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ بعد میں ترک کردی۔ تو یہ تمہارے ذمہ ہے کہ کب ترک کی؟ کس تاریخ کو ترک کی؟ کس وقت اور کس جگہ ترک کی؟ یہ بتائیں! کوئی پتہ نہیں! کیا خالی خام خیالی پر حدیث کو رد اور بیکار کرو گے؟ کسی وڈیرے کا فیصلہ رد نہیں ہوسکتا، کسی تھانیدار کا فیصلہ رد نہیں ہوسکتا، کسی پیر کی بات رد نہیں ہوسکتی، تو کیا محمد ﷺ کی بات رد ہوسکتی ہے؟ کیا مسلمان اس بات کی جرأت کرسکتا ہے؟

سوچ لیں! منسوخ کہنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ تمہارے مولوی عبدالحی لکھنوی نے خود تسلیم کیا ہے کہ رفع الیدین منسوخ نہیں ہے۔ ابن عمرؓ کی وہ روایت جو دنیا کی تمام احادیث کی کتابوں میں ہے۔ چاہے حدیث وہ کتابیں چھوٹی ہوں یا بڑی، پرانی ہوں یا نئی دو کتابوں کے علاوہ یہ حدیث تمام کتابوں میں موجود ہے۔ ایک ابوعمر تنسوری کی کتاب جو کہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ اس میں یہ حدیث نہیں ہے۔ دوسری کتاب مستدرک حاکم کی کہ جس نے اپنی صحیح میں یہ حدیث ذکر نہیں کی۔ کیونکہ انہوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ بخاری و مسلم کی وہ صحیح روایات جو دونوں نہیں لائے ہیں وہی روایات میں اپنی کتاب میں لاؤں گا۔ لہٰذا انہوں نے اپنی شرط کے مطابق اس حدیث کو ذکر نہیں کیا۔ ورنہ اپنی دوسری کتب میں اس کو لا چکے ہے۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور موطا کی تمام کتب میں یہ روایت موجود ہے۔ احناف نے جو کتاب لکھی ہیں مثلاً طحاوی اور موطا وغیرہ ان میں بھی یہ روایت لکھی ہوئی ہے۔ پورا گاؤں ایک بات کرتا ہے اور فقط ایک آدمی دوسری بات کرتا ہے تو کس کی بات مانو گے۔ عقل سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ترازو دیا ہے اس سے تول لو۔

یہ روایت انس بن مالکؓ سے بھی مروی ہے۔ جب نبی کریمؐ مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو اس وقت انس رضی اللہ عنہ چھوٹے تھے جن کو ان کی والدہ نے آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ یہ آپ کی خدمت کرے گا۔ مدینہ کے دس سال جب تک نبی کریمؐ زندہ رہے اس وقت انسؓ آپ کیخادم رہے۔ اتنے وفادار تھے کہ کہتے ہیں کہ کبھی ایسی بات پیش ہی نہیں آئی کہ آپ نے کہا ہو کہ یہ کیوں کیا یا یہ کیوں نہیں کیا۔ برابر آپ خلیق تھے لیکن ان کی بھی تابعداری تھی جو اس طرح کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ تو اس انس رضی اللہ عنہ سے بھی رفع الیدین کرنا منقول ہے۔

جو بندہ دن ورات ساتھ ہے اس کو منسوخ کا پتہ نہیں ہے اور تمہارے کوفہ والوں کو پتہ چل گیا کہ یہ روایت منسوخ ہے۔

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ تکلیف میں وہیں پر پڑے رہتے تھے۔ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں بیہوش ہو جایا کرتا

تھا اور دوسرے لوگ مجھے روند کر گزر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کو جن ہو گیا ہے، یہ دیوانہ ہے۔ "ما بی الا الجوع" مجھے کوئی جنات نہیں بلکہ بھوک کا ستایا ہوا تھا۔ دور کیوں نہ ہوتا۔ اس لیے کہ کہیں کوئی بات آپ ﷺ کہیں اور میں نہ ہو اور وہ مجھ سے فوت ہو جائے۔ کچھ صحابہ اعتراض کرتے تھے کہ اے ابو ہریرہ تو ایسی روایات لے کر آتا ہے جو ہم نے سنیں تک نہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے بات سنو۔ تم تو کاروبار اور کھیتی باڑی میں مشغول ہو جاتے تھے لیکن میرے پاس یہ چیزیں نہیں تھیں۔ صرف نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھنے کی جگہ تھی۔ "حضرتُ مالا یحضرون سمعتُ مالا یسمعون" میں حاضر ہوتا تھا تم نہیں ہوتے تھے میں وہ کچھ سنتا تھا جو تم نہیں سنتے تھے۔ یہ شخص بھی رفع الیدین کرنے کو نقل کرتا ہے۔ ان کو بھی منسوخ ہونے کی خبر نہ ہو سکی۔

سندھی کی ایک کہاوت، ''سیانہ کوا دونوں ٹانگوں سے پھنستا ہے'' تم نے جلسہ استراحت کا مسئلہ سنا ہے۔ دو سجدوں بعد دوسری رکعت کے لیے اٹھنے کو جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ اس کے ناقل مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہیں۔ حنفی کہتے ہیں جلسہ استراحت سنت نہیں ہے۔ کیسے سنت نہیں ہے حالانکہ بخاری اور صحابہ سنت کی تمام کتب میں اس کے لیے روایات ہیں۔ لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا راوی مالک بن حویرث ہے۔ یہ مالک آخری عمر میں مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کی پیروی کر کے پہلی رکعت کے دونوں سجدوں کے بعد بیٹھ کر اٹھنے کو نقل کرتا ہے۔ کیا یہ سنت نہیں ہے؟ کان کھول کر سن لو! مالک بن حویرث نے رفع الیدین بھی منقول ہے۔ اس صحابی کی روایات بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی اور دار قطنی میں ہیں۔

یہ صحابی آخر میں آئے تھے اور رفع الیدین کرنے کی بھی روایت نقل کرتا ہے۔ اس کی معنی کہ رسول اللہ ﷺ آخری عمر میں بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ بھائیو! انصاف سے کام لو! اللہ تعالیٰ نے جو تمھیں ترازو دیا ہے اس میں بات کو تول لو۔

نبی کریم ﷺ فوت ہو گئے صحابہؓ، اجتماع ہوا (۱۰) صحابہ اکٹھے ہوئے گفتگو ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کا طریقہ کیا ہے۔ صحابہ کا یہ قاعدہ تھا جہاں پر بھی بیٹھتے وہاں پر رسول اللہ ﷺ کی دو چار باتیں کرتے تھے۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ بار بار ایسے کرنے سے وہ باتیں یاد رہیں۔ اس کے علاوہ دہرانے سے عمل کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح پیغمبر کی بات کو یاد کرنا بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔ یہ بھی دین کی خدمت اور سنبھال ہے۔ اس گفتگو کے وقت ایک نوجوان کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز پوری طرح آتی ہے۔ دوسروں نے کہا کہ تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ سنو تو سہی۔ یہ روایت ابو داؤد میں موجود ہے۔ اس نے کھڑے ہو کر نماز شروع کی اور پوری تفصیل کے ساتھ بیان کردی

جس میں رفع الیدین بھی کر کے دکھائی کسی ایک صحابی نے بھی اعتراض نہیں کیا کہ تم نے رفع الیدین کیوں کی؟ یہ منسوخ ہے۔

"کلھم قالوا صدقت ھکذا کان یصلی صلی اللہ علیہ وسلم"

''سب نے کہا کہ تو نے سچ کہا ہے نبی ﷺ اس طرح ہی نماز پڑھتے تھے۔''

''سلام والی روایت اور رفع الیدین''

مولوی نے سلام والی روایت پیش کر کے علمیت جھاڑنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں ہے کہ سلام کے وقت ہاتھ ہلاتے تھے۔ آپ نے شیعوں کو سلام کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ رفع الیدین کے وقت ہاتھ سامنے اوپر کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ سلام کے ہاتھ ہلائے جاتے ہیں۔ صحابہ سلام کے وقت ہاتھ ہلاتے تھے یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ " مالی اراکم رافعی ایدکم کاذناب الخیل الشمس اسکنوا فی الصلوٰۃ" کہ سرکش گھوڑے کی طرح ہاتھ مت اٹھایا کرو۔ پورے سلام کا ذکر ہے۔ امام بخاری صاف لکھتے ہیں کہ علم والا کبھی بھی اس روایت کو رفع الیدین کی دلیل نہیں بنائے گا۔ مثال پر غور کریں کہ گھوڑا اپنی دم کس طرح ہلاتا ہے۔ رفع الیدین کی شکل سامنے کی طرف اوپر کی طرف ہاتھ اٹھانا ہے۔ اور گھوڑے کی دم دائیں بائیں ہلتی ہے۔ خواہ مخواہ اس کو غلط رنگ دیکر لوگوں کو الجھانے کے لیے سلام والی روایت کو رفع الیدین کی دلیل میں پیش کرتا ہے۔ اگر اس میں رفع الیدین ہی ہے تو پھر تم وتر میں رفع الیدین کیوں کرتے ہو؟

یہ کس کی دم ہے؟ عیدین میں رفع الیدین کرتے ہو یہ کس کی دم ہے؟ کچھ تو تمھیں شرم آنی چاہیے۔ جب تم مان چکے کہ رفع الیدین منسوخ ہے۔ یعنی کسی وقت تو اس کا وجود تھا۔ لیکن اللہ تمھیں ہدایت دے اس کو گھوڑے کی دم کہنے سے کچھ تو شرم کرتے یہ کس کو کہہ رہے ہو۔ یہ تو پیغمبر کا فعل ہے۔ صحابہ دس سال تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر یہ فعل منسوخ ہوا۔ کیا یہ برا فعل تھا؟ یا اس کو برا فعل کہو گے؟ اللہ کے بندو! صحابہ کرام کو یہ فکر ہوئی کہ جو نئے قبلہ سے قبل فوت ہوگئے ان کی نمازیں کیسے ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیت نازل فرمائی ﴿وما کان اللہ لیُضیع ایمانکم﴾ یہ تمھارا ایمان تھا یہ بھی میرا حکم مانو اور وہ بھی میرا حکم مانو۔ میں تمھارا ایمان کس طرح ضایع کروں گا۔ اللہ کے بندو! رفع الیدین اگر منسوخ ہو بھی گیا تو رسول اللہ نے ایک مرتبہ تو کیا آپ اس کو سرکش گھوڑے کی دم کس طرح کہہ سکتے ہو! رسول اللہ ﷺ کے فعل کی بے عزتی کیسے کرتے ہو!! اللہ کے رسول ﷺ کی عزت پر کس طرح حملہ

کرتے ہو!!! مکھیاں اڑاتے ہیں، کعبہ کو لعنت کرتے ہیں یہ آپ کس کو کہہ رہے ہو جو کام رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ کیا اس کا تمسخر نہیں اڑایا جاسکتا۔ اگر رفع الیدین کرنا تمھیں نصیب نہیں ہوتا تو ہم کیا کریں۔ مگر فضول اور واہیات الفاظ استعمال کر کے اس کو غلط چیز سے تشبیہ مت دو۔

''وتر''

وتر کے لیے انھوں نے ایک بھی حدیث نہیں لکھی جس میں ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے دو پڑھ کر تشہد کیا ہو اور پھر تیسری رکعت کے لیے اٹھے ہوں۔ بلکہ مغرب کی طرح پڑھنے سے منع آیا ہے۔ بیہقی میں روایت موجود ہے۔ دارقطنی میں روایت موجود ہے۔ قیام اللیل للمروزی میں روایت موجود ہے کہ وتر کو مغرب کے مشابہ نہ کریں۔ مسند عبدالرزاق میں صریح روایت موجود ہے۔

اس کے الفاظ ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں۔ ''لیس کالمغرب'' لیکن مغرب کی طرح نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے وتر پڑھنے کے دو طریقے ثابت ہیں ایک طریقہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی نقل کرتے ہیں۔ صحیح ابن حبان اور صحیح ابن ماجہ میں یہ روایت موجود ہے۔ الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور پھر سلام پھیرا تیسری رکعت الگ سے پڑھی بتسلیم یُسمعنا یعنی بیچ میں دو رکعتوں کے بعد وتر کو توڑتے تھے اور سلام پھیرتے تھے۔ یہ سلام ہمیں سنائی دیتا تھا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح وتر پڑھا کرتے تھے۔ دوسرا طریقہ جو کہ نسائی وغیرہ میں موجود ہے کہ آپ ﷺ تینوں رکعتیں اکٹھی پڑھتے تھے اور بیچ میں بیٹھتے نہیں تھے اس روایت کے صاف الفاظ ہیں کہ ''لَا یَقْعُدُ وَلَا یُسَلِّمُ'' کہ نہ بیٹھتے تھے اور نہ ہی بیچ میں سلام پھیرتے تھے۔ مگر آخری رکعت میں بہرحال رسول اللہ ﷺ کے وتر پڑھنے کا یہی طریقہ ہے۔

تراویح

تراویح کے متعلق بھی دوست نے پورا زور لگایا ہے۔ حالانکہ مانتا ہے کہ بخاری میں روایت موجود ہے کہ آپ رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ لیکن اس بنیاد پر زور لگاتے ہیں کہ یہ تہجد کی نماز ہے، تراویح کی نماز الگ ہے۔ انھوں نے تہجد اور تراویح کو الگ کیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ مجھے چیلنج ملا ہے کہ ایسی کوئی روایت مجھے دکھاؤ میں دو دکھاتا ہوں۔

لیکن آپ خود کتاب پڑھیں۔ اس نے جو روایتیں پیش کی ہیں کیا ان میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے

تراویح الگ پڑھی ہو اور تہجد الگ پڑھی ہو۔ تمہارے امام، امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد اپنی کتاب مؤطا میں قیام رمضان کے باب میں یہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی گیارہ رکعات والی روایت پیش کرتے ہیں۔ اس کو چھوڑ کر تمہارے استاذ الاساتذہ کا واقعہ سنو۔ مولوی انور شاہ کاشمیری عرف شذی میں لکھتے ہیں۔ یہ ترمذی کا حاشیہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تین باتوں کو ماننے کے علاوہ ہمارا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ ان کے الفاظ ہیں۔

لامناص من تسلیم.

۱۔ کہ رسول اللہ ﷺ سے آٹھ رکعات تراویح ثابت ہے۔

۲۔ تراویح کی بیس رکعات آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

۳۔ کہ آپ ﷺ نے تہجد الگ پڑھی ہو اور تراویح الگ پڑھی ہو اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

موطا کی روایت ہے کہ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ ہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے ان میں الفاظ ہیں کہ "وما کنا ننصرف الا فی فروع الفجر" ہم گیارہ رکعات سے فارغ ہوتے تھے تو فجر ہونے کے قریب ہوتی تھی۔ دوسری روایت میں الفاظ ہیں کہ "خَشینا اَن تفوتنا الفلاحُ" ہمیں خوف ہوتا تھا کہ کہیں ہم سے روزہ رکھنا فوت نہ ہو جائے۔ بتائیں پھر تہجد کس ٹائم پڑھی! اللہ تعالیٰ تمھیں آنکھوں سے تعصب کی پٹیاں اتار کر انصاف کرنے کی ہمت دے باقی بات بالکل واضح ہے۔

صحابہ کا عمل

باقی رہا صحابہ کا عمل تو اس کے لیے میں کھلے الفاظ میں کہتا ہوں کہ کسی ایک بھی صحابی سے ۲۰ رکعات کا ثبوت نہیں ہے۔ اس نے جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے ایک بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ یا ضعیف ہے یا منقطع اور مرسل ہے۔ صرف امیر عمر رضی اللہ عنہ کو ہی لے لیں امیر عمر رضی اللہ عنہ کی موطا میں دو روایتیں موجود ہیں۔ گیارہ رکعات والی اور ۲۰ رکعات والی بھی۔ گیارہ رکعات والی روایت سائب بن یزید روایت کرتے ہیں۔ یہ صحابی ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ بعد میں آیا۔ عمرؓ کا زمانہ بھی بعد میں آیا۔ وہ نقل کرتے ہیں کہ "اَمَرَ عمرُ بن الخطاب ابی بن کعبؓ و تمیم الداری ان یقوما للناس با حدیٰ عشرۃ رکعۃ" عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں دو پیش اماموں ابی بن کعب اور تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ دوسری روایات یزید بن رومان کی ہے اس کے الفاظ ہیں" کان الناس یقومون فی زمان عمر بعشرین رکعۃ" عمرؓ کے زمانے میں لوگ بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ کون پڑھتے تھے؟ صحابہ پڑھتے تھے یا کوئی دوسرے اس کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ پہلی

روایات میں صاف الفاظ ہیں۔ کہ عمرؓ نے صحابہ کو گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا۔ اور اس کا راوی یزید بن رومان ہے۔ حالانکہ یہ حضرت عمرؓ کے زمانے کا آدمی نہیں ہے۔ جو محدثین نے لکھا ہے اس کو چھوڑو۔ لیکن تمہارے حنفی زیلعی نصب الرایہ میں لکھا ہے کہ یہ یزید بن رومان حضرت عمرؓ کے زمانہ کا آدمی نہیں ہے۔ جو بعد کا ہے اس نے کس سے سنا اس پر کیسے اعتبار کیا جائے۔ انصاف سے کام لیں۔ کیا اس کی بات پر اعتبار کریں جس نے نبی ﷺ کا زمانہ، حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ حضرت عمرؓ کا زمانہ دیکھا۔ یا اس پر اعتبار کریں جس نے نہ نبی کا زمانہ دیکھا نہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا زمانہ دیکھا۔ بات بالکل واضح ہے جس کو میں نے سورج اور چاند کی طرح کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا ہے۔ پھر بھی ہمارے دوست نہیں سمجھتے اللہ تعالیٰ ان کو سمجھائے۔

اہل حدیث کا اختلاف

باقی یہ کہنا کہ اہل حدیثوں میں بھی اختلاف ہے یہ فہم کا اختلاف ہے۔ جس کے لیے قرآن و حدیث کی صورت میں عدالت موجود ہے۔ جب بھی آپس میں اختلاف کرتے ہیں تو قرآن و حدیث کو دیکھ کر اختلاف ختم بھی کر دیتے ہیں۔

مگر تمہارا اختلاف تقلید کی بنیاد پر ہے جو قیامت کے دن تک حل نہیں ہوگا۔

مناظرے کی وضاحت

باقی رہی مناظرے کی باتیں جس کے لیے وہ کہتے ہیں کہ ہم مناظرہ کریں گے۔ یہ پرانی باتیں ہمیں یاد ہیں۔ کسی زمانہ میں یہاں (ڈیپلو میں) مناظرے کا چیلنج ملا تھا۔ تمھیں پتہ ہوگا کہ جب وہاں سے یہاں پر پہنچے تو کوئی بھی نہیں تھا۔

نام میرا سن کے مجنوں کو جماہی آ گئی
بید مجنون دیکھ کر انگڑائیاں لینے لگا

بیٹھ بیٹھ کر واپس چلے گئے تب جا کر آئے اور آ کر اذانیں دینے لگے پھر ان اذانوں پر کون آئے گا۔ نماز ختم ہوگئی جائے مصلیٰ لپیٹ دیا گیا، مسجد کے دروازے بند ہوگئے۔ اب باہر اذانیں دے رہے ہیں۔

بھائیو! ہم تو چاہتے ہیں تمہاری اور ہماری باتیں ہوں تاکہ عوام کو حقیقت کا علم ہو جائے تمہارے مناظرے کا چیلنج منظور ہے۔

میں بڑی ذمہ داری اور ہوش و عقل سے کہتا ہوں تمھارا چیلنج منظور ہے۔ مگر جس ملک میں ہم رہتے ہیں اس کے قانون کی ہمیں ضرور پاسداری کرنا پڑے گی۔ اگر آپ کو مناظرہ کرنا ہے تو ڈپٹی کمشنر سے اس کی پرمیشن لے کر آؤ۔

پھر آپ جب کہو، جہاں کہو ہم وہاں پر آنے کے لیے تیار ہیں۔ اور جس بھی مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہیں اور جس بھی مولوی کو لے کر آجائیں ہم تیار ہیں۔ لیکن منظوری اور اجازت لے کر آنی پڑے گی۔ ہم آنے میں دیر نہیں کریں گے۔ باقی خلاف منظوری خلاف قانون ہے۔

ہمیں مناظرے کا کوئی بھی خوف نہیں ہے ہمارے پاس اللہ کا کلام قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث موجود ہے آؤ پتہ پڑ جائے گا۔

آخری استدعا

بہرحال اس رسالے کا مختصر جواب میں نے آپ حضرات کے سامنے بیان کر دیا ہے تفصیلی جواب علماء لکھیں گے اور یہ تفصیلی جواب ان شاء اللہ میدان میں آئے گا مجھے یقین ہے کہ تم نے کچھ باتیں ذہن میں رکھی ہوں گی۔ ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر پھر اس کتاب کا مطالعہ کریں تو تمہارے سامنے ایک نئی چیز آئے گی۔ ان شاء اللہ آپ سمجھ جائیں گے کہ صحیح بات کیا ہے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح، سیدھے اور حق کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

اعتراضات اوکاڑوی

جوابات

شیخ بدیع الدین شاہ الراشدی

حنفی مسلک کا سرخیل عالم دین اور مناظر ماسٹر امین اوکاڑوی نے اپنی زندگی میں کئی علماء حقہ سے مناظرہ اور مناقشے کیے جس میں اس کو شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا شاہ صاحب رحمہ اللہ سے بھی اس کے مناظرے ہوئے جس میں اس کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی کئی دفعہ وہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے آبائی شہر نیو سعید آباد ضلع حیدر آباد میں آیا اور اہلحدیث کے خلاف غلیظ زبان استعمال کرتا جس کا شاہ صاحب ﷺ نے اپنی تقاریر میں دیے ایک دفعہ ماسٹر صاحب اپنے حواریوں کو مناظرے کے گُر سکھانے سعید آباد آیا اور طلبہ کو اہلحدیث کے خلاف دلائل دے رہا تھا تو کسی طالب علم نے جو بدظن ہو کر شاہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس آیا تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کو کہا کہ وہ جو آپ کو گُر سکھاتا ہے اور اہلحدیث پر اعتراضات قلمبند کروا رہا وہ تحریر کر کے مجھے لا کر دو تو شاہ صاحب نے اس کے تمام اعتراضات پڑھ کر اس کا مسکت جواب چند دنوں میں لکھ کر ارسال کر دیے جس کو تحریری شکل میں آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ مسودہ کافی پیچیدہ تھا بہت مشکل سے اس مسودہ کو مولانا صبغت اللہ صاحب نے نقل کیا اس کے باوجود کئی صفحات کو ہم کو سمجھ نہ آنے کی وجہ سے ترک کرنا پڑا ان شاء اللہ طبع ثانی میں اس کو مکمل لانے کی کوشش کریں گے۔ (الازہری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعتراض نمبر۱: ہم حنفی ہی اہل سنت جماعت ہیں:

جواب:...... **اولاً:**...... اہل سنت اور حنفی دو الگ جماعتیں ہیں ایک نہیں، کیونکہ سنت اس کو کہتے ہیں جو عمل رسول ﷺ ہو، پس اہل سنت یعنی سنت والے رسول اللہ ﷺ کی جماعت ہے اور حنفی اپنے آپ کو امام ابو حنیفہ کی جماعت کہلواتے ہیں، یہ دو الگ الگ جماعتیں ہوئیں، کیونکہ دونوں کا امام الگ ہے۔

ثانیاً:...... سنت رسول ﷺ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے پس اہل سنت اہل حدیث ہیں نہ کہ دوسرے کیونکہ جب تک اہل حدیث یعنی حدیث والے نہیں بنتے تو پھر اہل سنت یعنی سنت والے کیسے بن سکتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو حنفی دوست بڑا بزرگ مانتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین صفحہ ۸۵۸ ج ۱۔ میں واضح لکھا ہے کہ اہل سنت کا ایک ہی فرقہ ہے، وہ ایک جماعت ہے اور وہ اہل حدیث ہے۔ نیز صفحہ ۱۰۹ میں احناف کو اہل سنت سے خارج قرار دے کر ان کو فرقہ مرجیہ میں شمار کیا ہے اور آپ کے حنفی بھائی علامہ عبدالعزیز اس کی شرح، شرح العقائد صفحہ ۳۳ میں لکھتے ہیں: ”فسموا باهل السنة والجماعة ای اهل الحديث .“ یعنی اہل سنت والجماعت اہل حدیث ہی ہیں۔

اعتراض نمبر۲: آپ ﷺ نے فرمایا: ”ما انا علیه واصحابي ......“:

جواب:...... یہ حدیث المستدرک للحاکم صفحہ ۱۸۹ ج ۱۔ میں مروی ہے اس میں اس طرح الفاظ ہیں کہ ”ما انا علیه الیوم واصحابي“ ثابت ہوا کہ حق والا طریقہ ایک ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عمل تھا۔

اعتراض نمبر۳: فرمایا وہ اہل سنت جماعت ہے:

جواب:...... یہ الفاظ اس حدیث میں نہیں ہیں تفسیر درمنثور کا حوالہ دیا ہے مگر صفحہ ۲۴۳ ج ۲۔ میں ایک دو مرفوع روایات ہیں جن کی سند کا کوئی پتا نہیں۔ ایک ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ اہل سنت کا چہرہ سفید ہوگا اہل بدعت کا سیاہ ہوگا اور پہلے ثابت ہوا کہ اہل سنت اہل حدیث ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنتي .)) (مؤطا مالک)

پس آپ دو چیزیں چھوڑ گئے، قرآن و حدیث پس جن کا ماخذ یہ دو چیزیں ہیں وہ اصلی مذہب پر ہیں یعنی اہلحدیث اور وہی اہل سنت ہوئے اور کئی چیزیں جو رسول اللہ ﷺ کے بعد وجود میں آئیں ان کی پیروی کرنے والے اہل بدعت ہوئے، اب آپ اس کے مطابق خود فیصلہ کریں۔

اعتراض نمبر ۴: نبی ﷺ کو آپ کے صحابہ سے الگ دیکھنا چاہتے ہیں اپنی سوچ کے مطابق احادیث پر عمل کریں گے:

جواب:...... خود آپ کے مذہب کے امام شیخ ابن ہمام فتح القدیر شرح ہدایہ صفحہ ۴۲۱ ج ا۔ پر لکھتے ہیں: "ان قول الصحابی حجة فیجب تقلیده عندنا اذا لم یعنفه شی من ...... من السنة" آپ کے حنفی بھائی ثابت کر رہے ہیں کہ کبھی صحابہ کے آثار بھی رسول اللہ ﷺ کے اقوال کے خلاف ہو سکتے ہیں اور ایسی صورت میں صحابہ کے آثار حجت نہیں ہیں اور جو آپ نے طریقہ پیش کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر ۵: نبی کریم ﷺ کے طریقہ کو صحابہ کی جماعت کے ذریعے سمجھیں گے، اس لئے ہم اہل سنت ہیں۔

جواب:...... **اولاً:**...... کئی مسائل میں صحابہ کرام کا آپس میں اختلاف ہے وہاں کیا کریں گے، کس صحابی کی بات مانیں گے اور کس کی نہیں مانیں گے؟ بلکہ اختلاف کے وقت یہی حکم ہے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء) ثابت ہوا کہ اختلاف کی صورت میں صحابہ خواہ دوسروں کے مختلف اقوال کو قرآن اور حدیث کے ذریعہ سے ہی سمجھا جا سکتا ہے، آپ نیا طریقہ ایجاد کر کے اہل سنت نہیں اہل بدعت بنے ہیں اور الجماعۃ کا لفظ بھی آپ کے لیے مفید نہیں کیونکہ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ صحابہ کی جماعت ہے وہ تو اپنے فہم کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چلنے والے تھے تو یہی ثابت ہوا کہ یہ جماعت صرف رسول اللہ ﷺ کی ہے۔

ثانیاً:...... صحابہ تو رسول اللہ ﷺ کی جماعت ہیں اور آپ امام ابوحنیفہ کی جماعت ہے، پس یہ دو الگ جماعتیں ہوئیں پھر آپ اپنے آپ کو والجماعۃ میں کیسے داخل سمجھتے ہو؟

اعتراض نمبر ۶: اور نہ ہی ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کی لکھی ہوئی جامع کتاب موجود ہے.. الخ:

جواب:...... جب حدیثوں کی بے شمار کتب موجود ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ اور آپ کی قولی خواہ عملی ہدایات جمیع مسائل کے متعلق اسانید کے ساتھ مروی ہیں پھر اس حقیقت کا انکار کرنا امانت کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر ۷: ہماری نماز میں حنفی کا لفظ شامل ہے:

جواب:...... یہ نام آپ نے کہاں سے لیا قرآن یا حدیث سے یا کسی صحابی کے قول سے؟ کہیں سے بھی ایسا ثبوت پیش نہیں کر سکتے بلکہ آپ یہ بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ خود امام ابوحنیفہ نے کہا ہو کہ تم حنفی کہلاؤ خود

آپ کے بہت بڑے عالم علامہ محمد ادریس کاندھلوی رسالہ اجتہاد اور تقلید کے صفحہ ۱۰۱۔ میں لکھتے ہیں کہ عہد صحابہ میں اگر چہ یہ مذاہبہ اربعہ حنفی ، مالکی ، شافعی نہیں تھے اور آپ کا مذہبی بھائی علامہ عبدالعظیم حنفی رسالہ القول السدید صفحہ ۳ میں لکھتے ہیں: اعلم انہ لم یکلف اللہ احد من عبادہ بان یکون حنفیا او شافعیا او حنبلیا.

اعتراض نمبر ۸: امام اعظم ابوحنیفہؒ نے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے اور حج کرتے اور دیگر اعمال کرتے دیکھا:

جواب:...... یہ تو سفید جھوٹ ہے ایک عالم کے لیے شرم کا باعث ہے، کیونکہ امام صاحب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تقریباً ۶۹ سال بعد سن ۸۰ ہجری میں پیدا ہوا تھے۔

اعترض نمبر ۹: آپ نے علم فقہ کو ایسے جامع الفاظ میں مرتب کیا..الخ:

جواب:...... یہ کون سی کتاب ہے اس کا کیا نام ہے اس کا ذکر کس نے کیا ہے کہیں اس کا وجود ہے یا نہیں اگر ایسی کتاب ہے تو آپ کے حنفیوں نے اس کی حفاظت کیوں نہیں کی۔ جب دعویٰ کرتے ہو کہ اکثریت ہماری اور بادشاہ و امراء سب حنفی مذہب کے پیروکار تھے۔ پھر وہ امام صاحب کی کتاب کو بھی محفوظ نہ کر سکے تو پھر انہوں نے حنفیت کی خاک خدمت کی۔

ثانیاً:...... معلوم یہ ہوتا ہے اگر ایسی کتاب امام صاحب نے واقعی لکھی تھی پھر وہ فقہ اور موجودہ فقہ اس کے خلاف ہے ورنہ ضرور اسے چھپوایا جاتا۔

ثالثاً:...... فقہ میں امام صاحب سے کئی مسائل میں مختلف اقوال منقول ہیں اگر یہ کتاب جس کا ذکر آپ کرتے ہیں اگر موجود ہوتی تو امام صاحب کا صحیح قول معلوم کرلیا جاتا۔ اب تو سارا معاملہ آپ کے فقہاء نے مانا جو پانچ سال بعد پیدا ہوئے، وہ امام صاحب کے جس قول کو چاہیں صحیح کہیں یا غیر صحیح تو کبھی مفتی بہ قول کہیں یا غیر مفتی بہ ظاہر الروایۃ یا غیر ظاہر الروایۃ۔ گویا کہ اب مذہب متاخرین فقہاء کا ہے اور یہاں امام صاحب کا نام لایعنی رہا۔

رابعاً:...... تین مذہب والے شافعی مالکی اور حنبلی بھی اپنے ائمہ کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں اب ہم کس کو سچا کہیں کس کو جھوٹا کیا لہٰذا ایمان والوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کو دیکھ کر حق کو معلوم کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۰: کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فقہ حنفی الیوم اکملت لکم دینکم کی صحیح تفسیر ہے:

جواب:...... کیا معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دین کامل نہیں ہوا، یہ تو سراسر قادیانیت نعوذ باللہ ایسا غلو کہ حنفی مذہب کو قرآن وحدیث سے اونچا کردیا گیا، کیا امام صاحب صحابہ اور تابعین ناقص دین پر چل

رہے تھے ان کو کئی مسائل درپیش آتے رہتے تھے لیکن وہ کیسے حل کرتے رہے، آپ کی اس بات کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ آیت سن دس ہجری بتاریخ دس ذوالحج منیٰ میں نازل ہوئی وہ الفاظ ہیں ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ (یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کرلیا) اور آپ اسے کئی سالوں کے بعد کامل کرنے کا دعویٰ کر کے قرآن کو جھٹلا رہے ہیں، اگر یہ بات تھی کہ فقہ حنفی اس کی صحیح تفسیر ہے جس کا مطلب آپ کے خیال کے مطابق اس آیت کی تفسیر کو نہ رسول اللہ ﷺ سمجھے نہ صحابہ سمجھ سکے، کیونکہ اس وقت فقہ حنفی کسی کے خواب وخیال میں نہ تھی۔ اگر اس قسم کا دعویٰ مالکی یا شافعی یا حنبلی یا جعفری اپنی فقہ کے بارے میں کریں تو اس کے لیے آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟

من ترا حاجی بہ گویم تو مرا حاجی بگو

اعتراض نمبر۱۱: جس طرح ان حضرت ﷺ اور صحابہ کے درمیان کوئی خلل نہیں اسی طرح امام اعظم صحابہ کے اعمال کے عینی شاہد ہیں:

جواب:...... یہ جھوٹ ہے عینی شاہد کب بنے لہٰذا یہ قیاس مع الفارق باطل ہے۔

اعتراض نمبر۱۲: امام صاحب کی فقہ پوری دنیا میں تواتر کے ساتھ پہنچی ہے اس لئے ہمارا نام بھی جامع ہے:

جواب:...... آپ کی فقہ کی جو عام کتب ہیں وہ امام صاحب کی وفات کے صدیوں بعد تالیف ہوئی ہیں، کسی ایک مسئلہ کے لیے امام صاحب تک سند نہیں ہے پھر تواتر سے اس کا ثبوت یقینی نہیں ہے پھر مختلف اقوال ہیں یہ اضطراب صحت کے لیے مانع ہے اور کئی ملکوں میں دوسری فقہیں چلتی ہیں آپ کے بہت بڑے بزرگ مفتی شفیع صاحب دیوبندی مقدمہ اردو منجد صفحہ ۱۴ میں لکھتے ہیں حضرت امام شافعی جو قرآن وسنت کے بے مثال عالم اور فقیہ اور تقریباً آدھی دنیا کے امام متبوع ہونے کے ساتھ ادب اور لغت کے ماہر امام ہیں۔ انتھی اب وہ نصف دنیا فقہ شافعی کے پیچھے ہوئی باقی آدھی دنیا سے غیر مذاہب عیسائی، یہودی، دہریے، ہندو اور سکھ وغیرہ نکالیں اس کے بعد شیعوں کی جماعت کو بھی نکالیں پھر باقی فرقے جو مسلمان کہلاتے ہیں مثلاً بہائی، قادیانی، ذکری وغیرھم ان کو بھی علیحدہ کریں پھر مالکی مغرب اور افریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں، پھر حنبلی بھی نکالیں پھر بتائیں کہ آپ کا کتنا حصہ بچتا ہے اور آپ کی جامعیت کہاں رہ جاتی ہے؟

اعتراض نمبر۱۳: اور ہمارے مسلک کی پوری سند ہے:

جواب:...... ذرا وہ بتائیں تو صحیح پتا لگے کہ راوی سچے ہیں یا جھوٹے؟ یہ تو حدیث شریف کی شان ہے۔ طریقہ روایت کو صحابہ [illegible] ﷺ [illegible] سند کا سلسلہ [illegible] ہے تاکہ تحقیق کی

جا سکے کہ روایت صحیح ہے یا نہیں۔ لیکن آپ کی فقہ میں ظلمت در ظلمت ہے معلوم نہیں کہ کون ناقل ہے اور کس سے نقل کر رہا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۴: اہل سنت والجماعۃ کا اجماع ہے کہ دلائل شریعت چار ہیں یعنی کتاب و سنت، اجماع و اجتہاد:

جواب :...... اولاً اہل السنۃ والجماعۃ سے کیا مراد ہے پھر آپ کے حنفی تو شافعی، مالکی وحنبلی کو اہل سنت نہیں مانتے، پھر یہ دعویٰ کیوں کرتے ہو کہ چاروں مذاہب برحق ہیں؟

ثانیاً:...... آپ کے حنفیوں نے چوتھی دلیل اجتہاد کے بجائے قیاس لکھی ہے، اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس وقت چاروں دلیلیں کارآمد ہو سکتی ہیں یا نہیں، اگر کہو گے نہیں تو پھر یہ تو کسی مسلمان کا مذہب نہیں کہ قرآن وحدیث کارآمد نہیں ہو سکتے اور اگر کہو گے کہ اب بھی کارآمد ہیں تو پھر آپ کا یہ کہنا غلط ہو گیا کہ اجتہاد کا دروازہ اب بند ہے اور اب تقلید ہی کرنی چاہیے۔

ثالثاً:...... اگر اہل سنت والجماعۃ سے سب مراد ہیں تو پھر کئی مسلمان قیاس کے قائل نہیں لہٰذا آپ کا یہ اتفاق کا دعویٰ غلط ہوا۔

اعتراض نمبر ۱۵: قرآن پاک کا متن قانون اور آئین کی حیثیت رکھتا ہے:

جواب :...... تو پھر آپ فقہ کو آئین کیوں کہتے ہو جب کسی دنیا کے ملک میں دو قانون نہیں ہو سکتے تو پھر اللہ کی بادشاہت میں دو قانون کیسے ہو سکتے ہیں۔ سنت کے بارے میں ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ یہ قرآن پاک کی تشریح ہے۔

اعتراض نمبر ۱۶:......

جواب :...... جب رسول اللہ ﷺ نے جن کو اللہ تعالیٰ نے خود بھیجا اور ہم پر ان کی اطاعت لازم کر دی اور ان کو یہ شان عطا فرمائی کہ: ﴿مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء)

تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے تشریح مکمل کی یا نامکمل؟ ثانی الذکر تو کوئی مسلمان نہیں کہے گا پس جب رسول اللہ ﷺ کی تشریح مکمل موجود ہے تو پھر دوسری تشریح کی کیا ضرورت ہے، کیا آپ سے بڑھ کر بھی کوئی تشریح کر سکتا ہے کیا آپ کا ایمان آپ کو اس عقیدہ کی اجازت دیتا ہے؟

اعتراض نمبر ۱۷: جس طرح قانون ساز اسمبلی اپنے قانون کے دفع کی تشریح کرے؟

جواب :...... یہاں یہ مثال غلط بلکہ انتہائی بے ادبی اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی ہے قانون کا واضع اللہ ہے کوئی اسمبلی نہیں قانون کے شارح ایک رسول اللہ ﷺ ہیں یہاں بھی کوئی اسمبلی

نہیں ہے پس یہ مثال کیسے درست ہوگی ﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل : ٧٤)

ثانیاً:...... اسمبلی میں تو بتاتے وقت کئی بار اختلاف ہوتا ہے اور کبھی تو کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے، اس طرح ایک بار کی تشریح کے وقت بھی ہوتا ہے تو کیا معاذ اللہ! اللہ کا قانون اس طرح بنا ہے کہ ان کے ساتھ بحث ہو اور کثرت رائے سے فیصلہ ہو، کون اللہ کے ساتھ بحث کرنے والا ہے؟ پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تشریح کے وقت کون بحث کرنے والا تھا اور کب ووٹنگ کی گئی اور کب کثرت رائے سے فیصلہ ہوا؟ بلکہ رسول اللہ ﷺ اور عمل بذات خود بغیر کسی رائے یا مشورہ سے قرآن کی تشریح ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف آپ کے عمل کو دیکھتے تھے، چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کے واقعہ کو بیان کرتے ہیں اس میں فرماتے ہیں: ((وعلیه ینزل القرآن وهو یعرف تأویله ، وما عمل من شی عملنا به .)) (صحیح مسلم ج ا صفحہ ۳۹۵)

پس یہاں اسمبلی کی مثال دینا بے سود جرأت ہے۔

ثالثاً:...... اسمبلی کے بنائے ہوئے قوانین کئی بار تبدیل بھی ہوتے ہیں اور تشریح میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، ایک اسمبلی ختم ہو جاتی ہے نئی اسمبلی پہلی اسمبلی کی کئی باتوں کو غلط قرار دیتی ہے تو کیا آپ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون یا رسول اللہ ﷺ کی تشریح کو بھی یہی حیثیت دیتے ہیں؟ اللہ نے تو قانون مکمل کر دیا ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ (المائدہ) اور رسول اللہ ﷺ بھی تشریح مکمل کر کے دنیا سے روانہ ہو کر اللہ کی طرف جا چکے اب آپ کے بعد کون آئے گا جو آپ کے اس قانون میں تبدیلی کر سکے یا اس تشریح کو بدل سکے یا کہیں آپ ختم نبوت کے عقیدہ سے پھر تو نہیں گئے۔

اعتراض نمبر ۱۸: ائمہ مجتہدین کو ہم قانون ساز نہیں سمجھتے:

جواب:...... جب آپ قانون اور اس کی تشریح کے موجود ہونے کے قائل ہیں اور مجتہدین کو قانون ساز بھی نہیں سمجھتے تو پھر باقی ان کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو قانون کے شارح بھی نہیں ہو سکتے جبکہ ان سے پہلے اکرم الاولین والآخرین ﷺ تشریح بھی کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۹: ہاں قانون کے ماہر ضرور سمجھتے ہیں:

جواب:...... قانون کا ماہر آپ صرف امام ابوحنیفہ کو سمجھتے ہیں یا چاروں اماموں کو یا جتنے ائمہ دین ہوئے ہیں ان سب کو؟ پہلی صورت میں امام صاحب کی کون سی تفسیر قرآن ہے یا تشریح قانون ہے وہ پیش کریں اور موجودہ فقہ تو کئی صدیاں بعد میں لکھی گئی ان میں جو اقوال ہیں ان کے لیے امام صاحب تک سند پیش کریں

اور ان شاء اللہ قیامت تک پیش نہیں کرسکیں گے۔ آپ کے مذہب کی کتاب اصول کرخی صفحہ ۹ میں ہے "الاصل ان کل آیۃ تخالف قول اصحابنا فانھا تحمل علی النسخ او علی الترجیح" ثابت ہوا کہ جس فقہ حنفی کو آپ قانون الٰہی یعنی قرآن کی تشریح سمجھتے ہیں کئی مسائل میں ان دونوں میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہ کسی دوسرے قانون کی تشریح ہے قانون الٰہی کی تشریح نہیں۔ دوسری صورت میں پھر چاروں اماموں کی مہارت کو ایک دوسرے کے خلاف کیسے کو حق سمجھنا کہنا یا ترجیح دینا یا اس کو زیادہ اعلم سمجھنا آپ کا کام نہیں کیونکہ آپ مقلد ہیں اور علم کو معلوم کرنا بھی اجتہاد ہے اصول فقہ کی مشہور کتاب فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۳۹۲ ج ۲ (فی ذیل المستصفیٰ) میں ہے "وضرب من الاجتھاد فانہ لا یکون الا بالتأمل فی الرجال لیعرف الا علم" اھ۔ پھر تو آپ غیر مقلد بن گئے کہ امام ابوحنیفہ کو سب سے اعلم سمجھ لیا۔

ثانیاً:...... اختلاف کی صورت میں کس کی مہارت قبول کی جائے گی جب چاروں قانون کے ماہر ہیں تو پھر ان میں اختلاف کیوں؟ قانون الٰہی قرآن کی تو یہ صفت ہے کہ ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء: ۸۲) تو معلوم ہوا کہ یہ چاروں ماہروں کی تشریح نہیں بلکہ قانون کی ہے کیونکہ اس قانون میں تو کوئی اختلاف نہیں۔

ثالثاً:...... پھر ہر ایک مذہب والا اپنی فقہ کے لیے یا اپنے امام کے لیے یہ ہی دعویٰ کرتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲۰: ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہوتے ہیں وہ قانون ساز تو نہیں ہوتے لیکن ان کی قانونی مہارت اتنی مسلم ہوتی ہے کہ ان کے فیصلوں کو پی ایل ڈی میں باقاعدہ محفوظ کرلیا جاتا ہے..الخ:

جواب: اولاً:...... یہ کوئی شرعی قانون تو نہیں جس کے ساتھ قرآن وحدیث کی تشریح کی مثال دی جائے۔

ثانیاً :...... ہائی کورٹ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی جاسکتی ہے اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے فیصلہ کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح جن ائمہ کو آپ ماہرین قانون سمجھتے ہیں ان کے خلاف بھی اپیل ہوسکتی ہے اور ان کے فیصلوں کو چیلنج کیا جاسکتا ہے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ قرآن وحدیث کے نصوص ان سب سے اوپر ہے اس کو سپریم کورٹ کی حیثیت ہے۔ جہاں آپ کے ماہرین کا اختلاف ہوگا وہ فیصلہ قرآن وحدیث کی طرف جو کہ عدالت عالیہ اور آخری کورٹ ہے وہاں رجوع کیا جائے گا یہی قرآنی حکم ہے ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النسآء) بلکہ اپنی مرضی سے جس ماہرین کو پسند کیا یا سب سے اعلم سمجھا اس کی بات کو لے لیا ایمان کے منافی ہے ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ

فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النسآء: ٦٥) اور تیسری صورت میں جب سب ائمہ دین ماہرین قانون ہیں تو پھر کسی ایک کو معین کرنا جس کو آپ تقلید شخصی کا نام دیتے ہیں وہ کیوں؟ اور اگر کہو گے کہ جس کو ماہر سمجھے اس کو لے لے تو پہلے تقلید کر کے مجتہد بنے گا پھر کسی کا انتخاب کروں؟

ثانیا:...... یہ تو کئی فرقے بن جائیں گے جس کو جو ماہر پسند آیا اس کی پیروی کی لاتعداد فرقے بن سکتے ہیں حالانکہ قرآن کہتا ہے" ﴿ان هٰذا امتكم امة واحدة﴾ (الانبیاء والمؤمنون) **ایضاً** یہ سب ماہرین کے خاص زمانہ تک محدود ہیں یا اب تک ان کا سلسلہ جاری ہے پہلی صورت میں کئی سال مقرر کریں اور وہ اس کی دلیل ہوگی۔

ثالثاً:...... کم از کم اس زمانہ تک تو چار مذاہب کا حصہ بھی نہ رہے گا اور یہ بھی کہنا غلط ہوا کہ ان چار اماموں کے بعد سب مقلد ہیں اور دوسری صورت میں اب تک اجتہاد جاری ہے اور تقلید کا کوئی وجود نہیں، کیونکہ آپ ماہر کسے قرار دیں گے عالم کو یا جاہل کو؟ پہلی صورت میں سب علماء کو ماہر قرار دیں گے یا بعض کو اگر بعض کو قرار دیں گے تو اس کے لیے کیا علامات ہوں گی۔

ع نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

کوئی کسی کو ماہر سمجھے گا کوئی کسی کو ماہر سمجھے گا، نیز ماہرین قانون کو ماہر ہی جان سکتا ہے وہی ان میں تمیز کر سکتا ہے کہ کون زیادہ ماہر ہے کون کم، پس یہ ایسا خلفشار ہے جس کا کوئی حل نہیں اور اگر کہو گے کہ سب عالم ماہر ہیں تو پھر سب مجتہد ہو گئے اور جو غیر عالم ہیں وہ ان کی طرف رجوع کریں گے اور مفتی کی طرف رجوع کرنا بھی تقلید نہیں جیسا کہ فواتح الرحموت صفحہ ۴۰۰ میں مذکور ہے پس تقلید کا وجود ہی نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۲۱: اگر کسی قانون تشریح میں مجتہدین کا پورا بینچ اتفاق کر لے تو ملکی اصطلاح میں تو اس کا فل بنچ سپریم کورٹ کا فیصلہ کہا جاتا ہے:

جواب:...... یہ بھی غلط ہے کیونکہ ہائی کورٹ فل بنچ کا بھی فیصلہ ہوتا ہے لیکن پھر بھی سپریم کورٹ میں اپیل کی جاسکتی ہے اور ہائی کورٹ فل بنچ کے فیصلے کو چیلنج کیا جاسکتا ہے اس طرح اگر سارے مجتہد متفق ہوں پھر بھی قرآن وحدیث کا فیصلہ ان کے اوپر ہے۔

اعتراض نمبر ۲۲: اصول فقہ میں اس کو اجماع امت کا فیصلہ کہا جاتا ہے:

جواب:...... وہ کون مجتہد ہیں جن کا اجماع مراد ہے صرف چار امام یا دوسرے بھی مجتہد مراد ہیں؟ کیونکہ تمہارے فقہاء کے نزدیک اجماع یہ ہے کہ سب مجتہد کسی مسئلہ پر متفق ہوں جیسا کہ اصول فقہ کی عام کتب میں مروی ہے۔

ثانیاً :......خود آپ کے فقہاء بعض مسائل میں چاروں اماموں کے قول سے مختلف ہیں مثلاً تحلیف الشہود کا مسئلہ کہ چاروں ائمہ میں سے کوئی بھی اس مسئلہ کا قائل نہیں ہے مگر اس کے باوجود آپ کے فقہاء نے ابن ابی لیلیٰ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور گواہ کو بھی قسم دینے کے قائل ہیں یعنی پھر تو آپ خود اجماع کے منکر ہیں اور اگر سب مجتہدین مراد ہیں تو پھر آپ کے بس کی بات نہیں ہے کہ ہر ایک مسئلہ کے متعلق تمام مجتہدین کا اتفاق نقل کر سکیں، نقل کرنا تو دور آپ یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ دنیا میں کتنے مجتہد ہیں اس لئے تو امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ”من ادعی الاجماع فھو کذاب لعل الناس قد اختلفوا ما یدریه ولم یتنبه الیه“ (احکام فی اصول الاحکام لابن حزم صفحه ۵٤۱) خود آپ کے اصول فقہ کی مسلم اور درسی کتاب مسلم الثبوت صفحہ ۱۴ میں ہے کہ قال احد من ادعی الاجماع فھو کاذب

ثـانیـاً :......اکثر مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف رہا ہے وہاں کیا کریں گے؟ یقیناً قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

اعتراض نمبر ۲۳: ماتحت عدالتوں کی اپیل بڑی عدالت میں کرنا معقول ہے یہ طریقہ مقلدین کا ہے..الخ :

جـواب :......یہ بھی خدا طرفی ہے کہ آپ تو اعلیٰ عدالت کے فیصلہ کیلئے بھی نچلی عدالتوں کو دیکھتے ہیں اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ قرآن وحدیث عدالت عالیہ ہے اور موجودہ فقہ اس سے نچلی عدالتیں ہیں لیکن مقلدین باوجود اس کے کہ مسئلہ قرآن وحدیث میں موجود ہے پھر بھی فقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کو آپ بھی نامعقول بتا رہے ہیں کہ اوپر کی عدالت کے خلاف نچلی عدالت میں اپیل کرنا نامعقول ہے اسی طرح حدیث کے بعد فقہ کی طرف رجوع بقول آپ کے نامعقول بات ہے دراصل یہ تو طریقہ اہل حدیث ہے کہ نیچے کی کسی عدالت یعنی کسی فقہ کا فیصلہ اس وقت قبول کریں گے جب اس کی تائید عدالت عالیہ یعنی قرآن وحدیث میں مل جائے اور حدیث یا قرآن کے فیصلہ کے بعد وہ کسی نچلی عدالت یعنی کسی فقہ کی طرف رجوع کرنے کے قائل ہی نہیں۔

اعتراض نمبر ۲۴: یہ تو عدالت کا ارتکاب ہے:

جــواب :......پس آپ حدیث اور قرآن میں مسئلہ ملنے کے باوجود فقہ کی طرف رجوع کر کے قرآن وحدیث کی توہین کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۵: ہمارے نام میں چاروں دلیلوں کی طرف اشارہ ہے:

جــواب :......اس کا جواب تو گزر گیا لیکن مزید سنئے اہل سنت اور حنفی دو متضاد چیزیں ہیں ایک ہو ہی نہیں

سکتیں، کیونکہ جب سنت والے ہوں اور جماعت والے بھی تو پھر حنفی ہونے کی کیا ضرورت؟ بلکہ آپ کے ناموں میں صرف کتاب وسنت پر کفایت نہیں ہے بلکہ آپ ان کو اپنے آپ کے لیے کافی سمجھتے ہیں تو پھر حنفی لفظ کی دم لگانے کی کیا ضرورت تھی ہمارا لقب اہل حدیث جس کا معنیٰ ہے قرآن وحدیث والے تو یہ لقب جامع اور مانع ہے اور ہر لحاظ سے کفایت کرتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲۶: امام ابن تیمیہ "تہافۃ الفلاسفہ" صفحہ ۱۲ میں لکھتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت نجات پانے والی جماعت ہے اور سنت سے مراد اس جگہ نص ہے یعنی قرآن و حدیث دونوں کا نام:

جواب:...... اولاً:...... اول تو اس نام سے امام ابن تیمیہ کی کوئی کتاب نہیں۔

ثانیاً:...... جب سنت سے مراد قرآن وحدیث ہے تو پھر اہل سنت اہل حدیث ہی ہوئے، کیونکہ لفظ حدیث کا اطلاق قرآن وحدیث دونوں پر آیا ہے ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ (المرسلات: ۵۰) ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ﴾ (الزمر: ۲۳) ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا﴾ (التحریم: ۳) پس اہل حدیث کا معنیٰ ہوا قرآن وحدیث والے اور وہی اہل سنت ہیں۔ باقی یہ کہنا کہ والجماعت کے لفظ میں اجماع امت آ گیا یہ بھی غلط ہے، کیونکہ آپ پہلے کہہ چکے ہیں کہ والجماعۃ سے مراد صحابہ کی جماعت ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اجماع سے صرف صحابہ کا اجماع ہی مراد ہے اور آپ کے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ اصول فقہ کی کتب میں تصریح کی گئی ہے کہ اجماع کے لیے شرط نہیں ہے کہ صرف صحابہ کا اجماع ہو جیسے شیخ ابن الھمام نے التحریر فی اصول الفقہ صفحہ ۴۰۵۔ میں اور شیخ محب اللہ البہاری نے مسلم الثبوت صفحہ ۲۱۶۔ میں اور ملا جیون نے نور الانوار صفحہ ۱۷۸۔ میں وغیرہم سے ذکر کیا ہے لہٰذا آپ کے کلام میں تناقض ہے یا تو یہ کہو کہ اجماع صرف صحابہ کا معتبر ہے اور اس مسئلہ میں ہمارے حنفیوں کا اصول غلط ہے یا یہ کہو کہ یہاں صحابہ نہیں کوئی اور جماعت مراد ہے۔

من نہ گویم این سخن آں کن
مصلحت بیرو کار آسان کن

اور پھر کہتے ہیں کہ اجتہاد کا لفظ حنفی میں آ گیا اور یہ بھی عجیب منطق ہے حنفی تو اپنے آپ کو مقلد کہتے ہیں اور اجتہاد کیسے کریں گے کیونکہ خود حنفیہ کے نزدیک اجتہاد پر قدرت رکھنے والے کے لیے تقلید ممنوع ہے۔

ثانیاً:...... اگر دوسرے مذاہب والے کہیں نہیں اجتہاد کے لفظ میں ہمارا نام آتا ہے تو پھر آپ کے پاس کیا جواب ہوگا اور لوگوں کے پاس کیا دلیل ہوگی کہ آپ کی بات مان لیں اور دوسروں کی نہ مانیں۔

اعتراض نمبر ۲۷: سورہ جمعہ میں ہمارے نام کے واضح اشارات موجود ہیں:

جواب :......کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں وہاں تو صرف رسول اللہ ﷺ کی جماعت کا ذکر ہے جو کہ اہل سنت یعنی اہل حدیث ہے کیونکہ آپ مان چکے کہ سنت سے قرآن وحدیث مراد ہے یہ تو صراحتاً اہل حدیث کا ذکر ہے۔

اعتراض نمبر ۲۸: اگلی آیت میں ہے ﴿وآخرين منهم لما يلحقوا بهم﴾ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابی رسول نے پوچھا حضرت اخرین سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا: "لو كان العلم عند الثريا لناله رجال من هٰؤلاء." رواه مسلم.

جواب:......**اولاً**:......اس روایت میں یہ الفاظ ہیں "فوضع يده على رأس سلمان الفارسي وقال والذي نفسي بيده لو كان الايمان بالثريا لناله رجال من هٰؤلاء." (الدر المنثور صفحہ ۲۱۵ ج۶۔ بحوالہ بخاری مسلم ، ترمذی ، نسائی ، ابن جریر وغیرھا) پس اول تو یہ ثابت کریں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی اولاد یا خاندان میں سے تھے؟

ثانیاً:......یہاں جمع کا لفظ ہے لہٰذا کسی ایک کی خصوصیت نہیں رہی۔

ثالثاً :......امام ابونعیم اصفہانی نے تاریخ اصفہان کے شروع میں اس روایت کے کئی طرق نقل کیے ہیں۔ یعنی ابوہریرہ سے کئی سندوں سے روایت لائے ہیں سب میں جمع کا لفظ ہے اس کے بعد پھر عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبداللہ، سلمان فارسی ، ام المؤمنین عائشہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے اس معنیٰ میں روایات ذکر کی ہیں سب میں جمع کا لفظ ہے لہٰذا کسی ایک کی خصوصیت نہیں۔

رابعاً :......تاریخ اصفہان صفحہ ۷ ج ۱۔ پر جو خود سلمان فارسی کی روایت ہے اس جماعت کی خود تشریح اور تحسین ہو جاتی ہے الفاظ ہیں کہ: "عن ابي عثمان النهدي سمعت سلمان يقول قال رسول الله ﷺ لو كان الدين معلقا بالثريا لتناوله ناس من اهل فارس يتبعون سنتي ويتبعون آثاري ويكثرون الصلوٰة علي" یہ صفات تو اہل حدیث کی ہیں فقہ کے پیروکاروں کا آپ ﷺ نے ذکر نہیں فرمایا پس اس آیت یا حدیث کے مصداق آپ نہیں بن سکتے صرف ایک ہی صورت ہے کہ امام ابوحنیفہ کو آپ اہل حدیثوں میں شمار کرلیں تو کچھ بات بن جاتی ہے۔

اعتراض نمبر ۲۹: "قال النووي فيه فضيلة ظاهرة لاهل فارس."

جواب:......لیکن پہلے امام ابوحنیفہ کو فارسی ثابت کریں۔ اس کی مزید بحث آگے آئے گی۔

اعتراض نمبر ۳۰: اور مسلم شریف کی دوسری حدیث میں موجود ہے: "لو کان العلم عند الثریا لذهب رجل من ابناء فارس...... الخ."

جواب:...... یہاں روایت نقل کرنے میں خیانت کی گئی ہے پوری روایت اس طرح ہے۔ "عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لو كان الدين عند الثريا لذهب به رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتیٰ يتناوله" (صحیح مسلم ج۲ صفحہ ۳۱۶) یہاں ایک شخص کے لیے قطعی فیصلہ نہیں ہے بلکہ راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے رجل کہا یا ابناء فارس کہا لہٰذا مشکوک روایت پر قطعی روایت قاضی وراجح ہوگی کیونکہ اس میں بغیر کسی شک کے جمع کا لفظ ہے یہ ہی فیصلہ شارح حدیث کا ہے جیسا کہ فتح الباری صفحہ ۲۵۳ ج ۸۔ اور عمدۃ القاری للعینی صفحہ ۳۲۷ ج ۱۹ (المنیریہ) میں جمع والی روایت کو متعین قرار دیا ہے۔

اعتراض نمبر ۳۱: سورہ جمعہ اور اس حدیث میں جو پیشگوئی ہے صراحتاً کسی کا نام مذکور نہیں:

جواب:...... تو پھر خوامخواہ آپ کو یا اپنے امام کو کیوں اس میں گھسیٹتے ہو البتہ علامات سے پہچان ہوسکتی ہے تو حدیث میں علامات بیان ہوگئیں جو صراحتاً اہل حدیث کی علامات ہیں جیسے کہ حدیث گزری اور حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۳۵۴ ج ۸۔ میں اس روایت کے بعد فرماتے ہیں: "وقع ما قال ﷺ عياناً فانه وجد منهم من اشتهر ذكره من حفاظ الآثار والعنايه بها مالم يشار كهم فيه كثير من احد غيرهم اهـ." اور اگر معنوی حیثیت سے دیکھا جائے تو بھی ان ہی محدثین نے کافی محنتیں اور کاوشیں برداشت کیں اور طویل سفر کیا پس وہی اس حدیث کے مصداق ہوسکتے ہیں مثلاً امام بخاری نے حجاز، بصرہ، شام، مصر، عراق، جزیرہ اور خراسان وغیرہ کا حصول حدیث کے لیے سفر کیا، تفصیل کے لیے مقدمہ فتح الباری کا مطالعہ کیجئے امام مسلم نے حجاز، عراق، شام اور مصر کا سفر کیا جیسا کہ نووی نے تہذیب الاسماء کے اندر ذکر کیا ہے۔ اس طرح ابو حاتم رازی نے تین ہزار میل سے زیادہ پیدل سفر کیا (مقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم صفحہ ۳۵۹) ایسی کئی امثلہ امام طبرانی اور نسائی، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، محمد بن نصر المروزی اور ابن جریر وغیرہم کے رجال مشہور ہیں بقی بن مخلد قرطبہ سے بغداد حدیث پڑھنے کے لیے پیدل جاتے ہیں (مختصر طبقات حنابلہ صفحہ ۸۱) پس یہی اس حدیث کے مصداق ہیں لیکن امام ابو حنیفہ کے رحلات مشہور نہیں نہ حدیث کے لیے کوئی سفر کرنا مذکور ہے بلکہ مناقب الامام ابو حنیفہ للموفق صفحہ ۳۷ ج ۱۔ میں مذکور ہے کہ خود امام صاحب نے طلب حدیث کو اپنے لیے معیوب سمجھا تو پھر اس کو اس حدیث کا مصداق کیسے بناتے ہو؟

اعتراض نمبر۳۲: لیکن جس طرح آیت استخلاف میں خلفاء راشدین میں کسی کا نام صراحتاً موجود نہیں لیکن واقعات نے اس کو اتنا واضح کر دیا کہ آج ہم اس وضاحت کو صراحت سے بھی زیادہ واضح سمجھتے ہیں:

جواب:...... ٹھیک اسی طرح اس آیت سورہ جمعہ اور اس حدیث میں جو نشانیاں مذکور ہیں ان کو دیکھ کر اور مشاہدات اور واقعات کو سامنے رکھ کر ہم بھی کہہ سکتے ہیں صراحت سے زیادہ یہاں بیان محدثین کا ہے احناف کا نہ نام ہے نہ نشان ہے۔

اعتراض نمبر۳۳: آپ ﷺ نے دین کی تدوین کے بارے میں پیش گوئی فرمائی دنیا میں یہ بات مشاہدہ سے بالکل واضح ہے کہ چار مجتہدین ہیں جنہوں نے آپ کے دین کو مکمل شکل میں مدون کیا:

جواب:...... پھر ان کی تدوین ایک دوسرے کے خلاف کیوں؟ اگر ان کی تدوین آپ ﷺ کی پیشگوئی کی مصداق ہوئی تو ایک ہی فقہ مدون ہوتی چار نہیں ہوتیں۔

ثانیا:...... تدوین بھی اس طرح کہ ان کی کتابیں اکثر قیل وقال اور آراء اور قیاس سے بھری ہوئی ہیں اور جو روایتیں پیش کی ہیں تو اکثر سب ضعیف یا مخلوط بلکہ بعض موضوع اور بے اصل وناپید ہیں، دور نہ جایئے آپ اپنی ہدایہ کو سامنے رکھیں پھر آپ کے حنفی جمال الدین زیلعی نے جو اس کتاب کی روایتوں کی تخریج کی ہے جس کا نام نصب الرأیہ فی تخریج احادیث الہدایہ ہے، کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں پھر دیکھیں کہ آپ کی ہدایہ میں نقل کردہ روایات کا کیا حال ہے اسی لئے خود آپ کے حنفی تسلیم کرتے ہیں کہ فقہاء کی نقل کردہ روایات پر کوئی اعتبار نہیں، چنانچہ علامہ ملا علی قاری موضوعات کبیر صفحہ ۷۴ میں لکھتے ہیں کہ

لا عبرة بنقل النهاية ولا بقية شراح الهدايه فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسندوا الحديث الیٰ احد من المخرجين. اور علامہ عبدالحئی لکھنوی النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر، صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں کہ:

من كتاب معتمد اعتمد عليه اجلة الفقهاء مملوء من الاحاديث الموضوعة ولا سيما الفتاوى فقد وضح لنا بتوسيع النظر ان اصحابهم وان كانوا من الكاملين لكنهم فى نقل الاخبار من المتساهلين. نیز علامہ موصوف شرح الوقایہ کے مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۴ میں لکھتے ہیں:

"ان الكتب الفقهية وان كانت معتبرة فى نفسها بحسب المسائل الفرعية وان كانوا

مصنفوها ایضاً من المعتبرین والفقهاء الکاملین لکن لا یعتمد علی الاحادیث المنقولة فیها اعتماداً کلیاً ولا یجزم بورودها وثبوتها قطعاً بمجرد وقوعها فیها فکم من احادیث ذکرت فی الکتب العتبرة وهی موضوعة مختلقة" بلکہ احناف کے لیے تو قدیم زمانہ کا فیصلہ ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

هٰؤلاء اصحاب ابی حنیفة لیس لهم بصر بالحدیث ما هو الا الجرأة (مختصر قیام اللیل للمروزی صفحہ ۱۲۴) اور شیخ عبدالحق دہلوی شرح سفر السعادۃ صفحہ ۲۳ میں ہدایہ کے بارے میں لکھتا ہے اگر حدیث آوردہ نزد محدثین خالی از ضعفے نہ غالباً اشتغال وقت آں استاد در علم حدیث کم تر بردہ است۔"

ثالثاً:...... بلکہ تدوین صحیح طور پر تو محدثین نے کی ہے کہ ایک ایک عنوان مثلاً کتاب الایمان سے لے کر میراث تک عقائد، اعمال اور معاملات وغیرہ کے متعلق مختلف ابواب مقرر کر کے ان کے تحت احادیث باسناد ذکر کیں اور صحیح ضعیف کی بھی تحقیق کی تمھارے فقہاء کی طرح لوگوں کو اندھیرے میں نہیں رکھا کہ کئی صدیوں کے بعد لکھتے ہیں کہ امام صاحب نے یہ فرمایا درمیان کی سند کا کوئی پتہ نہیں بلکہ یہاں تو ہر ایک ایک روایت سند کے ساتھ بیان ہوتی ہے تاکہ پڑھنے والا اپنی بصیرت سے صحیح اور غیر صحیح کو معلوم کر سکے، بعض نے تو بالکل صحیح روایات کو جمع کیا جن میں سرفہرست صحیح بخاری کا نام آتا ہے یہ ہے صحیح تدوین جس پر آپ ﷺ کی پیشگوئی پوری صادق آتی ہے۔

اعتراض نمبر۳۴: ان میں تین امام عربی النسل ہیں صرف امام ابوحنیفہ فارسی النسل ہیں.. الخ

جواب: اولاً:...... امام صاحب کو فارسی النسل ثابت کرنا آپ پر قرض ہے، حالانکہ امام صاحب کے فارسی النسل ہونے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ اہل علم آپ کو تیمی بتلاتے ہیں، دیکھو تاریخ کبیر للبخاری، تہذیب الاسماء للنووی، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم تاریخ بغداد للخطیب، طبقات ابن سعد تذکرۃ الحفاظ للذھبی، المعارف لابن قتیبہ، تاریخ ابن کثیر، طبقات القراء للجزری، العبر للذھبی، شذرات الذھب، تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب وغیرہا علامہ سنبھلی حنفی، تنسیق النظام صفحہ ۷ میں لکھتے ہیں کہ وکان جده من کابل وقیل بابل وقیل من الانبار اس اختلاف کے باوجود آپ کو فارسی کہنا یقینی امر نہیں ہے، نیز جس روایت کی بناء پر آپ کو فارسی کہا گیا ہے وہ تاریخ بغداد صفحہ ۳۲۵ ج ۳۔ میں یوں مروی ہے:

انبأنا القاضی ابو عبدالله الحسین بن علی الضمیری انبأنا عمر بن ابرهیم ثنا مکرم بن خلیل بن احمد القاضی احمد بن عبدالله بن شاذان حدثنی ابی عن جدی سمعت اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفه ان نعمان بن ثابت بن المرزبان من ابناء

الفارس الاحرار . الخ اور یہ سند قطعاً قابل قبول نہیں۔

ثانیاً: ...... خود امام صاحب کا پوتا اسماعیل ضعیف ہے چنانچہ میزان صفحہ ۱۰۵ ج ا۔ اور تھذیب ج ا صفحہ ۲۹۰۔ میں حافظ ابن عدی اور امام صالح جزرہ سے اس کی تضعیف منقول ہے اور تقریب میں ہے "تکلموا فیه ا ہ"

ثالثاً: ...... اس سے نقل کرنے والا شاذان مشہور کذاب اور احادیث گھڑنے والا ہے، جیسا کہ میزان صفحہ ۲۲۲ ج ۳۔ میں ابو حاتم ، ابن عدی اور ابن حبان وغیرھم سے مذکور ہے اور لسان المیزان صفحہ ۱۷۱ ج ۶ میں دارقطنی سے منقول ہے کہ "یتهم بوضع الحدیث اھ" نیز اس کے نیچے ایسے رواۃ ہیں جن کا حال معلوم نہیں پس یہ روایت مردود ہے اسی بناء پر آپ کو فارسی کہنا صحیح نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۳۵: اگر چہ اہل فارس میں بہت سے علماء گذرے ہیں لیکن دین کی مکمل تدوین کرنے والے صرف امام ابو حنیفہ ہیں:

جواب: ...... یہ بھی غلط بات ہے امام صاحب کی کوئی ایسی کتاب ہے تو پیش کریں امام شافعی کی کتاب الام مشہور ہے کافی ضخیم کتاب ہے بہت سے مسائل کا اس میں بیان ہے۔ امام مالک کی مؤطا بھی معروف ہے اس میں بھی اکثر مسائل بیّن ہیں امام احمد نے تو حدیث کی ضخیم کتاب لکھی جو کہ ضخیم چھ جلدوں میں چھپی ہوئی ہے، لہٰذا ان کی تدوین کے لیے تو شہادت موجود ہے آفتاب آمد دلیل آفتاب لیکن امام ابو حنیفہ کی کون سی کتاب ہے جو انہوں نے تدوین کی اگر کہو گے کہ ان کے شاگرد کتابیں لکھ چکے ہیں تو بھی ان میں کافی اختلاف ہے پھر متاخرین کی فقہ کی کتابیں ہیں ان میں خود امام صاحب اور ان کے شاگردوں کا اختلاف مذکور ہے پھر خود امام صاحب سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں اور امام صاحب تک کسی کی سند موجود نہیں پھر یہ کہنا کہ امام صاحب نے دین کی تدوین کی ہے یہ بات قطعی نہیں اگر تسلیم کیا جائے تو بھی سب کی مدونہ کتب میں اختلاف موجود ہے تو یہ رسول اللہ ﷺ کے دین کی تدوین ہوئی یا تخریب ہوئی کیونکہ آپ ﷺ تو ایک دین چھوڑ گئے ہیں چار دین تو نہیں چھوڑ گئے۔

اعتراض نمبر ۳۶: رسول اللہ ﷺ نے "رجل واحد" کا لفظ استعمال فرمایا کبھی "رجال" جمع لفظ فرمایا جس سے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ آپ کے دین کی تدوین کرنے والا وہ رجل فارس اکیلا نہیں کر سکے گا بلکہ اپنے ساتھ ایک جماعت رجال کو شامل رکھے گا:

جواب: ...... **اولاً:** ...... پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ رجل واحد کہنا راوی کا شک ہے بغیر شک والی روایتوں میں جمع کا لفظ ہے۔

ثانیاً: ...... یہ بھی بیان ہوا کہ اس حدیث کے مصداق امام ابو حنیفہ نہیں بن سکتے۔

ثالثاً:...... اگر خواہ مخواہ آپ اپنے آپ کو اس روایت کا مصداق بنائیں گے تو پھر آپ کے کہنے کے مطابق امام صاحب میں یہ اہلیت نہیں تھی کہ اکیلا دین کی تدوین کر سکے لہٰذا دوسروں کو بھی ساتھ ملایا پھر یہ کہنا کہ امام صاحب نے ہی سب سے پہلے دین کی تدوین کی غلط ہوا پھر یہ حنفی مذہب نہیں پنچائتی مذہب ہوا آپ حنفی نہ کہلائیں کیونکہ بقول آپ کے امام صاحب اکیلے نے آپ کے دین کی تدوین نہیں کی اور نہ کر سکتے تھے پھر آپ کوفی یا عراقی کہلائیں۔

اعتراض نمبر ۳۷: دنیا میں صرف فقہ حنفی کی تدوین ہی اس طرز پر ہوئی ہے:

جواب:...... **اولاً:**...... حدیث میں لفظ ہے لنا له یالتناله جس کا معنیٰ ہے کہ دین کو حاصل کرنا نہ کہ کتابوں میں مدون کرنا یہ آپ دیدہ دانستہ حدیث کے مفہوم اور ترجمہ میں تحریف کر رہے ہیں۔

ثانیاً:...... اگر بقول آپ کے فقہ حنفی کی تدوین اسی طرز پر ہوئی تو وہ کب ہوئی اور امام صاحب کے ساتھ دوسرے کون شامل تھے؟ کس سن میں یہ تدوین ہوئی؟ اور اس کتاب کا کیا نام ہے؟ اور ایسی کتاب جو بقول آپ کے رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی اور قرآن کی آیت کے مصداق ہوئی ہے۔ وہ کیسے گم ہو سکتی ہے آپ کے حنفیوں نے جان کر گم کی ہے تو سمجھا جائے گا کہ موجودہ فقہ اس کے خلاف ہے۔ عجب تو یہ ہے کہ کیدانی، قہستانی، منیۃ المصلی، کنز، قدوری، نور الایضاح جیسی کتب تو محفوظ رہیں مگر امام صاحب کی تدوین کی ہوئی کتاب شیعوں کے بارھویں امام کی طرح غائب؟ اور اگر آپ کے حنفیوں نے گم نہیں کی اللہ کے حکم سے ہوئی تو پھر ماننا پڑے گا کہ وہ مدون فقہ اگر واقعی گم ہوئی ہے تو وہ شریعت نہیں اور اللہ کے ہاں منظور نہیں اور اس آیت اور حدیث کے مصداق نہیں ورنہ ہرگز گم نہ ہوتی، کیونکہ اللہ فرماتا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون اور اگر یہ آپ کی مفروضہ تدوین فقہ اس آیت اور حدیث کی مصداق ہوتی تو ضرور محفوظ رہتی یا تو یہ کہو کہ دین فقط قرآن وحدیث ہے جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے باقی اور کوئی چیز دین نہیں۔

ثالثاً:...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے لیے تو آپ نے قبول کیا ہے کہ وہ اکیلے فقہ کی تدوین نہیں کر سکتے تھے لیکن امام شافعی نے تو بغیر کسی کی مدد کے تنِ تنہا فقہ کی تدوین کی اور کتاب الام جیسی بڑی ضخیم کتاب تصنیف کی لہٰذا انھیں زیادہ اعلم کہو۔

اعتراض نمبر ۳۸: اور عقائد کی وہ بنیادی کتاب جو خیر الکلام "ما قل ودل" کا مصداق ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ میں آج تک عقائد کی جتنی کتب لکھی گئی ہیں ان کے لیے سنگ بنیاد کتاب "فقہ الاکبر" امام صاحب کی لکھی ہوئی ہے:

جواب:...... اس کتاب کی نسبت امام صاحب کی طرف یقینی نہیں ہے

اولاً:...... امام ابوحنیفہ سے اس کتاب کو روایت کرنے والا ابومطیع حکم بن عبداللہ البلخی ہے جیسا کہ الجواھر المضیہ فی طبقات الحنفیہ صفحہ ۲۷۰ ج ۲۔ لعبد القادر القرشی اور الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ صفحہ ۶۸ لعبد الحئ الکھنوی میں مذکور ہے اور یہ ابومطیع بلخی انتہائی درجہ کا مجروح ہے۔ چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۲۶۹ ج ۱ میں کہتے ہیں کہ "واہ فی ضبط الاثر" اور پھر ائمہ حدیث یحی بن معین، بخاری وغیرہم سے اس کا ضعیف ہونا نقل کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں قال احمد لا ینبغی ان یروی عنه شیئاً وقال ابو داؤد ترکوا حدیثه وکان جهمیاً وقال ابن عدی هو بین الضعف وقال ابن حبان کان من رؤساء المرجیه یبغض السُنن و متحلیها اھ. نیز امام ابوحاتم رازی فرماتے ہیں: کان مرجئا کذاباً وقال الساجی ترك لرأیه وقال الجوز جانی کان ممن یضع الحدیث ویبغض السنن وقال الخلیلی: کان خفاظ اهل العراق وبلخ لا یر ضونه وقد جزم الذهبی با نه وضع حدیثاً (کذا فی لسان المیزان صفحہ ۳۳۵۔۳۳۶ ج ۲) پس کذاب اور وضاع شخص کے فضل پر کوئی اعتبار نہیں جو رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے سے نہیں شرماتا اس نے اگر امام ابوحنیفہ پر کوئی رسالہ لکھ کر منسوب کیا تو کون سی بڑی بات ہے؟ خود علامہ علی قاری حنفی شرح فقہ الاکبر صفحہ ۱۴۰ میں لکھتے ہیں: ان ابا مطیع رجل وضاع عند اهل الحدیث کما صرح به غیر واحد. پھر علامہ لکھنوی نے بھی الفوائد البہیہ صفحہ ۶۸ میں ابوداؤد، احمد بن حنبل اور ابن حبان وغیرہم سے ان پر جرح نقل کرتے ہیں جس کو حنفی جانتے ہیں کہ احادیث گھڑنے والا تھا اس کے نقل پر اعتبار کرنا صحیح نہیں۔

ثانیاً:...... امام ذہبی العبر فی خبر من غبر صفحہ ۳۲۰ ج ۱۔ میں ابومطیع کا ترجمہ یوں نقل کرتے ہیں ابو مطیع الحکم بن عبدالله البلخی الفقیه صاحب ابی حنیفه وصاحب کتاب الفقه الاکبر اھ. اس عبارت سے بھی صاف ظاہر ہوا کہ یہ کتاب ابومطیع کی تصنیف ہے نہ کہ امام صاحب کی بلکہ حنفی مذہب کا مشہور عالم مؤرخ علامہ شبلی نعمانی اپنی مشہور کتاب سیرۃ النعمان صفحہ ۱۱۶ سے ۱۱۹ تک طبع لاہور میں تفصیل سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ کتاب امام صاحب کی تصنیف نہیں بلکہ ابومطیع بلخی کی تصنیف ہے اس پر انہوں نے کئی قرائن پیش کیے ہیں ہم ان کی عبارت قارئین کے علم کے اضافہ کرنے کے لیے ذکر کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

''فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی'' اعبد العلی بحر العلوم وشارحین فقہ الاکبر نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ہم مشکل سے اس پر یقین کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے اس وقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ بطور ایک متن کے اور اس اختصار اور ترتیب کے ساتھ لکھی گئی

ہے۔ جو متاخرین کا خاص انداز ہے ایک جگہ اس میں جو ہر وعرض کا لفظ آیا ہے حالانکہ یہ فلسفانہ انداز اس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے یہ شبہ منصور عباس کے زمانہ میں فلسفہ کی کتب یونانی سے عربی میں ترجمہ کی گئیں تھیں لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ ہے کسی طرح بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شایع ہو جائیں کہ عام تصنیفات میں ان کا رواج ہو جائے فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرہ میں اس وقت شمولیت اختیار کی ہے جب کثرت استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا جذو بن گئے اور عام بول چال میں بھی ان کے استعمال کے بغیر چارہ نہ رہا لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔

یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے (جہاں تک ہم کو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے امام ابو حنیفہ کے ہزاروں شاگرد تھے جن میں سے اکثر کے بجاء خود استاد تھے اور واسطہ بہ واسطہ ان کے ہزاروں لاکھوں شاگرد ہوئے نہایت خلاف قیاس کہ امام صاحب کی تصنیف موجود تھی اور اتنے بڑے گروہ میں اس کا نام تک نہیں لیا جاتا علم عقائد اور اس کے متعلقات پر جو بڑی بڑی کتابیں مثلاً صحائف، شرح مقاصد، شرح مواقف ملل ونحل وغیرہ تصنیف ہوئیں ان میں کہیں اس کا ذکر تک نہیں اس کتاب کی جس قدر نشر واشاعت آٹھویں صدی میں یا اس کے بعد ہوئی اس کے علاوہ ابو مطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث اور روایت میں مستند نہیں کتب رجال میں ان کی نسبت محدثین نے نہایت سخت جرح کی ہے ان کو کلی طور پر تسلیم نہیں کرتے تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو محدثانہ اصول کے مطابق تسلیم نہیں ہو سکتی۔ میرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور عقائد کے مسائل قلمبند کیے تھے رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گیا اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ذھبی نے عبر فی اخبار من غبر میں ابو مطیع کا جہاں ذکر کیا ہے ان لفظوں سے کیا ہے صاحب الفقہ الاکبر جس کے متبادر معنی یہی ہیں کہ خود ابو مطیع اس کے مصنف ہیں میرا یہ بھی خیال ہے کہ فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب وعبارت ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے اور یہ کچھ نئی بات نہیں جامع صغیر جو امام محمد کی تالیف ہے اس کی موجودہ ترتیب امام ابو طاہر دباس نے کی ہے جو چوتھی صدی میں تھے فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت ہی اصلی ہے صرف ترتیب بدل گئی ہے برخلاف اس کے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ ما بعد کا معلوم ہوتا ہے ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی

لکھ دیئے ہیں ناظرین کو ہم اپنی رائے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے اصلی واقعات اور تمہاری رائے دونوں ان کے سامنے ہیں وہ جو چاہیں خود فیصلہ کرلیں بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

اگر ہم بالفرض تسلیم کریں کہ کتاب فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف ہے تو بھی یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ عقائد میں یہ پہلی کتاب ہے اور عقائد کی کتب پر یہ سنگ بنیاد ہے کیونکہ امام صاحب سے پہلے لوگوں نے توحید پر کتب لکھی ہیں جیسا کہ امام جعفر صادق جو کہ امام ابو حنیفہ کے استاذ ہیں (تھذیب التھذیب صفحہ ۱۰۳ ج ۳) ان کی کتاب التوحید مشہور ہے جو ۱۳۲۹ھ میں چھپی ہے اس کے علاوہ توحید کا اساس یا اس کی اصل کتاب تو قرآن کریم ہے۔

اعتراض نمبر ۳۹: فن حدیث میں بھی سب سے پہلی کتاب فقہ کی ترتیب پر امام صاحب نے لکھی:

جواب :...... **اولاً**:...... وہ کتاب کہاں ہے اس کا نام کیا ہے یہ نرا جھوٹ ہے امام ابوحنیفہ کی کوئی کتاب حدیث پر نہیں ہے جو مسانید ابوحنیفہ کے نام سے مشہور ہیں وہ سب متاخرین کی لکھی ہوئی ہیں جن کی اسانید امام صاحب تک نہیں پہنچتی اور جو پہنچتی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ شیخ خوارزمی نے جو کتاب بنام جامع مسانید الامام اعظم لکھی ہے ان میں جن جن کتب کی روایات لائے ہیں ان کی اسانید امام صاحب تک صحیح نہیں پہنچتی کئی ایسی روایات ہیں جن میں وضاع اور کذاب راوی ہیں اور بہت سے مجہول ہیں تو اس کو تو امام صاحب کی کتاب نہیں کہا جاسکتا۔

ثانیاً :...... حدیث پر سب سے پہلے کتابیں لکھنے والے اس طرح مشہور ہیں۔ سب سے پہلے ہمام بن منبہ تابعی کی کتاب جو کہ الصحیفہ الصادقہ کے نام سے مشہور ہے جس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابی نے اس کو احادیث املاء کرائی تھیں جو کہ طبع ہو چکی ہے جسے خود ابو ہریرہؓ کی کتاب بھی کہا جاسکتا ہے پھر مجاہد تابعی کی تفسیر سے جو بھی طبع ہو چکی ہیں اور پھر امام ابو محمد الرامہرمزی نے "کتاب المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" صفحہ ۱۶۱ میں علم حدیث میں مصنفین کی ترتیب یوں ذکر کی ہے: اول من صنف وبوب فیھا اعلم الربیع بن صبیح بالبصرة ثم سعید ابن عروبة بھا وخالد بن جمیل الذی یقال لہ العبد ومعمر بن راشد بالیمن وابن جریج بمکة ثم سفیان الثوری بالکوفة وحماد بن سلمة بالبصرة وصنف سفیان بن عیینہ بمکة والولید بن مسلم بالشام وجریر بن عبدالحمید بالری وعبد اللہ بن المبارك بمرو وخراسان وھشیم بن بشیر بواسط وصنف فی ھٰذا العصر بالکوفة ابن ابی زائدة وابن فضیل ووکیع ثم صنف

عبدالرزاق باليمن وابو قرة موسىٰ بن طارق وتفرد بالكوفة ابو بكر بن ابى شيبة بتكثير الابواب وجودة الترتيب وحسن التأليف و سمعت من يذكر ان المصنفين ثلاثة فذكر ابا عبيد القاسم بن سلام وابن ابى شيبة وذكر عمرو بن حبر فى معناه فذكر على بن المدينى اصحاب التصنيف بعد ان قل نظرت فاذا الاسناد يدور علىٰ ستة فلا هل المدينة ابن شهاب وهو محمد بن مسلمة بن عبيد الله بن عبدا لله بن شهاب ويكنىٰ ابا بكر مات سنة اربع و عشرين وماة ولا هل مكة عمرو بن دينار مولىٰ بنى جمح و يكنىٰ ابا محمد مات سنة ست وعشرين ومائة ولا هل البصرة قتادة بن دعامة السدو سى وكنيته ابو الخطاب مات سنة سبع عشرة ومائة ويحىٰ بن ابى كثير ويكنىٰ ابا نصر مات سنة اثنتين وثلاثين ومائة باليمامة ولا هل الكوفة ابو اسحاق واسمه عمرو بن عبدالله بن محمد السبيعى مات سنة سبع وعشر ين ومائة وسليمان بن مهران الاعمش مولىٰ بنى كاهل من بنى اسد يكنىٰ ابا محمد مات سنة ثمان وار بعين ومائة وكان جميلا قال على ثم علم هٰؤلاءِ الستة الى اصحاب الاحناف فمن صنف فى اهل المدينة مالك بن انس بن ابى عامر الا صبحى وعدادة فى بنى تميم مات سنة تسع وسبعين ومائة و سمع من ابن شهاب ومحمد بن اسحاق بن يسار مولىٰ بنى محرمة يكنىٰ ابا بكر مات احدى وخمسين ومائة وسمع من ابن شهاب والاعمش ومن اهل مكة عبدالله بن عبدالعزيز بن جريج مولىٰ لقريش ويكنى ابا الوليد مات سنة احدى وخمسين ومائة وسفيان بن عيينة مولىٰ محمد بن مزاحم اخى الضحاك بن مزاحم الهلالى ويكنىٰ ابا محمد مات سنة ثمان وتسعين ومائة ولقى ابن شهاب وعمرو بن دينار و ابا اسحاق والاعمش ومن اهل البصرة سعيد بن ابى عروبة مولىٰ لبنى عدى ابن يشكر وهو سعيد بن مهران ويكنىٰ ابا النضر ومات سنة ثمان او تسع وخمسين ومائة وحماد بن سلمة احسبه مولد لبنى سليم ويكنىٰ ابا سلمة ومات سنة ست وثما نين ومائة وابو عوانة واسمه الوضاع مولىٰ يزيد بن عطاء مات منه خمس و سبعين مائة وشعبة بن الحجاج ابو بسطام مولىٰ الاشاقر مات سنة ستين ومائة ومعمر بن راشد ويكنىٰ ابا عروة مولىٰ لحدان ومات سنة ستين ومائة وسمع من الزهري ومن ابى اسحاق ومن اهل الكوفة

سفیان بن سعید الثوری ویکنی ابا عبداللہ ومات سنة احدی وستین و مائة ومن اهل الشام عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعی ویکنیٰ ابا عمرو مات سنة احدی وخمسین ومائة ومن اهل واسط هشیم بن بشیر مولیٰ بنی سلیم ویکنی ابا معاویة مات سنة ثلاث وثما نین ومائة قال علی ثم انتهیٰ علم هٰؤلاء الستة وعلم الاثنی عشرو مائة الیٰ ستة نفر الی یحی بن سعید القطان ویکنیٰ ابا سعید مولیٰ لبنی تمیم ومات سنة ثمان تسعین ومائة ویحیی بن زکریا بن ابی زائد ة ویکنیٰ ابا سعید مولیٰ مات سنة اثنتین وثما نین ومائة وعبداللہ بن المبارك وهو حنظلی مولیٰ لبنی حنظة ویکنیٰ ابا عبدالرحمن مات سنة احدیٰ وثما نین ومائة وعبدالرحمن بن مهدی الاسدی ویکنیٰ ابا سعید ومات سنة ثمان وثمانین ومائة یحیٰ بن آدم ویکنیٰ ابا زکر یاوهو مولیٰ خالد بن عبداللہ بن اسید بالظن من علی ومات سنة ثمان وثمانین ومائة اھ۔"

یہ ہیں حدیث کے ابتدائی مصنفین لیکن ان میں امام صاحب کا نام نہیں حتیٰ کہ کوفہ کے مصنفین میں بھی امام صاحب کا نام نہیں اوران میں ایسے لوگ بھی ہیں جوامام صاحب سے متقدم ہیں مثلاً یحیٰ بن ابی زائد جو امام صاحب سے ایک دو سال پہلے فوت ہوگئے (طبقات ابن سعد صفحہ ۲۴۷ ج ۶ تقریب وتھذیب) اور جن ائمہ کا ذکر امام علی بن مدینی نے کیا ہے وہ سب امام صاحب سے قدیم الوفاۃ ہیں بلکہ ان میں چار تو امام صاحب کے استاد ہیں (۱) ابن شھاب زہری (۲) عمرو بن دینار (۳) قتادہ بن دعامہ السدوسی (۴) ابو اسحاق السبیعی جیسا کہ خود علاء حسن سنبھلی الحنفی نے "تنسیق النظام فی مسند الامام" میں علی الترتیب صفحہ ۸۲۔ ۵۷۔ ۷۸۔ ۷۶۔ ذکر کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۴۰: امام صاحب کی کتاب کو سامنے رکھ کر امام مالکؒ نے مؤطا لکھی

جواب: ...... یہ تو بالکل سفید جھوٹ ہے بلکہ امام مالک تو امام ابوحنیفہ کا استاذ ہے جیسا کہ قاضی عیاض نے ترتیب المدارک صفحہ ۲۵۷ میں اور علامہ سیوطی نے تزیین الممالک فی مناقب للامام مالک صفحہ ۴۳ میں اور علامہ ابن فرحون نے الدیباج المذہب صفحہ ۳۰ میں وغیرھم سے ذکر کیا ہے اور خوارزمی نے جامع مسانید الامام الاعظم صفحہ ۴۴۰ ج ۱۔ اور صفحہ ۱۱۹ ج ۲۔ میں امام ابوحنیفہ کی امام مالک سے روایتیں نقل کی ہیں اور تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۹۵ ج ۱۔ طبع ثالث میں ہے: "روی سعید بن ابی مریم عن اشهب بن عبدالعزیز قال رأیت ابا حنفیة بین یدی مالك كالصبی بین یدی ابیه اھ" اور امام ابن ابی حاتم مقدمہ الجرح والتعدیل صفحہ ۴ میں فرماتے ہیں: حدثنا محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم قال سمعت

الشافعي يقول قال لي محمد بن الحسن ايهما اعلم صاحبنا ام صاحبكم يعني ابا حنيفه ومالك بن انس قلت على الانصاف ؟ قال نعم قلت فانشدك الله من اعلم بالقرآن صاحبنا ام صاحبكم قال صاحبكم يعني مالكا قلت فمن اعلم بالسنة صاحبناه او صاحبكم قال اللهم صاحبكم قلت فانشدك من اعلم با قاويل اصحاب رسول الله ﷺ قال صاحبكم قال الشافعي فقلت لم يبق الا القياس والقياس لا يكون الا على هٰذه الا شياء فمن لم يعرف الاصول فعلى اى شي يقيس؟ قال عبدالرحمن فقد قدم محمد بن الحسن مالك بن انس على ابى حنيفه واقر له بفضل العلم بالكتاب والسنة والآثار وقد شاهد هما روى عنهما .

اعتراض نمبر۴۱ : سیوطی کی کتاب تبییض الصحیۃ اور ان کے شاگرد ابن حجر ہیثمی کی کتاب الخیرات الحسان اور شاہ ولی اللہ کی کتاب ازالۃ الخفا کا حوالہ دیا ہے کہ امام صاحب اہل فارس والی روایت کے مصداق ہیں:

جواب:...... اس پر مفصل بحث گذر چکی ہے کہ جمع کے لفظ سے فرد واحد مراد نہیں ہوسکتا اور خود حدیث میں ان کی علامات بھی مذکور ہیں جو اہل حدیث پر صادق آتی ہیں، پھر صرف اقوال جمع کرنا کافی نہیں ہم نے حافظ ابن حجر کا قول نقل کیا ہے جو ان سب سے اقدم واعلم وافضل وافقہ ہے۔

اعتراض نمبر۴۲ : ۔ثریا کی حیثیت وہی ہے اس سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں ایک تو جس طرح ساری دنیا مل کر بھی ثریا ستارے پر خاک نہیں ڈال سکتی اسی طرح امام صاحب کے سارے حاسد مل کر بھی امام صاحب کے مسلک کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

جواب :اولاً:...... اگر ثریا پر علم جو ہے وہ امام صاحب کا ہی ہے تو پھر جو وہاں پہنچ سکتے ہیں وہ اس پر مٹی بھی ڈال سکتے ہیں، لیکن اگر حدیث رسول ﷺ مراد ہے تو اس پر خاک ڈالنا تو کیا اس قسم کا گمان کرنا بھی کفر ہے۔

ثانیاً:...... آپ صرف فقہ حنفی کو دیکھ کر یہ اڑان فرما رہے ہیں ورنہ چاروں فقہ دیکھیں پھر غور کریں کہ تین فقہ والوں نے آپ کی فقہ کی کس طرح دھجیاں اڑائی ہیں ابھی آپ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد امام محمد کا اس بات کا تسلیم کرنا پڑھ آئے ہیں کہ امام شافعی کے سامنے اس نے اعتراض کیا کہ قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کے علم میں امام مالک امام ابوحنیفہ سے زیادہ جاننے والے تھے۔

اعتراض نمبر ۴۳: امام شعرانی سے کشف کا واقعہ نقل کرتے ہیں:

جواب: اولاً:...... آپ کی یہ دلیل انتہاء ہوگئی ذالك مبلغهم من العلم کشف یا الہام خود احناف کے نزدیک حجت نہیں ہے حنفی عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفیہ صفحہ ۲۲ طبع اصح المطابع صفحہ ۱۷ طبع دیو بند میں ہے: "والالهام المفسر بالقاء معنىٰ في القلب بطريق الفيض ليس من اسباب المعرفة بصحة الشيء عند اهل الحق" اور علماء احناف کا مسلم بزرگ امام ربانی جسے مجدد الف ثانی کہتے ہیں وہ خود فرماتے ہیں کہ" ومقتداء معارف ایں صوفیہ کشف والهام است کہ خطارا بوے واہ راست در مصداق صحت کشف والهام مطابقت است باعلام اہل سنت اگر سر موئے مخالفت است از دائرہ صواب بیرون است" (مکتوبات امام ربانی صفحہ ۱۱۷ مکتوب صد ودو از دھم صفحہ ۱۱۲ دفتر اول حصہ دوم) نیز فرماتے ہیں الہام وکشف بر غیر صحبت نیست (مکتوبات صفحہ ۸۶ مکتوب سی ویکم دفتر اول حصہ اول) پس امام شعرانی کے اس واقعہ نقل کرنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوا؟

ثانیاً:...... پس اس سے قبل کئی کتب امام صاحب کے دور میں لکھی گئی ہیں مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک مضمون ہے کتاب الرد علىٰ ابى حنيفة یہ مضمون الگ بھی چھپا ہوا ہے قاسم بن محمد المروزی نے کتاب الرد على النعمان لکھی کتاب الثقات لابن حبان (صفحہ ۱۹۹ ج ۴ قلمی) اور امام حمیدی نے بھی کتاب الرد على النعمان تصنیف کی (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم صفحہ ۴۰ ج ۴ قلمی) نیز اس کتاب کا ذکر آپ کے علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی نے مقدمہ مسند حمیدی صفحہ ۸ میں کیا ہے بعد میں کئی لوگوں نے فقہ حنفی کے مسائل کی تردید کی ہے امام شافعی نے تو کتاب الام میں ایک خاص عنوان رکھا ہے کتاب الرد علیٰ محمد بن الحسن یہ سب حقیقتیں اس کشفی تخیل کو باطل کردیتی ہیں۔

ثالثاً:...... یہ ہاتفی آواز جس کا ذکر کیا ہے یہ بھی کوئی سند نہیں کیا خبر کہ مسلمان کی آواز تھی یا کسی شیطان کہ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ خود امام شعرانی ان باتوں کو معتبر نہیں سمجھتے ورنہ شافعیت کو چھوڑ کر حنفیت کو اختیار کرتے۔

رابعاً:...... یہ بات بھی اس کے لیے ہے جو امام صاحب کے ساتھ حسد کرنے والا ہو اہلحدیث ائمہ دین میں سے کسی سے حسد نہیں کرتے بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ المجتهد يخطئ ويصيب اور اس آپ کی شرح عقائد نسفیہ میں بھی لکھا ہوا ہے اور بموجب حکم حدیث جو بھی مجتہد جس مسئلہ میں مصیب ہے اس میں اس کے لیے دو اجر اور جس میں مخطی ہے اس میں بھی ایک اجر کی امید رکھتا ہے اور خطاً اس کی معاف سمجھتے ہیں لیکن خاص، وہ ہیں جو ائمہ حدیث کی شان گھٹاتے ہیں مثال کے طور پر کوئی شافعی یا حنبلی رفع الیدین کرے یا مالکی ہو کر اونچی آمین کہے، شافعی ہو کر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے تو ان سے آپ کو کوئی چڑ نہیں کیونکہ

آپ چاروں مذہبوں کو برحق مانتے ہو لیکن اگر یہی کام اہل حدیث کرے اور کہے کہ میں امام کی تقلید کی بناء پر یہ کام نہیں کرتا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کر رہا ہوں تو اس سے آپ کو چڑ کیوں۔ معلوم ہوا کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ سے حسد ہے اور واقعی ان سے حسد کرنے والوں کی مثال تو یہ ہوسکتی ہے جو پہاڑ سے سر ٹکرانے والے کی ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی قیادت منظور نہیں اور کسی امتی کی تابعداری میں بے شک آمین کہے، رفع الیدین کرے، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے تو اس سے آپ کو کوئی چڑ نہیں۔

نور نبوت سے فشاند حاسداں کو کنند

اہل باطل پیش جت ھر ساعتے خو خوکنند

اعتراض نمبر ۴۴: مجدد الف ثانی کی عبارت کا کلام نقل کرتے ہیں:

جواب :...... اولاً:...... امام ابوحنیفہ کو اللہ کے رسول عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کرنا غلو ہے اور نبی کے شان میں بے ادبی اور گستاخی ہے۔

ثانیاً:...... عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں آنا قرآن اور حدیث میں نص ہے اور امام ابوحنیفہ کا امت حنفیہ کے لیے امام ہونا نہ قرآن میں مذکور ہے نہ حدیث میں ہے ایک دوسرے پر قیاس چہ نسبت......

ثالثاً:...... عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی مخالف نہ رہے گا بلکہ اس کے نزول کے بعد سب ایمان لے آئیں گے اور عیسائیت ویہودیت ختم ہو جائے گی۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ (النسآء) اور امام ابوحنیفہ کی زندگی میں ان کے کئی مخالف ہیں اور بعد میں بھی مخالف رہتے آئے ہیں اس لئے یہ تمثیل غلط ہے۔

رابعاً:...... اگر اس کو تسلیم کیا جاتا جو ائمہ ان کے خلاف رہے ہیں مثلاً مالک، شافعی، احمد بن حنبل، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ امام بخاری، امام مسلم، نسائی وغیرہم کے متعلق کیا خیال ہے کیا ان کو سمجھ اور کم علم کہیں گے۔

خامساً:...... امام شافعی سے نقل کیا ہے "الفقهاء كلهم عيال على ابى حنيفه" یہ نقل امام شافعی سے ثابت نہیں یہ قول تاریخ بغداد میں صفحہ ۳۴۶ ج ۳۔ تین اسانید سے مذکور ہے پہلی سند میں ایک راوی بنام حمزہ بن علی بصری ہے اور دوسری میں ابراہیم بن محمد بن ابواحمد اسحاق البخاری اور اس کا استاد عباس بن عزیز ابوالفضل القطان اور یہ تینوں راوی نامعلوم ہیں اسماء رجال کی کتب میں کہیں بھی ان کا ترجمہ نہیں ملتا اس لئے یہ اسانید مجہول رواۃ کی وجہ سے بیکار ہیں اور تیسری سند میں راوی احمد صلت ہے جو مشہور جھوٹا ہے یہاں تک کہ امام ابن عدی فرماتے ہیں "ما رايت في الكذابين اقل حياء منه" انکا مفصل ترجمہ میزان

الاعتدال للذہبی اور لسان المیزان لابن حجر میں دیکھیں بلکہ مناقب ابی حنیفہ للموفق صفحہ ۱۳۱ ج ۲ دکن میں یہ قول امام شافعی سے اس طرح مروی ہے" الناس عیال علیه فی القیاس والا ستحسان" پس اگر اس روایت کو ثابت سمجھیں پھر بھی امام شافعی کا یہ کلام کسی تعریف یا مدح کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ یہ ایک قدح ہے کیونکہ امام شافعی استحسان کے سخت خلاف تھے اسے دین سازی کہا کرتے تھے۔

(شرح تحریر ابن ہمام صفحہ ۸۷ ج ۴ وحجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۴۷ ج ۱)

اعتراض نمبر ۴۵ : دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا مسلک حسد اور کینہ سے پاک ہے باقی جتنے فرقے ہیں سب کی بنیاد حسد اور کینہ پر ہے ..الخ:

جواب :اولاً:......حسد اس کے ساتھ ہوسکتا ہے جس کے پاس کوئی خاص نعمت ہو اور جو اس سے محروم ہو وہ اس کے ساتھ حسد کرتا ہے، اہل حدیث کے پاس سب سے بڑی نعمت یہ ہے یعنی قرآن وحدیث اس پر سب متفق ہیں ان جیسی کوئی دوسری نعمت نہیں نہ رائے نہ قول نہ کوئی دوسری کتاب ان کے برابر ہے، لہٰذا اہلحدیث کو کسی سے حسد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہاں ان کے ساتھ حسد کریں تو ممکن ہے۔

ثانیاً: ...... علامہ محمد ادریس کاندھلوی حنفی رسالہ اجتہاد وتقلید صفحہ ۴۸ پر لکھتا ہے اہل حدیث تو صحابہ تھے" پھر ان سے حسد مقلدین ہی کو ہوسکتا ہے نہ کہ اہل حدیث کا اور اہل بیت وہ ہیں جو وحی الٰہی کے مطابق عمل صالح کریں بصورت دیگر کیا کہلائیں گے جیسا کہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کو اہل بیت سے خارج کر دیا گیا جیسا کہ قرآن میں ہے پس جو صحیح اہل بیت ہیں ان کا مذہب صرف وحی الٰہی ہوسکتا ہے اور ان صحیح اہل بیت سے حسد مقلدین ہی کو ہوسکتا ہے کیونکہ اقوال وآراء سے ہٹ کر خالص وحی الٰہی کو اہل حدیث ہی ماخذ مانتے ہیں اور اسی بات سے ان کو چڑ ہے ایضاً جو اولیاء اللہ ہیں وہ کسی کے مقلد نہیں ہوسکتے ہیں چنانچہ علامہ شعرانی المیزان الکبریٰ صفحہ ۲۴ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں: ان الولی الکامل لا یکون مقلداً وانما یا خذ علمه من العین التی اخذ منها المجتهدون مذا هبهم اھ. اور نیز فرماتے ہیں: وقد قلت مرة لسیدی علیّ الخواص رضی الله تعالیٰ عنه کیف صح تقلید سیدی عبد القادر الجیلی للامام احمد بن حنبل وسیدی محمد الحنفی الشاذ لی للامام ابی حنیفة مع اشتهارهما بالقطبیه الکبریٰ وصاحب هٰذا المقام لا یکون مقلداً الا للشارع وحده فقال رضی اللہ عنہ قد یکون ذالك منهما قبل بلو غهما الی مقام الکمال ثم لما بلغا الیه استصحب الناس ذالك اللقب فی حقهما مع خروجهما عن التقلید (المیزان الکبریٰ صفحہ ۲۴ ج ۱) ثابت ہوا کہ کوئی ولی کامل مقلد نہیں ہوسکتا، پس وہ تو سب اہل حدیث ہوئے پس ان سے مقلد

ین کا حسد ہونا ہی ممکن ہے باقی علماء امت ان کی دو قسم ہیں ایک قسم اہل حدیث ان سے تو مقلدین ہی کا حسد ہو سکتا ہے دوسری قسم جو اپنے آپ کو مقلد کہلاتے ہیں ان سے اہل حدیثوں کو حسد کرنا تو ممکن نہیں کیونکہ ان کے پاس اہل حدیثوں سے زیادہ کوئی نعمت نہیں بلکہ ان کے برابر بھی نہیں باقی مقلدین آپس میں حسد کریں تو بعید نہیں اور کرتے بھی ہیں جیسا کہ مذاہب مروّجہ کی فقہ کے مطالعہ کرنے والے سے مخفی نہیں آپ نے بھی اگر مطالعہ کیا ہوگا تو دیکھ لیا ہوگا کہ کس طرح ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں اور کس طرح ایک دوسرے کی غلطیاں نکالتے ہیں اور کس طرح اپنے امام کو بڑھاتے اور دوسروں کو گھٹاتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۴۶: غیر مقلدین نے اہل حدیث کے خوشنما لفظ سے عوام کو بہت دھوکہ میں ڈال رکھا ہے:

جواب: اولاً: ...... یہ جب ہو کہ زبان سے تو اہل حدیث قرآن و حدیث والے کہلائیں اور عمل دوسری چیز پر کریں یا کسی اور چیز کی طرف دعوت دیں، حالانکہ ایسا نہیں ان کا ماخذ صرف قرآن و حدیث ہے صرف ان دو ہی کو حجت مانتے ہیں اور ان پر عمل ضروری جانتے ہیں نہ کہ دوسری کتاب پر عمل کو ضروری جانتے ہی نہیں۔

ثانیاً: ...... ایک طرف تو اہل السنہ والجماعہ کہلاتے ہیں اور دوسری طرف یہ مانتے ہیں کہ سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور الجماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے، لیکن اس کے باوجود فتویٰ حدیث (جس سے سنت ثابت ہو) کے بجائے فقہ سے دیتے ہیں اور ماخذ اسی کو جانتے ہیں اور صحابہ کے شان میں گستاخی بھی کرتے ہیں مثلاً تلویح صفحہ ۶ ج ۲ میں ہے "فیهم عدول وغیر عدول" اور شرح فقہ الاکبر صفحہ ۸۲ طبع ہند میں ملا علی قاری لکھتا ہے: "ثم كان معاوية مخطئاً الا انه ـ فعل ما فعل عن تاويل فلم يضر به فاسقاً واختلف اهل السنة والسنة فى تسمية واعيا فمنهم من امتنع من ذالك والصحيح من اطلق." (شرح الفقه الاكبر صفحہ ۸۲) للملا علی قاری اور حسامی صفحہ ۴۴ مطبع یوسفی میں ہے: "دون الفقه مثل ابى هريرة وانس بن مالك وهٰكذا فى نور الانوار." صفحہ ۱۹۹۔ اور شامی صفحہ ۳۷ ج ۱ طبع مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر میں ہے: "واما سلمان الفارسى فهو وان كان افضل من ابى حنيفة من حيث الصحبة فلم يكن فى العلم والاجتهاد ونشر الدين وتد وين احكامه كابى حنيفة شرح الفقه الاكبر لملا على قارى." صفحہ ۸۶۔ ۸۷ میں ہے: "سب الشيخين ليس بكفر" نیز صفحہ ۸۷ میں هے الامر بقتل الحسين لا يوجب الكفر" اور فتاویٰ عالمگیری میں صفحہ ۲۶۴ "كتاب السير الباب التاسع" میں ہے: ولو قال عمرو عثمان وعلى رضی اللہ عنہم لم يكونوا اصحاباً لا يكفى نيز اسی جگہ ہے ولو قذف

عائشہؓ بالزنا کفر باللہ ولو قذف سائر نسوۃ النبی ﷺ لا یکفر اور حسامی صفحہ ۶۹ طبع اصح المطابع میں ہے وان کان الراوی مجهولاً لا یعرف الا بحدیث رواہ او بحدیثین مثل وابصة بن معبد ومسلمة بن المحبق اور توضیح علا ہامش التلویح صفحہ ۶ ج ۲۔ میں ہے "واما المجهول...... کحدیث فاطمة بنت قیس." پس جب آپ کے نزدیک صحابہ کی یہ شان ہے تو پھر آپ والجماعت میں کیسے شامل ہوئے؟ آپ ہی نے بظاہر خوش نما نام اپنے لیے مشہور کر کے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔

اعتراض ۴۷: لفظ اہل قرآن اور لفظ اہل حدیث انگریز سے اس ملک میں آیا:

جواب:...... یہ بالکل جھوٹ ہے انگریزوں کا وجود ہی نہیں تھا اور اس سے پہلے یہ لفظ موجود تھا اہل حدیث قدیم جماعت ہے۔ امام شعبی تابعی فرماتے ہیں لو استقبلت من امری ما استدبرت ما حدثت الا بما اجمع علیه اهل الحدیث (تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۸۳ ج ۱) اور امام احمد بن حنبل فرما رہے ہیں اهل الحدیث افضل من تکلم فی العلم (شرف اصحاب الحدیث للخطیب صفحہ ۴۸) امام عبداللہ بن مبارک فرما رہے ہیں: الدین لاهل الحدیث والکلام والحیل لاهل الرأی والکذب للرافضة (المنتقی من منهاج الاعتدال للذهبی صفحہ ۴۸۰) اس طرح امام ابوعثمان الصابونی المتوفی صفحہ ۴۴۹ نے اہل حدیث کے عقائد پر مستقل کتاب لکھی ہے جو کہ بنام عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث معروف ہے اور ابھی کاندھلوی صاحب کا قول گذرا کہ سب صحابہ اہل حدیث تھے اور ملا علی قاری حنفی نے شرح شرح النخبۃ صفحہ ۹ طبع استنبول میں اہل حدیث کا ذکر کیا ہے ثابت ہوا کہ یہ قدیم جماعت ہے بلکہ دیوبندی جماعت کا وجود اور یہ لقب انگریزوں کے دور میں ہوا کوئی ایسی کتاب دکھائیں جو کہ انگریزی دور سے پہلے کی تصنیف ہو اور اس میں دیوبندی مذہب کا ذکر ہو ایسا ثبوت قطعاً نہیں مل سکتا۔

اعتراض نمبر ۴۸: اہل السنۃ والجماعۃ علمی طبقوں کا نام تھا:

جواب:...... اہل السنۃ تو اہل حدیث ہی ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی جو بھی سنت قولی خواہ فعلی یا تقریری حدیث کی کتب میں صحیح سند سے ملتی ہے اس کو اپنا ماخذ اور حجت جانتے ہیں اور خود آپ کے حنفیوں کو بھی اعتراف ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ اہل حدیث ہیں۔ علامہ عبدالعزیز پرھیاری حنفی نبراس شرح شرح العقائد صفحہ ۳۲ طبع لاہور میں لکھتا ہے: "فسموا باهل السنة والجماعة ای اهل الحدیث" بلکہ سلف میں سنی کی پہچان یہ تھی کہ وہ اہل حدیث کے ساتھ محبت کرتا ہے اور بدعتی کی علامت یہ تھی کہ اہل حدیث کے ساتھ بغض رکھتا ہے، چنانچہ امام احمد بن سنان القطان کہتے ہیں لیس فی الدنیا مبتدع الا وهو

یبغض اھل الحدیث (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم صفحہ۴ عقیدۃ السلف للصابونی صفحہ۷۴) اور شیخ عبدالقادر جیلانی غنیۃ الطالبین صفحہ ۸۰ ج ۱ میں بدعتی کی یہی علامت بتلاتے ہیں۔

اعتراض نمبر۴۹: غیر مقلدین ہماری پرانی کتابوں سے یہ الفاظ تلاش کر لیتے ہیں کہ ہم فلاں دور میں تھے یہ ایک دھوکہ ہے:

جواب:...... جب کتابوں میں ذکر موجود ہے اور اہل حدیث کا نام شایع وذایع ہے تو پھر ان کو نئی جماعت کہنا یا اس لقب کو انگریزوں کا نکالا ہوا کہنا صریح بہتان ہے کہ خود اپنی بات کو کمزور کر رہے ہو، دھوکہ تو یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز مذکور ہو پھر اس کو چھپا کر کہا جائے کہ یہ نئی چیز ہے۔

اعتراض نمبر۵۰: جس طرح قرآن پاک میں دو جگہ لفظ ربوہ موجود ہے:

جواب:...... پہلی آیت سورہ بقرہ میں ہے ﴿كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ﴾ (البقرۃ: ۲۶۵) یہ کوئی خاص جگہ کا نام نہیں ہے ایک عام مثال ہے لہٰذا اس سے خاص جگہ مراد لینا یہ قادیانیوں کی تحریف ہے۔ دوسری آیت سورۃ مؤمنون میں ہے ﴿وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾ (المومنون: ۵۰) یہ بھی ایک جگہ پہلے موجود تھی اور پھر دوسری جگہ اس نام سے بنا کر اس پر آیت چسپاں کرنا یہ قادیانیوں کی قرآن پر جرات ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کا عقیدہ اور ہے اور غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکاروں کا عقیدہ اور ہے اور اہل حدیث کا عقیدہ شروع سے اب تک ایک ہی چلا آرہا ہے لہٰذا یہ تمثیل غلط ہے ایضاً قادیانیوں کا یہ ربوہ تو ابھی تازہ بنا ہے کئی لاکھوں افراد اب بھی موجود ہیں جس کے سامنے یہ شہر وجود میں آیا پہلے کس کے ذہن میں نہیں تھا لیکن اہل حدیث جماعت شروع سے چلی آرہی ہے۔

اعتراض نمبر۵۱: حدیث اور سنت میں سب سے پہلا فرق یہ ہے کہ بہت سے حدیثیں جھوٹی ہوتی ہیں سنت ایک بھی جھوٹی نہیں ہے:

جواب:...... یہ فرق غلط ہے بلکہ سنت کا صحیح اور جھوٹا ہونا حدیث کے صحیح اور جھوٹے ہونے پر موتوف ہے کیونکہ سنت رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہی سے ثابت ہوتی ہے پس اگر وہ صحیح ہوگی تو سنت بھی صحیح اور ثابت مانی جائے گی اور اگر روایت جھوٹی ہوگی تو سنت بھی جھوٹی اور نا ثابت ہوگی لہٰذا یہ فرق کرنا محض ایک ڈھونگ ہے کیونکہ سنت کے ثابت ہونے کا طریقہ قرآن وحدیث کے سوا کوئی نہیں۔

اعتراض نمبر۵۲: غیر مقلدین دن رات عوام کو یہ دھوکہ دیتے رہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آخر عمر تک رفع الیدین کرتے رہے لیکن یہ حدیث جھوٹی اور بناوٹی ہے:

جواب:...... کسی نے اس کو جھوٹا نہیں کہا حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں اور آپ کے حنفی بھائی زیلعی

نصب الرایہ میں اس حدیث کو لائے ہیں مگر نہ خود جھوٹا کہتے ہیں نہ کسی محدث سے ایسا نقل کرتے ہیں بلکہ زیلعی نے نصب الرایہ صفحہ ۴۰۹ ج ا۔ میں امام ابن دقیق العید سے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کے مدعین کو اس حدیث سے ردّ کرتے ہیں قال الشيخ فى الامام ويزيل هٰذا التو هم ما رواه البيهقى . الخ اسی طرح حافظ ابن حجر الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ (صفحہ ۱۵۳ ج ا) طبع مصر میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں" قال البيهقى هٰذه تدل على خطأ الرواية التى جاء ت فى المقدمة الخ اور حافظ ابن ملقن البدر المنير (مخطوطه) تحت الحديث السابع من باب صفة الصلوٰة" اس حدیث کو استدلالاً ذکر کرتے ہیں، پس امام بیہقی پھر ابن ملقن، ابن دقیق العید، زیلعی حنفی اور حافظ ابن حجر یہ سب اسی حدیث کو استدلالاً ذکر کرتے ہیں اگر جھوٹی ہوتی تو سب اس طرح ذکر نہ کرتے بلکہ آپ کے لکھنوی صاحب التعلیق المجد علی مؤطا الامام محمد صفحہ ۷۳ طبع ہند میں بھی اس کو ذکر کرتے ہیں اور کوئی اس پر جرح نہیں کرتے باقی جن راویوں پر آپ نے کلام کیا ہے اس کا جواب آتا ہے۔

اعتراض نمبر ۵۳: اس کی سند کا پہلا راوی ابوعبداللہ ہے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے رافضی خبیث:

جواب :...... یہ غلط ہے امام ذہبی اس بات کا انکار کرتے ہیں دیکھو میزان الاعتدال صفحہ ۸۵ ج ۳ بلکہ وہ تو مشہور محدث حاکم صاحب المستدرک ہے حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۰۳۹ ج ۳۔ میں فرماتے ہیں الحافظ الکبیر امام المحدثین بلکہ علماء احناف خواہ غیر احناف سب کی کتابیں ان کی کتاب المستدرک کی روایات سے بھری ہوئی ہیں۔

اعتراض نمبر ۵۴: دوسرا راوی محمد بن جعفر بن نصیر ہے اس کا ثقہ ہونا کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے:

جواب:...... امام ابومحمد خواص جعفر بن محمد بن نصیر الخلدی ہے اور یہی عبدالرحمٰن قریش کا شاگرد اور ان سے راوی ہے۔ دیکھئے تاریخ بغداد صفحہ ۲۲۴ ج ۱۰۔ اور اس جعفر کا ترجمہ العبر للذہبی صفحہ ۲۷۹ ج ۲۔ اور شذرات الذہب صفحہ ۳۷۳ ج ۲۔ تاریخ بغداد صفحہ ۲۲۶ ج ۳ تا صفحہ ۲۳۱ ج ۳۔ میں مذکور ہے اور تاریخ بغداد میں ہے کہ وكان يسافر الكثير و لقى المشائخ الكبراء من المحدثين والصوفية ثم عاد الى بغداد فاستوطنهاور وىٰ بها علماً كثيراً وكان ثقة صادقا دينا فاضلاً پس یہ اعتراض بھی مردود ہے۔

اعتراض نمبر ۵۵: تیسرا راوی عبدالرحمٰن بن قریش ہے محدث سلیمانی فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹی حدیثوں کے بنانے میں متہم ہے:

جواب:...... میزان میں اس طرح منقول نہیں بلکہ یہ ہے کہ "اتهم السليمانى بوضع الحديث"

یعنی سلیمانی نے خود تہمت لگائی ہے نہ کہ یہ اس نے کہا ہے کہ متہم ہے اور مجرد تہمت سے جرح ثابت نہیں ہوتی بلکہ تاریخ بغداد صفحہ ۲۷۳ ج ۱۰۔ میں ہے فی حدیثہ غرائب وافراد ولم اسمع فیہ الا خیراً.
ثابت ہوا کہ ائمہ جرح وتعدیل سے ان کے متعلق اچھی باتیں یعنی تعدیل ہی منقول ہے نہ کہ جرح لہٰذا بغیر ثبوت تہمت قابل قبول نہیں بلکہ میزان الاعتدال صفحہ ۱۱۶ ج ۳۔ اور لسان المیزان صفحہ ۴۴۳ ج ۳۔ میں اسی محدث سلیمانی سے منقول ہے کہ اس نے امام ابوحنیفہ کو شیعہ میں شمار کیا ہے تو کیا پھر اس کی یہ بات بھی قبول کریں گے۔ ایضاً عبدالرحمٰن بن قریش کی حدیث صحیح ابن حبان صفحہ ۳۱۷ ج ۲۔ ترتیب علاؤ الدین الفارسی میں موجود ہے نیز موارد الظمان الی زوائد ابن حبان الہیثمی صفحہ ۷۸ میں بھی یہ حدیث موجود ہے ثابت ہوا کہ یہ راوی امام ابن حبان کے نزدیک ثقہ اور قابل حجت ہے جب ہی تو اس کی حدیث کو اپنی صحیح میں داخل کیا ہے خود امام ابن حبان فرماتے ہیں: واما شرطنا فی نقل اودعناہ کتابنا ھٰذا من السنن فاذ لم نحتج فیہ الا بحدیث اجتمع فی کل شیخ من رواتہ خمسۃ اشیاء ۔ الاول العدالۃ فی الدین بالستر الجمیل والثانی الصدوق فی الحدیث بالشھرۃ فیہ والثالث العقل بما یحدث من الحدیث والرابع العلم یحیل من معانی ما یروی والخامس المتعدی خبرہ عن التدلیس فکل من اجتمع فیہ ھٰذہ الخصال الخمس احتججنا بحدیثہ وبیننا الکتاب علیٰ روایتہ وکل من تعری عن خصلۃ من ھٰذہ الخصال الخمسۃ لم نحتج بہ اھ (صحیح ابن حبان صفحہ ۸۱ ج ۱ بترتیب الفارسی) ثابت ہوا کہ امام ابن حبان نے عبدالرحمٰن بن قریش کے اندر یہ پانچ صفات جو کہ تعدیل کی موجب ہیں وہ پائی ہیں تبھی تو ان کی روایت اپنی صحیح میں لائے ہیں یہ صریح دلیل ہے کہ اس کی تعدیل ثابت ہے اس لئے مجرد تہمت دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراض نمبر ۵۶: سند کا چوتھا راوی عبداللہ بن احمد ہے جس کا پتہ بھی اسماء الرجال کی کتب میں کہیں نہیں پانچواں راوی حسن بن عبداللہ ابن حمدان ہے اس کے بارے میں بھی علماء محدثین کی کوئی رائے نہیں ہے:

جواب :......آپ کو نہ معلوم ہونا کوئی دلیل نہیں اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر صفحہ ۲۱۸ ج ۱۔ میں ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور جس حدیث پر حافظ التلخیص الحبیر سکوت فرمائیں وہ احناف کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔ علامہ ظفر احمد عثمانی انھاء السکن صفحہ ۲۴ میں لکھتا ہے وکذا سکوت الحافظ عن حدیث فی التلخیص الحبیر دلیل علیٰ صحۃ او الحسن اور یہ کتاب انھاء السکن آپ کے حکیم الامۃ مولوی اشرف علی تھانوی کی زیر نگرانی تصنیف ہوئی تھی پس ثابت ہوا کہ اس سند میں کوئی راوی

مجہول نہیں اور نہ مجروح ہے۔

اعتراض نمبر ۵۷: چھٹا راوی عصمہ بن محمد الانصاری ہے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ کذاب یضع الحدیث . . الخ.

جواب:...... اس نام سے دو راوی ہیں ایک جس کا آپ نے ذکر کیا ہے دوسرا راوی بھی اسی نام سے ہے جو ثقہ ہے، چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات صفحہ ۱۸۹ ج ۴ قلمی میں ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی جرح نہیں یعنی سند کا راوی ہے اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ائمہ حدیث قدیماً وحدیثاً اس حدیث کو استدلالاً ذکر کرتے چلے آئے ہیں جن میں آپ کے مشہور حنفی عالم زیلعی صاحب بھی ہے اس طرح لکھنوی صاحب موطا محمد کے حاشیہ صفحہ ۸۳ میں بھی اس حدیث سے مجاہد والی روایت (جس سے رفع الیدین کا نسخ ثابت کرتے ہیں) کو رد کرنے کے لیے ذکر کرتے ہیں پس اگر اس حدیث کی سند میں عصمہ بن محمد وہ ہوتا جو مجروح ہے تو پھر ہرگز علماء اس پر سکوت نہ فرماتے بلکہ ضرور اس پر کلام کرتے خاص طور پر علماء احناف اور خود علامہ محمود الحسن دیوبندی جو کہ شیخ الہند کے لقب سے مشہور ہے کتاب احسن القریٰ میں لکھتے ہیں: وان سکتوا عن الرد بعد ما بلغهم رواية الحديث فهو مقبول ايضاً لان السكوت فی موضع الحاجة لا يحل الا علىٰ وجه الرضا بالمسموع والمرئی فكان سكوتهم عن الرد دليل التقرير اذ لم يكن كذالك لتصرفت نسبة التقصير اليهم وانهم لم يتنبهوا بذالك انتهىٰ.

اعتراض نمبر ۵۸: اس جھوٹی حدیث کو صحیح بنانے کے لیے غیر مقلدین نے وہ حرکتیں کی ہیں جو غلام احمد قادیانی اور سوامی دیانند یادری، کی کتابوں میں بھی ایسی جھوٹی حرکتیں نہیں ملتیں:

جواب:...... ایک حقیقت کو جھوٹ کہنا ان ہی تینوں کی سنت ہے پہلے جھوٹا اپنے زیلعی کو کہو جس نے اس پر کلام نہیں کیا، پھر اپنے لکھنوی پر اور اہل حدیث بحمد اللہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہر حکم کی اتباع اپنے اوپر لازم جانتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵۹: حدیث بعض اوقات ایک دقیق واقعہ ہوسکتی ہے لیکن سنت آپ کے دائمی عمل کو کہتے ہیں ہوسکتا ہے اس دور میں جو شخص اپنے آپ کو اہل حدیث کہتا ہے وہ اہل سنت کو چھوڑ کر ایسے عارضی واقعہ کے پیچھے لگا ہوا ہو:

جواب: اولاً:...... ہوسکتا ہے یہ ایک ظن ہے اور گمان ہے ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا﴾ (یونس:۳۶، النجم) صرف گمان پر اپنی بات کو نہیں رکھا جاسکتا۔

ثانیاً:...... پہلے ثابت ہوچکا ہے کہ اہل حدیث ہی اہل سنت ہیں اور یہ بھی آپ کے حنفی بھائی کاندھلوی

صاحب سے نقل کیا گیا ہے کہ صحابہ سب اہل حدیث تھے نیز فرماتے ہیں کہ صحابہ میں اگر چہ یہ مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی حنبلی نہ تھے (رسالہ اجتہاد وتقلید مصنفہ کاندھلوی صفحہ ۱۰۱) ثابت ہوا اصل میں اہلحدیث اہل سنت موجود ہیں۔

ثالثاً :...... اہل حدیث سب صحیح احادیث پر عمل کے قائل ہیں جس چیز پر حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا دوام ثابت ہے اس پر دوام کرتے ہیں اور جو آپ نے کبھی کسی وقت کیا ہے اس پر اس طرح عمل کے قائل ہیں اور جو کام آپ نے کسی وجہ کی بنا پر کیا ہے اسی وجہ سے وہ کام کرنے کے قائل ہیں اور جو کام آپ سے ثابت نہیں اور اس کا ترک ثابت ہے اس کے ترک کے قائل ہیں یہ تھے سنت پر عمل کرنے کے طریقے نہ کہ آپ کی طرح جو بات اپنے مذہب کے خلاف ہو اس کے لیے کوئی نہ کوئی عذر پیش کرتے ہو۔ وھو الرابع

خامساً :...... آپ کی عادت مثلاً آپ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین ہمیشہ کرتے ہو اور اسے دائمی سنت مانتے ہو جیسا کہ آپ کی ہدایہ صفحہ ۱۰۰ ج ۱۔ میں ہے ویرفع یدیه مع التکبیر وھو سنة لان النبی ﷺ واظب علیه اور اب آپ بتائیں کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ تکبیر اولیٰ کے وقت ہمیشہ رفع الیدین کیا کرتے تھے اس کو صحیح اور صریح حدیث سے ثابت کریں اور حدیث "فما زالت تلك صلوٰته حتیٰ لقی الله" نہ پیش کریں کیونکہ اسے موضوع اور بناوٹی کہہ چکے ہیں بلکہ آپ امام زیلعی حنفی نصب الرایہ صفحہ ۳۰۸ ج ۱۔ اپنی ہدایہ کی احادیث کی تخریج میں یوں فرماتے ہیں: "قلت ھٰذا معروف فی احادیث صفة صلوٰته علیه السلام منها حدیث ابن عمر اخرجه الائمة السته فی کتبهم عن سالم عن ابیه عبدالله بن عمر قال رایت رسول الله ﷺ اذا استفتح الصلوٰة رفع یدیه حتیٰ یحاذی بهما منکبیه واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسه من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین." اب انصاف کریں اس میں مواظبت (ہمیشگی) کا لفظ صریح ہے؟ اگر نہیں ہے تو مواظبت کیسے سمجھی گئی؟ اور اگر مواظبت اس روایت سے نکلی ہے تو پھر رفع الیدین رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کو دائمی اور مواظبت والا رفع الیدین کیوں نہیں کہتے ہو۔ وھو السادس.

اعتراض نمبر ۶۰ : مثلاً بیٹھ کر پیشاب فرمانا آپ کی مستقل عادت تھی اور کھڑا ہو کر پیشاب کرنا صحیح بخاری سے ثابت ہے اس طرح یہ آپ کی مستقل عادت مبارکہ بھی تھی کہ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف نہ چہرہ فرماتے نہ پیٹھ۔

جواب :...... ان دونوں مسائل میں اہل حدیث کا وہی قول وعمل ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے یعنی عام طور پر جو آپ ﷺ کا اکثر عمل تھا اس پر عمل اور اس کے قائل ہیں اور جو اجازت وگنجائش کی روایتیں ان کو بوقت

ضرورت اتفاقیہ عمل میں لانے کے قائل ہیں جیسا کہ احادیث کا تقاضہ ہے پس اعتراض بے کار ہے۔

اعتراض نمبر۶۱: امام صاحب "نعمان بن ثابت بن قیس بن مرزبان الی قولہ امام ابوحنیفہ کے پوتے امام اسماعیل بن حماد فرمایا کرتے تھے ...الخ:

جواب:...... یہ ساری عبارت جس روایت کی بنا پر ہے وہ تاریخ بغداد صفحہ۲۵۱ج۱۳ میں یوں مذکور ہے:

اخبرنا القاضی ابو عبد الله الحسين بن علی الحميری اخبرنا عمر بن ابراهيم المقری حدثنا مكرم بن احمد بن عبيد الله بن شاذان المروزی قال حدثنی ابی عن جدی قال سمعت اسماعيل بن حماد بن ابی حنيفه يقول انا اسماعيل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن النعمان بن المرزبان من ابناء فارس ......

اولاً:...... اس سند پر سخت کلام ہے اولاً خود امام صاحب کا پوتا اسماعیل بن حماد ثقہ نہیں ہے، چنانچہ میزان الاعتدال صفحہ ۱۰۹ج۱۔ اور تہذیب صفحہ ۲۹۰ج۱۔ میں حافظ ابن عدی اور امام صالح جزرہ سے اس کی تضعیف منقول ہے اور تقریب التہذیب میں ہے کہ تكلموا فيه.

ثانیاً:...... اس کا شاگرد شاذان جس کا نام النضر بن مسلمہ ہے وہ مشہور کذاب اور احادیث کا گھڑنے والا تھا جیسا کہ میزان صفحہ۲۲۲ج۳۔ میں ابو حاتم ابن عدی اور ابن حبان وغیرہم سے مذکور ہے اور لسان المیزان صفحہ۱۶۱ج۴۔ میں امام دارقطنی کا اس کے متعلق قول ہے کہ كان يتهم بوضع الحديث.

ثالثاً:...... اس کے علاوہ اور راوی ہیں جن کا حال معلوم نہیں ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے اس لئے تقریب خواہ تہذیب میں امام صاحب کا فارسی الاصل ہونا مجہول قول سے نقل کیا گیا ہے، یعنی یقال فارسی وقیل فارسی لہٰذا آپ نے جو بات اس روایت کی بنا پر کہی ہے وہ بھی غلط ہے۔

اعتراض نمبر۶۲: حضرت عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا دادا حضرت قیس بن مرزبان بیت المقدس تشریف لے گئے... الخ

جواب:...... یہ قصہ مسعود بن شیبہ سندھی نے مقدمہ کتاب التعلیم صفحہ۱۷۷ میں ذکر کیا ہے مگر نہ سند ہے اور نہ ہی کتاب کا حوالہ خود مصنف ساتویں آٹھویں صدی کا ہے درمیان میں کافی عرصہ گذرا ہے کئی واسطے ہیں جن کا حال معلوم نہیں ہے لہٰذا یہ نقل قابل قبول نہیں بلکہ خود مصنف قابل اعتبار آدمی نہیں ہے لسان المیزان صفحہ۲۶ج۶۔ میں ہے مجہول لا يعرف عمن اخذ العلم ولا من ولا من اخذ عنه له مختصر سماه التعليم كذب فيه على مالك وعلى الشافعی كذبا قبيحاً الخ. بعض علماء احناف کی کتب میں اس کا ترجمہ مذکور ہے مثلاً الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ عبد القادر القرشی صفحہ۱۶۹ج۲۔ وتاج

التراجم للشیخ قاسم بن قطلو بغا صفحہ ۷۷۔ مگر کسی نے اس کی توثیق اور اس کے کسی شاگرد کا ذکر نہیں کیا اس طرح نزہتہ الخواطر صفحہ ۱۵۸ ج ۲ میں بھی مذکور ہے لیکن نہ توثیق مذکور ہے نہ استاد شاگرد کا ذکر لہٰذا ایسا مجہول جس نے اپنی کتاب میں جھوٹی باتیں بھی کہی ہیں اس کے نقل پر کیا اعتبار ہے ایضاً یہ واقعہ عبداللہ بن المبارک سے نقل کیا گیا حالانکہ انہوں نے کعب الاحبار کا زمانہ نہیں پایا اس سے کافی عرصہ بعد کے ہیں کیونکہ کعب سنہ ۳۲ھ میں فوت ہوئے جو تہذیب صفحہ ۴۳۹ ج ۸۔ اور عبداللہ بن المبارک کی ولادت سنہ ۱۱۸ھ میں ہوئی یعنی کعب کی وفات سے تقریباً ۸۵ برس بعد پیدا ہوا درمیان میں کسی کا واسطہ نہیں گویا کہ یہ روایت اندھیرے میں تیر مارنے کے مثل ہے اور اس لئے مولوی عبدالرشید نعمانی نے بھی کتاب التعلیم کے حاشیہ میں اس نقل پر کوئی کلام نہیں کیا نہ تخریج کی نہ ثبوت دیا بلکہ خاموشی سے گزر گئے۔

اعتراض نمبر ۶۳: سبحان اللہ یہ پیشگوئی آفتاب نیمروز کی طرح پوری ہوئی کہ زمین کا کوئی ایسا ملک جہاں حضرت امام صاحب کے مقلدین موجود نہ ہوں اور قال ابوحنیفہ کی گونج سنائی نہ دے:

جواب: اولاً:...... یہ غلو ہے کہ امام صاحب کو رسول اللہ ﷺ کے برابر کر دیا کیونکہ کسی جگہ تو قال اللہ وقال رسول اللہ ﷺ ہونا چاہیے۔

ثانیاً:...... جب یہ قصہ بناوٹی اور نقل ہی جعلی ہے پھر کون سی پیشگوئی اور کیا پورا ہوا؟

ثالثاً:...... آپ کے مذہب کے مشہور عالم مفتی شفیع دیوبندی منجد اردو کے مقدمہ صفحہ ۱۴ میں فرماتے ہیں حضرت امام شافعی جو قرآن وسنت کے بے مثال عالم وفقیہ اور تقریباً آدھی دنیا کے امام ومتبوع ہونے کے ساتھ ادب اور لغت کے بھی ماہر امام ہیں" پس باقی آدھی دنیا سے غیر مذہب والے نکالے جائیں عیسائی، یہودی، مجوسی، سناتن، دہری، ہندو، سکھ، سوشلسٹ اور کمیونسٹ وغیرہ نکال کر باقی حصہ میں سے پہلے شیعہ پھر خوارج نکالو پھر مالکی، حنبلی نکالو پھر اہلحدیث جماعت کو بھی علیحدہ کرو پھر حنفی جماعت رہتی ہے اب آپ ہی حساب لگائیں۔

اعتراض نمبر ۶۴: امام صاحب سنہ ۷۰ ہجری میں آپ پیدا ہوئے:

جواب: حالانکہ سب مؤرخین اور اصحاب تراجم اس پر متفق ہیں کہ آپ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور کتابوں کو چھوڑ کر آپ ہی کے حوالے "سنن الحدائق الحنفیۃ" صفحہ ۲۳ شامی صفحہ ۶۶ ج ۱۔ "طبع مصطفیٰ البابی الحلبی" مصر مقدمہ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ للکھنوی صفحہ ۳۳ کتاب التعلیم لسعود بن شیبہ صفحہ ۱۷ وغیرہا۔

اعتراض نمبر ٦٥: علامہ ابن حجر مکی شافعی لکھتے ہیں اتفقوا فی اسمہ علٰی انہ النعمان وفیہ سر لطیف اصل النعمان الدم الذی بہ قوام البدن ومن ثم ذھب بعضھم الٰی انہ الروح فابو حنیفۃ بہ قوام الفقہ ومنہ منشا مدارکہ اھ۔

جواب:...... الدم (خون) سے مراد زخم اور پھوڑا بھی ہوسکتا ہے اور خون سے مراد فساد اور قتل اور بغاوت بھی ہوسکتی ہے ایسی تاویلیں ہر ایک کرسکتا ہے آپ کی خوش اعتقادی آپ کو مبارک ہو۔

اعتراض نمبر ٦٦: چار اماموں سے صرف امام ابو حنیفہ ہی وہ بزرگ ہیں جنھیں تابعیت کا شرف نصیب ہوا:

جواب:...... لیکن کسی صحابی سے روایت ثابت نہیں علامہ سیوطی تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ علٰی حاشیہ کشف الاستار برحال معانی الآثار صفحہ ١٣١ ج ٣۔ میں فرماتے ہیں: قال حمزۃ السھمی سمعت الدارقطنی یقول لم یلق ابو حنیفۃ احداً من الصحابۃ الا انہ رأی انساً بعینہ ولم یسمع منہ وقال الخطیب لا یصح لابی حنیفۃ سماع من انس ووقفت علٰی فتیا رفعت الی الشیخ ولی الدین العراقی (صورتھا) ھل روی ابو حنیفۃ عن احد من اصحاب النبی ﷺ وھل یعدھم فی التابعین ام لا (فاجاب بما نصہ) الامام ابو حنیفۃ لم یصح لہ روایۃ عن احد من الصحابۃ وقد رأی انس بن مالک فمن یکتف فی التابعی بمجرد رؤیۃ الصحابی یجعلہ تابعیا ومن لا یکتف بذالک وبعدہ تابعیا ورفع ھٰذا السوال الی الحافظ ابن حجر (فاجاب بمانصہ) ادرک الامام ابو حنیفۃ جماعۃ من الصحابۃ لانہ ولد مکۃ سنۃ ثمانین من الھجرۃ وبھا یومئذ من الصحابۃ عبداللہ بن ابی او فی فانہ مات بعد ذالک بالاتفاق وبالبصرۃ یومئذ وانس بن مالک ومات سنۃ تسعین او بعد ھا وقد اورد ابن سعد بسند لا باس بہ ان ابا حنیفۃ رأی انساً وکان غیر ھٰذین فی الصحابۃ بعدہ من البلاد احیا وقد جمع بعضھم جزء فیما ورد من روایۃ ابی حنیفۃ عن الصحابۃ لٰکن لا یخلو اسناد ھا من ضعف اھ.

اعتراض نمبر ٦٧: آپ کے زمانہ میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم حیات تھے ..الخ

جواب:...... اوپر مذکور ہوا کہ کسی صحابہ سے ان کی روایت نہیں اور یہ خود آپ کے حنفیوں کو بھی تسلیم ہے خود شامی صفحہ ٦٣ ج ١۔ میں ہے وما وقع للعینی انہ اثبت سماعہ لجماعۃ من الصحابۃ رد علیہ صاحبۃ الشیخ قاسم الحنفی والظاھر ان سبب عدم سماعہ ممن ادرکہ من

الصحابة انه اول امره اشتغل بالاکتساب حتیٰ ارشده الشعبی فما رای من باهر نجابته الی الاشتغال بالعلم ولا یسع من له ادنیٰ العام بعلم الحدیث خلاف ما ذکرته اھ اور آپ کے علامہ شبلی نعمانی سیرت النعمان صفحہ ۲۳۔ میں لکھتے ہیں ''انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے سنہ ۹۳ھ میں وفات پائی سہل بن سعد نے سنہ ۹۱ھ میں انتقال کیا اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ تو سنہ ۱۰۰ھ۔ تک زندہ رہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام ابو حنیفہ نے کسی سے بھی کوئی حدیث روایت کی اس پر لوگوں کو تعجب ہے اور مؤرخین نے اس کے مختلف اسباب خیال کیے ہیں بعض کی رائے ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اس وقت تک کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی ان کے باپ دادا تجارت کرتے تھے اس لئے ان کی نشو ونما بھی ایک عام تاجر کی حیثیت سے ہوئی بڑے ہونے پر امام شعبی کی ہدایت سے علم کی طرف متوجہ ہوئے اس وقت موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا یعنی صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

لیکن میرے نزدیک اس کی ایک وجہ سے محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لیے کم از کم عمر مشروط ہے اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہوسکتا تھا ان کے نزدیک چونکہ حدیث میں بالمعنیٰ روایت کی گئی ہے اس لئے ضروری ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کے سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابو حنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا اھ۔

اس کے بعد جن صحابہ کے نام آپ نے ذکر کیے ہیں ان کے متعلق تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) مقدام بن معدیکرب اس کی وفات آپ نے سنہ ۸۷ھ لکھی ہے اس وقت امام صاحب کی عمر سات سال ہوگی کیونکہ وہ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے جیسا کہ اوپر گذرا۔

(۲) ابو امامہ الباہلی کی وفات آپ نے سنہ ۸۶ھ۔ لکھی ہے یعنی امام صاحب کی اس وقت عمر چھ سال تھی۔

(۳) عمرو بن حریث آپ نے اس کی وفات سنہ ۸۷ھ لکھی ہے اور تقریب میں سنہ ۸۵ لکھا ہے یعنی امام صاحب کی اس وقت عمر پانچ یا سات سال تھی۔

(۴) عبداللہ بن بسر کی وفات آپ نے نہیں لکھی مگر تقریب میں ہے سنہ ۸۸ھ میں فوت ہوا یعنی اس وقت امام صاحب کی عمر آٹھ سال تھی۔

(۵) بسر بن ارطاۃ کی وفات آپ نے سنہ ۸۶ھ۔ لکھی ہے یعنی امام صاحب کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی۔

(۶) عبداللہ بن حارث کی وفات آپ نے سنہ ۸۸ھ۔ لکھی ہے یعنی امام صاحب کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی۔

(۷) عقبہ بن عبدالسلمی کی وفات آپ نے سنہ ۹۰ ہجری لکھی ہے یعنی امام صاحب کی عمر اس وقت ۱۰ سال تھی۔

(۸) سائب بن یزید کی وفات آپ نے ۹۱ ھ۔ لکھی ہے یعنی اس وقت امام صاحب گیارہ سال کے تھے۔

(۹) عبداللہ بن ثعلبہ کی وفات آپ نے سنہ ۸۹ ھ۔ لکھی ہے یعنی اس وقت امام صاحب کی عمر ۹ سال تھی بلکہ اس شخص کے متعلق تقریب میں لکھا ہے کہ له رواية ولم يثبت له سماع.

(۱۰) عبداللہ بن حارث بن نوفل کی وفات آپ نے سنہ ۹۹ ہجری لکھی ہے اس وقت امام صاحب کی عمر ۱۹ سال تھی لیکن یہ قول مختلف فیہ ہے تقریب میں ہے مات سنة تسع وتسعين ويقال سنه اربع وثمانين ايضاً اس کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت ہی نہیں ہے۔ تقریب میں ہے کہ له رؤيه ولابيه وجده صحبة قال ابن عبدالبر اجمعوا علىٰ توثيقه اھ. ثابت ہوا کہ بالاجماع یہ صحابی نہیں ہے کیونکہ صحابی کے لیے توثیق کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۱) مالک بن حویرث کی وفات آپ نے سنہ ۹۴ ھ لکھی ہے، یعنی امام صاحب کی عمر اس وقت ۱۴ سال تھی۔

(۱۲) محمود بن لبید کی وفات آپ نے سنہ ۹۷ ھ لکھی ہے یعنی امام صاحب کی عمر اس وقت ۱۷ سال تھی۔

(۱۳) مالک بن اوس کی وفات آپ نے سنہ ۹۲ ھ لکھی ہے یعنی امام صاحب کی عمر اس وقت ۱۲ سال تھی۔

(۱۴) واثلہ بن الاسقع کی وفات آپ نے سنہ ۸۵ ھ لکھی ہے یعنی امام صاحب کی عمر اس وقت ۵ سال تھی۔

(۱۵) طارق بن شہاب کی وفات سنہ ۱۲۳ ھ لکھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔

تہذیب صفحہ ۴ ج ۵۔ میں ہے: وقال خليفة وغيره مات سنة اثنتين وثمانين وقال عمرو بن علي مات سنة ۔۳۔ وقال ابن نمير سنة۔٤۔ ومكى ابن ابى خيثمة عن ابن معين انه مات سنة ۱۲۳۔ وهو وهم اھ. پس اس حساب سے امام صاحب کی عمر دو سال تھی نیز ان کی روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے تہذیب صفحہ ۴۰۳ ج ۵ میں ہے رأى النبي ﷺ وروى عنه مرسلاً وقال ابن ابى حاتم عن ابيه ليست له صحبة وقال ابو داؤد رأى النبي ﷺ ولم يسمع منه شيئا اھ.

(۱۶) انس بن مالک ؓ کی عمر نہیں لکھی، لیکن وہ سنہ ۹۲ یا سنہ ۹۳ میں فوت ہوئے ہیں۔ (تقریب) یعنی اس وقت امام صاحب کی عمر ۱۲ یا ۱۳ سال تھی پس جو آدمی ابتداز مانہ میں تجارت وغیرہ میں مشغول ہو اور ظاہر ہے کہ تجارت ہوش سنبھالنے کے بعد ہی کامیاب ہوسکتی ہے تو پھر امام صاحب کی ایسی عمر نہیں تھی کہ صحابہ سے مل سکے بلکہ علامہ شبلی نعمانی نے اس کو مزید واضح کیا ہے چنانچہ سیرت النعمان صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں کہ حجاج (ابن یوسف بادشاہ) سنہ ۹۵ ھ میں مرگیا ولید نے بھی سنہ ۹۶ ھ میں وفات پائی ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک

نے مسند خلافت کو زینت دی تھوڑا سا آگے چل کر اس صفحہ پر لکھتے ہیں کہ غرض حجاج اور ولید کے عہد تک تو امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونے کی نہ رغبت ہوسکتی تھی نہ کافی موقعہ مل سکتا تھا تجارت باپ دادا کی میراث تھی اس لئے خزبانی کا کارخانہ قائم کیا اور حسن تعبیر سے اس کو بہت کچھ ترقی دی لیکن سلیمان کے عہد خلافت میں جب درس وتدریس کا چرچہ ہوا تو ان کے دل میں بھی ایک تحریک پیدا ہوئی حسن اتفاق یہ ہے کہ ان ہی دنوں میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے ان کے ارادہ کو اور بھی استحکام ہوا۔

ایک دن بازار جا رہے تھے امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے ان کا مکان راہ میں تھا سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے پاس بلالیا اور پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا امام شعبی نے کہا کہ یہ میرا مطلب نہ تھا تم پڑھتے کس سے ہو انہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں۔ شعبی نے کہا کہ مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کرلیا اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے۔

ناظرین:...... اب رہا انصاف اس عبارت کو بار بار پڑھیں اس میں سے چند اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(الف) سنہ ۹۶ھ تک امام صاحب کو نہ تحصیل کی طرف رغبت تھی نہ اس کے لیے فرصت حالانکہ جن صحابہ کا آپ نے نام لیا ہے وہ اس سال تک فوت ہوگئے صرف ایک عبداللہ بن حارث بن نوفل ہے جو سنہ ۹۹ میں فوت ہوئے اگر بالفرض یہ تسلیم کیا جائے کہ امام صاحب کا وہاں جانا ممکن ہے پہلے تو اپنے وطن میں کچھ پڑھ کر پھر کہیں باہر نکلیں اور یہ شخص بصرہ میں تھا (تقریب) تو دور دراز کا سفر کچھ علمی لیاقت حاصل کرنے کے بعد ہی کیا جاتا ہے تاکہ اچھی طرح علم حاصل کیا جائے۔

(ب) سلیمان بن عبدالملک کے دور میں اس وقت امام صاحب کو علم پڑھنے کا خیال ہوا جبکہ وہاں درس وتدریس کا چرچہ عام ہوا جس کا مطلب کہ سلیمان کے خلافت پر بیٹھنے سے فوراً انہوں نے پڑھنا شروع نہیں کیا بلکہ بعد میں جب علم کا عام چرچہ ہوا وہ بھی کسی دوسرے عالم (شعبی) نے ان کو توجہ دلائی جب جاکر علم سیکھنے کا خیال ہوا۔ تو بتاؤ صحابہ تک پہنچنے اور علم حاصل کرنے کا کہاں ان کو موقعہ ملا۔

(ج) شعبی کو امام صاحب نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے علم نہیں پڑھا خود امام صاحب اعتراف کرتے ہیں کہ عبدالملک کے دور تک کسی استاد کے پاس نہیں گئے تو پھر صحابی کے پاس کیسے پہنچے۔

(د) جب اتنا وسیع کاروبار تھا تو وہ اتنا زیادہ علم میں مشغول کہاں ہوسکتا ہے علامہ شبلی نعمانی صاف فرماتے ہیں:

''بعض احناف نے رؤیت سے بڑھ کر روایت کا بھی دعویٰ کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں لیکن انصاف ہے کہ یہ دعویٰ ہرگز پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتا، حافظ ابوالمحاسن نے عقود

الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع سند نقل کیا ہے جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ امام صاحب نے صحابہ سے سنی تھیں پھر اصول حدیث سے ان کی جانچ پڑتال کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں محد ثانہ مباحث تو دقت طلب ہیں صاف بات یہ ہے کہ امام صاحب نے صحابہ سے ایک روایت بھی لی ہوتی تو سب سے پہلے امام صاحب کے تلامذہ خاص اس کو شہرت دیتے لیکن قاضی ابو یوسف، امام محمد، حافظ عبدالرزاق بن ہمام، عبداللہ بن مبارک، ابونعیم فضل بن دکین، مکی بن ابراہیم اور ابو عاصم النبیل وغیرہ سے امام صاحب کے مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر ان ہی لوگوں نے ان کی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں صرف ایک بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔ (سیرت نعمان صفحہ ۵۲۶)

اعتراض نمبر ۶۷: قرن اول ۹۹ ہجری تک ہے... الخ

جواب :...... حدیث کے لحاظ سے قرن باعتبار طبقات کے ہے جیسا کہ حدیث ہے کہ عن عمران بن الحصین قال قال رسول اللہ ﷺ خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم الحدیث (مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۸ ج ۳۔ بحوالہ صحیحین) اور یہی روایت صحیح ابن حبان میں نعمان بن بشیر سے مروی ہے جس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں " ثم الذین یلونھم " یعنی چوتھا طبقہ (موارد الظمان صفحہ ۵۶۹) اور کتاب الثقات لابن حبان صفحہ ۱ ج ۴ میں یہ حدیث ابو بردہ الاسلمی سے مروی ہے جس میں بھی چوتھے قرن کا ذکر ہے پس پہلا قرن صحابہ کا ہے اور دوسرا قرن تابعین کا ہے جنھوں نے صحابہ سے روایت کی تیسرا طبقہ تبع تابعین کا اور چوتھا اتباع تبع تابعین کا ہے امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس طرح چار قرون رکھے ہیں، پہلا قرن صحابہ کا اور دوسرا قرن تابعین کا اور فرماتے ہیں وخیر الناس قرناً بعد الصحابة من شافه اصحاب رسول اللہ ﷺ وحفظ عنھم الدین والسنن اھ. (ثقات ابن حبان صفحہ ۲ ج ۲ قلمی) اور تیسرے طبقے کے متعلق فرماتے ہیں خیر الناس قرناً بعد التابعین من لا یکون بینھم وبین اصحاب رسول اللہ ﷺ الا قرناً واحداً وھم اتباع التابعین الذین شافھوا من شافه اصحاب رسول اللہ ﷺ حتیٰ حفظوا عنھم العلم والآثار وکثرة عنایتھم فی جمع الاخبار الخ (الثقات صفحہ ۲ ج ۳ قلمی) اور چوتھے طبقے کے متعلق فرماتے ہیں ان خیر الناس بعد اتباع التابعین القرن الذین شا فھوا ھم وصحبو ھم وھم تبع الاتباع الذین جدوا فی الرحلة والاسفار وامعنوا فی طلب العلم والاخبار وواظبوا علی الدرس والمذاکرة والحفظ والمدارسة ولم یقنعوا فی جمع السنن ببلدة دون احدی ولا شیخ واحد دون الرحلة فی جمیع الامصار والدوران فی المدن والا قطار حتیٰ حفظوا

السنن على المسلمين و صانوها عن قلب القادحين فصاروا اعلاماً تقتدى بهم فى الآثار ويرجع الىٰ اقاويلهم فى الامصار . (کتاب الثقات صفحہ ا ج ۴ قلمی) اور اسی قرن میں ائمہ محدثین کو ذکر کرتے ہیں مثلاً: شافعی ، احمد بن حنبل عبدالرزاق ، ابن ابی شیبه ، عثمان بن ابی شیبه ، اسحاق بن راهویه ، علی بن المدینی یحیٰ بن معین ، عبدالرحمن بن مهدی ، الحمیدی ، البخاری ، ابو داؤد ، ترمذی دارمی ، ابو یعلیٰ ، محمد بن نصر المروزی ، محمد یحیٰ الذهلی ، ابو حاتم الرازی ابن ورّاد ، ابن خزیمة ، محمد بن اسماعیل السلمی ، یعقوب بن سفیان ، محمد بن عبدالرحیم صاعقة ، ابو بکر بن ابی خیثمه وغیر هم ، خود آپ کا حنفی بھائی علامہ محمد طاہر الفتنی مجمع بحار الانوار صفحہ ۱۳۸ ج ۳) میں لکھتا ہے خیر کم قرنی ثم الذین یلو نهم ثم الذین یلو نهم یعنی الصحابة ثم التابعین الخ اور علامہ علی قاری مرقاۃ صفحہ ۲۷۶ ج ۱۱ میں فرماتے ہیں خیر امتی قرنی ای الذین ادرکونی آمنوا بی وهم اصحابی ثم الذین یلونهم ای یقربونهم فی الرتبه او تبعونهم فی الایمان والا یقان وهم التابعون ثم الذین یلونهم وهم اتباع التابعین والمعنیٰ ان الصحابة والتابعین وتبعهم هٰؤلاء القرون الثلاثة المرتبة فی الفضیلة اھ لیکن سالوں کے لحاظ سے مختلف اقوال میں صرف ایک قول نہیں ہے خود ملا علی قاری صاحب (صفحہ مذکورہ) میں ان سے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قال السیوطی والا صح انه لا ینضبط بمدة فقرنه ﷺ هم الصحابة . الخ

اعتراض نمبر ۶۹: امام ابو حنیفہ کی تقلید سنہ ۱۱۵ ھ میں شروع ہوئی:

جواب :...... اس عرصہ تک کون سا مذہب تھا؟ باقی تین ائمہ تو بعد کے ہیں پس پہلے مذہب اہل حدیث ہی رہا جیسا کہ علامہ کاندھلوی کا قول ذکر ہوا کہ سب صحابہ اہل حدیث تھے۔

اعتراض نمبر ۷۰: اس ملک میں تقریباً بارہ صدیوں سے اسلام آیا ہے یہاں اسلام لانے والے، اسلام پھیلانے والے اور اسلام قبول کرنے والے سب کے سب اہل سنت والجماعت حنفی تھے:

جواب :...... یہ سفید جھوٹ ہے اسلام ان مذہبوں کے وجود میں آنے سے پہلے اس ملک (سندھ و ہند) میں پہنچا ہے امام خلیفہ بن خیاط اپنی تاریخ صفحہ ۳۰۸ ج ۱ میں یہ عنوان رکھتے ہیں (سنۃ ثلاث وتسعین) اور پھر فرماتے ہیں فيها افتتح محمد بن القاسم بن عقيل الثقفى الدبيل اور صفحہ ۳۱۱ میں یہ عنوان رکھتے ہیں "سنة خمس وتسعين" اور پھر فرماتے ہیں وفيها فتح محمد بن القاسم المولتان

اھ۔ اور تاریخ ابن جریر طبری صفحہ ۹۱ ج ۸ میں سال ۹۴ کے حوادث میں ہے و فیھا افتتح محمد بن القاسم الثقفی ارض الھند اور صفحہ ۹۶ ج ۸ میں حوادث سال ۹۵ میں لکھتے ہیں و فیھا فتح آخر الھند الا ......اس حساب سے جب یہ ملک فتح ہوا اس وقت امام صاحب کی عمر تیرہ چودہ سال تھی اور پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ سنہ ۹۶ سے پہلے امام صاحب کو علم پڑھنے کا خیال تک نہ تھا، پھر کون یہاں حنفی آیا اور کیسے آیا حنفیت سے پہلے جو دین تھا وہی اہل حدیث کا ہے اور اسی دین والے اس ملک میں اسلام لائے۔

اعتراض نمبر ۱۷: یہاں کے مفسرین، محدثین، فقہاء، اولیاء کرام اور سلاطین عظام اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے:

جواب:...... پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اہل حدیث ہی اہل سنت ہیں اور سنت حدیث سے معلوم ہوتی ہے اس کے علاوہ بعد میں جو محمود غزنوی ہندستان میں فتوحات کیں تو وہ بھی اہل حدیث تھے اور لوگوں کو اہل حدیث بنایا چنانچہ امام ابن حزم رسالہ جمل فتوح الاسلام بعد رسول اللہ ﷺ الملحقۃ بجوامع السیرۃ صفحہ ۳۵۰ میں فرماتے ہیں: ثم افتتح السلطان العادل محمود بن سبکتگین فتوحات متصلات الیٰ ان مات رحمہ اللہ تعالیٰ بلاداً عظیمۃ فی الھند ھی الآن مسکونۃ بالمسلمین معمورۃ بطلاب الحدیث والقرآن والغالب علیھا والحمد للہ رب العالمین مذھب الظاھر۔

اور تاریخ فرشتہ صفحہ ۳۷ ج ۱ میں ہے اور سلطان محمود نے بھی ابو الطیب سہل بن سلیمان معلوکی کو ائمہ اہل حدیث سے برسم رسالت ایک خان کے حضور میں بھیج کر ساتھ خطبہ کریمہ کے کرائم سے رغبت کی۔

اعتراض نمبر ۲۷: جب انگریز کے منحوس قدم یہاں آئے تو وہ یورپ سے ذہنی آوارگی مادر پدر آزادی اور دینی بے راہ روی کی سوغات ساتھ لائے...الخ

جواب:...... لیکن ان سوغات کو جن لوگوں نے لیا ان کے آثار ظاہر ہیں سب سے بڑا نشان یہ ہے کہ بظاہر تو ایک مذہب کے مدعی تھے لیکن بوقت ضرورت کبھی کدھر کبھی کدھر اپنے لئے تدریس وامامت وغیرہ کے جواز کے لیے شافعی مذہب کو لیا، مفقود الخبر کی زوجہ کے لیے مالکی مذہب کا سہارا لیا بیک وقت تین طلاقیں ہو جانے کے متعلق حلالہ جیسے ذلیل اور قبیح فعل سے بچنے کے لیے اہل حدیث کے دروازہ پر آئے اور پھر ہر فرقہ میں شرکت فرمائی مثلاً قادری، نقشبندی، سہروردی، وغیرہ بنے، چنانچہ مولوی حسین احمد کا رسالہ سلاسل طیبہ دیکھیں جس کے سرورق پر یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا مشہور رسالہ سلاسل جس میں تصوف کے تمام طریقہ جات چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، صابریہ، نظامیہ، قادریہ، رشیدیہ، امدادیہ کے منظوم شجرے ان کے ورد و اذکار پند ونصائح اور اعمال نافعہ درج کر دیئے گئے ہیں'' اور اس کے علاوہ کئی فرقوں میں

شریک ہوتے ہیں، چنانچہ آپ کے علامہ عبدالحیٔ لکھنوی صاحب الرفع والتکمیل صفحہ ۱۷۸ میں فرماتے ہیں: ”وتوضیحه ان الحنفیة عبارة عن فرقة تقلد الامام ابا حنیفة فی المسائل الفرعیة وتسلك سلكه فی الاعمال الشرعیة سواء وافقته فی اصول العقائد ام خالفته یقال لها (الحنفیة الکاملة) وان لم توافقه یقال لها (الحنفیة مع قید فیه یوضح سلکه فی العقائد الکلامیة فکم من حنفی؟ فی الفروع معتزلی عقیدة کالزمخشری جار الله مؤلف "الکشاف" وغیره وکمؤلف القنیة والحاوی والمجتبیٰ شرح مختصر القدوری نجم الدین الزاهدی وقد بسطنا ترجمتهما فی "الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة" وکعبد الجبار وابی هشام والجبائی وغیرهم وکم من حنفی حنفی فرعاً مرجی او زیدی اصلاً وبالجملة فالحنفیة لها فروع باعتبار اختلاف العقیدة فمنهم الشیعة ومنهم المعتزلة ومنهم المرجئة“ یعنی حنفی نام سے دوسرے فرقہ کا نام بھی جڑ سکتا ہے تفسیر قادیانی کے سرورق پر یوں لکھا ہوا ہے قرآن مجید مترجم مع تفسیرا وضح القرآن مسمیٰ بہ تفسیر احمدی مؤلفہ ومرتبہ حضرت مولانا میر محمد سعید صاحب قادری حنفی احمدی مجلس انجمن احمدیہ حیدرآباد دکن وممبر معتمدین صدر انجمن احمدیہ قادیان ازدرس قرآن حضرت خلیفۃ المسیح حاجی حافظ مفسر محدث فقیہ صوفی حکیم الامۃ مولانا الاعظم مولوی نورالدین قدس سرہ الشریف بعد اجازت حضرت الوا العزم فضل عمر مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی مسیح موعود ومہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام شایع کردہ شد با الھ۔

اب ناظرین انصاف کریں کہ لقب حنفی کے ساتھ دوسرا لقب بھی کوئی نہ کوئی ہوسکتا ہے مثلاً اس طرح سمجھیں کہ (۱) حنفی چشتی (۲) حنفی نقشبندی (۳) حنفی سہروردی (۴) حنفی صابری (۵) حنفی نظامی (۶) حنفی قادری (۷) حنفی رشیدی (۸) حنفی امدادی (۹) حنفی شیعہ (۱۰) حنفی زیدی (۱۱) حنفی معتزلی (۱۲) حنفی مرجی (۱۳) حنفی قادیانی وغیرہ مگر اہل حدیث کے ساتھ دوسرا کوئی لقب نہیں جڑ سکتا ایضاً یہ اکثر فرقے شیعہ، زیدیہ، معتزلہ، مرجیہ، قادیانیہ وغیرہ اہل سنت میں شمار نہیں کیے جاتے تھے لیکن اس کے باوجود ان فرقوں میں رہ کر بھی حنفی ہوسکتا ہے جس کا مطلب کہ آپ جو اپنے لئے اہل سنت کا دعویٰ کرتے ہیں اگر تسلیم کیا جائے تو بھی آپ خالص اہل سنت نہیں بلکہ مخلوط اور دوسروں سے مرکب ہیں لیکن اہل حدیث خالص اہل سنت ہیں کیونکہ کسی اور طریقہ کے ساتھ ان کو لگاؤ نہیں اب ایمان سے کہیں کہ اس طرح کبھی کس فرقہ میں کبھی کس فرقہ میں شامل ہونا ہی ذہنی آوارگی ہے یا نہیں؟ لیکن اہل حدیث تو اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے ساتھ پابند سمجھتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۳: انگریز نے ایک خودسر متعصب فرقہ کو جنم دیا:

جواب :اولاً:...... یہ تو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اہل حدیث کا وجود قرون اولیٰ سے چلا آ رہا ہے آپ بتائیں کہ دیوبندی اور بریلوی مذہبوں کا ذکر انگریزوں کے دور سے پہلے کی کتاب میں ہے؟ ہرگز نہیں، قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ انگریزوں کی پیداوار کون ہیں؟

ثانیاً :...... اہل حدیث خودسر کیوں ہوں وہ رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کے آگے مطیع اور فرمانبردار ہیں لیکن خودسر وہ ہیں کہ حدیث صحیح دیکھنے کے بعد بھی اپنے مذہب سے نہیں ہٹتے اور اپنی فقہ کی بات کو اوپر کرتے ہیں اور حدیثوں میں تاویلیں کر کے ان کو نیچا دکھاتے ہیں۔ علامہ عبیداللہ سندھی الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن صفحہ ۱۲۹۔ میں فرماتے ہیں: اننا قرأنا اولاً الفقه الحنفی اصولاً وفروعاً ثم اشتغلنا بالصحاح الست من کتب الحدیث فوجدنا فیها روایا تکثیرة تخالف فقهنا الذی قرأناه فرأینا الفقهاء المحدثین من الحنفیة مختلفین فی امر ذالك طائفة منهم تؤول الاحادیث الصحیحة الیٰ اقوال الفقهاء واراد امامهم منهم فی بلادنا الشیخ عبدالحق الدهلوی المحدث بل وعامة اهل بلادنا.

ثالثاً :...... تعصب کی بھی اہل حدیثوں کو کیا ضرورت وہ رسول اللہ ﷺ کے براہ راست متبع ہیں لیکن ان کے مقابلے میں کسی دوسرے کی بات کو قبول نہیں کرتے اس کو آپ تعصب کا نام دیں تو آپ کی مرضی لیکن یہ تو مومن کا فرض ہے کہ حدیث کے آگے سب باتوں کو چھوڑ دے لیکن تعصب تو مقلدین میں ہے جو کہ بوجہ تعصب چار فرقے بن گئے حالانکہ چاروں امام امتی ہیں، اس لئے ضروری تو یہ تھا کہ بموجب حکم ایزدی ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء) ائمہ کے اختلاف کو قرآن اور حدیث کے سامنے پیش کرتے اور جو فیصلہ وہاں سے ملتا اس کو قبول کر لیتے لیکن تعصب کا کرشمہ ہے کہ ہر ایک فرقہ اپنی بات پر اڑا رہتا ہے اور دوسرے کی تردید کرتا ہے اور احادیث صحیحہ اگر مذہب کے خلاف ہوتی ہیں تو ان میں تاویلیں کرتا ہے۔

اعتراض نمبر ۷۴: جس کی ابتداء سلف سے بدگمانی اور انتہاء سلف پر بدزبانی ہے:

جواب :...... اہل حدیث تو بحمد للہ اس سے بری ہیں بلکہ وہ تو سلف ہی کے مسلک پر قائم ہیں اس لیے تو لوگ ان کو سلفی بھی کہتے ہیں بلکہ یہ تو آپ لوگوں ہی کی عادت ہے کہ سلف کے خلاف چل رہے ہو اور اہل حدیث کو برا بھلا کہہ رہے ہو اور یہی سلف کو برا بھلا کہنا ہے کیونکہ سلف کا مسلک اہل حدیث کے مسلک کی طرح ہے جیسا کہ اوپر گزرا اور کاندھلوی کا قول بھی گزرا کہ صحابہ سب اہل حدیث تھے پھر حدائق الحنفیہ کا

حوالہ ذکر ہوا کہ تیسری یا چوتھی صدی میں چاروں ائمہ کے مذہب مقرر ہوئے پس آپ ہی سلف کے خلاف ہیں ۔ امام ابو اسماعیل الصابونی المتوفی سنہ ۴۴۹ نے ایک کتاب بنام عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث لکھی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہل حدیث کا عقیدہ قدیم ہے اب ہم سلف کے مذہب کے چند مسائل نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں ۔ مثلاً فاتحہ خلف الامام اس کے متعلق امام عبداللہ بن المبارک جس کا آپ بھی بار بار ذکر کرتے ہیں کہ آپؒ فرماتے ہیں: انا اقرأ خلف الامام والناس یقرؤن الا قوم من الکوفیین ۔ (سنن ترمذی صفحہ ۱۴۶ ج ۱)

ناظرین:...... امام ابن المبارک سنہ ۱۸۱ ھ میں فوت ہوئے ہیں، تبع تابعی ہیں، اس کا یہ قول صاف بتلاتا ہے کہ اصل سلف کا مذہب اس مسئلہ کے متعلق وہی تھا جس پر اہل حدیث عامل ہیں لیکن تابعین کے زمانہ کے بعد کوفہ سے اس کے خلاف عمل شروع ہوا اور امام ابو اسماعیل الصابونی فرماتے ہیں: ویوجبون قراءۃ فاتحۃ الکتاب خلف الامام اھ. نیز مسئلہ رفع الیدین کے متعلق امام محمد بن نصر المروزی فرماتے ہیں اجمع علماء الامصار علیٰ مشروعیۃ ذالک الا اھل الکوفۃ (فتح الباری صفحہ ۲۱۹۔۲۲۰ ج ۲) اور امام اوزاعی المتوفی سنہ ۱۵۷ھ فرماتے ہیں اجمع علیہ علماء الحجاز والشام والبصرۃ (شرح المہذب للنووی صفحہ ۳۹۹ ج ۳) اور امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں: کانی انظر الی النبی ﷺ وھو یرفع یدیہ فی الصلوٰۃ لکثرۃ الاحادیث وجودۃ الاسانید (السنن الکبری صفحہ ۷۹ ج ۲) ثابت ہوا کہ اہل حدیث کا مسلک اصلی ہے اور حنفی مذہب بعد کی پیداوار ہے آپ ہی کے کلام سے ظاہر ہے کہ آپ اہل حدیث کو برے القاب دے رہے ہیں حالانکہ یہ قدیمی اور سلفی جماعت ہے۔

مجھے الزام دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اعتراض نمبر ۴۷: اس فرقہ کا ہر شخص "اعجاب کل ذی رای برأیہ" نادان ہونے کے ساتھ ساتھ لعن آخر ھٰذہ الامۃ اولھا کا مصداق ہے:

جواب :...... جب یہ رائے کو مذہب ہی نہیں جانتے نہ کسی کی رائے کو حجت سمجھتے ہیں تو پھر یہ مقولہ ان پر کیسے صادق آئے گا بلکہ اہل الرائے تو آپ ہیں اور آپ کا امام امام اہل الرائے کے نام سے مشہور ہے جیسا کہ علامہ کاندھلوی نے اجتہاد وتقلید صفحہ ۲۸ میں اور شیخ مسعود بن شیبہ نے مقدمہ کتاب التعلیم صفحہ ۲۱۵ میں اور علامہ محمد حسن سنبھلی نے تنسیق النظام صفحہ ۱۱ میں اور لکھنوی صاحب نے التعلیق الممجد علیٰ مؤطا الامام محمد صفحہ ۳۶ میں اور امام ذہبی نے میزان الاعتدال صفحہ ۲۳۷ ج ۳ وغیرہم نے ذکر کیا ہے پس آپ لوگوں سے ہی اعجاب ہوسکتا ہے۔ کیونکہ تم کئی فرقے ہو ہر ایک اپنی فقہ کی برتری ظاہر کرتا اور اپنے امام کے اجتہاد کو زیادہ

قوی کہتا ہے اور دوسرے کی فقہ اور امام کو نچلا دکھاتا ہے تو اس فقرے کے مصداق بھی آپ ہیں ایضاً اوپر ثابت ہوا کہ جماعت اہل حدیث صحابہ سے چلی آئی ہے پس آپ اہل حدیث کو برا بھلا کہہ کر اور ان کے شان میں گستاخی کر کے اس فقرہ لعن آخر هٰذه الامة او لها کے خود آپ ہی مصداق بنتے ہو نیز دیکھتے ہیں کہ حنفی اپنی کتابوں میں امام ابوحنیفہ کی شان بڑھاتے اور باقی تین اماموں کی شان گھٹاتے ہیں اس شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ سب کے ہاں یہی طریقہ ہے کہ اپنے امام کو بڑھاتے اور دوسروں کو نچلا دکھاتے ہیں خود اسی کتاب التعلیم میں ایسی کئی امثلہ موجود ہیں بلکہ صفحہ ۲۵۵ میں لکھتا ہے کہ ولو حلف الحالف ان الشافعي لم يكن مجتهداً لم يحنث . پس یہ صفت بھی مقلدین کی ہے۔

اعتراض نمبر ۷۶: اس فرقہ کا ہر فرد اپنے آپ کو ائمہ اربعہ بلکہ صحابہ سے بھی برتر سمجھتا ہے:

جواب :...... یہ محض بہتان ہے کوئی اہل حدیث اس طرح نہیں کہہ سکتا امام ابن حزم الاحکام صفحہ ۲۶۳ الباب الثامن والعشرون میں فرماتے ہیں: "وكلهم عدل امام فاضل ان فرض علينا توقيرهم وتعظيمهم وان نستغفر لهم ونحسبهم وتمرة يتصدق بها احد هم افضل من صدقة احدنا بما يملك وجلسة من الواحد منهم مع النبى ﷺ افضل من عبادة احدنا دهره كله وسواء كان من ذكر نا على عهده عليه السلام صغيراً او بالغاً فقد كان النعمان بن بشير وعبدالله بن الزبير والحسن والحسين ابنا على رضی اللہ عنہم اجمعين من ابناء العشر فاقل اذمات النبى ﷺ واما الحسين فكان حينئذ ابن ست سنين اذمات رسول الله ﷺ وكان محمود بن لبيد ابن خمس سنين اذ مات النبى ﷺ وهو يعقل مجة مجها النبى ﷺ فى وجهه من ماء بئر دارهم وكلهم معدودون فى خيار الصحابة مقبولون فيما رووا عنه عليه السلام اتم القبول وسواء فى ذالك الرجال والنساء والعبيد والا حرار ." اور نواب صدیق حسن خان الدین الخالص صفحہ ۲۶ میں امام شوکانی سے نقل کرتے ہیں: "نعتقد انهم خير القرون وافضل الناس." بلکہ آپ لوگوں کا یہ وتیرہ ہے کہ اپنے اماموں کو صحابہ سے ملاتے یا ان سے بڑھاتے ہیں، چنانچہ آپ کے الدر المختار صفحہ ۵۸ ج ۱ مع الشامی مطبع مصطفی الباجی الحلبی مصر میں امام ابوحنیفہ کے متعلق لکھتا ہے: "وهو كالصديق رضی اللہ عنہ" اور آپ کے فتاویٰ شامی صفحہ ۵۶ ج ۱ (مطبع مذکور) میں ہے: واما سلمان الفارسى رضی اللہ عنہ فهو وان كان افضل من ابى حنيفة من حيث الصحبة فلم يكن فى العلم والاجتهاد ونشر الدين وتدوين احكامه كابى حنيفه اھ.

اعتراض نمبر ۷۷: اہل حدیث حضرات کی ابتداء مولانا عبدالخالق صاحب پھر میاں نذیر احمد دہلوی سے ہوتی ہے:

جواب:...... یہ بھی غلط ہے کیونکہ اہل حدیث رسول اللہ ﷺ کی جماعت ہے آپ ہی ان کے امام ہیں آپ نے ان کو قرآن وحدیث دیا تو وہ اہل حدیث (قرآن وحدیث والے) بنے لیکن آپ کے فرقے حنفی مالکی شافعی اور حنبلی تیسری چوتھی صدی میں ہوا جیسا کہ ابھی آپ کے حدائق الحنفیہ سے نقل کیا گیا۔

اعتراض نمبر ۷۸:۔ بانی مبانی اس فرقہ نو احداث کا عبدالحق ہے جو چند دنوں بنارس میں رہا تھا اور حضرت امیر المؤمنین سید احمد شہید نے ایسی حرکات ناشائستہ کی باعث اپنی جماعت سے اس کو نکال دیا۔

جواب: اولاً:...... شیخ عبدالحق بنارس جماعت کا بانی نہیں بلکہ جماعت کا فرد ہے اور بانی جماعت رسول اللہ ﷺ ہیں آپ مغالطہ نہ دیں۔

ثانیاً:...... یہ بھی غلط ہے کہ ان کو سید احمد شہید نے جماعت سے نکال دیا بلکہ وہ تو سید صاحب اور شاہ اسماعیل شہید کے سفر حج کے ساتھی تھے جیسا کہ علامہ عبدالحئی الحسنی الحنفی نے نزھۃ الخواطر صفحہ ۲۴۰ ج ۹۔ میں اور علامہ رحمان علی نے تراجم علماء ہند صفحہ ۱۱۰۔ میں ذکر کیا ہے الحسنی صاحب نے نزھۃ الخواطر میں اس کو "الشیخ العالم المحدث المعلم احد العلماء المشهورین" جیسے القاب سے یاد کیا ہے اور علامہ سید عبداللہ بن محمد بن اسماعیل الامیر سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں: وفد الی صنعاء الیمن الولد العلامة زینة اهل الاستقامة ذو الطریقة الحمیدة والخصال الشریفة المحمودة عبدالحق بن فضل الله المحمدی الهندی دامت افاداته فتشرفت اذ کان من صالحی عباد الله اصفیائه وحضر مجلس الحدیث النبوی. پس ایسے شخص کے خلاف یہ باتیں اتہام اور غلط بہتان ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۹: اور علماء حرمین معظمین نے اس پر قتل کا فتوی لکھا مگر کسی طرح بھاگ کر وہاں سے بچ نکلا:

جواب:...... نزھۃ الخواطر صفحہ ۲۴۰ ج ۷ میں عبارت اس طرح ہے وکان اذ ذاك الشیخ محمد سعید الاسلمی المدراسی بالمدینة المنورة فوشی به الی القاضی فلما علم ذالك عبدالحق خرج من المدینة مختفیا وذهب الی جریدة. الخ پس یہ علماء کے فتوئی کا واقعہ صحیح نہیں اور یہ اسلمی صاحب بھی آپ کا حنفی تھا جس نے اس کے خلاف شکایت کی اور اس وقت قاضی حنفی تھے اس لئے بے چارہ غریب اپنی عزت بچانے کے لیے چھپ گیا کیونکہ اس طرح جبکہ قاضی حنفی تھے اور ان ہی کا

دور تھا تو اس وقت عامل بالحدیث لوگوں کو تکلیفیں پہنچتی تھیں جیسا کہ شیخ علامہ ابوالحسن سندھی شارح صحاح ستہ وغیرہ کو احناف نے تکلیف پہنچائی جیسا کہ علامہ محمد عابد سندھی نے اپنی کتاب تراجم الشیوخ (جس کا قلمی نسخہ مکہ معظّمہ کے کتب خانہ میں موجود ہے) میں شیخ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وكان الشيخ عاملاً بالحديث لا يعدل عنه الىٰ مذهب وكان يرفع يده قبل الركوع وعند الرفع منه وعند القيام من الركعتين ويضع يديه على صدره وكان فى عصره الشيخ ابو الطيب السندى حنفى المذهب لا يعدل عن مذهبه وكان يناظره فاذا اتىٰ له بالأدلة عجز الشيخ ابو الطيب عن الا جوبة عنها ثم ما زالت المخاصمة بينهما قائمة حتىٰ اتى قاضى من قضاة الروم الحنفية الى البلدة المنورة فذهب الشيخ ابو الطيب وشكا عليه من عدم ميل الشيخ ابى الحسن الىٰ مذهبه ومخالفة امامه فى بعض المسائل فبحث القاضى عن حال الشيخ فوجده اماما فى الفنون كافة اهل المدينة تلا مذه فلم يسعه الا ان يلتمس منه الدعاء ثم ما زال يشكوا به عند كل قاضى فى كل سنة ويفعل كل قاضى مثل ما فعل الاول حتىٰ اتى سنة قاض متعصب علىٰ مذهب ابى حنيفة فشكا الشيخ ابو الطيب امره اليه فاحضر بين يديه وامره ان يضع يديه تحت السرة ولا يرفع يديه الا فى تكبيرة الا فتتاح فقال الا افعل ذالك فامر بحبسه فى طابق مظلم لا يستطيه المحبوس ان يرى اعضائه ويتغوط فيه فحبس ستة ايام فى ذالك فقام اهل المدينة ينصحون الشيخ بان يتمثل امر القاضى ويخرج فيقول لهم لا افعل شيئا لم يصح عندى ولا اترك شيئاً صح عندى من فعله ﷺ وحلف الىٰ ذالك فذهبوا الى القاضى فحلف انه لو راى واضعاً يديه فوق صدره اعاده الى الحبس فاشاروا على الشيخ بان يا خذ ثوباً ويلقيه علىٰ ظهره وبعطف احدى جانبيه على المنكب الآخر وليضع يديه تحت ذالك الثوب حتىٰ لا يحنث القاضى ولا الشيخ فقبل ذالك فما مضت مدة الا واخبر رجل الشيخ فى صلوته بصوت القاضى فالقى ذلك الثوب عنه.

اعتراض نمبر۸۰: مولوی عبدالحق بنارس بانی غیر مقلد نے صاف کہا ہے کہ عائشہ علی سے لڑی اگر توبہ نہ کی تو مرتد مری:

جواب:...... یہ بات آپ نے کشف الحجاج سے نقل کی ہے حالانکہ یہ اس طرح تصنیف نہیں ہے ایسے آپ

کے لوگ کئی بے بنیاد باتیں دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً علامہ عبدالحیٔ لکھنوی مزیلۃ الدرایہ لمقدمۃ الھدایہ صفحہ ۱۳ میں ایک مستقل عنوان رکھتے ہیں کہ ھدایه فی المسامحات التی وقعت فی النصف الاول منها جس میں گیارہ ایسی ان کی غلطیاں نقل کی ہیں اور صفحہ ۹ کے تحت کہتے ہیں ومنها قوله فی کتاب النکاح نکاح المتعة باطل وقال مالك جائز الخ قال السکاکی هذا سهو فان المذکور فی کتب مالك حرمة نکاح المتعة انتهٰی واعتذر عنه صاحب العنایة بانه یجوز وان یکون شمس الائمة الذی اخذ منه المصنف اطلع علی قول له فی جوازه وبالاحتمال نقل قول امام غیر وجه مع ان مالکا رویٰ فی مؤطا حدیث الزهری عن علی قال نهی رسول الله ﷺ عن متعة النساء یوم خیبر وعاد انه لا یروی حدیثا فی مؤطاه الا وهو یذهب الیه او یعمل به."

پس جب امام مالک جو کہ امام دارالہجرۃ کے لقب سے مشہور ہیں وہ بھی آپ کے بڑوں کے اتہام اور بہتان سے نہ بچ سکے تو بیچارا بنارسی ان کے آگے کیا ہے اور صاحب نزہۃ الخواطر نے اس کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ "وکان عبدالحق بن فضل الله لا یتقید بمذهب ولا یقلد احد فی شئ من امور دینیة بل یعمل بنصوص الکتاب والسنة ویجتهد برایه ولذالك جرت بینه وبین الاحناف مباحثات کثیرة فی الاجتهاد والتقلید من مصنفاته" الدر الفرید فی منع عن التقلید الخ پس یہی وجہ تھی جس کی بناء پر اس کے خلاف شکایات کیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مخالفت کا اثر چند اں نہیں ہوا جبکہ شیخ عبدالحق پھر بھی حرمین کو جاتے رہے۔ نزہۃ الخواطر صفحہ ۲۴ ج ۷ میں لکھا ہے ورجع الی الهند یسافر الی الحجاز سبع مرات وکان سفر السابع سفرة من الدنیا الی الآخرة اور آخر میں لکھا ہے تو فی محرما بمنیٰ فی ثانی ذی الحج عام ست وسبعین و مأتین والف یوم الخمیس دفن علی باب مسجد الخیف لیلة الجمعة ثابت ہوا کہ مولوی محمد سعید مدارس کی شکایتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی پس ایسی مخالفت کے ہوتے ہوئے اس کے خلاف یہ بہتان گھڑا گیا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۸۱ : اور یہ بھی کہا کہ صحابہ کا علم ہم سے کم تھا ان کو صرف پانچ پانچ چھ چھ حدیثیں یاد تھیں ہم کو ان سب کی حدیثیں یاد ہیں:

جواب:۔ یہ بھی کوئی معتبر نقل نہیں اسی کشف الحجاج کا حوالہ ہے شیخ عبدالحق کی اپنی کسی کتاب کا حوالہ نہیں ہے لہٰذا یہ بھی تعصب کا نتیجہ ہے جس کا ابھی ذکر ہوا بلکہ یہ تو آپ لوگوں کا کام ہے کہ دوسروں پر بہتان

لگاتے ہو جیسا کہ ابھی مثال گزری ﴿وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ (النسآء: ۱۱۲)

اعتراض نمبر ۸۲: پہلی شہادت نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں..الخ:

جواب :.......نواب صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ان لوگوں کے متعلق کہا ہے جو کہ اہل حدیث کے خلاف دوسرے طریقہ پر چل رہے ہیں آپ نے یا تو عبارت نہیں سمجھی یا جان بوجھ کر تحریف معنوی کی ہے۔ الحطہ فی ذکر الصحاح الستۃ صفحہ ۱۵۰ سے ۱۵۵ پر عبارات پڑھیں ہم مختصراً عبارت نقل کرتے ہیں ذكر المطرزى لاهل الحديث خمس مراتب أولها الطالب وهو المبتدى ثم المحدث وهو من تحمل روايته ووعتنىٰ بدرايته وهو من حفظ ثلاث مأة الف ثم الحاكم وهو من احاط بجميع الاحاديث پھر اس کے متعلق کچھ اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: فقد نبتت فى هٰذا الزمان فرقة ذات سمعة ورياء تدعىٰ لا نفسها علم الحديث والقرآن والعمل بهما على العلات فى كل شان مع انها ليست فى شى من اهل العلم والعمل والعرفان لجهلها من العلوم الا ٰلية التى لا بد منها لطالب الحديث فى تكميل هذا الشان وبعد ها من الفنون العالية التى لا مندوحة لسا لك طريق السنة عنها كالصرف والنحو واللغة والمعانى والبيان" پھر فرماتے ھیں "واما هؤلآء الجهلة فجل تحديثهم عبارة عن اختيار بعض المسائل المختلف فيها بين المجتهدين والمحدثين فى باب الطاعات دون المعاملات الدائرة بينهم كل يوم على العلات وتمام اتبا عهم حكاية خلاف اهل الاجتهاد مع اهل الحديث المواقع فى العبادات دون الار تفاقات ومن ثم لا يهتدون الىٰ ما انتقده اهل الحديث فى الباب سبيلا ولا يعرفون من فقه السنة فى المعاملات شيئا قليلا وكذالك لا يقدرون علىٰ استخراج مسئلة واستنباط حكم علىٰ اسلوب السنن واهلها ولا يوفقون للعمل بمسئلة حديثية فى الارتفاقات علىٰ منهاج ذو يها وكيف يو فقون وهم اكتفوا عن العمل بها با لدعاوى اللسانية وعن اتباع سنة بالتسويلات الشيطانيه پھر فرماتے ہیں: وكيف يفلح قوم يخالف قولهم فعلهم وفعلهم قولهم يقولون عن خير البرية هوشر البرية واذا سئلوا عن شى قالوا فيه قولاً سديداً واذا قدروا على شى لم يبالوابه بل نالوا منه نيلاً شديداً. (نظم)

عـجـبـت مـن شيـخـي ومـن زهـدهٖ
وذكـره الـنـار وامـوالهـا
يـكـره ان يشـرب فـي فضة
ويسـرق فـضة ان نـالهـا

فيا لله العجب من اين يسمون انفسهم الموحدين المخلصين وغيرهم بالمشركين المبتدعين وهم اشد الناس تعصباً وغلوا في الدين قد انفقوا في غير شي نفائس الاوقات والانفاس واتبعوا انفسهم وحيروا من خلفهم من الناس ضيعوا الاصول فحرموا القبول واعرضوا عن الرسالة فوقعوا في مهامة الحيرة والضلالة" پھر فرماتے ہیں " فما هٰذا دين ان هٰذا الافتنة في الارض وفساد كبير كيف ولو كان لهٰؤلاء اخلاص في القول والعمل وحرص على العلم النافع عند مجي الاجل وخيفة من الحي القيوم وحياء من النبي المعصوم لزهدوا في او ساخ الاموال ولا استنكفوا عن التزى بزى الصلاح لصيد الجهال ولا يأ كلوا ابداً مال المسلم بالباطل ولا يرضوا بالعاجل عن الآجل ولا يكتفوا علم الحديث على رسمه ومن العمل بالكتاب علىٰ اسمه ولا يبذلوا نفاس الاوقات الا في الطاعات ولا يعرفوا شرائف الانفاس في غير الباقيات الصالحات ولا يصحبوا اهلا دنيا ليلاً ونهاراً ولا يروا غيره تعالىٰ للمهام بدارا ولا يتقد موا للو عظ والفتيا الا بحقها ولا يجترؤ على بعضهم للارشاد الاعلىٰ وجهها كما فعل اهل الحديث من قبلهم واصحاب التو حيد في عهد هم فاولائك الذين يحق لهم العمل بالكتاب والسنة واتمسك بهما والدعا اليهما وهما عن النار حبة لا لهٰؤلاء النفر المتبا هين بدعواهم المتلبسين بالرياء والسمحه اولاهم وآخرهم."

اب اس عبارت کو غور سے پڑھیں نواب صاحب ان لوگوں کی شکایت کر رہے ہیں جو نام تو حدیث کا لیتے ہیں لیکن عمل اپنی رائے پر کرتے ہیں اپنے آپ کو اصلی فرقہ موحد اور مخلص جانتے ہیں لیکن دوسروں کو نیا فرقہ اور بدعتی جانتے ہیں اور اہلحدیث کے طریقہ پر نہ حدیث پر عمل کرتے ہیں نہ استنباط کرتے ہیں یہ سب صفتیں مقلدین کی ہیں کیونکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بھی حدیث پر ہیں لیکن عمل فقہ پر کرتے ہیں اور پھر بیان کیا کرتے ہیں کہ یہ انتہائی متعصب اور غلو کرنے والے ہیں یہ بھی ان ہی کی صفت ہے کہ ایک دوسرے سے

تعصب کرتے ہیں اور اپنے امام کو دوسرے اماموں سے بھی بڑھاتے ہیں بلکہ صحابہ سے بڑھاتے ہیں اور ان کے قول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے مقدم کرتے ہیں بلکہ انبیاء کرام سے بھی بڑھا دیتے ہیں چنانچہ آپ کے شبلی صاحب سیرت النعمان صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی نہیں امام کی کسی اولاد کا نام حنفیہ نہ تھا یہ کنیت وصفی معنیٰ کے اعتبار سے یعنی ابو الملۃ الحنفیۃ قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے "فاتبعوا ملة ابراهيم حنيفاً" امام ابوحنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔ اب دیکھو ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سب خاتم الانبیاء ﷺ تک سب انبیاء پر امام صاحب کو فوقیت دے دی۔

اعتراض نمبر ۸۳: دوسری شہادت... الخ:

جواب: ...... اس عنوان کے تحت علامہ محمد شاہجہان پوری کتاب الارشاد الی الرشاد کی عبارت نقل کرتے ہیں حالانکہ مولانا صاحب نے یہ ہندستان کا حال اس وقت کا بیان کیا ہے جبکہ عمل بالحدیث تقریباً ختم ہو چکا تھا اور تقلید اور فقہ کا دور دورہ تھا یہ نہیں کہ وہ جماعت کو بالکل نئی پیدا شدہ کہہ رہا ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور علامہ معین الدین ٹھٹھوی نے دراسات اللبیب میں بیان کیا ہے آپ نے الارشاد کی عبارت سے غلط فائدہ لیا ہے یعنی کہ جماعت اہل حدیث نو مولود ہے بلکہ صاحب الارشاد جا بجا اہل حدیث کی قدامت ثابت کر رہے ہیں اور تصریح کر رہے ہیں کہ اہل حدیث قدیمی جماعت ہے چنانچہ صفحہ ۳۲ طبع دوم میں فرماتے ہیں "مذہب اہل حدیث کی سچائی کے لیے کم سے کم یہی بات کافی ہے کہ جو اہل حدیث کا مذہب ہے وہی مذہب اس وقت تھا جبکہ اسلام اپنی تر و تازگی پر تھا اور ظاہر ہے کہ اس وقت کے مسلک و مذہب کے متعلق متغیر اور ناحق ہونے کا ذرا بھی گمان نہیں کیا جا سکتا۔

اعتراض نمبر ۸۴: تقلید کے بارہ سو سالہ دور میں لوگ کفر سے اسلام کی طرف آتے رہے لیکن ترک تقلید کی وجہ سے پچیس سال میں اتنے لوگ مرتد ہو گئے خود غیر مقلد چیخ اٹھے:

جواب: ...... یہ بھی جھوٹ اور الٹی بات آپ کے حدائق الحنفیہ سے نقل کیا گیا کہ تقلیدی مذاہب کا رواج تیسری چوتھی صدی میں ہوا ہے۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۵۲ میں فرماتے ہیں اعلم ان الناس كانوا قبل المأة الرابعة غير مجمعين علىٰ التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه اور پھر صفحہ ۱۵۳ میں فرماتے ہیں ثم بعد هٰذه القرون كان الناس آخرون ذهبوا يمينا وشمالا وحدث فيهم امور ومنها أنهم اطمأنوا بالتقليد ودب التقليد فى صدورهم وبيب النمل وهم لا يشعرون پس معاملہ برعکس ہے یعنی جب تک عدم تقلید کا دور تھا تو اسلام کرہ

ارض پر پھیلتا گیا اور جب تقلید کا دور آیا تو بدعملی اور خرافات عام ہوئیں جن کی انتہاء ارتداد اور کفر تک پہنچی۔

اعتراض نمبر ۸۵: تیسری شہادت:

جواب:...... اس عنوان کے تحت علامہ عبدالاحد خانپوری سے نقل کرتے ہیں اور عبارت شروع میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبدعین مخالفین سلف صالحین الخ پس یہ تو ان ہی لوگوں کی بات ہے جو دلائل کے لحاظ سے ہمارے سامنے تنگ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اہل حدیث ہیں یعنی حدیثوں پر ہیں یہ تو تذکرہ ان جھوٹے اہل حدیثوں کا ہے جو مبتدع بھی ہیں اور سلف کے مسلک کے خلاف ہیں حالانکہ سچے اہل حدیثوں کو جو سلف کے مسلک پر ہیں اور بدعت سے متنفر اور سنت کے شیدائی ہیں ان کے لیے نہیں کہہ رہے کیونکہ علامہ موصوف خود بھی تو اہل حدیث تھے پھر عبارت میں یہ الفاظ بھی ہیں ''اس طرح جہاں بدعتی کاذب اہل حدیثوں میں کوئی ایک دفعہ رفع الیدین کرے الخ تو ظاہر ہے ہوا کہ ان مصنوعی لوگوں کی بات ہے حقیقی اہل حدیث کی بات نہیں کیونکہ وہ ہمیشہ رفع الیدین کرتے ہیں باقی جو جھوٹے اور بدعتی ہیں وہ تو اہل حدیث ہو ہی نہیں سکتے اور اس عبارت میں یہ بھی ہے کہ رافضیوں میں الحاد تشیع ظاہر کر کے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیں اور پھر جس قدر الحاد وزنادقہ پھیلا دیں کچھ پرواہ نہیں یہ تمثیل خود بتلاتی ہے کہ علامہ موصوف ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو منافقانہ طور اہل حدیث کہلا کر سلف کی مخالفت کرتے ہیں حالانکہ جو واقعی اہل حدیث ہیں ان کا یہ طریقہ نہیں ہے اور یہی مسلک ومذہب ان لوگوں میں رائج تھا جن کی بہتری اور خوبی کی شہادت خود پیغمبر صاحب نے دی برخلاف مذہب تقلید کے کہ ان خیر وخوبی کے زمانوں کے بعد نکلا اور جاری ہوا اور ایسے زمانوں میں پھیلا جس کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت کی جو کہ زمانہ ظہور بدعات وشرور کا ہے'' اور پھر صفحہ ۲۷۲ میں فرماتے ہیں یہ اہل حدیث کی حقانیت کی ایک اور دلیل اہل حدیث کا حضرت کے زمانہ سے لے کر بعد کے تمام زمانوں میں موجود رہنا لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان بعد کے زمانوں میں اس پہلے مسلک پر کوئی نہ رہا اور سب کے سب تقلیدی ہوگئے اس لئے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا مخبر صادق نے خود پیشگوئی فرمائی ہے کہ میری امت کا ایک گروہ حقانی ہمیشہ قائم رہے گا اس کا مصداق وہی گروہ ہوسکتا ہے جو اس وقت موجود تھا پس بحسب آپ کی پیشگوئی کے وہی ہمیشہ باقی رہے گا چنانچہ وہ یقیناً ہر زمانہ میں موجود رہا یہ مستقل دلیل ہے اہل حدیث کے گروہ کے حقانی ہونے کی ابتداء اسلام سے چوتھی صدی تک اہل حدیث کے وجود سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔''

اعتراض نمبر ۸۶: اس عنوان کے تحت علامہ محمد حسین بٹالوی کی اخبار اشاعۃ السنۃ سے عبارت نقل کرتے ہیں:

جواب: اولاً:...... عبارت پوری سامنے نہیں ہے تاکہ مطلب واضح سمجھ میں آئے۔

ثانیاً:...... نزہۃ الخواطر صفحہ ۴۲۸ ج ۸۔ میں ان کے ترجمہ میں ہے "ومذہبہ فی الفروع مذہب اہل الحدیث المتسمکین بظواہر النصوص اھ" پس جو خود اہل حدیث تھا وہ اہل حدیثوں کو برا کیسے کہے گا۔

ثالثاً:...... آپ کے مولوی بشیر احمد قادری نے رسالہ "غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں" طبع ابوحنیفہ اکیڈمی صفحہ ۳۳۔ پر لکھتا ہے "مولوی محمد حسین بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ کے ذریعے اہل حدیث کی بہت خدمت کی" پس ایسا شخص اہل حدیث کو برا کیسے کہہ سکتا ہے۔

رابعاً:...... جو عبارت آپ نے پیش کی ہے وہ بھی ان لوگوں کی ہے جو بے عملی کے ساتھ اجتہاد کا مطلق دعویٰ کرتے ہیں تو یہ اہل حدیث کی صفت نہیں ہے کیونکہ جو عالم ہیں وہ خود نصوص دیکھتے ہیں اور جو خود غیر عالم ہیں وہ علماء سے حدیث اور قرآن پوچھتے ہیں پس وہ نصوص و دلائل شرعیہ کے تابع ہیں مقلد نہیں جب ہی تو اپنے آپ کو مقلد کہلاتے ہیں اور دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل: ۴۳) پس ایسے شخص بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے ہاں بھی محقق ہیں حالانکہ محقق اور مقلد دو الگ حیثیتیں ہیں پس علامہ بٹالوی مرحوم کا اشارہ ان ہی کی طرف ہوسکتا ہے۔

اعتراض نمبر ۸۷: بعض غیر مقلدین یہ شہادتیں سن کر جلدی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم صدیق حسن اور محمد حسین بٹالوی کے مقلد نہیں ...الخ:

جواب:...... اولاً جب عبارتوں کا مفہوم کچھ اور ہے تو پھر اس عذر کی کیا ضرورت۔

ثانیاً:...... اگر ان شہادتوں کا وہی مفہوم تسلیم کیا جائے جو آپ نے لیا ہے تو بھی مسلک اہل حدیث پر کوئی حرف نہیں آسکتا کیونکہ بعض افراد کے غلط رویے سے مسلک رد نہیں ہوسکتا ہے حالانکہ خطا سے کوئی معصوم نہیں تو علی تقدیر التسلیم ان عبارات کا مطلب یہ ہوگا کہ علماء کرام اپنے مسلک والوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ جب اہل حدیث ہونے کے مدعی ہیں تو قولاً وفعلاً اور عقیدۃ وعملاً اہل حدیث ہی ہو کر رہیں جیسے رسول اللہ ﷺ بھی کئی بار اپنے صحابہ کو تنبیہ فرماتے تھے۔

ثالثاً:...... یہی بزرگ نواب صاحب، بٹالوی صاحب یا خانپوری صاحب وغیرہم اگر واقعی اہل حدیثوں کو ایسا ہی برا جانتے ہیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے تو پھر خود اہل حدیث کیسے بنے اور ان کی تصنیفات اہل حدیث

کی تعریف اور تقلید کی تردید سے بھری ہوئی کیوں ہیں۔

اعتراض نمبر ۸۸: ہاں اگر غیر مقلدین متفقہ طور پر یہ اعلان شایع کریں کہ جو شخص غیر مقلد ہو جائے وہ مردود الشہادۃ بن جاتا ہے...الخ:

جواب: یہ اعلان کون کر سکتا ہے کیونکہ خود آپ کے امام ابو یوسف اہل حدیث کو مخاطب ہو کر کہتے ہیں ما علی الارض خیر منکم الیس قد جئتم او کبرتم تسمعون حدیث رسول اللہ ﷺ تسلیما (شرف اصحاب الحدیث صفحہ ٦٧) بلکہ یہ تو آپ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ محدثین نے احادیث کی کتب جمع کی ہیں اگر ان کی شہادت معتبر نہیں تو ان کی حدیث کیسے معتبر ہوگی پھر آپ احادیث کو کیسے استدلال میں پیش کرتے ہو۔

اعتراض نمبر ۸۹: حنفی چونکہ شروعات سے ہند میں آئے ہیں اس لئے ان کے قرآن پاک کے تراجم تفسیریں فقہ اور حدیث کی کتابیں اور ان کی شروح اور حواشی ملک کی ہر جگہ پر دستیاب ہیں لیکن غیر مقلدین کے قرآن کا اردو ترجمہ یا کسی حدیث کا ترجمہ یا ان کی نماز کی کتاب انگریز کے دور سے پہلے کی دنیا میں موجود نہیں:

جواب:...... پہلے ابن حزم کی عبارت محمود غزنوی کے بارے میں گذر چکی جو کہ ان کی تردید کے لیے کافی ہے نیز نزہۃ الخواطر میں کئی ایسے تراجم ملتے ہیں کہ وہ لوگ انگریز کے دور سے پہلے تھے مثلاً شیخ اسماعیل شہید سنہ ۱۲۴۶ھ میں فوت ہوئے (نزہۃ الخواطر صفحہ ٦١ ج ٧) آپ کی کتاب تنویر العینین واضح شہادت ہے جس میں آپ نے تقلید کا خوب رد کیا ہے اور رفع الیدین اور دیگر مسائل کو دلائل سے ثابت کیا ہے (واضح ہو کہ سنہ ۱۸۵۷ء یعنی ۱۲۷۴ھ کے بعد ہندوستان پر انگریز کی حکومت قائم ہوئی) (تاریخ اسلام صفحہ ۱۰۳۳ ج ۵) قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی سنہ ۱۲۲۵ وہ بھی تقلید سے نکل چکے تھے چنانچہ شیخ محسن بن یحییٰ لکھتے ہیں انہ کان فقیھاً اصولیا زاھداً مجتھداً لہ اختیارات فی المذھب اور علامہ غلام علی علوی لکھتے ہیں بلغ رتبہ الاجتھاد فی الفقہ والاصول الخ (نزہۃ الخواطر صفحہ ۱۴۔۲۱۳ ج ۷) علامہ حیدر علی الطوکی المتوفی سنہ ۱۲۷۳ جس نے رفع الیدین کے اثبات میں کتاب تصنیف فرمائی ونزہۃ الخواطر صفحہ ۵۴۔۱۵۳ ج ٦٧۔ علامہ خرم علی البلہوری المتوفی سنہ ۱۲۷۱۔ جس نے توحید وسنت کی نصرت میں رسالہ لکھا اور فاتحہ خلف الامام کے بارے میں بھی کتاب لکھی۔ علامہ عبدالعزیز الملتانی جو اسی صدی میں فوت ہوئے مشہور حنفی تھی لیکن بالآخر تقلید سے نکل گئے تقلید کی مذمت میں عربی میں ایک رسالہ لکھا صاحب نزہۃ الخواطر صفحہ ۲۷۷ ج ۷۔ میں لکھتا ہے وکان شدید المیل الی اتباع السنۃ السنیۃ ورفض التقلید قال فی

الیا قوت وبالجملة لا یرتاب مسلم فی ان الله سبحانه امر باتباع رسوله فلا نترك الیقین بالشك و من لأمنا؟علیه فلیلم انتهیٰ . اور اسی صدی میں علامہ عبداللہ صدیقی الہ آبادی گزرے ہیں نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۰۴۔۳۰۶ ج ۷۔اور لکھتے ہیں یعمل بظواھر النصوص نیز تقلید کے رد میں کئی کتابیں لکھیں مثلاً اعتصام السنه و قامع البدعة اور صمصام الحدید المسلول فی قطع لغاوید البدعة والرای والمذاهب والتقلید اور السیف المسلول فی ذم التقلید المخذول یہ رسائل سنہ ۱۲۷۳ھ میں تصنیف فرمائیں اس طرح شیخ عبدالحق بنارسی جس کا آپ نے ذکر کیا جو کہ سنہ ۱۲۷۶ھ میں فوت ہوئے ہیں گویا کہ یہ بھی انگریزوں کے دور سے پہلے ہی تھے آپ نے ان کا غیر مقلد ہونا تسلیم کیا ہے اور نزہۃ الخواطر صفحہ ۲۷۵ ج ۷۔ میں ہے "وکان عبدالحق بن فضل الله لا یتقید ومذهب ولا یقلد احداً فی شی من امور دینة بل یعمل بنصوص الکتاب والسنة ویجتهد برایه ولذالك جرت بینه وبین الاحناف مباحثات کثیرات منی الاجتهاد والتقلید ومن مصنفاته الدرالفرید فی المنع عن التقلید" علامہ شیخ ابوالحسن سندھی ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، مسند پر ہم دیکھ چکے ہیں جا بجا مسائل کو ترجیح دیتے ہیں مثلاً رفع الیدین، سینہ پر ہاتھ باندھنا، آمین بالجہر، فاتحہ خلف الامام، گاؤں میں جمعہ پڑھنا وغیرہ، نیز رفع الیدین اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق ان پر جو تکالیف آئیں وہ واقعہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ مرزا مظہر جان جاناں التوفی سنہ ۱۱۹۵، نزہۃ الخواطر صفحہ ۵۴ ج ۶، اور صفحہ ۳۲ ج ۶ میں لکھتے ہیں "کان یری الاشارة بالمسبحة فیضع یمینه علیٰ شماله تحت صدره ویقوی قرأة الفاتحه فی ما لا یجهر الامام فیه بالقرأة واقر المحدث حیاة السندی المدنی علیٰ قوله بوجوب العمل بالحدیث بشرطه وان خالف المذهب." علامہ محمد حیات سندھی التوفی سنہ ۱۱۶۳ھ، نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۰۶ ج ۷" آپ تو بالکل تقلید سے بالا تھے آپ کی کتابیں، الاتباع اور الایقاف، اور فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور مشہور ہیں علامہ محمد فاخر الہ آبادی التوفی سنہ ۱۱۶۴ھ " وکان لا یتقید بمذهب ولا یقلد فی شی من امور دینه بل کان یعمل بنصوص الکتاب والسنة ویجتهد برأیه وهو اهل لذالك وله مصنفات فی انتصار السنة منها درة التحقیق فی نصرت الصدیق، قرة العینین فی اثبات رفع الیدین منظومة وله منظومة اخری فی العبادات ما خوذه من سفر السعادة للفیروز آبادی وله الر سالة النجاتیة فی العقائد وله منظومة فی مذهب اهل الحدیث (نزہۃ الخواطر صفحہ ۴۵۵ ج ۶) آپ نے حجۃ اللہ البالغہ میں جو تقلید کی مٹی پلید کی ہے وہ کسی

عالم سے مخفی نہیں آپ نے رفع الیدین کے متعلق لکھا ہے کہ والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع لان احادیث الرفع اکثر واثبت. اوران کا ترجمۃ القرآن بھی فارسی زبان میں ہے۔ ملک ابراہیم عادل شاہ التوفی سنہ ۱۰۳۶ باوجود حنفی ہونے کے تقلید کو ترک کر دیا، شیخ احمد بن علی مالکی تھا مگر متبع سنت اور قرآن وحدیث کو ترجیح دیتا تھا۔ شیخ تاج الدین الکجراتی التوفی سنہ ۱۰۰۷ مشہور محدث تھے..........!!

شیخ عبدالباقی الدہلوی سنہ ۱۰۱۴ باوجود نقشبندی کے لیکن فاتحہ خلف الامام کے بابت کثرت سے احادیث اوران کی قوت دلالت دیکھ کر امام کے پیچھے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتا تھا قاضی نظیر الدین برہان پوری التوفی سنہ ۱۰۳۱ھ جو کہ مشہور محدث اور حدیث، قرآن پر عمل کرنے والا اور ہر بات میں حدیث کو ترجیح دینے والا تھا اور قیاس کا انکار کرتا تھا اور اسماء الرجال کا عالم تھا (نزہۃ الخواطر صفحہ ۶۔ ۵۸۔ ۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۱۷ ج ۵) شیخ احمد الفیاض امیٹھوی دسویں صدی کا آدمی ہے حنفی تھا مگر چونکہ حدیث میں زیادہ مہارت تھی اس لیے امام کے پیچھے سب نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھتا تھا اور اپنے ہم عصر نظام الدین امیٹھوی کی اس مسئلہ میں تردید کرتا تھا شیخ بلال تلہتی سندھی التوفی سنہ ۹۰۹ھ مشہور محدث اور قرآن وحدیث کا عالم تھا۔ شیخ بہاء الدین العمری الجونپوری التوفی سنہ ۹۱۱ھ مشہور محدث تھا جو کہ رات دن ان حدیث کی کتابوں میں مشغول تھا، شیخ رحمۃ اللہ سندھی محدث التوفی سنہ ۹۴۴ھ محدث رفیع الدین الشیرازی التوفی سنہ ۹۵۴ شیخ المحدثین والمفسرین سعد الدین الدری الہندی المندوی التوفی سنہ ۹۰۲ھ، شیخ عبدالمعطی المکی الہندی الاحمد آبادی احد العلماء المحدثین التوفی سنہ ۹۸۹ھ، شیخ عبدالنبی گنگوہی التوفی ۹۹۱ھ جو کہ حنفی تھا مگر بعد میں تبدیلی آئی۔ تردد إلی الحجاز غیر مرة و صحب المشائخ مدة طویلة حتیٰ رسخ فیه مذهب المحدثین فرجع الی الاهل والوطن و خالفهم فی مسئلة السماء والتواجد ووحدة الوجود والآعرابی واکثر رسوم المشائخ الصوفیة ونصر السنة المحققة والطریقه السلفیة واحتج ببراهین ومقدمات فخالفه والده واعمامه فاوذی فی ذات الله من المخالفین واخیف فی نصرة السنة حتیٰ انهم اخرجوه من الاهل والوطن ولکنه لما قیض الله له صدارة الهند طلبه اکبر باد شاه التیموری سلطان الهند وولاه الصدارة فی ارض الهند بعرضها وطو لها سنة احدی و سبعین وتسع مأه فاستقل بها زمانا واعطیٰ من الارض والاموال مالم یعط احد قبله من الصدور وحصل له القبول التام عند الخاص والعام وکان اکبر باد شاه یذهب الیٰ بیته لا ستماع الحدیث الشریف الخ.

مشہور محدث مبارک بناری العمری علم حدیث کا مشہور عالم المتوفی سنہ ۹۸۰۔ جس نے حدیث میں کتاب مدارج الاخبار تصنیف فرمائی، شیخ محمد بن محمد الایجی گجراتی اس صدی کا ہے کان من العلماء المشهورين بمعرفة الحديث وكان من كبار العلماء له مشاركة جيدة في الحديث والرجال، سلطان محمود بیکرہ گجراتی المتوفی سنہ ۹۱۷ھ جن کے ہاں عرب سے اہل حدیث آتے رہتے تھے اور ان کی تبلیغ کی برکت سے لوگ حدیث شریف کی طرف متوجہ ہوئے سلطان مظفر الحلیم گجراتی الشہید المتوفی سنہ ۹۳۲ھ كان يقتضى آثار السنة في كل قول وفعل ويعمل بنصوص الاحاديث النبويه. (نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۱۔۵۶۔۶۰۔۱۱۲۔۱۱۵۔۱۲۲۔۲۱۴۔۲۱۹۔۲۷۷۔۳۱۲۔۳۴۵۔۳۵۷۔ج ۴) محدث عبداللہ الشیرازی اور محدث جمال الدین کشمیری دونوں نویں صدی کے ہیں (نزہۃ الخواطر صفحہ ۲۲۔۵۰ج ۳) علامہ جلال الدین حسین بن احمد البخاری المتوفی سنہ ۷۸۵ھ اچ کا رہنے والا تھا باوجود حنفی مذہب کے مفتی ہونے کے قرأۃ خلف الامام کا قائل تھا، شیخ عبدالعزیز الازدسلمی آٹھویں صدی کا تھا مشہور محدث اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام الحفاظ ذہبی کے شاگرد تھے دہلی میں بادشاہ محمد شاہ تغلق کے پاس رہتا تھا شیخ فخر الدین زرادی المتوفی سنہ ۷۴۸ مصنف رسالہ العثمانیہ فی التعریف جو کہ زرادی کے نام سے مشہور ہے عام طور پر مدارس میں پڑھائی جاتی ہے آپ حنفیوں کے سخت خلاف تھے اور کسی خاص مذہب کی تقلید کے قائل نہیں تھے بلکہ اس کو بدعت جانتے تھے۔ شیخ نظام الدین محمد بن احمد الدایونی المتوفی سنہ ۷۲۵۔ آپ باوجود حنفی ہونے کے فاتحہ خلف الامام کے قائل و عامل تھے بعض شاگردوں نے یہ روایت پیش کی انی وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیه جمرة آپ نے فرمایا که وقد صح عنه ﷺ لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فالحديث الاول مشعر با لو عيد والثانى بطلان الصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب انى احب ان اتحمل الوعيد ولا استطيع ان تبطل صلاتی علیٰ انه قد صح فی الاصول ان الاخذ بالا حوط والخروج من الخلاف اولیٰ.

نیز آپ غائبانہ جنازہ نماز کے قائل تھے آپ ہی نے ایک واقعہ کے بعد فرمایا ان عجبت اليوم من جرأة الفقهاء وكيف انكروا الاحاديث وقالوا ان الرواية الفقهية مقدمة عليها وبعضهم قالوا ان ذالك الحديث ممسك الشافعي وهو عدو لعلمائنا فلا نستعملها ولا نعتقدها وقالوا ذالك بمحضر الصدر والقضاة فكيف يصح اعتقادهم في الاحاديث فان رضى السلطان (تغلق شاه) بها ومنع عن رواية الحديث اخاف ان يحل عليهم غضب الله سبحانه ويهلك الحرث والنسل بسوء اعتقاد العلماء

بالحدیث (نزہۃ الخواطر صفحہ ۲۷۔۶۶۔۱۰۰۔۱۲۰ ج ۲)

محدث محمد بن احمد الماریکلی الدہلوی المتوفی سنہ ۶۸۴، محدث رضی الدین الصنعانی البدایونی ساتویں صدی کا ہے جس کی حدیث میں کئی مصنفات ہیں محدث احمد الدمینی الہندی المتوفی سنہ ۶۷۱ھ، مشہور محدث محمود بن محمد اللاہوری الاسفرائینی المتوفی سنہ ۵۴۰۔ تقریباً محدث عمرو بن سعید اللاہوری المتوفی سنہ ۵۸۱۔ حافظ محدث ابو موسیٰ المدینی الاصفہانی کا استاد مشہور بادشاہ محمود غزنوی المتوفی سنہ ۴۲۰ھ جس کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کی وجہ سے ہندستان کے اکثر شہروں میں مذہب اہل حدیث غالب رہا ہے نیز ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب دیکھا کہ شافعی مذہب احادیث زیادہ موافق ہیں تو حنفیت کو چھوڑ دیا، شیخ فتح بن عبداللہ سندھی چوتھی صدی ہجری کا ہے جسے ایک شریف یعنی سید کو نشہ کی حالت میں دیکھ کر کہا کہ " انی متبع آثار جدك وانت متبع آثار جدی " شیخ ابوالعباس احمد بن المنصوری السندی جو منصورہ شہر کا قاضی تھا چوتھی صدی کا شخص ہے امام داؤد ظاہری کے مذہب پر کئی کتابیں لکھیں اور علامہ بشار مقدسی احسن التقاسیم میں لکھتے ہیں رایت ابا العباس المنصوری داؤدیا اماما فی مذهبه وله تدریس وتصانیف قد صنف كتبا عديداً حسنة . گویا کہ اہل حدیث کے مدارس قائم کیے۔ مشہور محدث ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن عبداللہ الدیبلی السندھی چوتھی صدی کا آدمی ہے۔ مشہور محدث ربیع بن صبیح السعدی السندی المتوفی سنہ ۱۶۰ھ (نزہۃ الخواطر صفحہ ۱۵۶۔۱۱۹۔۲۳۔۸۵۔۸۳۔۶۹۔۵۷۔۵۰۔۴۱۔۲۴) یہ سب حوالے آپ کے حنفی بھائی سید عبدالحئی بن فخر الدین الحسنی مدیر ندوۃ العلماء لکھنوی کی کتاب نزہۃ الخواطر وبہجۃ السامع والنواظر سے نقل کیے گئے ہیں۔ ثابت ہوا کہ انگریزوں کے دور سے پہلے ہندستان میں ہر صدی میں ایسے لوگ رہے ہیں جو اہلحدیث اور غیر مقلد تھے یا حنفی ہونے کے باوجود اہلحدیث کے مسلک کو بالکلیہ یا بعض مسائل میں قبول کیا اور ایسے بھی تھے جنہوں نے تقلید کو رد کیا لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ مسلک اہلحدیث انگریزوں کی پیداوار ہے غلط ثابت ہوا۔

اعتراض نمبر ۹۰: حنفی اپنی نماز کی کتاب وہ پیش کرتے ہیں جو خیر القرون میں مرتب ہوئی جامع صغیر اور امام محمد کی وہ چھ کتابیں جو ظاہر روایتیں ہیں نماز کا یہ طریقہ جو جامع صغیر میں درج ہے امام صاحب نے پچپن سال حرمین شریفین میں ادا کیں کسی صحابی تابعی نے اس پر اعتراض نہیں کیا:

جواب:.......**اولاً**:.......امام محمد نے خاص نماز پر کوئی کتاب نہیں لکھی۔ لہٰذا آپ کا دعویٰ غلط ہوا۔

ثانیاً:.......امام محمد کی تصانیف کے ضمن میں نماز کے مسائل مذکور ہیں لیکن ان سے پہلے امام مالک کی مؤطا

ہے اس میں بھی نماز کے مسائل بیان ہیں اس میں انہوں نے رفع الیدین کو ثابت کیا ہے جو کہ اہلحدیث کی نماز ہے اور امام مالک خود مدینہ میں رہتے تھے اور تمام تابعین ان کو دیکھتے تھے لیکن کسی نے ان کی نماز پر اعتراض نہیں کیا۔

ثالثاً:...... جامع صغیر میں امام محمد براہ راست ابو حنیفہ سے نقل نہیں کرتا بلکہ بواسطہ ابو یوسف نقل کرتا ہے۔

رابعاً:...... محمد بن حسن شیبانی خود مجروح ہے میزان صفحہ ۴۶ ج ۳ میں ہے محمد بن الحسن الشیبانی ابو عبداللہ احد الفقھاء لینہ النسائی وغیرہ من قبل حفظہ یروی عن مالک بن انس وغیرہ وکان من بحور العلم والفقہ قویا فی مالک اور یہاں مالک سے روایت نہیں ہے اور لسان المیزان صفحہ ۱۲۲ ج ۵۔ میں ابو زرعہ سے منقول ہے کہ کان محمد بن الحسن جھمیا وقال محمد بن سعد الصوفی سمعت یحی بن معین یرمیہ بالکذب وقال الاحوص عن الفضل العلائی عن ابیہ حسن اللؤلوی ومحمد بن الحسن ضعیفا ن وقال عمرو بن علی ضعیف وذکرہ العقیلی فی الضعفاء وقال حدثنا احمد بن محمد بن صدقۃ سمعت العباس الدوری یقول سمعت یحی بن معین یقول جھمی کذاب ومن طریق امد بن عمرو قال ھو کذاب " نیز خود ابو یوسف سے منقول ہے کہ محمد الحسن یکذب علی .

خامساً:...... محمد بن حسن کی ولادت، سنہ ۱۳۱ھ میں ہوئی ہے (مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ ابی یوسف ومحمد بن الحسن للذھبی صفحہ ۵۰۔ بلوغ الامانی فی سید الامام محمد بن حسن الشیبانی مصنفہ زاہد الکوثری الحنفی صفحہ ۵) اور امام ابو حنیفہ صفحہ ۱۵۰ میں فوت ہوا ہے اس وقت ابن حسن کی عمر ۱۸ سال تھی خود امام ابو حنیفہ کو علم پڑھنے کا شوق سنہ ۹۶ھ میں ہوا پھر وہ کاروبار کی مشغولیت کی وجہ سے خود دیر سے عالم بنے تو امام محمد نے اس سے کتنا علم حاصل کیا یہ خود ہر ایک فیصلہ کر سکتا ہے پس کیسے باور کیا جاتا ہے کہ جو محمد بن الحسن نے ان سے نقل کیا ہے وہی طریقہ نبوی اور مسنون ہے۔

سادساً:...... خود اسی جامع صغیر کے اندر کئی مسائل ایسے ہیں جن میں دونوں شاگردوں ابو یوسف ومحمد نے امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی ہے خود نماز کے متعلق جامع صغیر میں اٹھارہ (۱۸) ابواب ہیں اور دو باب کے علاوہ باقی سب ابواب میں صاحبین نے مخالفت کی ہے ایسے ہی جملہ ۱۸ مسائل محمد بن الحسن نے جامع الصغیر میں نقل کئے ہیں جن میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے پس اگر ان کی نماز نبوی تھی اور مکہ کے کسی صحابی اور تابعی نے اس پر اعتراض نہیں کیا تو پھر ان کے شاگردوں نے کیسے مخالفت کی پس جب امام صاحب

کے مسائل ان کے شاگرد ہی نہیں مانتے تو پھر ان کو طریقہ نبوی کہنا کہاں تک صحیح ہے۔

سابعاً :...... محمد بن الحسن کی جامع الصغیر عربستان سے باہر کی تصنیف ہے لہٰذا آپ کا اعتراض صحیح نہیں بلکہ عرب ممالک میں محدثین کی کافی تصنیفات ہیں مثلاً امام ابونعیم المتوفی سنہ ۲۱۸ھ جو کہ اتباع تابعین میں سے ہیں اور امام بخاری کے استاد ہیں ان کی کتاب الصلوٰۃ مشہور ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر صفحہ ۲۱۶۔۳۔۷ اج ا۔ میں ذکر کیا ہے نیز ہشیم بن بشیر الواسطی المتوفی سنہ ۱۶۳ھ جو کبار تابعین میں سے ہیں بلکہ امام محمد کے استاد بھی ہیں جیسا کہ موطا صفحہ ۲۶۱ میں ان سے روایت لاتا ہے انہوں نے بھی کتاب الصلوٰۃ تصنیف کی جیسا کہ امام ابوالشیخ اصبہانی نے طبقات المحدثین اصبہانی صفحہ ۱۷ ج ۲ قلمی میں اور ابونعیم اصفہانی نے اخبار اصفہان صفحہ ۱۱۸ ج ۱۔ میں ذکر کیا ہے اور اہل حدیث صحاح ستہ اور اس کے علاوہ دوسری صحاح وسنن اور مسانید سے مسائل لیتے ہیں اور ان سے قبل مصنف ابن ابی شیبہ ہے المتوفی سنہ ۲۳۹ھ اور مصنف عبدالرزاق المتوفی سنہ ۲۱۱ھ وغیرہم کی کتب سے نماز اور دیگر احکامات کے مسائل لیتے ہیں جن میں مسائل اور احکامات مبوب ہیں باقاعدہ عنوانات مذکور ہیں آپ نے اہل حدیث کی جن چار کتب کا نام لیا ہے یعنی دستور المستقی ، ھدایۃ النبی ، صلوٰۃ الرسول اور صلوٰۃ المسلمین یہ سب ان ہی کتب سے ماخوذ ہیں اور آپ کے پاس کوئی حدیث کی قدیم کتاب نہیں ہے سوائے موطا محمد کے وہ بھی موطا مالک سے ماخوذ ہے اور محمد بن حسن شیبانی کی کتاب الآثار کے اکثر اقوال ہیں اور مرفوع روایات بالکل اقل قلیل ہیں اور طحاوی میں بھی اکثر صحیح احادیث وہی ہیں جو کتب مذکورہ بالا میں مروی ہیں پس اہل حدیث ماخذ بالکل قدیم اور ان ہی کا مسلک اصلی اور سلف ہے۔

اعتراض نمبر ۹۱: قرآن پاک مین سب سے پہلی تفسیر غیر مقلدین نے فتح البیان کے نام سے لکھی جسکا ایک ایک لفظ ابن کثیر کا سرقہ ہے...الخ:

جواب :...... یہ سارا غلط اور جھوٹ ہے دونوں تفسیروں کا سیاق اور طرز تحریر بالکل الگ ہے دونوں تفاسیر علماء کے سامنے ہیں وہ فیصلہ کر سکتے ہیں غالباً آپ نے دونوں تفسیریں نہیں دیکھیں ورنہ ایسی غلط بات کی جرأت کرتے؟

ثانیاً :...... خود فتح البیان کے مصنف نواب صدیق حسن خان مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ وقد تلقیت ھٰذا التفسیر بحمد لله من تفاسیر متعدد عن ائمة ظهرت وبهرت مفا خرهم وانتشرت واشتهرت ما ثرهم جمعنی الله وايا هم وجميع المسلمين ومن اخلفهم فی مستقر رحمة من فراد يس جنته فهٰذا التفسير وان كبر حجمه وقد كثر علمه

وتوفر من التحقيق قسمه و اصاب غرض الحق سهمه مفيد لمن اقبل علىٰ تحصيله مفيصن على من تمسك بذيل اجماله وتفصيله وقد اشتمل علىٰ جميع مافى كتب التفاسير من بدائع الفوائد مع زوائد فرائد وقواعد شوارد من صحيح الدراية وصريح الرواية اھ پھر فرماتے ہیں فان احببت ان تعتبر صحة هٰذا فهذه كتب التفسير علىٰ طهر البسطة انظر تفاسير المعتمد ين على الدراية ثم انظر فى هٰذا التفسير بعد النظرين فعند ذالك بسفر الصبح لذى العينين الخ فتح البیان صفحہ ۱۹۔۲۰ ج ۱۔ اس چیلنج کے بعد آپ کی بات پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔

ثالثاً:...... علامہ ذوالفقار احمد نقوی تلمیذ النواب قضاء...... من ذکر علماء النحو والادب صفحہ ۲۵۴ میں فرماتے ہیں کہ فتح البیان تفسیر فتح القدیر امام شوکانی کی تلخیص ہے لیکن یہ نری تلخیص نہیں ہے بلکہ اور کتب تفاسیر سے اس میں بہت زیادتی کی گئی ہے گو ماخذ مستقل کتاب ہے اھ۔

رابعاً:...... اگر آپ کی بات تسلیم کی جائے تو آپ کا یہ کہنا غلط ہوا کہ یہ غیر مقلدین کی پہلی تفسیر ہے کیونکہ جب اس کا ایک ایک لفظ ابن کثیر کا ہے جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے تو ثابت ہوا کہ ابن کثیر نے بھی تو غیر مقلدین کی تفسیر کی ہے اور وہ آٹھویں صدی کی تصنیف ہے اس کی علاوہ اس سے قبل امام قرطبی المتوفی سنہ ۶۷۱ھ کی تصنیف الجامع الاحکام القرآن جو کہ بیس جلدوں میں طبع ہوئی ہے وہ صفحہ ۱۹۵ ج ۲۔ میں تقلید کے متعلق فرماتے ہیں: التقليد ليس طريقا للعلم ولا موصولاً له لا فى الاصول ولا فى الفروع وهو قول جمهور العقلاء والعلماء خلافاً لما يحكى عن جهال الحشوية والثعلبيه من انه طريق الىٰ معرفة الحق وان ذالك هو الواجب وان النظر والبحث حرام والا حتجاج عليهم فى كتب الاصول اور اس سے قبل امام ابن جوزی المتوفی سنہ ۵۹۷ھ جس کی تفسیر زاد المسیر مشہور ہے نو جلدوں میں طبع ہے آپ اپنی کتاب تلبیس ابلیس صفحہ ۸۲۔۸۱۔ میں فرماتے ہیں اعلم ان المقلد علىٰ غير ثقة فيما قلد فيه وفى التقليد ابطال منفعة العقل لانه انما خٰلق للمتأ مل والتدبر وقبيح بمن اعطىٰ شمعة يستضى بها ان يطفئها ويمشى فى الظلمة واعلم ان عموم اصحاب المذاهب يعظم فى قلوبهم الشخص فيتبعون قوله من غير تدبر بما قال وهٰذا عين الضلال لان النظر ينبغى ان يكون الى القولى لا الى القائل كما قال ﷺ للحارث بن حوط وقد قال له انا نظن ان طلحة والزبير كانا علىٰ باطل فقال له يا حارث انه ملبوس عليك ان الحق لا يعرف بالرجال اعرف

الحق تعرف اھلہ وکان احمد بن حنبل یقول من ضیق علم الرجال ان یقلد فی اعتقادہ رجلاً ولھٰذا اخذ احمد بن حنبل بقول زید فی الجد وترک قول ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ.

علامہ موصوف تفسیر زاد المسیر صفحہ ۳۰۱ ج ۷۔ میں سورہ زخرف کی آیت (۲۲) ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰی أُمَّةٍ﴾ کے تحت فرماتے ہیں کہ وفی ھٰذہ الایة ابطال القول بالتقلید یعنی اس آیت میں تقلید کی تردید ہے۔ اور آپ کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ علماء نے نواب صاحب کو تفسیر پر ملامت کی اور کہا کہ چوری کی ہے کوئی ایسا ثبوت نہیں بلکہ خود نزہۃ الخواطر میں اس تفسیر کی تعریف کی گئی ہے اور مطبع عاصمہ میں طبع ہونے والی تفسیر کے شروع میں ناشر اس کی تعریف میں لکھتا ہے: أما الکتاب فھو درة نادرة بین کتب التفسیر لانہ خلا عن الا سرائیلیات والجدلا المذھبی و المناقشات الکلامیة وصرف ھمہ الا الآیات یجلو معانیھا فی عبارة سھلة مشرکة ولا داعی للاطناب فالکتاب بین یدیك راجع ای موضع فیہ تجد صدق ما قلناہ واکثر مما قلناہ اھ.

آپ کے حنفی علامہ عبدالحق حقانی اپنی تفسیر حقانی صفحہ ۱۱۸ ج ۱۔ میں لکھتے ہیں تفسیر فتح البیان نواب مولوی سید صدیق حسن خان بہادر زادے کی تفسیر چار جلدوں میں ہے۔ سید موصوف نے فتح القدیر محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی سنہ ۱۲۵۵ کی تفسیر کو مزین کر کے لکھا ہے البتہ منقولات کو احتیاط سے درج کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۹۲ : مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی وہ پہلے بزرگ ہیں جو حضرت امام مولانا عبدالجبار غزنوی مرحوم کی خدمت یوں حاضر ہوئے اور مولوی ثناء اللہ کی تفسیر کو جماعت اہل حدیث کے لیے ایک فتنہ قرار دیا:

جواب :...... یہ عبارت رسالہ فیصلہ مکہ کے حوالہ سے نقل کی ہے جو کہ مولانا کے مخالفین کی کوشش کا نتیجہ جنہوں نے ان کے خلاف کئی بہتان تراشے تھے ورنہ فی الحقیقۃ مولانا کی تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن پر جو علماء نے تقریظیں لکھی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس قدر اس تفسیر کو مقبولیت حاصل ہوئی یہ تقریظیں تفسیر طبع دوم کے شروع میں مطبوع ہیں وہاں دیکھنی چاہئیں ہم یہاں صرف آپ کے حنفیوں کی تقاریظ نقل کرتے ہیں چنانچہ آپ شیخ الھند علامہ محمود الحسن دیوبندی فرماتے ہیں: أما بعد: فان طرق التفسیر مختلفة من احسنھا ما سلکہ العالم الفاضل المتبع للسنة والھدی المولوی ابو الوفاء ثناء اللہ امر تسری ان یفسر القرآن بکلام الرحمن کانہ تفسیر فی الحقیقة لھٰذہ الآیة الکریمة اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابھاً مثانی تقشعر منہ جلو د الذین یخشون ربھم

ثم تلين جلود هم الى ذكر الله وامثالها فلله دره فيها افاد واجاد نعم التفسير وحبذا المتحرر جزى الله مصنفه عن اهل الاسلام اھ" اور آپ کے علامہ خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں:"وبعد فان المسالك التى سلكها المفسرون فى تفسير القرآن شتّٰى وابتدعها الفاضل المولوى ثناء من تفسير القرآن بكلام الرحمن احرى ان يسمىٰ ويمدح ويثنىٰ فانها طريقة عديمة المسالك بعيدة عن العوامل والموالك فلله دره فقد أوجز وابلغ واتم واسبغ نسئل ربنا ان يروونا واياه التقوىٰ اھ" اور آپ کے شمس العلماء محمد شبلی نعمانی فرماتے ہیں:"انى و فقت علىٰ تفسير القرآن للفاضل المولوى ثناء الله واعترف انه نافع للمحصلين ومن مز اياه انه يفسر القرآن بالقرآن وهٰذا مزية لا توجد فيما علمت فى غيرهٖ فالله يجازيه خيراً" آپ کے علامہ عبدالحق دہلی مصنف تفسیر حقانی میں فرماتے ہیں "فمن المفسرين المولوى الفاضل الكامل ابو الوفاء محمد ثنا الله صاحب الفضل والكمال فسر القرآن بالقرآن والاحاديث وسرد العبارات من غير تعرض للجرح والتعديل فلله دره ولا يخاب دره حيث أجاد فيما افادوا ما السهو والنسيان فقلما يسلم منه الانسان اھ."

پیر مہر علی شاہ گولڑوی فرماتے ہیں:

"اما بعد فانى طالعت تفسير القرآن بكلام الرحمن لحبى فى الله المولوى الفاضل ثناء الله فلله دره اذ وفقه لا براز خيرات حسان من تفسيرات نظم القرآن كاشفاً خدور هن بحيث يرى بمرايا جمالهن وجوه الاعجاز من بعد ماكان يحبسس من نوع الالفان ويسر عليه تقرير الادلة المحكمة وحل الشبه المدلهمة بالامعان من سوق العبارا ت من غير تكلف التاويل ولا تطويل اضمار المقدمات اذرايت فيه حسبته حداً اوسط لاثبات ان كل كلمة من القرآن سلطان دارها وافية بالا غراض وكل آية من الفرقان بر هان جارها شافية للامراض فلله الحمد رب السموٰات والارض ورب العالمين وله الكبر يا فى السمٰوٰت والارض وهو العزيز الحكيم وصلى الله علىٰ حبيبه سيد المرسلين حريص عليكم بالمومنين روف رحيم."

گویا کہ آپ کے علماء حنفیہ کے دونوں فریق دیوبندی اور بریلوی اس تفسیر کی مدح میں رطب اللسان ہیں ایضاً خود مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی مولانا امرتسری کے بڑے مداح ہیں، چنانچہ آپ نے ایک بیان غالباً سنہ 1918ء پر

ایک زبردست جلسہ عام لاہور میں منعقد کیا جب مولانا امرتسرا اپنی جدوجہد کے دور شباب سے گذر رہے تھے مولانا سیالکوٹی نے اپنی تقریر میں مجدد دین کی علامت اور ان کے کارناموں کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا جو بدعت کسی زمانہ میں زور پر ہو اس سے اسلام اور اہل اسلام کو بچانے اور اس کو رد کرنے میں جو کوئی جتنا حصہ لے گا اسی قدر مجددیت سے اس کو حصہ ہوگا خود اس کا دعویٰ کرنا مجددیت نہیں، اس تمہید کے بعد مولانا سیالکوٹی نے قادیانی بدعت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس بدعت کے مٹانے میں جس نے بہت زیادہ حصہ لیا یہاں تک کہ قوم کی طرف سے اس کو فاتح قادیان کا خطاب ملا بس وہ اس صدی کا مجدد ہے۔

(فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۳۰۷)

بلکہ مولانا سیالکوٹی آپ کو سردار اہل حدیث مانتے تھے۔ چنانچہ ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۲۱ کو مسجد مبارک اہل حدیث اسلامیہ کالج لاہور کے ایک اجتماع میں سردار اہل حدیث کا انتخاب عمل میں لایا گیا، چنانچہ پہلے تین بزرگان کے نام پیش ہوئے مولانا عبدالواحد غزنوی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا ثناء اللہ صاحب اور باتفاق رائے مولانا امرتسری کو سردار چنا گیا "نقوش ابو الوفاء مصنفہ امام خان نوشہروی صفحہ ۹۸ تا ۹۰ ج ۱۔" اگر سیالکوٹی صاحب کی مولانا کی تفسیر کے متعلق یہی رائے تھی جو آپ نے رسالہ فیصلہ مکہ سے نقل کی ہے تو پھر اس کو سردار اہل حدیث مانتے تھے یا اس کو مجدد وقت کیسے کہتے تھے بلکہ اس رسالہ کے اندر خلاف واقع باتیں ہیں جیسا کہ اگلے سوال میں آئے گا۔

اعتراض نمبر ۹۳: عبدالعزیز سیکریٹری مرکزی جمعیت اہل حدیث اور ان کے ۸ علماء نے مل کر فتویٰ دیا کہ مولوی ثناء اللہ کی تفسیر سلف صالحین کے خلاف ہے معتزلہ اور جہمیہ اور فرقہ ضالہ کا اتباع کیا ہے اور مولوی ثناء اللہ اہل حدیث سے خارج ہے:

جواب:...... اس کے لیے بھی رسالہ فیصلہ مکہ کا حوالہ دیا ہے لیکن یہ بھی غلط ہے واقعی بعض لوگوں نے کچھ اعتراضات کئے تھے لیکن مولانا نے ان کے جوابات دیے اس طرح بحث ہوتی رہی بالآخر مولانا نے یہ تجویز پیش کی کہ یہ مسئلہ علماء کی ایک مجلس کے سپرد کیا جائے جو فیصلہ وہ دیں گے مجھے منظور ہوگا چنانچہ مئی سنہ ۱۹۰۵ کو فیصلہ مذاکرہ علمیہ آراء کے موقعہ پر یہ معاملہ تین علماء کرام مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری مولانا شمس الحق ڈیانوی شاہ عین الحق صاحب کی ایک کمیٹی کے سپرد کیا گیا کمیٹی نے پوری تحقیق کے بعد ایک جامع محاکمہ لکھا جو فیصلہ آرہ کے نام سے موسوم ہے اس کا خلاصہ یہ ہے اربعین کی چالیس اغلاط میں سے صرف چودہ تعاقب صحیح ہیں اور ان چودہ اغلاط کی وجہ سے مولوی ثناء اللہ جماعت اہل حدیث سے خارج نہیں ہو سکتے ہیں

(سیرت ثنائی صفحہ ۱۷۔۳۷)

اعتراض نمبر۹۴: اہل سنت والجماعت نے ۴ سو سال حدیث نبوی کی خدمت کی:

جواب:...... واقعی صحیح ہے کیونکہ اہل سنت اہل حدیث ہی ہیں انھوں نے دور دراز کا سفر کر کے صعوبتیں برداشت کر کے حدیثیں جمع کیں اور کتابوں کی صورت میں ظاہر کیں اور ابواب وتراجم میں مسائل بیان کر کے بعد میں آنے والی فقہوں سے مستغنی کر دیا۔ فللہ درھم وعلیہ شکر ھم

اعتراض نمبر۹۵: غیر مقلدین کا مولوی چکڑالوی نے منکرین حدیث کی بنیاد رکھی مشہور منکر حدیث اسلم جیراج پوری بھی پہلے غیر مقلد تھے:

جواب:...... یہ بھی غلط ہے اس کا کوئی ثبوت آپ کے پاس نہیں ہے عبداللہ چکڑالوی کوئی اہل حدیث نہیں تھا آپ کے نزہۃ الخواطر صفحہ ۲۸۹ ج ۸ میں اس کا ترجمہ مذکور ہے کہ الذی دعاء الناس الی مذھب جدید سماھم اھل الذکر دعاھم الی القرآن وانکر الاحادیث قاطبۃ وصنف الرسائل فی ذالک ا ہ اور کسی نے اس کو اہل حدیث میں شمار نہیں کیا ہے اور اسلم جیراجپوری کو بھی کسی نے اہل حدیث شمار نہیں کیا۔

اعتراض نمبر۹۶: بارہ سو سال تک اہل السنت والجماعت نے دلائل نبوت کی حفاظت کی:

جواب:...... جو واقعی اہل سنت ہیں یعنی اہل حدیث انہوں نے واقعی زبان اور قلم سے سنت کی حفاظت کی جتنی احادیث کی کتابیں ہیں جن میں سنت اور دلائل نبوت مذکور ہیں وہ انہوں نے تصنیف کیں اور ان کو یکجا کرنے کی تکلیف بھی انہوں نے کی اور جن بعض حنفیوں نے حدیث پر کتابیں لکھی ہیں تو وہ بھی محدثین کے طریقہ پر چلے ہیں حتیٰ کہ اب تک ہندستان میں دلائل نبوت کو یہی لوگ ثابت کرتے ہیں بلکہ آپ کے مشہور حنفی عالم علامہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رئیس الاحرار مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے حق میں فرماتے ہیں کہ میرے۔ نزدیک اسلام کی صداقت وحقانیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ثناء اللہ ایسا زیرک معاملہ فہم ذہین وفطین انسان اسلام کا علمبردار ہے اور یہ صداقت اسلام کا جیتا جاگتا چلتا پھرتا معجزہ ہے۔

(المنبر، فیصل آباد مجریہ ۱۷ شعبان سنہ ۱۳۸۷ جلد ۴۰)

باقی آپ کے حنفیوں نے تو یہ خدمت کی کہ حدیث کے مقابلہ میں فقہ بنائی مدرسوں میں حدیث کے بجائے اس کو جگہ دی اور فتویٰ حدیث کے بجائے اپنی بنائی ہوئی فقہ پر چلائے یہ خدمت آپ کو مبارک ہو۔

اعتراض نمبر۹۷: ایک روایت لکھی ہے:" اللھم لا یدرکنی زمان لا یتبع فیہ العلیم ولا یستحی فیہ من الحلیم.":

جواب:...... **اولاً:**...... یہ روایت بالکل ضعیف ہے اور مسند احمد صفحہ ۳۴۰ ج ۵۔ میں اسطرح ہے۔ حدثنا

عبدالله حدثنی ابی ثنا حسین بن موسیٰ انا ابن لهيعة ثنا جميل الاسلمی من سهل بن سعد ان رسول الله ﷺ قال فذكره اور یہ ابن لہیعہ (عبداللہ بن لہیعہ) ضعیف راوی ہے، جیسا کہ میزان صفحہ ۴۷ ج ۲۔ اور تہذیب صفحہ ۳۸۳ ج ۵۔ میں مذکور ہے سب محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام ابن حبان نے کتاب المجروحین صفحہ ۱۲۔ ۱۳ ج ۷۔ میں اسکی حالت خوب بیان کی ہے اور اسکا استاد جمیل الاسلمی مجہول ہے۔ جیسا کہ علامہ حسینی نے کتاب الاکمال صفحہ ۱۷ قلمی۔ میں فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعہ صفحہ ۵۲ میں فرماتے ہیں "وحديثه عن سهل معلول" اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد صفحہ ۱۸۳ ج ۱۔ میں اور علامہ سیوطی نے جامع الصغیر صفحہ ۱۷ ج ۱۔ اور علامہ مناوی نے فیض القدیر صفحہ ۱۴۷ ج ۲۔ میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ثانیاً: ...... اس روایت میں تقلید کا لفظ نہیں اتباع کا لفظ ہے۔

اعتراض نمبر ۹۸: سید احمد نے ایک مستقل نیچری فرقہ کی بنیاد رکھی:

جواب: ...... سر سید قطعاً اہل حدیث نہ تھا نہ کسی نے بھی اس کو اہل حدیث میں شمار نہیں کیا ہے بلکہ وہ شروع سے ہی حنفی مذہب پر تھا۔ چنانچہ نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۰ ج ۱۔ میں ہے انه كان فی بداية امره علىٰ مذهب المشائخ النقشبندية لانه نشأ فيه اور ہندوستان کا کوئی بھی نقشبندی اہل حدیثوں میں سے نہ ہے۔ سب حنفی ہیں بعد میں اس نے تقلید سے انکار کیا لیکن مذہب اہل حدیث کو اختیار نہیں کیا چنانچہ تقلید کے متعلق ان کا یہ فیصلہ تھا کہ "لا يجب على احد تقليد احد غير النبی المعصوم ﷺ" (نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۵ ج ۸) جس کا مطلب ہے کہ وہ نبی کی اتباع کو بھی تقلید کہتا تھا اور اہلحدیث اسکو تقلید نہیں کہتے کیونکہ آپ کی اتباع مدلل و مبرہن ہے اور آپ کے اتباع کو تقلید کہنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اتباع کو مدلل نہیں جانتا تھا اور یہ لادینیت ہے تو یہ صاحب بھی آپ ہی میں سے نکلے ہیں۔

اعتراض نمبر ۹۹: غلام احمد قادیانی بھی پہلے غیر مقلد تھا... الخ:

جواب: ...... **اولاً**: ...... ہمیں اس کے خلاف حوالہ جات ملے ہیں کہ وہ یقیناً اہل حدیث بالکل نہ تھا بلکہ اہل حدیث کا دشمن تھا، چنانچہ اس نے خود اپنی کتاب کشتی نوح صفحہ ۴۹۔ ۵۰۔ میں اہل حدیثوں کو یہودیوں سے مشابہت دی ہے اور انجام آتھم صفحہ ۴۵۔ ۵۶۔ ۵۹۔ ۲۴۱۔ ۲۵۱۔ وغیرہ پر ہندوستان کے اہل حدیث مشہور استاد شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد حسین بٹالوی کے حق میں بہت بڑے الفاظ استعمال کیے ہیں اور ان پر کفر کے فتوے لگائے ہیں تو ایسا آدمی کیسے اہل حدیث ہوسکتا ہے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری جس کو سردار اہل حدیث چنا گیا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا جن کی پوری زندگی غلام احمد قادیانی کے رد

تردید اور تذلیل وتکذیب اور تفسیق وتکفیر میں گزری، اس مسئلہ پر علامہ صفی الرحمٰن الاعظمی نے ۳۱۰ صفحات کی ایک کتاب بنام فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، تصنیف کی ہے جو قابل دید ہے۔ اس میں انہوں نے مولانا کے غلام احمد پھر اس کے اتباع کے ساتھ مناظرے اور پھر ان کی مخالفت میں تصانیف کا ذکر کیا ہے پھر آخر میں صفحہ ۲۸۸ میں ایک عنوان قائم کیا ہے "کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا" جس میں انھوں نے خود مرزا اور ان کے پیروکار وغیرہ کے بیان ذکر کرنے کے بعد کئی علماء کی شہادتیں ذکر کی ہیں کہ علامہ موصوف نے مرزائیوں کے خلاف پوری صف آرائی کی اور ان کے ساتھ جہاد کیا جن میں خواجہ حسن نظامی سید سلیمان ندوی، علامہ عبدالماجد دریا آبادی، مولانا ظفر علی خان، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، نواب محمد جہانگیر، علامہ حبیب الرحمٰن مہتمم دار العلوم دیوبند، علامہ حافظ احمد سعید ناظم جمعیۃ العلماء، علامہ غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ العباسیہ بہاولپور، مولانا احمد علی لاہوری، قاری محمد طیب صاحب، مولوی محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان، مولوی عبداللطیف صاحب صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، اخبار اہل السنّت والجماعت امرتسر وغیرہم جن میں اکثر سب آپ کے حنفی ہیں، پس اہل حدیثوں اور قادیانیوں کا جوڑ نہیں بن سکتا ہے جیسا کہ فقرہ صفحہ ۶۹۔ کے جواب میں حوالہ گذرا۔ وھو الثانی

ثالثاً:...... مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ ثانی غلام احمد رسالہ، احمدیت کا پیغام صفحہ ۱۷، میں لکھتے ہیں کہ" احمدیت کا پیغام ص ۱۶ میں لکھتے ہیں کہ احمدیت کا سیدھا سادا عقیدہ اس بارہ میں وہی ہے جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کا تھا کہ قرآن کریم سب سے مقدم ہے اس کے بعد احادیث صحیحہ میں اور اس سے نیچے ماہرین فن کا استدلال اور اجتہاد ہے اور اس عقیدہ کے مطابق احمدی بعض دفعہ اپنے آپ کو حنفی بھی کہتے ہیں جس کے معنیٰ یہ بھی ہوتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے جو اصل مذہب بیان فرمایا ہے ہم اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اور بعض دفعہ احمدی اپنے آپ کو اہل حدیث بھی کہتے ہیں کیونکہ احمدیت کے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ کا قول جب وہ ثابت اور روشن ہو تمام بنی نوع انسان کے اقوال پر فوقیت رکھتا ہے، حتیٰ کہ تمام ائمہ کے مجموعی اقوال پر بھی فوقیت رکھتا ہے اب ساری عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور فرمائیں کہ عقیدہ کے لحاظ سے مرزائی حنفی ہیں لیکن جس طرح بعض حنفی بھی کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں ہم بھی حدیث کو مانتے ہیں اور ہم بھی حدیث کو اقوال پر مقدم سمجھتے ہیں لیکن جب حدیث صحیح ملتی ہے تو اس میں تاویل کر کے اس کو گرا کر امام کے قول کو آگے کرتے ہیں اور اپنے مرزا کے قول کو آگے کرتے ہیں۔

نیم اندر گو باشد نیم اندر زندگی
ذات شما معلوم شد بافندگی بافندگی

اور مرزا کا بیٹا رسالہ مذکور صفحہ ۱۴ میں لکھتا ہے ایک سچے احمدی کی وہ نماز نہیں جیسی ایک عام مسلمان پڑھتا ہے شکل وہی ہے کلمات وہی ہیں الخ اور عام لوگوں کی نماز پاک و ہند میں اسی شکل میں ہے جو حنفیوں کی ہے پس بقول مرزا بشیر الدین سچے مرزائیوں کی نماز بھلے روحانیت کے لحاظ سے دوسروں سے اعلیٰ ہو لیکن شکل میں ان جیسی ہے اب ان کی حنفیت میں کیا شک رہا بلکہ مرزا تو حنفیت کا داعی تھا اور دوسروں کو حنفی بناتا تھا، چنانچہ سیرت المھدی صفحہ ۴۸ ج ۲۔ میں ہے چنانچہ مرزا بشیر الدین محمود کہتے ہیں کہ حافظ روشن علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ کسی دینی ضرورت کے ماتحت حضرت مسیح موعود نے حضرت مولوی نور الدین صاحب کو یہ لکھا کہ آپ یہ اعلان کریں کہ میں حنفی المذہب ہوں حالانکہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مولوی صاحب عقیدۃً اہل حدیث تھے حضرت مولوی نور الدین صاحب نے اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں ایک پوسٹ کارڈ ارسال کیا ہے۔

اور اس کے پیچھے نور الدین حنفی کے الفاظ لکھ دیئے۔

اعتراض نمبر ۱۰۰: نور الدین بریلوی بھی پہلے غیر مقلد تھا:

جواب:...... نزہۃ الخواطر صفحہ ۵۰۹ ج ۸۔ میں ہے کہ ”رفض التقلید فی بدایة عمره واعجب بآراء السید احمد خان وتلا میذه وذ ملائه وجنح الی تاویل المعجرات ما عارض عن النظر یات لحدیثة ومال الیٰ تاویل المعجزات والحقائق الغیبیة“ ثابت ہوا کہ یہ پہلے مقلدین کے زمرہ میں تھا پھر رفض تقلید کیا یعنی اس کو چھوڑا اور چھوڑ کر اہل حدیث ہوا بلکہ براہِ راست نیچریت اور قادیانیت میں چلا گیا ورنہ تقلید کے چھوڑنے کا مطلب کیا اور کبھی اس کا اہل حدیث ہونا ذکر نہیں کیا اور قادیانیوں نے اس کا حنفی ہونا ذکر کیا ہے لیکن ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ مرزا کی ہدایت پر وہ حنفی بن گیا جیسا کہ ابھی سیرت مہدی سے نقل کیا گیا ہے۔

اعتراض ۱۰۱: سر ظفر اللہ قادیانی بھی پہلے غیر مقلد تھا:

جواب:...... جب ثابت ہوا کہ ان کے پیشوا خود حنفیت کے دلدادہ تھے تو پھر ان کے پیروکار دوسرا طریقہ کب اختیار کر سکتے ہیں ایضاً ہدایت اور ضلالت اللہ کے ہاتھ میں ہے حتیٰ کہ کئی مسلمان مرتد ہو گئے خود رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے کے بعد کافروں سے جا کر ملے تو اس قسم کی باتیں کسی فرقہ کے باطل یا حق پر ہونے کے لیے دلیل نہیں ہیں، کئی حنفی قادیانی بن گئے، چنانچہ قادیانی تفسیر سے ثابت کر دیا گیا کہ بیک وقت انسان حنفی بھی ہو سکتا ہے قادیانی بھی ہو سکتا ہے یا تو اس کے ساتھ مرجیہ، قدریہ، جہمیہ، معتزلہ زیدیہ شیعہ بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ لکھنوی نے نقل کیا گیا کوئی اہل حدیث دوسرے فرقہ میں نہیں

رہ سکتا اگر بالفرض کوئی اہل حدیث قادیانی یازیدی یا جہمی وغیرہ یا اور کوئی مذہب اختیار کرے تو وہ اہل حدیث نہیں رہ سکتا مگر آپ کا حنفی قادیانی بنے شیعہ بنے جو کچھ بنے لیکن پھر بھی حنفی رہ سکتا ہے حنفیت سے خارج نہیں آپ کے شیخ الہند کے حوالہ سے دیوبندیوں کے آٹھ طریقے ذکر ہوئے اور اس طرح آپ کے بریلویوں کے بھی کئی طریقے ہیں مثلاً مجددیہ حشمتیہ، نثاریہ، مشتاقیہ، لعل خانیہ، سبحانیہ، سرفرازیہ، حامدیہ رضائیہ، نظامیہ، جماعتیہ، بدایونیہ، ویداریہ، سلامیہ سورتیہ، فاخریہ، شفیعیہ اور کرامتیہ وغیرہ جب کہ دیوبندی بریلوی دونوں حنفی کہلاتے ہیں لیکن ان کے کئی بے شمار فرقے ہیں اور کئی رنگ روپ ہیں لیکن حنفیت وہیں کی وہیں ہے مگر اہل حدیث کے لیے کوئی دوسرا طریقہ نہیں ان کا نام اہل حدیث اصحاب الحدیث، اہل الاثر، اہل السنۃ والجماعۃ، سنی، اثری حدیثی، محمدی ہیں سب کا مفہوم ایک ہی ہے ایک ہی ماخذ سے وابستہ ہیں اور ایک ہی شخصیت مبارک (ان پر کروڑہا درود وسلام ہوں) کی طرف منسوب ہیں اسی کا مسلک اور اسی کا طریقہ اپنائے ہوئے ہیں مرزا غلام احمد قادیانی نے ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۱ میں اپنے ۳۱۳۔ خاص جماعتی ذکر کیے ہیں ان میں دو کے نام اس طرح ذکر کیے ہیں قاضی یوسف علی نعمانی اور صاجزادہ محمد سراج الحق نعمانی تو گویا نعمانی اور حنفی یکجا جمع ہوسکتے ہیں۔

اعتراض نمبر۱۰۲: اس فتنہ کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ ہر مسجد کو میدان جنگ بنا دیا جائے مسلمان ومجاہدین اور علماء نہ کافروں سے جہاد کرسکیں نہ ان کو تبلیغ کرسکیں..الخ:

جواب:...... یہ بھی حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ اہل حدیث تو مساجد خواہ محافل میں سنت نبوی کی دعوت دیتے ہیں اور سنت ہی پر عمل سے جہاد کا جذبہ ہوتا ہے تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب تک یہ مختلف مذاہب حنفی مالکی، شافعی حنبلی جعفری وغیرہ وجود میں نہیں آئے تو مسلمانوں کا مشغلہ جہاد تھا اور اس کرہ ارض پر اسلامی تحریک پھیلتی گئی آیت ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا﴾ (الرعد: ٤١) جگہ جگہ اسلام پہنچتا گیا اور اسلامی فتوحات ہوتی رہیں مگر ان مذاہب کے حدوث کے بعد جہاد کے بجاء آپس میں مناظرہ اور مجادلہ ہونے لگا اور بموجب قولہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (الانفال: ٤٦) مسلمانوں کا رعب ختم ہوگیا بلکہ مرعوب ہونے لگے اور اوپر شاہ ولی اللہ سے نقل ہوا کہ چوتھی صدی تک مسلمان کسی خاص تقلید پر مجتمع نہ تھے اور چوتھی صدی کے بعد تقلید پیدا ہونا شروع ہوئی اور امام ابن حزم نے ایک رسالہ بنام جمل فتوح الاسلام بعد رسول اللہ ﷺ تصنیف کی ہے جو کہ اس کی کتاب جوامع السیرۃ کے ساتھ طبع ہوئی جسے اس میں امام موصوف یمامہ، مصر اور شام سے لے کر ہندستان کے بلاد تک کا ذکر کرتا ہے جن کو سلطان محمود غزنوی نے فتح کیا۔ اور وفات سنہ ۴۲۱ میں ہوئی ہے (العبر فی خبر من غبر صفحہ

۱۰۱۔۱۴۵ ج ۳) اور پھر امام ابن حزم بلاد سودان کا ذکر کرتے ہیں کہ بلغت فی عام احدی وثلاثین واربعمأة انه اسلم ...... ونکروهما امتان عظیمتان من بلاد السودان اسلم ملوکهم وعامتهم اھ اس تاریخی حقیقت سے واضح ہوا کہ یہ سب فتوحات مسلمانوں کو ان تقلیدی مذاہب کے قبل ہوئی۔ تقلیدی مذاہب اسی صدی سے پھیل چکے تھے۔ مگر فتوحات لانے والے اہل حدیث ہی تھے۔ پھر ہندوستان میں انگریزوں سے جہاد کے لیے اہل حدیثوں نے کاوشیں کیں اور ایک فتویٰ جمع کیا جس سے انگریزوں کے ساتھ جہاد کو فرض عین قرار دیا گیا۔ (مرزائیت اور اسلام صفحہ ۲۰۲۔۲۰۳)

اور آپ کے حنفی بھائی علامہ مسعود عالم ندوی اپنی کتاب ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۹۰ میں مولوی ولایت علی کے فرزند مولوی محمد حسین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ انگریزوں اس قدر مخالف نہ تھے جس قدر ان کے اسلاف۔ اس لیے جب انکا انتقال ہوا تو مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالحکیم صادقپوری (صفحہ ۱۲۹۱۔۱۳۴۷) خلف مولانا احمد اللہ اسید انڈمان تو اتنے سخت تھے کہ انھوں نے مولوی محمد حسین مرحوم کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی۔ اس واضح بیان کے بعد آپکے اس الزام کو کوئی بھی باعقل انسان باور نہیں کر سکتا کہ اہلحدیث انگریزوں کے ساتھی یا ان کی پیداوار ہیں یا وہ جہاد کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

اعتراض نمبر ۱۰۳: چنانچہ وضو، جماعت، جمعہ، جنازہ، عیدین، جہاں بھی مسلمانوں کا اجتماع ہو لوگ وہیں فتنہ کرتے ہیں:

جواب:...... کیا حدیث اور سنت کے پیش کرنے کو آپ فتنہ سمجھتے ہیں پھر تو آپ انگریز کے ایجنٹ ہوئے دراصل جہاد کا جذبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے ہی پیدا ہوتا یا بڑھتا ہے اور کسی دوسرے کی اتباع سے یہ جذبہ ختم ہونے لگتا ہے جیسا کہ ہم نے مشاہدہ پیش کیا ہے اور قرآن میں ہے: ﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَٰٓئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (الانفال: ۱۲، ۱۳)

اعتراض نمبر ۱۰۴: غیر مقلدین کی تاریخی مسجدیں لڑائی اور تالہ بندی سے شروع ہوتی ہیں:

جواب:...... جبکہ آپ لوگوں نے وہاں سنت کی راہوں میں رکاوٹیں پیدا کیں اور مساجد وغیرہ میں سنت کے بجائے اپنے مذہب کو قولاً وعملاً پھیلانے لگے اور حدیث کے بجائے فقہ پڑھانے لگے اس لئے جرم کے سبب آپ ہی ہیں۔

کیا غیر مقلدین اپنے اکابر کی کتابوں سے منحرف ہیں؟

اعتراض نمبر ۱۰۵: پہلا تو یہ کہ لوگ مرزائی، قادیانی، منکرین حدیث اور غیر مقلدین سب اپنے اکابرین کی کتابوں کا انکار کرتے ہیں:

جواب:...... مرزائی جانیں آپ جانیں آپ دونوں کے عقائد ایک جیسے ہیں جیسا کہ مرزا بشیر الدین محمود سے نقل ہوا اور یہ بھی ہم نے ثابت کیا کہ آپ بیک وقت حنفی بھی رہ سکتے ہیں اور قادیانی بھی اس طرح منکر ین حدیث کے بھی قریب آپ ہی ہیں وہ ظاہر ظہور انکار کرتے ہیں اور آپ تاویلیں کر کے اور حیلہ بازی سے کر احادیث کو عمل سے گراتے ہیں۔ باقی رہے اہل حدیث سو ان کے اکابر تو وہ قدماء محدثین ہیں جنہوں نے احادیث جمع کیں صحاح ستہ وغیرہ ان کی تصانیف ہیں اور ہم احادیث سے ہی اپنا مذہب لیتے ہیں لیکن آپ کا پتہ نہیں لگتا کہلاتے تو حنفی ہیں لیکن کئی مسائل میں امام ابو حنیفہ کے خلاف ہیں کبھی ابو یوسف کے قول پر فتویٰ کبھی محمد کے قول پر فتویٰ کبھی امام شافعی کے قول پر فتویٰ مثلاً تدریس اور امامت اور اذان وغیرہ کے لیے تنخواہ کا مسئلہ وغیرہ) اور کبھی امام مالک کے قول پر فتویٰ (مثلاً مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق) کبھی خود اہل حدیثوں سے فتویٰ لیتے ہو مثلاً بیک وقت تین طلاقوں کی صورت میں جب دیکھتے ہو کہ ہمارے مذہب میں حلالہ جیسے مذموم فعل کے سوا رجوع کا کوئی امکان نہیں اور حلالہ کی وجہ سے عوام میں ہم کافی بدنام ہو چکے ہیں تو پھر آ کر ہم سے فتویٰ لیتے ہیں اس لئے تم ہی اکابر کی کتب کو نہیں مانتے بلکہ امام ابو حنیفہ کا قول تو یہ ہے کہ اذا جاء صح الحدیث فهو مذهبی (الشامی) اتر کوا قولی بخبر الرسول (عقد الجید) لہٰذا آپ ہی اپنے اکابر کے خلاف ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۰۶: ان کے علماء پیچھے چلتے ہیں اور ان پڑھ لوگوں کو وسوسے دیکر بھیجتے ہیں:

جواب:...... ہمیں وسوسہ کی کیا ضرورت ہے جبکہ قرآن و حدیث میں واضح ہمارے مذہب کے دلائل ہیں، وسوسہ کی ان کو ضرورت ہوتی ہے جن کو اپنا مذہب حدیث یا قرآن کے خلاف نظر آتا ہے پھر تاویل کا سہارا لے کر اس کا مطلب بدل دیتے ہیں تا کہ ان پڑھ لوگ ان کے چنگل سے نکل نہ پائیں۔

اعتراض نمبر ۱۰۷: کیونکہ ان کا عالم جانتا ہے کہ میں کسی مقلد کے سامنے حدیث کی پوری تشریح نہیں کر سکتا:

جواب:...... پچاس سال سے زائد سید نذیر حسین شیخ الکل حدیث پڑھاتے رہے جن کے تلامذہ میں کئی علماء احناف اور دیوبند کے فارغ بھی ہوتے تھے پھر وہ ان کے سامنے کیسے تشریح کرتے تھے اور وہ لوگ اس

غیر مقلد عالم سے سند لینے کی ضرورت کیوں محسوس کرتے تھے اس کے بعد جتنے بھی اہل حدیث ہیں ان کی تشریحات دنیا کے سامنے ہیں جن کو مقلد غیر مقلد سب پڑھ رہے ہیں بلکہ یہ تو فقرہ آپ پر صادق آتا ہے جب ہی تو حدیث سے گھبراتے اور ہر وقت فقہ کے گیت گاتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ حدیث میں سب مسائل نہیں بلکہ فقہ میں سارے مسائل ملتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۰۸ غیر مقلدین فقہ کے کسی ایک باب پر بھی بات کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے:

جواب :۔ اگر ایسا ہوتا تو تمہاری فقہ کی کتابوں کے قابل اعتراض اور گندے مسائل ہم ظاہر نہ کرتے مولانا محمد جوناگڑھی صاحب کی تصانیف اور علامہ شاہجہانپوری کی کتاب الارشاد الی سبیل الرشاد اور الظفر المبین اور حقیقۃ الفقہ وغیرہ کتب دیکھیں کہ کس طرح تمہاری فقہ کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے یہ فقرہ بھی آپ پر صادق آتا ہے کہ آپ اپنی فقہ کے ان قابل اعتراض بلکہ قابل نفرت مسائل سے بھی واقف نہیں یا پھر واقف ہیں تو پھر بھی جان بوجھ کر ان کو چھپاتے اور فقہ کو چمٹے رہتے ہیں۔

کیا غیر مقلدین سوال میں قرآن وسنت کے خلاف شرط لگاتے ہیں؟

اعتراض نمبر ۱۰۹: قادیانی منکرین حدیث اور غیر مقلدین سوال میں غلط شرطیں لگاتے اور ان شرائط پر ضد کر کے بیٹھ جاتے ہیں کہ ہماری یہ شرائط پوری کرو، حالانکہ وہ شرائط نہ قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے:

جواب :...... اگر شرائط مناظرہ مراد ہیں تو پھر تو وہی شرائط ہوسکتی ہیں جو ہمارے اور آپ کے درمیان مسلم ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فن مناظرہ کی کتابیں نہیں پڑھیں ایسے ہی بے سروسامان میدان مناظرہ میں اترنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اگر مسائل یا فقہ کے متعلق ہیں تو پھر یہ اعتراض صحیح نہیں مثلاً ہم چند شرطیں پیش کرتے ہیں مثلاً:

(۱) آپ کی فقہ کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن ان میں جو مسائل قابل نفرت اور حیاء سوز ہیں ان کو چن چن کر نکال دیا جائے اور صاف کہا جائے کہ یہ مسائل غلط اور ناقابل ذکر ہیں اور یہ ہمارا مذہب نہیں۔

(۲) آپ کا قول کہ چاروں مذاہب برحق ہیں ہم اس کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، بشرطیکہ آپ ثابت کریں کہ ان چاروں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ کے مذہب کو منوانے کے لیے یہ شرط ہے کہ امام صاحب کی اپنی کوئی کتاب تصنیف کی ہوئی پیش کرو جس میں انہوں نے ترتیب وار طہارت سے لے کر میراث تک مسائل لکھے ہوں یا پھر کسی اور کتاب

سے امام صاحب سے با اسناد مسائل کا ثبوت پیش کرو اور سند بالکل صحیح ہو اس میں کوئی راوی مجروح نہ ہو اور سند میں انقطاع یا کوئی علت نہ ہو۔

(۴) مذہبی رہنما کو سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ وہ اپنی شخصیت منوائے اور اپنی اتباع کی دعوت دے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام نے کیا ﴿فاتقوا الله اطیعون﴾ (الشعراء) اور رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ ﴿قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران) نیز آپ نے فرمایا "من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله" (مسلم) آپ کسی معتبر کتاب سے اس طرح چار اماموں میں سے کسی ایک سے ثابت کرو کہ اس نے کہا ہو کہ میری ہر بات میں اتباع کرو اور میرا مذہب اختیار کرو یہ شروط تو قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہیں تو پھر ان کو پورا کرنا آپ کا کام ہے۔

اعتراض نمبر ۱۱۰ انگریز کے دور میں یہ فرقہ ظہور پذیر ہوا...الخ

جواب ...... اس کا غلط ہونا تو پہلے ثابت کر دیا گیا ہے اور اس سے بڑھ کر تعمیری کام اور کیا ہوگا کہ اہل حدیثوں نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد کیا، چنانچہ علامہ عبید اللہ سندھی شاہ اسماعیل شہید کی جماعت کے متعلق رقم طراز ہیں کہ جب مولانا محمد اسماعیل شہید نے "حجۃ اللہ" امام عبدالعزیز سے پڑھی تو اپنے جد امجد شاہ ولی اللہ کے طریقہ پر عمل کرنا شروع کیا انہوں نے اپنی ایک جماعت بھی تیار کی جو حجۃ اللہ پر عمل کرے یہ لوگ شافعیہ کی طرح رفع الیدین اور آمین بالجہر کرتے تھے جیسا کہ سنن میں مروی ہے اس سے دہلی کے عوام میں شورش پھیلتی رہی مگر حزب ولی اللہ کا کوئی عالم مولانا اسماعیل شہید اور ان کی جماعت پر معترض نہ ہوسکتا تھا۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۱۰۹)

اب ناظرین انصاف کریں کہ اس عمل والی جماعت اہل حدیث ہی ہوسکتی ہے یا دوسری اور مجاہدین کے پیشوا اور قائد شاہ اسماعیل شہید ہی تھے اور ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ علماء اہل حدیث نے انگریز کے خلاف جہاد کو فرض عین قرار دینے کا فتویٰ صادر فرمایا تھا خود انگریز مصنف ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب ہندستانی مسلمان ہمارے انتہائی وفادار ہیں مسلمانوں کے سب سے بڑے فرقہ احناف کے بعض فتوے بھی اس نے کتاب میں شامل کئے جو جہاد کے خلاف اور گورنمنٹ کی وفاداری میں شایع ہوئے تھے اور بڑے دلائل سے ثابت کیا کہ اس وقت صرف ایک چھوٹی سی جماعت جو وہابی کے نام سے مشہور ہے وہ ملکہ معظمہ کے باغی ہیں (علما دیوبند اور انگریز صفحہ ۶۹) ہنٹر صاف لکھتے ہیں لہٰذا اگر یہ مصیبت پھر ہماری قسمت میں لکھی تو سب سے پہلے اندرون ملک میں وہابیوں کی سازش کلی طور پر نیست ونابود کر کے ایک بہت بڑے خطرہ کو رفع کرنے کے مترادف ہوگا۔ (ہندستانی مسلمان صفحہ ۱۷۰)

اب ناظرین انصاف کریں کہ انگریز کے مخالف اور حامی کون تھے مولانا بٹالوی صاحب کے رسالہ الاقتصاد کا ذکر کیا ہے لیکن وہ انگریز کی حمایت میں قطعاً نہیں لیکن اس میں صرف جہاد کے احکام اور شرائط اور دعویٰ اور اسباب ذکر کیے ہیں اس کا تفصیل سے جواب رسالہ علماء دیوبند اور انگریز مصنفہ برق التوحید میں ملاحظہ ہو آپ نے مولانا کی دو عبارتیں نقل کی ہیں ان سے ناجائز اختلاف کیا ہے ورنہ اس کا مطلب ہے کہ جہاں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہو اور فرائض اسلامیہ ادا کرنے میں رکاوٹ نہ ہو تو اس وقت بغاوت کر کے اپنے لئے خواہ مخواہ خطرہ مول لینا درست نہیں اور جب تک جہاد کے دعویٰ پیش نہ آئیں تب تک صبر ہی کرنا بہتر ہے اب اس نظریہ کو آپ صحیح سمجھیں یا غلط یہ اور بات ہے لیکن اس کو انگریز کی حمایت نہیں کہا جاسکتا اور اہل حدیث کے لیے پھر علامہ عبداللہ اس کا ترجمہ نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۰۲ ج ۸ میں اس کی کتاب تحفۃ الہند ان کا بتہ بڑا کام ہے چنانچہ صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں "وصنف رسالۃ لطیفۃ سنۃ تسع وتسعین وماتین والف تسمی تحفۃ الھند فھدی اللہ سبحانہ بھا کثیراً من الناس" چنانچہ علامہ موصوف تحفۃ الہند صفحہ ۶۴-۶۵ میں شرک کو تقلید کا سبب بتلاتے ہیں اور صفحہ ۴۹ پر فرماتے ہیں (طبع مجتبائی) دین قرآن وحدیث ہے اور پھر صفحہ ۶۸ پر فرماتے ہیں کہ جس مسئلہ میں فلاں مذہب کے فلاں امام کا فلاں قول مخالف قرآن وحدیث ہے تو پھر یہ گمان کریں گے کہ اس مسئلہ میں امام چوک گیا ہے اور اس مسئلہ میں امام کے قول پر عمل نہ کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے کلام میں خطا نہیں ہوتی اور ان کے کلام میں خطا کا ہونا محال نہیں پھر لکھتے ہیں بہرحال ہمارے دین میں اللہ اور اس کے حکم کے مخالف خواہ کسی کا قول ہو ان کی متابعت درست نہیں ہے پھر علامہ موصوف رسالہ کے آخر صفحہ ۱۰۴ تا ۱۱۱ تک جوان بیاسی بزرگوں کا ذکر کیا جو آپ کے ساتھ اور تعلق دار تھے جنہوں نے کفر کو ترک کیا اور اسلام سے مشرف ہوئے اس کتاب کو پڑھ کر مولانا عبیداللہ سندھی جن کا نام ہے مشرف باسلام ہوئے چنانچہ نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۰۳-۳۰۴ میں ہے وحصل بعض الکتب الاسلامیہ کتحفۃ الھند للشیخ عبید اللہ وتقویۃ الایمان للشیخ الشھید اسماعیل بن عبدالغنی الدھلوی واشتغل بھا مدۃ حتیٰ رسخ فی قلبہ الایمان فھاجر من بلدتہ الیٰ ارض السند سنۃ اربع وثلاث مأۃ والف واسلم علی ید الشیخ الحاج محمد صدیق السندی اھ نیز غازی محمود دھرمپال کا واقعہ یاد کریں وہ مرتد ہوگیا تھا اور اسلام کے خلاف ایک رسالہ بنام ترک اسلام لکھا جس کے جواب میں مولانا ثناء اللہ صاحب نے رسالہ بنام تُرک اسلام لکھا جس پر بالآخر وہ واپس مسلمان ہوا پھر مولانا بٹالوی کے رسالہ الاقتصاد کی عبارت کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے حالانکہ مولانا کا مطلب ہے کہ جن لوگوں نے معاہدہ کیا ہے کہ آپ سے نہیں لڑیں گے

ان کو بلا وجہ عہد شکنی نہیں کرنی چاہئے اس میں کہاں ہے جہاد نہیں کیا جائے بلکہ مولانا نے اس پر صحیح بخاری کے ایک باب کا حوالہ دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں" یہ امر اس حدیث بخاری سے ثابت ہوتا ہے جس میں ارشاد ہے کہ تمام مسلمانوں کا ذمہ ایک ہوتا ہے ادنیٰ شخص سے لے کر کسی سے عہد کرلے اور لڑنے مارنے سے امان دے دے تو اوروں پر اس عہد کو پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے (الاقتصاد صفحہ ۴۷) پس یہ اعتراض حدیث پر ہے نہ کہ مولانا پر اور پھر نواب صاحب کی کتاب ترجمان وہابیہ کا حوالہ دیا ہے لیکن عبارتیں پوری نقل نہیں کیں نواب صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ فساد کرنے والے حنفی تھے تو ثابت ہوا کہ جہاد کرنے والے اہل حدیث تھے آپ ایک جملہ کا دوسرا مفہوم لے رہے ہیں آپ نے لکھا ہے فتاویٰ عالمگیری پانچ سو علماء نے مل کر شائع کی جس وقت حنفیوں کے پانچ سو علماء موجود تھے اس وقت غیر مقلدوں کا ایک عالم بھی موجود نہیں تھا حالانکہ خود نقل کرتے ہیں کہ ان علماء میں شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار شیخ عبدالرحیم بھی شریک تھے اور شاہ موصوف سنہ ۱۱۳۱ھ میں فوت ہوئے تھے۔ (نزہۃ الخواطر صفحہ ۱۶۵ج ۶) گویا کہ بارہویں صدی میں ہیں جس میں کئی اہل حدیث موجود تھے جیسے پہلے گذر چکا اور انگریزوں کی خوشامد میں تو علماء حنفیہ سب پیش پیش تھے، چنانچہ آپ کے علامہ شبلی نعمانی کو جب شمس العلماء کا خطاب انگریزوں کی طرف سے ملا تو موصوف نے اس طرح شکریہ ادا کیا" میں انگریز گورنمنٹ کی نہایت قدر اور عزت کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اس کے تمام احکام اور قاعدے سیاست اور انتظام کے اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہیں اور اس بنا پر اس خطاب کی مہربانی جو گورنمنٹ نے مجھ کو عطا کیا ہے نہایت قدر اور احترام کرتا ہوں۔ (حیات شبلی صفحہ ۲۵۶)

پھر آگے چل کر انگریزی حکومت کی اس طرح تعریف کرتے ہیں" حضرات آپ کو معلوم ہے کہ جب کسی ملک میں انقلاب حکومت ہوتا ہے تو نئی حکومت پرانی حکومت کے آثار اور علوم وفنون کو مٹا دینا چاہتی ہے۔

"قال اللہ تعالیٰ ﴿إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ﴾ (النمل: ۳۴)

اور جامع مسجد دہلی کے بزرگ حنفی پیش امام جو کہ سید احمد کے نام سے مشہور ہیں کسی دن آپ نے خلاف معمول صبح کی نماز ذرا جلدی پڑھا دی مقتدیوں کی تعداد کوئی تیس ہزار کے قریب تھی اتنا عظیم مجمع کیوں ہے کس کی آمد ہے قیصر ہند ملک معظم اور ملکہ معظمہ دہلی میں تشریف لا رہے ہیں امام صاحب کے ہاتھ خود بخود دعا کے لیے اٹھ جاتے ہیں ایک ایک جملہ پر آمین گونج رہی ہے امام صاحب اللہ تعالیٰ کے حضور بڑی عاجزی اور خشوع وخضوع کے ساتھ کچھ یوں فرما رہے ہیں۔

" یارب العالمین اعلیٰ حضرت اور حضرت شہنشاہ معظم اور شہنشاہ بیگم کی عمر دراز فرما۔ یارب العالمین اعلیٰ

حضرت اور عالیہ حضرت شہنشاہ معظم اور شہنشاہ بیگم کو ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھ یارب العالمین ہم تمام ہندستانی رعایا کو اعلیٰ حضرت اور عالیہ حضرت کی جانب وفاداری میں ثابت قدم رکھ یارب العالمین ہمارے رحیم وکریم شہنشاہ معظمہ کے زمانہ حکومت کو کامیابی عطا فرما اور اس کو ایک چشمہ فیض بنا یارب العالمین حضور اقدس شہنشاہ معظم بیگم کو افضل رجاہ وجلال اور شاہی خاندان کو بلحاظ گوناگوں واقبال فراواں عطا فرما (درود شہنشاہی صفحہ ۲۸۷) اس طرح آپ کے حنفی بھائی مولوی کرامت علی جونپوری نے انگریزی حکومت کی موافقت میں جہاد کے خلاف فتویٰ دیدیا جیسا کہ مشہور مولوی ایوب قادری تھے تذکرہ علماء ہند صفحہ ۳۹۶ میں لکھا ہے اور علامہ مسعود عالم ندوی حنفی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۴۷ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

۱۔ مجاہدین اور اتباع سید احمد شہید کے سب سے بڑے واقف کار مسٹر جس نے اس کے متعلق شہادت دی ہے کہ مولوی کرامت علی صاحب برطانوی حکومت کے مؤید اور وہابیوں کے پکے مخالف تھے اور آپ کا یہ کہنا کہ مولانا بٹالوی صاحب نے درخواست دی تھی کہ ہم کو وہابی نہ کہا جائے اس لئے کہ تمہارے عام حنفی اور انگریز ان کو وہابی کہتے تھے اور اہل حدیث محمدی اور رسول اللہ ﷺ کے پیروکار ہیں لیکن محمد بن عبدالوہاب کے لیے خود آپ کے شامی میں لکھا ہوا ہے کہ وہ حنبلی تھا وہ تو حنفیوں کے قریب ہو سکتے ہیں کیونکہ دونوں امت کے افراد کے پیچھے ہیں لیکن اہل حدیث کسی امتی کا تابعدار نہیں بلکہ براہ راست رسول اللہ ﷺ کے متبع ہیں چونکہ علماء حنفیہ نے اہل حدیثوں کے خلاف حکومت برطانیہ کو بھڑکایا کہ یہ وہابیہ فرقہ ہے جو نیا پیدا ہوا ہے اس پر مولانا بٹالوی نے کوشش کی تھی چنانچہ البشری سعادۃ الدارین صفحہ ۱۰ میں ہے وایضاً سعی فی اخلاصهم وبرأيهم المولوی محمد حسن البتالوی رحمه الله تلميذ مياں صاحب وكان له اثر عند النصاریٰ فحضر بكتب الحدیث وبكتب اسماء الرجال وبكتب التاريخ والفقه وعرضها علىٰ حكومة الهند بتوسط حكومته الفنجاب ويقن الحكام واثبت لهم بالدلائل والبراهين ان اهل الحديث ليس هٰذه الطائفة الجديدة كما زعمتم بسعاية الاشرار بل هی طائفة قديمة منذ عهد النبی ﷺ وهی طائفة قيمة وحافظة لاهل الاسلام لا تعلق لها بالسياسة ولا هی فرع اخوان بنجد ظاهرا وباطنا وان تنابذهم بالقاب الوهابية تهمة لا هل الحديث وبهتان عظيم عليهم من حاسد بهم فلما علم النصاریٰ حقيقة الحال وانكشف لهم الامر وحصحص الحق تسكن حاشهم من الغضب فاخلصوا جماعة اهل الحديث واعلن حكومة الهند فی سنه ۱۸۸٤ ميلاديه بمراسلة سنه ۱۷۵۷ ان استعمال لفظ الوهابی فی طائفة اهل

الحدیث ممنوع وجرم تکتب هٰذا اللفظ فی دفتر الحکومة فی حق اهل الحدیث فبعد هٰذا السعی حصل لاهل الحدیث أمن فی الهند وقد خسرت وبطلت سعایة وارادة مخالفیهم فالحمد لله علیٰ ذالك .''

اور جماعت اہل الحدیث کے لیے قدیمی جماعت ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کی حلیف کے حالی لوا امام محمد بن حسن الشیبانی مؤطا صفحہ ۳۶۳ باب الیمین مع الشاهد میں لکھتے ہیں وکان ابن شهاب اعلم عند اهل الحدیث بالمدینة من غیره'' آپ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اہل حدیثوں نے ہمارے خلاف مقدمے لڑے ہیں اور مسجدوں میں جھگڑے کرائے ہیں۔ یہ سب آپ حنفیوں کی مہربانیاں ہیں جوانہوں نے اہل حدیثوں پر مسجدیں تنگ کردیں اور مسجد میں آنے والوں سے لڑ کرانہیں نکالتے تھے اس کے لیے سب سے بڑی گواہی آپ کے حنفیوں کی وہ کتاب ہے جو بنام ''جامع الشواهد فی اخراج الوهابین من المساجد'' چھپی تھی جس کا ذکر خیر آپ نے بھی کیا ہے ایسی صورت اپنے بچاؤ کے لیے عدالتوں میں جانا ضروری تھا۔ آپ نے لکھا ہے کہ غیر مقلدین نے اس فتویٰ کو نہیں مانا اس لئے کہ مسجد سے نمازیوں کو روکنا بہت بڑا ظلم ہے کون مسلمان ایسے فتوے کو ماننے گا قرآن کریم میں ہے: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (البقرة: ١١٤)

اور علماء اہل حدیث ہی کی طرف سے اس رسالہ کے پانچ جوابات لکھے گئے۔

١۔ ابراء اهل الحدیث والقرآن مما فی جامع الشواهد عن التهمة والبهتان ، تالیف علامه محدث حافظ عبدالله غازیپوری .

٢۔ کاشف المکائد فی رد من منع عن المساجد (مؤلف کا نام معلوم نہیں)

٣۔ میانة المؤمنین عن تلبیس المبتد عین (تألیف علامہ عبداللہ میواتی)۔

٤۔ عمارة المساجد بهدم اساس جامع الشواهد تالیف علامہ محمد سعید بنارسی۔

٥۔ جامع الفوائد تالیف علامہ عبیداللہ پائلوی۔

پانچوں رسائل بنارس کے سعید المطابع پریس میں شائع ہوئے تھے جن میں ان سب بہتانوں اور اتہامات کی خوب قلعی کھولی گئی ہے جو کہ اہل حدیثوں پر لگا کر ان کو مسجدوں سے نکالنے کا بہانہ بنایا گیا علامہ محمد سعید بنارسی المتوفی سنہ ۱۳۲۲ھ مولانا غازیپوری کے رسالہ پر مقدمہ میں لکھتے ہیں'' اس کتاب کی تالیف کا سبب جب مولوی امانت اللہ صاحب غازیپوری نے شہر غازیپور میں عاملان حدیث کے ساتھ بے جا مزاحمت کرنی

شروع کی اور ان کو بلا وجہ خلاف دستور قدیم مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روک ٹوک کرنے لگے تب جناب جامع المعقول والمنقول مولوی حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری مدرس مدرسہ چشمہ رحمت نے جناب مسٹر آروین بھادر کلکٹر ضلع غازیپور سے اس امر کی اطلاع کی اور استدعا کی کہ جناب ممدوح بذریعہ اپنی خاص چٹھی کے مولوی صاحب موصوف سے دریافت فرمائیں کہ وہ اس بارے میں کیوں مزاحمت کرتے ہیں جن وجوہات سے اپنے کو وہ اس مزاحمت کا مجاز سمجھتے ہوں اس سے اطلاع دیں چنانچہ صاحب ممدوح نے یہ استدعا منظور فرمائی اور اپنی خاص چٹھی مولوی صاحب کے پاس بھیج دی مولوی صاحب نے اس چٹھی کا جواب لکھا کر اس کو مولوی عبداللہ صاحب کے پاس بھیج دیا چونکہ جواب مذکور میں مولوی صاحب نے کوئی بات استفسار کے مطابق نہیں لکھی نہ تو کسی آیت یا حدیث کا حوالہ دیا نہ امام ابوحنیفہؒ (جس کے مقلد ہونے کا ان کو دعویٰ ہے) کے کسی فتوی کا پتہ بتایا بلکہ اس کے بدلے بہت سی زائد اور فضول باتیں اس میں درج کردیں وجہ کتابی ایک بھی نہ لکھی محض زبانی جمع خرچ پر اکتفا کیا علاوہ اس کے بیچارے عاملان حدیث پر بے جا اتہاموں کا طومار باندھا اور جھوٹی جھوٹی باتیں ان کی طرف منسوب کر کے مغالطہ اور فریب دہی سے اپنا کام نکالنا چاہا اس لئے جناب مولانا مولوی حافظ عبداللہ صاحب نے جواب مذکور کی مفصل کیفیت لکھ کر صاحب ممدوح کے حضور میں بھیج دی۔''

آپ کے مذہبی بھائی مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کروں جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے تھے میں بھی آپ کے ساتھ ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیری میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں میں نے پوچھا حضرت کیا مزاج ہے کہا ہاں ٹھیک ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو عمر ضائع کردی۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ کی ساری عمر علم کی خدمت اور دین کی اشاعت میں گذری ہے ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں مشاہرین جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں معروف ہوئے ہیں آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی پھر کس کی عمر کام میں لگی فرمایا میں صحیح کہتا ہوں عمر ضائع کردی میں نے عرض کیا حضرت بات کیا ہے فرمایا ہماری عمر کا ہماری تقریروں کا ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کردیں امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا تقریروں کا اور علمی زندگی کا اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی ابوحنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر احسان کریں ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا

ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا وہ تو ہمارے محتاج نہیں ہیں۔
شاہ صاحب بتلا رہے ہیں کہ حنفیت کی خدمت کرنا اور دوسرے مذاہب پر اس کی ترجیح قائم کرنے کی کوشش کرنا اپنی عمر ضائع کرنا ہے۔

اعتراض ۱۱۱: اس نے پوری ملک میں فتنہ ڈالنے کے لیے ایک اشتہار تیار کیا...الخ

جواب :......اس مضمون میں چند باتیں ہیں پہلے یہ کہ اشتہار کا مضمون اور چند مسائل کے متعلق مطالبہ اور ظاہر ہے کہ اس مطالبہ کا جواب آپ کے پاس کوئی نہیں کیونکہ فاتحہ خلف الامام یا آمین بالجہر یا رفع الیدین کے منع کے متعلق کوئی ایک صحیح حدیث نہ آپ کے بڑے پیش کر سکے نہ آپ کر سکتے ہیں لہٰذا مطالبہ اپنی جگہ قائم ہے دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ مصباح الدلۃ کا مصنف مولوی محمد حسن امروہی قادیانی ہوکر مرا اس کا آپ نے کوئی ثبوت نہیں دیا۔ تیسری بات یہ کہ مولوی محمود الحسن نے ایضاح الادلہ لکھی جس کا جواب کوئی نہیں لکھ سکا حالانکہ یہ کتاب خود اپنا جواب ہے کیونکہ اس میں قرآن کریم میں تحریف کی گئی ہے اور ایک آیت اپنی طرف سے گھڑی گئی ہے اس کتاب کی تردید کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

ثانیاً:...... چونکہ ایضاح الادلۃ کے مصنف نے ان مسائل کی تردید لکھی ہے جو کہ حدیث رسول سے ثابت ہیں تو حدیث رسول کے مقابلہ میں ان کے بیان کردہ مسائل کی کوئی حیثیت نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۱۲: ایضاح الادلۃ میں کاتب کی غلطی سے قرآن پاک کی آیت غلط چھپ گئی ہے:

جواب :......کاتب کی غلطی تب کہی جائے جب کتاب ایک بار چھپی ہو حالانکہ کئی بار چھپی ہے پہلی بار مصنف کے زمانہ میں سنہ ۱۲۹۹ کو چھپی اور اس پر ایسی کوئی وضاحت نہیں تھی کہ یہ آیت غلطی سے چھپی ہے اس کے بعد علامہ محمد صاحب جونا گڑھی نے اپنے مشہور اخبار محمدی میں اس پر ایک مضمون لکھا جس کا عنوان یہ تھا دیوبند کے کعبہ قبلہ کا نیا قرآن اور اس کے تحت سخت تردید کی اور ثابت کیا کہ کھلم کھلا تحریف کی گئی ہے اور اپنی طرف سے آیت گھڑی گئی ہے اور زیادات فی کتاب اللہ کا ارتکاب کیا گیا ہے لیکن باوجود اس کے تصحیح نہیں کی گئی پھر تقریباً تین سال اس کے بعد مولوی السید اصغر حسین حسنی دیوبندی کے اہتمام سے ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۰ھ میں یہ کتاب چھپی جیسا کہ اس کے سرورق پر لکھا ہوا ہے اور پھر مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوئی مگر پھر بھی درستگی نہیں کی گئی اور یہ نہ کہا گیا کہ یہ آیت قرآن میں نہیں ہے یا غلطی سے چھپ گئی ہے۔ مطبع جمال پرنٹنگ پریس دہلی سے طبع شدہ نسخہ کے صفحہ ۹۷ پر واضح طور پر بناوٹی آیت مذکور ہے پھر اس کے بعد یہ کتاب ارکان تجارتی کتب خانہ فخر یہ امروہی دروازہ مراد آباد سے شائع ہوئی اسکے صفحہ ۱۰۳ پر بھی یہ بناوٹی آیت مذکور ہے لیکن کوئی تردید نہیں کی گئی بلکہ اس بناوٹی آیت کا ترجمہ بھی لکھا گیا ہے اب تازہ اسی کتاب کا فوٹو کاپی کروا

کے فاروقی کتب خانہ والوں نے شائع کیا ہے۔ اسی کے صفحہ ۹۷ پر یہی من گھڑت آیت مذکور ہے غلطی وغیرہ کا اشارہ تک نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ دیوبندیوں کو اس بات کا اصرار ہے کہ یہ آیت قرآن کریم میں موجود ہے۔۔ دنیا بھر کے حفاظ القرآن انکار کریں کہ یہ آیت قرآن میں نہیں ہے اور یہ آیت بناوٹی اور جعلی ہے اور دنیا بھر کے نسخے قلمی ہوں یا مطبوع کسی میں بھی یہ بناوٹی الفاظ نہیں ہیں پھر بھی اراکین دیوبند مصنف ایضاح الادلہ کو سچا ہی کہیں گے۔

آپ نے اتنی بات کہی ہے کہ کاتب کی غلطی سے ہوا ہے اس پر کون سمجھدار آدمی باور کر سکتا ہے جب کہ بار بار کتاب چھپے اور اسے کسی نے غلط نہیں کہا اس لیے آپ کا یہ دفعیہ بے سود ہے اگر آپ کر سکتے ہیں کہ ایک اشتہار لکھیں جس میں صاف واضح کریں جو آیت ایضاح الادلہ میں لکھی گئی ہے وہ قرآن میں نہیں ہے بلکہ بنا کر بڑھائی گئی ہے پھر اکابر دیوبند سے تصدیقات لکھوا کر شائع کریں ہم سمجھیں گے کہ آپ اس معاملہ میں مخلص ہیں اور غلطی سے کوئی معصوم نہیں نہ کوئی بچ سکتا ہے لیکن قرآن وحدیث میں تحریف یا تبدیلی اور الفاظ میں کمی بیشی کرنا یہ جرم عظیم ہے۔ صرف تعصب مذہبی کا نتیجہ ہے اور یا حق کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے سزا مل رہی ہے اور اس کو صرف غلطی کہنا غلط اور ناانصافی ہے کیونکہ اصل کتاب کی عبارت اس طرح ہے۔

"یہ ارشاد ہو: ﴿وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ اور ظاہر ہے کہ اولوالامر سے مراد اس آیت میں سواء انبیاء کرام علیہم السلام کے اور کوئی ہیں تبھی سو دیکھیے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں آپ نے آیت ﴿فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ آپ کو یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے عجب نہیں کہ آپ دونوں سندوں کو حسب عادت متعارض سمجھ کر ایک کے ناسخ اور دوسری کے منسوخ ہونے کا فتویٰ لگائیں لیکن (ایضاح الادلہ صفحہ ۹۹ طبع قاسمی دیوبند وصفحہ ۱۰۳ طبع جمال پرنٹنگ ورکس دہلی صفحہ ۷۷ مطبع کتب فاروقی ملتان۔

یہ عبارت صاف بتلاتی ہے نہ کتابت کی غلطی ہے نہ طباعت کی بلکہ مصنف نے جان بوجھ کر یہ آیت اپنی طرف سے بنائی ہے کیونکہ مصنف اپنی عبارت میں صاف طور پر کہتا ہے کہ یہ دونوں علیحدہ مستقل آیتیں ہیں اور صاف لفظوں میں دعویٰ کرتا ہے کہ دونوں آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں حالانکہ یہ سفید جھوٹ ہے ایک آیت قرآن کریم میں موجود ہے دوسری نہیں ہے بلکہ وہ کارخانہ میں بنائی گئی ہے یہ تو آپ لوگوں کی پرانی عادت ہے ہم دور نہیں جاتے اب اس وقت کا رسالہ ہمارے پاس جس کے سرورق پر یوں لکھا ہوا ہے "تحقیق مسئلہ رفع الیدین مصنفہ مولانا ابو معاویہ صفدر جالندھری شائع کردہ ابوحنیفہ اکیڈمی فقیر والی ضلع بہاولنگر... اس

رسالہ کے صفحہ ۶ پر لکھا ہوا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قِيلَ لَهُمْ كُفُّوٓا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اے ایماں والو اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو جب تم نماز پڑھو اس آیت سے بھی بعض لوگوں نے نماز کے اندر رفع الیدین کے منع پر دلیل لی ہے۔ ناظرین یہ رسالہ کس کی تصنیف ہے اور کون اس کا مصنف ہے یہ ابو معاویہ صفدر جالندھری کون ہے اس کے بیان کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ یہ خود مولوی صاحب جانتے اور سمجھتے ہوں گے۔

"العاقل تکفیہ الاشارۃ" ہم صرف ایک شعر بیان کرتے ہیں

بھر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را می شناسم

اب ناظرین انصاف کر کے بتائیں جو صفدر صاحب نے اس رسالہ میں آیت ذکر کی ہے وہ قرآن کریم میں کس جگہ ہے کس سورۃ میں ہے کس پارہ میں ہے رب سے ڈرتے نہیں اللہ تعالیٰ کے کلام پر اتنا غضب ڈھایا کہ غضب پر غضب یہ کہ ایک طرف اپنی طرف سے قرآن میں آیت بڑھائی گئی ہے دوسری طرف جو الفاظ کہے ہیں ان کا بھی ترجمہ غلط لکھا ہے ذرا یہ بتائیں کہ یہ جو دو کلمے "اے ایمان والو" اور "جب تم" کس عربی لفظ کا ترجمہ ہے۔

اعتراض نمبر ۱۱۳: صحیح بخاری میں دو آیتیں غلط ہیں فذکر اللہ فی ایام معلومات...الخ:

جواب: ...... یہاں نسخہ کا اختلاف ہے جیسا کہ صفحہ ۲۳۲ ج ۱ طبع اصح المطابع کے حاشیہ پر مذکور ہے پس یہ کاتب کی غلطی ہوسکتی ہے امام بخاری کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں اور کتاب ایضاح الادلۃ کے نسخوں میں کوئی اختلاف نہیں سب میں مصنوعی آیت موجود ہے جب سے صاف ظاہر ہے کہ مصنف نے خود اپنی طرف سے قرآن میں آیت بڑھائی ہے لہٰذا یہ قیاس غیر صحیح اور اعتراض باطل ہے ہمارے سامنے فتح الباری شرح صحیح البخاری کے تین نسخے موجود ہیں جن میں آیت صحیح طور پر لکھی ہے (۱) مطبع مصطفی البابی الحلبی صفحہ ۱۱۰ ج ۳ (۲) طبع بولاق کا فوٹو بیروت صفحہ ۳۰۸ ج ۲ (۳) مطبع سلفیہ صفحہ ۳۵۷ ج ۲۔ اور تینوں نسخوں میں متن صحیح بخاری کی عبارت اس طرح ہے: "وقال ابن عباس ویذکر اسم اللہ فی ایام معلومات" اور جب بعض نسخوں میں آیت صحیح طور پر مذکور ہے پھر یہ دلیل ہے کہ یہ غلطی کاتبین یا ناقلین کی ہے نہ کہ امام بخاری کی ہے اب آپ کے احناف کے رئیس علامہ عینی کا فیصلہ سنیں چنانچہ فرماتے ہیں: "قال ابن عباس واذکروا اللہ الی آخرہ روایۃ یذکر وابن شبویہ ورروایۃ المستملی والحموی (ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات) ورروایۃ أبی ذر عن الکشمھنی ویذکر اسم

اللہ فی ایام معلومات . الحاصل من ذالك ان ابن عباس لا یرید به لفظ القرآن اذ لفظه هٰکذا ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات) و مراده ان الا یام المعلومات هی العشر الاول من ذی الحجة فی ایام المعدودات المذکورة فی قوله تعالیٰ واذکروا اللہ فی ایام معدودات الایام الثلاثة الحادی عشر من ذی الحجة المسمی بیوم النفر والثانی عشر و الثالث عشرا المسمیان بالنفیر الاول والنفر الثانی ۔ والتعلیق المذکور وصله عبد ابن حمید فی تفسیره حدثنا قبیصة عن سفیان عن ابن جریج عن عمرو بن دینار سمعت ابن عباس یقول اذکرو اللہ فی ایام معدودات اللہ اکبر اذکرو اللہ فی ایام معلومات اللہ اکبر الایام المعدودات ایام التشریق والایام المعلومات . الخ" علامہ عینی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اول یہ نسخوں کا اختلاف ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا دوم یہ کہ امام بخاری نے ابن عباس سے نقل کیا ہے نہ کہ اپنی طرف سے کچھ کہا ہے سوم ابن عباسؓ نے بھی یہ آیت تلاوت نہیں کی کہ اس کو غلط کہا جائے بلکہ اس نے صرف حکم بتلایا ہے کہ ایام المدودات اور ایام المعلومات میں تکبیرات کہی جائیں جیسا کہ عبد بن حمید کی روایت بھی واضح ہے پس اعتراض کی بنیاد نہیں رہی۔

اعتراض نمبر۱۱۴: فسبح بحمد قبل الشمس باب صلوۃ العصر صفحہ ۸۷ج۱:

جواب:......اس طرح "ف" کے ساتھ اصح المطابع میں ہے جو کہ آپ کے حنفیوں کا کارخانہ ہے لیکن عام نسخہ جات میں "واوَ" کے ساتھ وسبح بحمد ربك جیسا کہ قرآن مجید میں تلاوت کیا جاتا ہے دیکھئے صحیح بخاری طبع مصر صفحہ ۷۳ج۱۔اور طبع منیر یہ دمشق صفحہ ۱۳۷ج۱ نیز تجرید البخاری للو بیری صفحہ ۱۳۱ج۱ میں بھی روایت مذکور ہے جس میں بھی وسبح بحمد ربك ہے اسی طرح عام شروحات بخاری میں بھی ہے مثلاً کرمانی، زرکشی، فتح الباری، عینی اور قسطلانی وغیرہ شروحات میں بھی "واوَ" کے ساتھ ہے پس اس پر ایضاح الادلۃ کو قیاس کرنا غلط ہے۔

اعتراض نمبر۱۱۵: جس کا نام اعلاء السنن ہے یہ کتاب ۱۸ جلدوں میں ہے...الخ:

جواب:......اس کتاب میں وہی باتیں ہیں جن کا جواب پہلے گذر چکا ہے اس کتاب میں وہی مردود علیہا اشیاء جمع کی گئی ہیں کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

اعتراض نمبر۱۱۶: ان کے خلاف ان کے عالم مولانا غلام رسول صاحب نے ایک رسالہ لکھا ہے:

جواب:...... یہ رسالہ علامہ غلام رسول صاحب کی طرف منسوب ہے ان کی اپنی تصنیف نہیں ہے چنانچہ علامہ ابوعبدالبر محمد غضنفر صاحب نے اس کا جواب بنام مصابیح اسرار التراویح لکھا ہے جس کے مقدمہ میں ثابت کیا

ہے کہ یہ رسالہ علامہ موصوف کی تصنیف نہیں ہے بلکہ اور لوگوں کی تصنیف ہے، پھر کتاب کے آخر میں علامہ موصوف کے شاگرد رشید مولوی محمد علی صاحب کی تقریظ مذکور ہے آپ بھی صاف انکار کرتے ہیں کہ یہ رسالہ علامہ غلام رسول کی تصنیف نہیں ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ ''واضح ہو کہ یہ فقیر دس برس سے مولانا مرحوم کی خدمت میں رہا اور جو کچھ پڑھا انھی سے پڑھا، جیسا کہ افعال واقوال مولانا مرحوم سے یہ فقیر واقف ہے شاید کوئی واقف ہو اور اس فقیر پر مولانا حد سے زیادہ شفیق تھے اور جہاں کہیں تشریف لے جاتے اس فقیر کو ضرور ہمراہ لے جاتے یہ عاجز یقین رکھتا ہے کہ رسالہ تراویح ہرگز مولانا مرحوم کی تصنیف نہیں اھ۔ پھر اس پر دلائل ذکر کیے ہیں آخر میں فرماتے ہیں اور یہ ایک دلیل بہتان ہونے کی اس رسالہ پر یہ ہے کہ انہوں نے الفاظ شیعہ سے جو اس رسالہ میں مندرج ہیں کبھی یہ الفاظ کہے ہوں اکثر لوگوں کو معلوم ہے کہ مولانا مرحوم مولوی محمد حسین صاحب کو بہت دوست رکھتے تھے اور ہر ایک کو فرماتے کہ جیسا میں مولوی محمد حسین کو علم حدیث میں اور دوسرے علموں میں ماہر دیکھتا ایسا کوئی کم ہوگا اور جب کبھی لاہور میں رونق افزا ہوتے اور جمعہ کے دن مولوی محمد حسین صاحب ان کو وعظ فرمانے کے واسطے ارشاد فرماتے تو اس کے جواب میں کہتے کہ ہم کو تمھارے سامنے وعظ کرنے سے لحاظ آتا ہے اور میں دیکھتا تھا کہ بہت حدیثوں کے مسائل میں مولوی محمد حسین صاحب سے تحقیق کراتے اور بہت لوگوں کو فرماتے اور تاکید کرتے کہ فتویٰ پوچھنے کے لائق ہیں ایسا ملک میں کوئی نہیں اور ایک دلیل اس کے بہتان ہونے کی یہ ہے کہ یہ رسالہ مولانا مرحوم کی حیات میں ظاہر نہیں ہوا اور اگر ان کی تصنیف ہوتی تو ان کی زندگی میں کیوں پوشیدہ رہتا، خصوصاً مجھ جیسے کثیر الصحبۃ شدید الملازمۃ پر غرض یہ کہ یہ رسالہ تصنیف علاؤ الدین یا ضیاء الدین وغیرہ کی ہے جو کہ عمل بالحدیث سے نفرت رکھتے ہیں اور عاملین سنت کو برا کہتے ہیں، شائقین سنت اس کی طرف التفات نہ کریں اور رسالہ مصابیح اسرار التراویح جو اس کے جواب میں ہے دستور العمل بنا دیں انتہی۔

اب اس تصریح کے بعد آپ کا یہ الزام ختم ہو گیا۔

کیا اہل حدیث کتب احادیث میں تحریف کرتے ہیں؟

اعتراض نمبر ۱۱۷: حدیث وسنت کی کتابیں جو سب مسلمانوں کا سرمایہ ہیں ان میں کسی نے تحریف نہیں کی تھی غیر مقلدین نے یہ کام بھی شروع کر دیا:

جواب :......اہل حدیثوں پر محض بہتان ہے کسی اہل حدیث نے ایسی جرات نہیں کی جو آپ نے مثالیں ذکر کی ہیں ان کی حقیقت ان شاء اللہ اپنے مقام پر ظاہر کی جائے گی یہ تو آپ کے حنفیوں کی جرأت وعادت ہے جو

ہمیشہ قرآن وحدیث میں تحریف کرتے رہتے ہیں ہم عنقریب ان شاء اللہ کئی ایسی امثلہ بمع حوالہ پیش کریں گے۔

اعتراض نمبر ۱۱۸: برنس روڈ سے غیر مقلدین نے صحیح مسلم شریف کا ترجمہ شایع کیا ہے اس میں مشہور حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا فاتحۃ الکتاب فصاعداً اس سے آخری لفظ فصاعداً نکال دیا ہے:

جواب:...... برنس روڈ والے اپنے آپ کو صرف اہل حدیث نہیں کہلاتے بلکہ غرباء اہل حدیث کہلاتے ہیں اور ہم نے اہل حدیث کی طرف سے صفائی پیش کی ہے اور یہ حرکت اگر بقول شما واقعی ایسی حرکت کی گئی ہے تو غرباء اہل حدیث سے ہے آپ انہوں سے خطاب کریں کیونکہ وہ ہماری بنسبت آپ کے قریب ہیں کیونکہ آپ کی طرح انہوں نے بھی غیر نبی کو اپنا مستقل امام بنایا ہے اور رکوع میں ملنے والے کی رکعت صحیح کہتے ہیں اور تعویذ کے قائل ہیں اور ضعیف حدیثوں کو دلیل بناتے ہیں وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۱۱۹: ابو داؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی عدم رفع الیدین کی حدیث کے بعد متن میں اضافہ کر دیا وھٰذا حدیث مختصر من حدیث طویل ولیس بصحیح بھذا اللفظ.

جواب..... دراصل نسخوں کا اختلاف ہے کچھ نسخوں میں عبارت موجود ہے اور کچھ میں نہیں عون المعبود صفحہ ۲۷۳ ج ۱ میں ہے۔ اعلم ان ھٰذہ العبارۃ موجودۃ فی نسختین عتیقین عندی. نیز کئی لوگوں نے اپنی کتابوں میں اس عبارت کو نقل کیا ہے: چنانچہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۷۷ ج ۱ باب صفۃ الصلوٰۃ الفصل الثالث میں یہ عبارت مذکور ہے اس طرح امام ابن الملقن نے البدر المنیر اور حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر صفحہ ۲۲۲ ج ۱ میں بھی ابو داؤد سے یہ عبارت نقل کی ہے خود آپ کے ملا علی قاری نے المرقات صفحہ ۲۴۹ ج ۲۔ میں مشکوٰۃ کے حوالہ سے نقل کر کے کوئی اعتراض نہیں کیا، صرف اتنا کہا ہے کہ "قال میرك فیه نظر لانه لیس فی سنن ابی داوٗد علیٰ ھٰذا المعنیٰ وانمافیه لیس بصحیح فقط" پر اتنا تو ثابت ہوا کہ آپ کے حنفی علماء بھی مانتے ہیں کہ امام ابو داوٗد نے اس روایت کو غیر صحیح کہا ہے آپ پہلے یہ دعویٰ کر آئے ہیں کہ غیر مقلد انگریزوں کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ عبارت انگریزوں کے دور سے کئی صدیاں پہلے کی کتب میں ابوداؤد کے حوالہ سے مذکور ہیں پس آپ کا یہ الزام جھوٹا ثابت ہوا۔

والحمد الله

عشرین رکعة دوست ہے یا عشرین لیلة؟

اعتراض نمبر۱۲۰: اسی ابوداؤد شریف میں باب القنوت میں ایک روایت میں عشرین رکعة کا لفظ ہے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ عشرین رکعة غلط ہے عشرین لیلة صحیح ہے۔

جواب ...... اصل نسخہ میں لفظ عشرین لیلة ہے عشرین رکعة نہیں، نیز ہمارے پاس سنن ابی داؤد کا بہت پرانا نسخہ ہے اس کے صفحہ ۲۰۳ پر یہ حدیث موجود ہے جس میں لفظ عشرین لیلة ہے بعد میں آپ کے حنفیوں نے اس میں تحریف کی ہے اور لیلة کے بجائے رکعة لکھ دیا ہے، امام بیہقی کی السنن الکبریٰ صفحہ ۴۹۸ میں بھی روایت ابوداؤد کی سند کے ساتھ منقول ہے اس میں بھی لفظ عشرین لیلة ہے اور اس طرح حافظ منذری بھی مختصر ابوداؤد میں لائے ہیں اور اس طرح آپ کے حنفی مذہب کے پیشوا علامہ زیلعی کی نصب الرأیہ صفحہ ۱۲۴ ج ۲ میں بھی لفظ عشرین لیلة ہے ثابت ہوا کہ یہ الزام اہل حدیث پر بے بنیاد ہے بلکہ آپ حنفیوں نے اس میں تحریف کی ہے۔

اعتراض نمبر۱۲۱: ترمذی شریف میں باب من لم یرفع یدیه الامرة نکال دیا:

جواب :...... ترمذی شریف کے کسی نسخہ میں یہ باب نظر نہیں آیا ہمارے پاس ترمذی شریف کا قلمی نسخہ موجود ہے جو کہ شاہ ولی اللہ کے کسی شاگرد کا لکھا ہوا ہے جس پر آخر میں سنہ ۱۲۲۷ لکھا ہوا ہے مگر اس میں بھی یہ باب نہیں اس طرح ترمذی کی کئی شروحات ہیں مثلاً عارضة الاحوذی لابن العربی۔ النفح الشذی لابن سید الناس العرف الشذی لشاہ انور شاہ کشمیری تحفة الاحوذی، لفع قوت المغتذی۔

میں بھی باب نہیں یہ بھی آپ کے کسی بھائی نے غلط نسبت کی ہوگی۔

اعتراض نمبر۱۲۲: ترمذی شریف میں حضرت ابن مسعود کی عدم رفع الیدین والی حدیث کو حسن صحیح کہا تھا لیکن صحیح کا لفظ نکال دیا:

جواب :...... ترمذی کے کسی نسخہ میں صحیح کا لفظ نہیں بلکہ سب میں فقط حسن کا لفظ ہے اس طرح تمام شروحات ترمذی میں صحیح کی بات نہیں ہے، خود علماء حنفیہ بھی صرف حسن نقل کرتے ہیں چنانچہ نصب الرایہ لزیلعی صفحہ ۳۹۴ ج ۱ میں ہے قال الترمذی حدیث حسن نیز ان کا حاشیہ جو کہ حنفیہ ادارہ المجلس علمی کی طرف سے لکھا گیا اس میں بھی امام ترمذی نے صرف حسن کہنا نقل کیا ہے اس طرح ابن الہمام جو کہ حنفیوں کا مجتہد فی المذہب ہے اس نے بھی فتح القدیر شرح الہدایہ صفحہ ۲۱۸ ج ۱ میں کہا ہے کہ قال الترمذی حدیث حسن نیز علامہ خلیل احمد سہارنپوری نے بذل المجہود فی حل ابی داؤد صفحہ ۱۴۱ ج ۴ میں سید انور شاہ کشمیری نے نیل الفرقدین صفحہ ۵۷

میں بھی امام ترمذی سے بھی صرف حسن کہنا نقل کیا ہے پس یہ بھی آپ کی بناوٹی بات ہے اور امام ترمذی پر بہتان ہے۔

اعتراض نمبر۱۲۳: ترمذی شریف کتاب العلم میں امام ابوحنیفہ کا یہ ارشاد درج تھا کہ میں نے عطاء سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا:

جواب :...... کتاب العلم ترمذی میں بلکہ امام ترمذی کی العلل الصغیر کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے جیسا کہ آپ کے حنفی بھائی مولوی ظفر احمد عثانی نے انہاء السکن صفحہ ۸۰ میں ذکر کیا ہے اور حافظ ابن رجب متوفی اس کتاب العلل کی شرح صفحہ ۹۹ میں اس روایت کو لاکر فرماتے ہیں ھٰذا یوجد فی بعض النسخ ولا یوجد فی بعض پس یہ نسخوں کا اختلاف ہے، اس کے متعلق کہنا کہ اہل حدیثوں نے نکال دیا ہے غلط ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا اگر آپ کا کوئی مخالف کہہ دے کہ جن نسخوں میں یہ روایت موجود ہے وہ حنفیوں نے بڑھائی ہے یا انہوں نے سنن ترمذی میں ڈال دی ہے کیا آپ یقین کرلیں گے کیا اس کو صحیح تسلیم کرلیں گے فما ھو جوابکم فھو جوابنا ایضاً. جس نسخہ میں روایت ہے کہ سمعت ابا حنیفة یقول ما رایت احداً اکذب من جابر الجعفی ولا افضل من عطاء بن ابی رباح اسی نسخہ میں روایت ہے کہ سمعت وکیعاً یقول لولا جابر الجعفی لکان اھل الکوفة بغیر حدیث ولولا حماد لکان اھل الکوفة بغیر فقه. اور دوسری روایت ترمذی باب ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی فضل الاذان میں بھی مذکور ہے اب ان دونوں روایتوں کو ملانے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوفہ والوں کا مذہب اسی جھوٹے راوی جابر جعفی کی روایتوں پر مبنی ہے اور اسی سے حنفی مذہب کی بنیاد اکھڑ جاتی ہے کیونکہ ان کا مذہب جھوٹی روایتوں پر مبنی ہے اس لئے اگر بقول آپ کے یہ روایت سنن ترمذی سے نکالی گئی ہے تو بھی آپ کے حنفیوں نے نکالی ہے کیونکہ ان کے مذہب کی موت واقع ہوتی ہے لیکن اہل حدیث نے نہیں نکالی کیونکہ ان کو نکالنے سے کیا فائدہ بلکہ ان کے باقی رکھنے سے حنفی مذہب کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

اعتراض نمبر۱۲۴: انہوں نے جب میزان الاعتدال چھپوائی اس کے حاشیہ پر امام ابوحنیفہ کا ترجمہ ذکر کردیا...الخ:

جواب :۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کیونکہ جس نسخہ کے حاشیہ پر امام ابوحنیفہ کا ترجمہ ہے اس کے کاتب سے خود آپ کے حنفی علامہ نیموی نے التعلیق الحسن علی آثار السنن صفحہ ۸۸ ج ا میں نقل کیا ہے کہ وقد اعتذر الکاتب وعلق علیه هٰذه العبارة ولما لم تکن هٰذه الترجمة فی نسخة ، کانت فی

اخری اور د تھا علی الحاشية. ثابت ہوا کہ یہ ترجمہ کسی نے بڑھایا نہیں بلکہ کاتب خود بتلاتا ہے کہ بعض نسخوں میں تھا اور بعض میں نہیں تھا جس سے ثابت ہوا کہ یہ قدیمی عبارت ہے اور اصل سے نسخہ میں یہ ترجمہ موجود تھا اور پھر سنہ ۱۳۲۵ھ میں یہ کتاب مطبع السعادۃ مصر میں چھپی اور سید محمد بدر الدین النعمانی نے اس کی تصحیح کی ہے تین جلدوں میں ہے اور ہر ایک جلد کے سرورق پر لکھا ہوا ہے کہ فجاء بحمد الله صحیحا متقنا اور اس کتاب کے صفحہ ۲۳۷ ج ۳ میں کتاب کے اندر امام ابو حنیفہ کا ترجمہ مذکور ہے اس کے بعد سنہ ۱۳۸۲ میں دار احیاء الکتب العربیہ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکائہ میں چار جلدوں میں چھپی اس میں صفحہ ۲۷۵ ج ۴ میں امام صاحب کا ترجمہ مذکور ہے اور اصحاب المطابع نے چار نسخوں کا حوالہ دیا ہے ایک نسخہ جس کے لیے رمز (خ) لکھا ہے دوسرا نسخہ سبط بن العجمی کا جس کے لیے رمز (س) لکھا ہے، تیسرا نسخہ لسان المیزان کا ذکر کیا ہے جس کے لیے (مزول) لکھا ہے چوتھا نسخہ مطبوعہ ہند کا ذکر کیا ہے جس کے لیے رمز (ھ) لکھا ہے اور امام صاحب کے ترجمہ کے ذیل میں محشی لکھتا ہے کہ یہ ترجمہ (س) اور (ل) میں نہیں ہے تو (ل) میں نہ ہونا تو کوئی بات نہیں کیونکہ لسان المیزان کے لیے حافظ ابن حجر نے یہی شرط لگائی ہے کہ وہ میزان کے ان تراجم کو ذکر کریں گے جن کا ذکر تہذیب میں نہ ہو اور جو وہاں مذکور ہوں گے ان کو لسان میں ذکر نہیں کریں گے چونکہ تہذیب میں امام ابو حنیفہ کا ترجمہ موجود ہے اس لئے اپنی شرط کے مطابق لسان میں ذکر نہیں کیا لہٰذا اس نسخہ کو شہادت میں پیش کرنا ہی بے معنیٰ اور غلط ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ تہذیب میں ترجمہ موجود تھا تو حافظ صاحب نے لسان میں حذف کر دیا یعنی اس کے میں نسخہ بھی ترجمہ موجود تھا صرف سبط ابن العجمی میں بقول کاتب نہیں ہے اور نسخہ (خ) میں موجود ہے جس کے متعلق لکھتا ہے کہ "وجعت و قوبلت على نسخة معتمدة معتبرة عليها كتابة من خط ما صورته الحمد لله على الحمد له اما بعد فقد صحت هٰذه النسخة المباركة واتقنت بعناية كا تبها الشيخ الامام الفاضل المقرى المحدث عماد الدين بن ابى بكر بن احمد بن ابى الفتح ...... ثم قابلها واحكم تقييدها وله الإمام بهٰذا اللسان وعمل جيد وفهم حسن" اور پھر کاتب کہتا ہے کہ وعلىٰ هوا مشها عبادات تدل علىٰ انها مقابلة اٰھ. اور بیروت والوں نے اسی سے فوٹو کیا ہے آپ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ اہل حدیث انگریزوں کی پیداوار ہیں اور صرف ہندستان میں ہوئے ہیں، پھر یہ دوسرے ممالک میں کس طرح اس کتاب میں امام صاحب کا ترجمہ آ گیا ہے؟

ثانیاً:...... یہاں تو آپ یہ بہتان دیتے ہیں اس میزان میں امام صاحب پر دوسری جگہ بھی جرح منقول ہے چنانچہ صفحہ ۲۲۶ ج ۱ میں امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد کا ترجمہ یوں ذکر کرتے ہیں: "اسماعیل

بن حماد بن النعمان بن ثابت الکوفی عن ابیه عن جده قال ابن عدی ثلاثتهم ضعفاء اھ" اب یہاں کیا کہو گے امام ذہبی کی دوسری کتاب دیوان الضعفاء والمتروکین ہے جس کے صفحہ ۳۱۸ میں امام صاحب کا ترجمہ یوں ہے النعمان الامام رحمه الله قال ابن عدی عامة ما یرویه غلط و تصحیف و زیادات وله احادیث صالحة قال النسائی لیس بالقوی فی الحدیث کثیر الغلط علیٰ قلة روایته وقال ابن معین لا یکتب حدیثه اھ اب فیصلہ کریں یہ ترجمہ کس نے ڈال دیا ہے؟ پھر میزان میں جو امام صاحب کا ترجمہ ہے اس میں یہ الفاظ ہیں النعمان بن ثابت ابن زوطی ابوحنیفة الکوفی امام اهل الرأی ضعفه النسائی من جهة حفظه وابن عدی وآخرون و ترجم له الخطیب فی فصلین من تاریخه واستوفی کلام الفریقین معدلیه ومضعفیه اھ. اب اگر تحقیق کی جائے تو امام نسائی کی جرح اس کی کتاب الضعفاء میں مذکور ہے اور ابن عدی کی جرح اس کی کتاب الکامل میں مذکور ہے جیسا کہ ذہبی نے دیوان الضعفاء میں بھی ذکر کیا ہے اور آخرون یعنی دوسرے ان میں سے ذہبی نے دیوان میں امام ابن معین کا قول ذکر کیا ہے اس کے علاوہ تاریخ کبیر اور صغیر، امام بخاری کی کتاب التمیز امام مسلم کی الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم کی اور کتاب الضعفاء عقیلی کی اور السنن امام دارقطنی کی وغیرہا کتب میں دیکھیں پھر تاریخ بغداد میں واقعی مفصل اقوال مذکور ہیں پس یہ حقیقت ہے جو کہ امام ذہبی نے ذکر کی ہے اس کو آپ کہاں تک چھپا سکتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۲۵: تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ غیر مقلدین نے شائع کر رکھا ہے اس میں واذا قرئ القرآن کی آیت کے بعد پورا ڈیڑھ صفحہ اپنی طرف سے افسانہ کیا:

جواب:...... یہ بھی بہتان ہے کیونکہ یہ ترجمہ علامہ محمد جونا گڑھی کا ہے اس نے کوئی تحریف یا تبدیلی نہیں کی بلکہ بعض مقامات پر چند سطریں دو بریکٹ میں تشریح کے لیے لکھی ہیں اور ساتھ اخیر میں لفظ مترجم لکھا ہوا ہے جس کا مطلب کہ اس کے اصل کلام میں کچھ بڑھایا یا گھٹایا نہیں بلکہ تشریحی مضمون دیا وہ بھی اصل عبارت سے الگ کیا تاکہ ہر ایک سمجھ سکے کہ یہ اصل ابن کثیر کی عبارت کا ترجمہ ہے اور اور یہ ترجمہ کی تشریح ہے اور تشریح کی منع کسی کو نہیں یہ نہ تبدیلی ہے نہ تحریف ایسے جھوٹے اتہام دیتے وقت اللہ سے ڈرنا چاہیے۔

اعتراض نمبر ۱۲۶: تفسیر ابن کثیر ولو انهم اذ ظلموا انفسهم سورة نساء اس آیت کے تحت انہوں نے ایک اعرابی کا واقعہ درج کیا جس میں حیاة النبی کا ثبوت ملتا ہے غیر مقلدین نے اس کے آگے موضوع ''باطل'' لکھا ہے:

جواب:...... علامہ جونا گڑھی کے ترجمہ میں یہ لفظ نہیں ہے ان کی عبارت دو بریکٹ میں صرف اتنی ہے (یہ

خیال رہے کہ نہ تو یہ کسی حدیث کی کتاب کا واقعہ ہے نہ اس کی کوئی صحیح سند ہے بلکہ آیت کا یہ حکم حضور ﷺ کی زندگی میں ہی تھا وصال کے بعد نہیں جیسا کہ جاؤك کا لفظ بتلا رہا ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے) سو واقعی نہ کسی حدیث کی کتاب میں یہ واقعہ ہے اور نہ اس کی کوئی سند ہے اور علامہ محدث ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عبدالہادی الفقیہ المتوفی سنہ ۷۴۴ھ کتاب الصارم المنکی صفحہ ۲۱۲ میں اس حکایت کے متعلق فرماتے ہیں" وھٰذہ الحکایة التی ذکرھا بعضھم یرویھا عن العتبی بلا اسناد وبعضھم یرویھا عن محمد بن حرب الھلالی و بعضھم یرویھا عن محمد بن حرب عن ابی الحسن الزعفرانی عن الاعرابی وقد ذکرھا البیھقی فی شعب الایمان باسناد مظلم عن محمد بن روح بن یزید البصری حدثنی ابو حرب الھلالی قال حج اعرابی فلما جاء الیٰ باب مسجد رسول الله ﷺ اناخ راحلته فعقلھا ثم دخل المسجد حتیٰ اتی القبر ثم ذکر نحوھا تقدم وقد وضع لھا بعض الکذابین اسناداً الی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کما سیأتی ذکرہ وفی الجملة لیست ھٰذہ الحکایة المنکورة عن الاعرابی مما یقوم به حجة واسناد ھا مظلم مختلف ولفظھا مختلف ایضاً ولو کانت ثابتة لم یکن فیھا حجة علیٰ مطلوب المعترض ولا یصلح الاحتجاج بمثل ھٰذہ الحکایة ولا الاعتماد علیٰ مثلھا عند اھل العلم وبالله التوفیق" اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عتبی تک سند ہے ہی نہیں حالانکہ ایسا آدمی ہے جس کی کہیں توثیق یا تعدیل مذکور نہیں اور ہلالی والی سند مظلم اور مجہول ہے اور ہلالی خود مجہول ہے جس کا کوئی پتہ نہیں پس اس روایت کے باطل ہونے میں کیا شبہ رہا۔

اعتراض نمبر ۱۲۷: ادب المفرد بخاری میں حضرت عمرؓ کے پاؤں سوج جانے والے واقعات میں یا محمد کا یا اڑا دیا ہے:

جواب :...... یہ بھی نسخوں کا اختلاف ہے دیکھو فضل اللہ الصمد شرح ادب المفرد صفحہ ۴۲۹ ج ۲ پھر ایک نسخہ میں سے نکالا اور دوسرے میں سے نہ نکالا اس کا کیا مطلب؟

اعتراض نمبر ۱۲۸: تذکرۃ الحفاظ کا اردو ترجمہ غیر مقلدین نے شائع کیا ہے قاضی ابو یوسفؒ کے ترجمہ میں ایک حدیث درج ہے جس کی سند میں قاضی ابو یوسف اور امام ابو حنیفہؒ کے اسماء درج ہیں علامہ ذہبی فرماتے ہیں سند صحیح متصل عالی:

جواب :...... یہاں معترض نے جھوٹ اور فریب سے کام لیا ہے حالانکہ تذکرۃ الحفاظ میں قاضی ابو یوسف کا ترجمہ صفحہ ۲۹۲۔۲۹۴ ج ۱۔ طبع ثالث دکن اس کے آخر میں اس حدیث کے متعلق امام ذہبی کا کلام اس طرح

ہے لہٰذا اسناد متصل عالی جس میں صحیح کا لفظ نہیں ہے یہ آپ نے ذہبی پر جھوٹ بولا ہے اور اپنی طرف سے بڑھایا ہے دوسروں کو تحریف کا الزام دیتے ہو اور خود اس کے مرتکب ہو پھر جو اردو ترجمہ شائع ہوا ہے اس کے صفحہ ۲۳۰ ج ا۔ میں بھی اس عبارت کا ترجمہ موجود ہے لکھا ہے کہ یہ عالی اور متصل سند ہے آپ نے ذہبی پر بھی جھوٹ بولا ہے اور مترجم پر بھی بہتان باندھا ہے۔ متصل ہونا اور بات ہے جو صحیح ہونے کو مستلزم نہیں لغایہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سند میں انقطاع نہیں لیکن کیا کسی راوی کے مجروح ہونے یا شذوذ یا کسی اور علت سے بھی محفوظ ہوگی؟ بلکہ صحت کے لیے دوسری شرائط ہیں حافظ ذہبی نے صحیح نہیں کہا یہ آپ کی بنائی ہوئی بات ہے اس طرح عالی ہونا بھی صحت کو مستلزم نہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ سند قریب ہے اس میں راوی کم ہیں مگر یہ کوئی بیان نہیں کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے ثقہ ہیں یا ضعیف۔

اعتراض نمبر ۱۲۹: کتاب الثقات لابن حبان میں نافع بن محمد کے ترجمہ سے حدیث معلل کو نکال دیا:

جواب:...... ثقات ابن حبان کا قلمی نسخہ ہمارے پاس موجود ہے اس کے صفحہ ۲۴۳ ج ا۔ میں نافع بن محمود کا ترجمہ موجود ہے مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں پوری عبارت اس طرح ہے نافع بن محمود بن ربیعة من اهل ایلیاء یروی عن عبادة بن الصامت روی عنه حزام بن حکیم ومحمود متن خبره فی القرأه خلف الامام یخالف متن خبر محمود بن الربیع عن عبارة کانهما حدیثان احدهما اتم من الآخر وعند مکحول الخبران جمیعاً عن محمود بن الربیع ونافع بن محمود بن ربیعة وعند الزهری الخبر عن محمود بن الربیع عن عبادة مختصراً غیر مستقصیٰ اھ."

اس طرح دوسرا قلمی نسخہ ہمارے بھائی سید محب اللہ شاہ کے کتب خانہ میں موجود ہے اس میں بھی اس طرح عبارت ہے یہ لفظ حدیث معلل اس میں نہیں ہے پھر یہی کتاب مطبع مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ بحیدر آباد دکن الھند میں طبع سنہ ۱۳۹۱ھ میں طبع ہوئی ہے اس کے صفحہ ۴۷۰ ج ۵۔ میں نافع بن محمود کا ترجمہ مذکور ہے اور بعینہ یہی عبارت ہے یہ لفظ اس میں بھی نہیں ہے اور یہ ادارہ آپ کے حنفیوں کا ہے چھپوانے والے حنفی، تحقیق کرنے والے حنفی لیکن پھر بھی ذکر نہیں کیا نہ حاشیہ میں بتلایا نہ نسخوں کا اختلاف ذکر کیا حالانکہ تین نسخوں سے انھوں نے اس کتاب کو درست کیا چنانچہ صفحہ ا ج ا۔ حاشیہ میں لکھتے ہیں رموز النسخ التی استعملنا ما فی تصحیح هٰذا الکتاب کما یلیه "ف" رمز نسخة المکتبه الآصفیه بحیدر آباد الدکن (الهند) وهی الاساس لتصحیح هٰذا الکتاب وتاریخ کتابتها ربیع

الآخر سنة اثنتين وتسعين ومأتين بعد الالف من الهجرة كتبه مسكين احمد م: رمز نسخة مكتبة السلطان محمود (استنبول) وتاريخ كتابتها شعبان سنة سبع وثمانين وثمان مأة كتبة محمد بن ابى بكر .

س۔رمز نسخة المكتبة السعيدية بحيدر آباد وتاريخ كتابتها يوافق تاريخ كتابة النسخة الآصفيه .

پس اگر کسی نسخہ میں یہ الفاظ ہوتے تو کم از کم آپ کے حنفی محقق اور مصحح قطعاً نہیں چھپاتے بالخصوص استنبول والانسخہ جو پرانا ہے۔ سنہ ۸۸۷ کا لکھا ہوا ہے اس وقت بقول آپ کے تو اہل حدیث موجود نہیں تھے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ اہل حدیث انگریز کے دور کی پیداوار ہیں پھر انہوں نے کیسے یہ لفظ نکال دیا بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ بقول آپ کے پہلے ہر جگہ حنفیت تھی اس لئے بعید نہیں کہ آپ کے حنفیوں نے یہ لفظ میزان الاعتدال میں ڈال دیا ہو ایضاً دوسری کتابوں میں ثقات ابن حبان سے نافع بن محمود کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے مگر کسی میں یہ لفظ حدیثہ معلل نہیں ہے مثلاً تہذیب التہذیب صفحہ ۴۱۰ ج ۱۰۔ میں ثقات ابن حبان کی پوری عبارت منقول ہے مگر اس میں یہ لفظ نہیں ہے الخلاصہ للخزرجی صفحہ ۳۹۹ میں اس کا ترجمہ مذکور ہے صرف یہ لکھا ہے وثقه ابن حبان اور تعلیل وغیرہ مذکور نہیں اس طرح آپ کے حنفی بھائی علامہ لکھنوی نے غیث الغمام حاشیہ امام الکلام صفحہ ۲۰۳ طبع پاکستان میں بھی ثقات ابن حبان سے نافع بن محمود کا پورا ترجمہ نقل کیا ہے نیز تہذیب الکمال میں بھی اس کا ترجمہ مذکور ہے مگر یہ الفاظ نہیں اور علامہ ابن العجمی کی کتاب نہایۃ السول رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے اس میں ابن حبان کی ثقات سے نافع بن محمود کا پورا ترجمہ منقول ہے مگر اس میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔ (تحقیق الکلام للمبارکفوری صفحہ ۸۰۔۸۱)

بلکہ امام ذہبی کی اور کتابیں ضعیف راویوں پر ہیں ایک کتاب المغنی فی الضعفاء دوسری دیوان الضعفاء والمتروکین دونوں میں نافع بن محمود کا ترجمہ نہیں اس طرح ان کے دو اور رسالے ہیں ایک ذکر من اسماء من تكلم فيه وهو موثق دوسرا رسالة فى الرواة الثقات المتكلم فيهم بمالا يوجب ردهم اور دونوں میں نافع بن محمود کا ترجمہ نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ امام ذہبی کے نزدیک نافع بن محمود کے متعلق کی جرح یا اس کی حدیث کی تعلیل ثابت ہی نہیں بلکہ امام ذہبی کی ایک اور کتاب ہے جو بنام الكاشف فى معرفة من له رواية فى الكتب الستة اس کے صفحہ ۱۹۷ ج ۳۔ میں ترجمہ اس طرح مذکور ہے نافع بن محمود المقدسی عن عبادة بن الصامت عن مكحول وحزام بن حكيم ثقة اه. ثابت ہوا کہ امام ذہبی اس کے ثقہ اور معتبر ہونے کا فیصلہ دیتے ہیں اگر ان کے سامنے

ابن حبان کا یہ قول حدیث معلل ہوتا تو ضرور ظاہر کرتے پس یہ میزان کی نقل صحیح نہیں ہے یا تو تمہارے حنفیو کی اپنی ایجاد ہے۔

اعتراض نمبر۱۳۰: دار قطنی میں ایک حدیث شایع ہے اس میں لکھا ہے من ادرك الركوع فادرك الركعة حدیث نکال دی ہے:

جواب:...... سنن دار قطنی کے کسی نسخہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں یہ آپ نے اپنی طرف سے بنائی ہے اگر کسی میں ہے تو اس کا فوٹو کاپی شایع کریں ولیس لکم الیٰ ذالك سبیل .

ناظرین :۔ یہ تھے مولوی صاحب کے اہل حدیث پر جھوٹے الزامات جن کی حقیقت ظاہر کر دی گئی ہے بلکہ اکثر حرکتیں ان ہی حنفیوں کی ہیں اب ہم چند امثلہ ان کی تحریف کی ذکر کرتے ہیں۔

مثال (۱) : شیخ محمود الحسن کی جرأت تو دیکھ لی اب علامہ شبلی نعمانی کی جرأت دیکھیں کتاب سیرۃ النعمان ص ۱۲۷ طبع پنجاب پریس لاہور میں لکھتا ہے "امام صاحب نے قرآن کی جو آیتیں استدلال میں پیش کی ہیں ان سے بداہۃً ثابت ہوتا ہے کہ (ایمان اور اعمال) دو چیزیں ہیں کیونکہ ان تمام آیتوں میں عمل کو ایمان معطوف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جز کل پر معطوف نہیں ہوسکتا من یؤمن باللّٰہ فیعمل صالحاً میں حرف تعقیب آیا ہے جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے اھ یہ آیت سورۃ التغابن کی ہے "و" کو بدل کر "ف" لکھ دیا ہے اصل لفظ ویعمل ہے لیکن اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں اصل لفظ کو بدل کر فیعمل لکھ دیا ہے اس سے زیادہ اور کیا صراحت پیش کی جائے۔

مثال (۲) : مولوی ابو معاویہ صفدر کے رسالہ تحقیق مسئلہ رفع الیدین کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور یہ صفدر صاحب کون ہیں مولوی صاحب بہتر جانتے ہیں۔

نیم اندر گور باشد نیم اندر زندگی
ذات شما معلوم شد با فذگی با فذگی

مثال (۳) : فقہ حنفی کی مشہور کتاب بدایع الصنائع فی ترتیب الشرائع علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی جس کا لقب ملک العلماء مشہور ہے اس کے صفحہ ۵۴۸ ج ۲۔ میں ہے روی انہ ﷺ رای بعض الصحابة یرفعون ایدیھم عند الرکوع وعند رفع الراس من الرکوع فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کاذناب خیل شمس اھ" اب بتائیں کہ ان الفاظ سے یہ روایت کس حدیث کی کتاب میں ہے بلکہ جعلی اور بناوٹی ہے محض اپنے مذہب کے لیے بنائی گئی ہے۔

مثال (٤): علامہ علی قاری جو کہ حنفیوں میں بڑی شہرت کا مالک ہے اپنی مشہور کتاب مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ

المصابیح صفحہ ۱۰۵ ج ۳ طبع ملتان باب من صلیٰ صلوٰۃ مرتین میں لکھتا ہے: وفیہ حدیث صریح خرجہ الدار قطنی عن ابن عمر ان النبی ﷺ اذا صلیت فی اھلك ثم ادرکت فصلھا لا الفجر والمغرب اھ.

سنن دارقطنی کے سارے نسخے موجود ہیں دنیا سے غائب نہیں ہوئے کسی میں بھی یہ روایت نہیں ہے اس سے زیادہ وضع حدیث کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

مثال (۵) : تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق مصنفہ شیخ فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی الزیلعی المتوفی صفحہ ۱۳۱۔۷۷۳ طبع بیروت میں ہے: عن عبادۃ بن الصامت انه علیه الصلوٰۃ والسلام قال لایقرأن احد منکم شیئاً من القرآن اذا جھرت بالقرآن قال الدار قطنی رجاله کلھم ثقات" اسی طرح آپ کے رئیس الحنفیہ علامہ احمد علی سہارنپوری الدلیل القوی میں بحوالہ زیلعی نقل کیا ہے لیکن سنن دارقطنی صفحہ ۳۶۰ ج ۱ طبع مصر و پاکستان و صفحہ ۱۲۱ طبع ہند میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں "فلا یقرأ احد منکم شیئا من القرآن إذا جھرت بالقرأۃ الا بام القرآن ھٰذا اسناد حسن ورجاله کلھم ثقات اھ" جملہ الا بام القرآن محض مذہبی تعصب کی بناء پر اصل کتاب سے حذف کر کے نقل کیا ہے۔

ایسی کئی امثلہ پیش کی جا سکتی ہیں ابھی ابھی آپ کا ارتکاب تحریف گذرا جو تذکرۃ الحفاظ کی عبارت اسنادہ متصل عالی میں لفظ صحیح بڑھا دیا اور ترجمہ والے پر بہتان بھی لگایا کہ اس نے اس کا ترجمہ نہیں کیا جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

اعتراض نمبر ۱۳۱: ہمارے نزدیک اصل اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے رسول ﷺ بھی خدا کے حکم سے ہم تک احکام پہنچاتے ہیں اس لیے خدا تعالیٰ کے احکام کی تابعداری کتاب وسنت کی روشنی میں ضروری ہے اور کتاب وسنت ہمارے دین کے بنیادی ماخذ ہیں اور ہماری زندگی کا اصل مقصد کتاب وسنت پر عمل کرنا ہی ہے:

جواب:...... یہی اہل حدیثوں کا مذہب ہے جن کو آپ غیر مقلد کہتے ہیں پھر ان پر اعتراض کیوں؟

جذبہ عشق بجدے است میاں من وتو
کہ رقیب آمد نشاخت نشان من وتو

مسئلہ تقلید

اعتراض نمبر ۱۳۲: لیکن کتاب وسنت میں بعض مسائل تو وہ ہیں جو ہر آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اسے زیادہ کوشش یا کاوش کی ضرورت نہیں پڑتی نہ مسائل میں۔ نہ اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے نہ تقلید کی:

جواب:...... پھر آپ ان مسائل میں غیر مقلد کہلائیں اور غیر مقلدین کو برا کہنا غلط ہوا آپ جو ہر وقت تقلید کا راگ الاپتے رہتے ہیں اور عدم تقلید پر برستے رہتے ہیں آپ کی اس عبارت کے بعد آپ کی دیانت کا تقاضا ہے کہ ہم بعض مسائل میں مقلد ہیں اور بعض میں غیر مقلد جبکہ خود کہتے ہیں کہ بعض مسائل میں تقلید کی ضرورت نہیں اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ بعض عالم سے بعض اعلم ہیں ﴿وفوق کل ذی علم علیم﴾ (یوسف) پس اگر آپ کو مسائل کا نصف حصہ معلوم ہے تو بعض کو ثلثین ہو سکتا ہے۔ اور بعض کو اکثر جس کا معنی کہ تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہوا جتنے مسائل معلوم ہیں ان سے زیادہ بھی معلوم ہو سکتے ہیں پس یہ تقلید کی حمایت کی تلاش ہی ضروری رہی کیونکہ تقلید پر قناعت کافی نہیں اسی طرح آپ کے گھر کی عبارت پیش کرتے ہیں فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۳۶۴ ج ۲ فی ذیل المستصفی میں ہے۔

"(اختلف فی تجزی الاجتهاد) بان یکون مجتهداً فی بعض المسائل (ویتفرع علیه اجتهاد الفرضی) ای من له معرفة فی نصوص فرائض السهام والآثار الواردة فیها (فی الفرائض) یجتهد (فقط) دون غیرها من الاحکام (فالا کثر) قالوا (نعم) یتجزی الاجتهاد (ومنهم) الامام حجة الاسلام (الغزالی) قدس سره من الشافعیه (و) الشیخ (ابن الهمام) رحمه الله یلوح رضا صاحب البدیع به ایضاً (وهو الاشبه) بالصواب (وقیل لا یتجزی) (وتوقف ابن الحاجب لنا کما اقول اولا ترك العلم) الحاصل (عن دلیل الیٰ تقلید) وهو لیس بعلم حقیقة (خلاف المعقول) فلا یلتفت الیه (کیف وقیه) ای فی التقلید (ریب) عندالمقلد فعل هو مطابق ام لا وما عن الدلیل خال عن هٰذا الریب (وقد قال) رسول الله ﷺ واصحابه وسلم (دع ما یریبك الیٰ مالا یریبك) لنا.

(ثانیا) قوله ﷺ (استفت نفسك وان افتاك المفتون ففیه ترجیح اجتهاده علیٰ اجتهاد غیره) حیث امر بالاستفتاء من نفسه ولنا ثالثا ان المجتهد فی بعض یعرف حکمة عن دلیل منصوب من قبل الشارع فیحصل له معرفة حکم الله تعالیٰ فیجب

اتباعه ولا يسوغ تركه بقول احد فانا انما امرنا بالاتباع لقول رسول الله ﷺ واتباع غيره بظن انه حاك فاذا علم حكم من قوله صلى الله عليه وسلم فقد ظن انما وراءه مخالف لحكمه فيحرم اتباعه ومن له حسن ادب باحكام الله تعالىٰ لا يتعدى عن هٰذا الاصل فافهم اھ پس تقلید مشکوک اور ناقابل التفات رہی۔

اعتراض نمبر ۱۳۳: لیکن بعض مسائل میں حکم دریافت کرنے کے لیے کچھ محنت کی ضرورت ہوتی ہے وہاں ہم مجتہد کی رہنمائی میں قرآن وسنت پر عمل کرتے ہیں:

جواب: ...... ثابت ہوا کہ آپ کی تقلید کا باعث سستی کاہلی بزدلی بے ہمتی اور احساس کمتری ہے جبکہ وہ مجتہد جن کی رہنمائی تم لیتے ہو انہوں نے بھی تو محنت کی ان کی صحیح اتباع تو یہ ہے کہ ہم بھی محنت کریں جبکہ دنیا کے ہر معاملہ میں ہم محنت کرتے ہیں صرف بڑوں کی بات پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اپنی بصیرت سے کام لیتے ہیں تو پھر دین میں محنت بطریق اولیٰ ضروری ہے پس تقلید کے لیے کوئی دلیل آپ کے پاس نہیں ہے صرف ان کی اپنی کوتاہ نظری ہے۔

اعتراض نمبر ۱۳۴: مسائل دو قسم ہیں منصوص اور غیر منصوص:

جواب: ...... جب آپ مقلد ہیں تو آپ کو اس تقلید سے کیا حاصل؟ ایک طرف اصطلاحات کو ذکر کر کے اپنے آپ کو عالم ثابت کرتے ہیں اور دوسری طرف تقلید کی بات کر کے لایعلمون بنتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۳۵: مسائل منصوصہ محکمہ غیر متعارضہ میں نہ مجتہد اجتہاد کرتا ہے نہ اس میں تقلید کی ضرورت ہے...الخ:

جواب: ...... ایسے مسائل کا معلوم کرنا مجتہد ہی کا کام ہے مقلد کو کیا خبر کہ یہ مسئلہ منصوص ہے یا نہیں یا پھر محکمہ ہے یا منسوخہ متعارضہ ہے یا نہیں۔ تقلید کے دائرہ میں رہ کر آپ یہ باتیں معلوم نہیں کر سکتے پھر کس طرح دونوں کا فرق کرو گے تاکہ بقول شما بعض میں تقلید کی جائے اور بعض میں نہ کی جائے اس کے علاوہ کئی روایتیں جو کہ صحیح ہیں اور منصوصہ اور محکمہ ہیں اور معارضہ سے خالی ہیں پھر بھی فقہاء کا مذہب ان کے خلاف ہے جیسا کہ امام ابن قیم نے اعلام الموقعین میں ان کی مثالیں ذکر کرتے ہیں مثلاً صحیحین میں مسئی الصلوٰۃ والی حدیث صحیح اور محکم اور معارضہ سے خالی ہے جس میں نماز کے ارکان میں اطمینان کا حکم ہے اور حکم فرضیت کی دلالت کرتا ہے باوجود اس کے آپ کی فقہ میں وہ فرض نہیں اور المعجم الکبیر للطبرانی صفحہ ۳۰۲۹ ج ۵ میں حدیث ہے " انه لا تتم صلوٰة لا حد من الناس حتىٰ يتوضأ فيضع الوضوء مواضعه ثم يقول الله اكبر ثم يحمد الله تعالىٰ ويثني عليه ويقرأ ما تيسر من القرآن ثم يكبر حتى

تطمئن مفاصله ثم يقول سمع الله لمن حمده حتىٰ يستوى قائما ثم يكبر ويسجد حتىٰ تطمئن مفاصله ثم يرفع راسه حتىٰ يستوى قاعداً ثم يسجد حتىٰ تطمئن مفاصله فاذا لم يفعل ذالك لم تتم صلوٰته۔ "

یہ روایت نصب الرایہ للزیلعی صفحہ ۳۱۲ ج ۱ میں بھی مذکور ہے اور اس کے حاشیہ میں جو کہ حنفیوں کا لکھا ہوا ہے بحوالہ مجمع الزوائد میں مذکور ہے ور جاله رجال الصحيح اھ۔

پس یہ روایت صحیح ہے اور صاف بتلاتی ہے کہ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنی ہے اس کے بغیر نماز پوری نہیں ہوگی یہ حکم محکم ہے اس کا کوئی نسخ وارد نہیں اور نہ اس کے لیے کوئی معارض دوسری حدیث ہے لیکن پھر بھی آپ کا فیصلہ یہ ہے کہ فان قال بدل التكبير الله اجل او اعظم او الرحمن اكبر او لا اله الا الله وغيره من اسماء الله تعالىٰ اجزأه عند ابي حنيفة ومحمد وقال ابو يوسف ان كان يحسن التكبير لم يجز الا قوله الله اكبر او الله الاكبر او الله الكبير ولهما ان التكبير هو التعظيم لغة وهو حاصل اٰه. (ہدایہ صفحہ ۱۰۰-۱۰۱)

اس طرح صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے انما يكفي احدكم ان يسلم على اخيه عن يمينه وعن شماله السلام عليكم ورحمة الله. السلام عليكم ورحمة الله. اور پھر سنن وغیرہ کی مشہور حدیث و تحليلها التسليم بھی اس پر دلیل ہے کہ سلام پھیرنا فرض ہے اس کے بغیر نماز سے نہیں نکل سکتا اور پہلی حدیث میں تو یہ واضح ہے کہ سلام کیے بغیر اور کوئی چیز کافی نہیں ہوسکتی لیکن آپ کے مذہب میں تو سلام کے بجائے ہوا خارج کردے تو کافی ہے۔ ہدایہ صفحہ ۱۳۰ ج ۱۔ میں ہے وان تعمد الحدث فى هٰذه الحالة او تكلم او عمل عملاً ينافي الصلوته تمت صلوٰة لانه تعذر البناء لو جود القاطع لكن لا اعاذة عليه لانه لم يبق عليه شى من الاركان اٰه نیز صحیحین کی حدیث میں صف میں ایک دوسرے کے ساتھ پاؤں ملانے کا ذکر ہے اور حدیث صحیح ومحکم ہے کوئی حدیث اس کی معارض بھی نہیں پھر بھی آپ کے ہاں اس پر عمل نہیں ایسی مثالیں بہت ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۳۶: جیسے قرآن میں آتا ہے لا يغتب بعضكم بعضاً:

جواب:......اس آیت کو آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ محکم اور غیر متعارفہ ہے مقلد کا یہ کام نہیں اگر مجتہد کے کہنے پر پیش کی ہے تو آپ یقین پر نہیں بلکہ شک میں ہیں جیسے فواتح الرحموت کی عبارت سے معلوم ہوا۔

اعتراض نمبر ۱۳۷: مسائل منصوصہ متعارضہ میں مجتہد رفع تعارض کے لیے اجتہاد کرتا ہے..الخ:

جواب:......**اولاً:**......منصوص دلائل کیسے متعارض ہوسکتے ہیں ایسا قرآن وحدیث میں نہیں ہوسکتا کیونکہ

دونوں اللہ کی طرف سے ہیں وانزل علیہ الکتاب والحکمۃ (النسآء) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی چیز میں تعارض یا تناقض نہیں ہوسکتا ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً (النسآء) البتہ ایک دلیل عام ہوتی ہے دوسری خاص ہوتی ہے اس میں خاص عام سے مستثنیٰ ہوگا اور اگر کوئی حکم مجمل ہوتا ہے تو دوسری دلیل اس کو بیان کرتی ہے۔

ثانیاً:...... تعارض رفع کرنے کے قوانین تو آپ کے فقہاء نے لکھے ہیں جو خود مقلد کہلاتے ہیں پھر عجیب منطق ہے کہ مجتہد مقلدین کی پیروی کریں اور مقلدین کے بنائے ہوئے قواعد کے تحت تعارض رفع کریں۔

ثالثاً:...... آپ ہی بتائیں ان قواعد کو آپ جانتے ہیں یا نہیں علی الاول آپ تو مجتہد ہوئے اور اگر نہیں جانتے تو پھر آپ نے کیسے سمجھا کہ یہ ان کا طریقہ کار صحیح ہے۔

اعتراض نمبر ۱۳۸: اگر ان مسائل منصوصہ متعارضہ میں مجتہد کی طرف سے رجوع کریں تو اس سے فتنہ انکار حدیث جنم لیتا ہے:

جواب:...... پس رجوع نہیں کرنا چاہیے اور یہی تقلید کا خاتمہ ہے جو آپ کے منہ سے نکل گیا ہے اور اگر کاتب کی غلطی ہے اور کہو گے کہ لفظ یہ ہے کہ رجوع نہ کریں تو غلط ہوگا کیونکہ بقول آپ کے مجتہد ان قواعد کی رو سے تعارض رفع کرے گا لیکن جو ان قواعد کو مدرسہ میں پڑھ چکا ہے اور اس کو قواعد معلوم ہیں تو ان ہی قواعد کی سے خود ہی تعارض رفع ہوسکتا ہے بلکہ رجوع کرنے ہی سے انکار حدیث کا فتنہ جنم لیتا ہے کیونکہ مجتہدین کے قواعد خود مختلف ہیں اور ان کا طریقہ استعمال بھی مختلف ہے اسی لئے تو نتیجہ مختلف ہوتا ہے کیونکہ تعارض کے وقت ایک مجتہد کے قواعد کی رو سے ایک طریقہ نکلتا ہے اور دوسرے مجتہد کے قواعد سے دوسرا نتیجہ نکلتا ہے اور منکرین حدیث انکار حدیث کی ایک وجہ یہی بتلاتے ہیں کیونکہ اس صورت میں سامع کو کوئی اطمینان نہیں ہوسکے گا بلکہ ریب اور شک میں رہے گا برخلاف اس کے اگر خود تحقیق کر کے تعارض رفع کرے گا تو اس کو اطمینان ہو جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱۳۹: مسائل منصوصہ محتملہ میں مجتہد رفع احتمال کے لیے اجتہاد کرتا ہے:

جواب: اولاً:...... مقلدین کو کیا خبر اس میں احتمال ہے یا نہیں اور پھر مجتہد کے رفع کرنے کو کیا سمجھے گا صرف کالاعمی اس کے پیچھے چلے گا اس لیے عذر باطل ہے۔

ثانیاً:...... پھر محتمل میں بھی مجتہدین مختلف ہوتے ہیں کوئی کسی احتمال کو متعین کر کے دوسرے کو رفع کرتا ہے اس کے برعکس دوسرا مجتہد ایک دوسرے احتمال کو متعین کرتا ہے جیسا کہ کتب فقہ کے مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں پس بیچارہ مقلد جو پہلے لایعلم ہے وہ تو اس سے اور پریشان ہوگا کہ کہاں جائے بلکہ خود احتمال کو سمجھ

کر دوسرے دلائل سے اس ورفع کرے گا تو اس کو اطمینان حاصل ہو جائے گا لیکن بیچارہ مقلد اس سے محروم ہے وہ اسی میں خوش ہے کہ میرا مجتہد جو کہہ رہا ہے وہ صحیح ہے حالانکہ خود اس کو صحیح اور غیر صحیح کی تمیز نہیں۔ شیخ رومی نے خوب کہا ہے۔

آن مقلد نیز مانند کو رہست
اندواں شادی کہ اور ارہبر است

اعتراض نمبر ۱۴۰: اس کی مثال والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء اب قرء کا لفظ عربی میں مشترک ہے ..الخ:

جواب:...... لیکن مجتہد خود اس کی تعیین میں مختلف ہیں امام ابوحنیفہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد حیض ہے اور امام شافعی سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد طہر ہے اب یہاں کیا کرو گے؟ یہاں مجتہد کا دروازہ کھٹکھٹانا ہی پریشانی اور تذبذب کا باعث ہے برخلاف اس کے خود قرآن وحدیث کے الفاظ میں غور کیا جائے تو انسان بآسانی سے سمجھ سکتا ہے آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کی تعیین نہیں فرمائی گئی بلکہ اگر تقلید کے پھندے سے نکل کر اور تعصب مذہبی سے خالی ہو کر آیت میں غور کیا جائے تو وہیں مطلب ظاہر ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۴۱: مسائل غیر منصوصہ میں مجتہد قواعد شرعیہ کے مطابق قیاس کر کے کتاب وسنت سے ہی اس کا حکم اخذ کر لیتا ہے:

جواب:...... **اولاً:**...... اگر قرآن وحدیث سے ہی مسائل اخذ ہو سکتے ہیں تو پھر قیاس کیا بلا ہے؟ اگر بقول شما منصوص نہیں تو کسی عموم کے تحت داخل ہوں گے حالانکہ آپ کا مذہب یہی ہے کہ قیاس اس وقت ہے جہاں نص نہ ہو اور جب نص سے کام کیا جا سکتا ہے تو پھر قیاس کیوں؟

ثانیاً:...... قواعد شرعیہ سے کیا مراد ہے اگر قرآن وحدیث میں مذکور ہیں تو پھر آپ کو کیا پتہ کہ ہمارے مجتہد نے قواعد کے موافق مسئلہ اخذ کیا ہے یا نہیں اس لئے پہلے آپ کو تقلید سے نکل کر غیر مقلد اور مجتہد بننا پڑے گا جب مجتہد بن گئے تو دوسرے مجتہد کی تقلید کیسے ایک مجتہد دوسرے کا مقلد نہیں ہوا کرتا اور اگر وہ قواعد مراد ہیں جو فقہ میں مذکور ہیں تو فقہ چاروں مذاہب کی الگ الگ اور چاروں کے قواعد اور اصول الگ ہیں ان میں کئی اصولوں میں زبردست اختلاف ہے تو پھر اس وقت تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو ان کو شرعی قواعد ہی قرار نہ دیں پھر تو مذاہب کا خاتمہ ہو گیا یا پھر تو اختیار دے دیں گے کہ جس کو جس کا قاعدہ پسند آئے اس کے مطابق مسائل سمجھ لے تو یہ تلاعب بالدین ہو گا اور فرقہ بندی اور تعصب کی بنیاد یہی ہے ایضاً پسند کس کی بناء پر ہو گی

اگر دینی قواعد اور شرعی دلائل مراد ہیں تو پھر یہاں تقلید کا گھوڑا نہیں چل سکتا پھر وہی غیر مقلدیت سامنے آئے گی جس سے آپ خائف ہیں اور اگر اپنی طبعی پسند مراد ہے تو پھر یہ لادینیت اور زندیقیت اور اگر کہو گے کہ جس مجتہد کو زیادہ اعلم سمجھے تو اس کے قواعد کو لے لے تو یہ اجتہاد ہوگا فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۳۹۳ ج ۲۔ میں ہے: (وعن الامام محمد یقلد من هو اعلم منه ضرب من الاجتهاد) فانه لا یکون الا بالتأمل فی الرجال لیعرف الا علم اھ۔"

اور اگر کہو گے کہ ہم اپنے امام کے قواعد کو مؤید بالوحی سمجھتے ہیں تو یہ محض آپ کی خوش فہمی ہے جو کسی دوسرے پر حجت یا دلیل نہیں بن سکتی۔

ثالثاً:...... اگر واقعی ایسا ہے تو بھی تقلید نہیں رہی کیونکہ مؤید بالوحی کو لینا تقلید نہیں۔ مسلم الثبوت صفحہ ۲۹۰۔ میں ہے" الا خذ عن المؤید بالوحی لیس تقلیداً اھ"

رابعاً:...... قیاس کے حجت ہونے میں بڑا اختلاف ہے حدود میں آپ کے احناف بھی قیاس کے استعمال کے قائل نہیں کیا۔ قیاس کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کے لیے دو شرط مشہور ہیں اول یہ کہ نص کے خلاف نہ ہو اور جہاں نص نہ ملے وہاں قیاس کرے لیکن اگر نص اس کے خلاف مل گئی تو قیاس باطل ہو جائے گا اب انصاف سے غور کریں کہ اگر نص نہیں معلوم ہوئی تو پھر اس اقدام کرنے کا کیا حق ہے جب کہ یہ خدشہ باقی ہے کہ کہیں نص کے خلاف نہ ہو اس لیے قرآن نے فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (الحجرات: ۱) اس لیے سلامتی کا طریقہ یہی ہے کہ جہاں نص نہیں ملتی اس کے تلاش جاری رکھے کتابوں کا مطالعہ کرتا رہے لیکن اقدام کرنے کی جلد بازی نہ کرے یہ شرط خود قیاس کے بے کار ہونے کی بڑی دلیل ہے خاص طور پر اس وقت جبکہ احادیث کی کتب عام شایع ہو رہی ہیں کئی کتابیں احادیث کی ظاہر ہو رہی ہیں اس لئے ان میں تلاش جاری رکھے دوسری شرط یہ ہے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں مقارنت ضروری ہے اگر مخالفت ہوئی تو قیاس باطل ہو جائے گا لیکن جن چیزوں میں اگر من وجہ مقارنت موجود ہے تو من وجہ ان دونوں میں مفارقت بھی نظر آ رہی ہے پس اگر اس مقارنت کی وجہ سے قیاس صحیح ہے تو اس مقارنت کی وجہ سے باطل کیوں نہیں پس اس شرط سے ظاہر ہے کہ قیاس کوئی حقیقت نہیں محض ایک ڈھکوسلہ ہے۔

اعتراض نمبر ۱۴۲:۔ قیاس شرعی حکم کا مظہر ہوتا ہے مثبت نہیں ہوتا ہے۔

جواب:...... جس کا معنی کہ نص پہلے موجود ہو اگر موجود نہیں تو اظہار کس چیز کا ہوگا اور جب نص موجود ہے تو قیاس کی کیا ضرورت ہے یہ تو صرف دل کو خوش کرنے کا ایک حیلہ ہے نہ قیاس کی دلیل یا ثبوت ہے۔

اعتراض نمبر۱۴۳: جیسے ایک حسابدان جس کو حساب کے سارے قاعدے یاد ہیں اس کے سامنے آپ دس بیس سوالات رکھ دیں:

جواب: اولاً:...... یہ مثال یہاں کارگر نہیں کیونکہ یہ حساب کے قواعد قطعی ہیں جن کے صحیح استعمال سے جواب بلاشبہ صحیح ہوتا ہے لیکن قیاس قطعی نہیں ہے بلکہ آپ کے فقہاء نے اس کو ظنی لکھا ہے عجب تو یہ ہے کہ قیاس جس آپ حجت ثابت کر رہے ہیں وہ کسی دلیل سے نہیں بلکہ اسی مختلف فیہ چیز سے ہے یعنی قیاس اور وہ بھی مع الفارق اپنا قیاس خود قیاس کے قائلین کے نزدیک بھی باطل ہے۔

ثانیاً:...... حسابدان میں کبھی غلطی بھی کرسکتا ہے پس مسئلہ پھر تحقیق طلب ہوتا ہے جس کا معنیٰ کہ یہاں بھی تقلید کام نہیں دیتی بلکہ اجتہاد ضروری ہے۔

اعتراض نمبر۱۴۴: منکرین حدیث کا ذکر کیا ہے:

جواب:...... ان کو چھوڑیں آپ جو حدیث کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں تو کئی احادیث آپ کے مذہب کے خلاف آتی ہیں انہیں ترک کیوں کرتے ہیں بلکہ آپ نے تو یہ اصول بنا رکھا ہے کہ "کل خبر یجیٔ بخلاف اصحابنا فانه یحمل علی النسخ او علی انه معارض بمثله ثم صار الی دلیل آخر او ترجیح فیه بما یحتج به اصحابنا من وجوه الترجیح" (تاسیس النظر للدبوسی صفحہ ۴۷) یعنی آپ کے ہاں تو وثیقہ شدہ بات ہے کہ جو حدیث ہماری فقہ کے خلاف ہے تو اس پر عمل نہ کرو بلکہ یہی سمجھو کہ منسوخ ہوگی یا معارض ہوگی یا مرجوح ہوگی تقلید کا یہی کرشمہ ہے بغیر علم کے اپنے بڑوں کی بات کو حدیث پر غالب کیا جائے۔

اعتراض نمبر۱۴۵: ہم مسائل پوچھتے ہیں آپ صحیح صریح غیر منسوخ غیر معارض سے مسئلہ پیش کریں:

جواب: اولاً:...... آپ اپنی کم مائیگی فی العلم میں دوسروں کو شریک نہ کریں آپ یہ بلاشک کہیں کہ ہم نہیں جانتے کیونکہ آپ حدیثوں کی کتابوں کو کم دیکھتے ہیں آپ کی زیادہ دوڑ فقہی کتابوں تک ہے کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ ان فقہی کتابوں کے وجود میں آنے سے قبل لوگ کس طرح مسائل معلوم کرتے تھے۔

ثانیاً:...... آپ کی فقہوں کے وجود میں آنے کے بعد بھی کئی نئے مسائل وجود میں آئے ہیں ان کے لئے کیا خیال ہے قرآن حدیث میں تلاش کروگے یا فقہ میں یا اب نئی فقہ بناؤ گے۔

ثالثاً:...... یہی سوال آپ پر بھی وارد ہے کہ جو آپ کے فقہاء نے مسائل اپنی کتابوں میں لکھے ہیں ان سب میں صحیح حدیثوں اور صریح اور غیر منسوخ اور غیر معارض ہیں؟ جناب! ہدایہ اور نصب الرایہ کا تقابل کریں تو یہ راز کھل جائے گا پس اس سوال کا جو جواب دیں وہی ہمارا سمجھیں۔

رابعاً:۔ اگر کوئی مسئلہ ہم کو ایسے صحیح دلائل سے نہیں مل سکتا ہے تو یہ ہمارے قصور علمی کا نتیجہ ہے نہ یہ کہ اصل دلائل میں مسئلہ ہی نہیں ہے اس لئے ضروری ہے کہ تلاش جاری رکھی جائے۔ ﴿ اَلَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (العنکبوت: ٦٩)

اعتراض ۱۴۶: دین کے مکمل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قواعد شرعیہ مقید کر دیے ہیں:

جواب: ...... **اولاً:** ...... یہ فیصلہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں سنایا گیا تھا جس کا مطلب کہ قواعد شرعیہ اسی وقت بنائے گئے تھے پھر کئی صدیوں بعد آپ کے فقہاء نے اصول و قواعد کی کتابیں کیوں بنائیں؟ کیا یہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بغاوت نہیں ہے؟

ثانیاً: ...... ان ہی قواعد کی بنا پر جو مسائل در پیش آتے رہیں گے وہ معلوم ہوتے جائیں گے پھر کیا ضرورت ہے فقہی کتابوں کی یا قیاس یا تمہارے اصول فقہ کی؟

ثالثاً: ...... اگر کہو گے کہ اس سے یہی قواعد مراد ہیں جو ہماری فقہاء نے بنائے ہیں تو پھر اعلان کے وقت لوگوں سے معاذ اللہ دھوکہ ہوا کیونکہ قواعد تو ابھی بنے نہیں کئی صدیاں بعد بننے والے ہیں ابھی سے کہا جا رہا ہے کہ دین مکمل ہے یہ دین الٰہی ہے یا مداری کا کھیل۔

رابعاً: ...... اس وقت قوانین مکمل سمجھے جائیں یہ تو معقول بات ہے کیونکہ وحی نازل ہوئی؟ کیا ختم نبوت پر ایمان اسی کا نام ہے؟

اعتراض نمبر ۱۴۷: جس طرح ہم کہتے ہیں کہ ہمارا علم حساب مکمل ہے..الخ:

جواب: ...... یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ قواعد انسانوں کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اور انہوں نے ان کے مکمل ہونے کا فیصلہ اپنے عدم کے مطابق دیا ہے لیکن کیا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی اسی باب کا ہے؟ نعوذ باللہ من ذالک بلکہ اللہ تعالیٰ علیم قدیر ہے اس کا فیصلہ قطعی اس کے بعد کسی خطا یا نقص کا خطرہ نہیں رہتا ہے لہٰذا یہ تمثیل باطل اور بے معنی ہے۔

اعتراض نمبر ۱۴۸: بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں جو بھی سوال آپ کے سامنے آئیں گے اس کا جواب سوال کے ان ہی قواعد سے نکلے گا:

جواب: ...... یہ قواعد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے یا بعد میں بنے علی الاول اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مسائل بھی بتائے اور مسائل کے نکالنے کے قواعد بھی بتائے پس نہ قیاس کی ضرورت رہی نہ فقہ کی علی الثانی ان قواعد کے بننے تک مسلمان اس اعلان کا کیا مطلب سمجھے۔ ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدہ: ۳)

اعتراض نمبر۱۴۹: اس طرح دین اسلام کے مکمل ہونے کا مفہوم ہمارے پاس یہ ہے کہ دین اسلام کے قواعد اتنے مکمل ہیں آپ کسی مسئلہ کی ٹیڑھی سے ٹیڑھی صورت بنا کر حنفی مفتی کے سامنے پیش کریں آپ کو اس کا شرعی حکم بتا دے گا:

جواب:...... قواعد کے متعلق تو پہلے ہی سوال ہو چکا ہے کہ عہد نبوت یا دور خلافت میں موجود تھے یا نہیں اگر موجود تھے تو حنفی قواعد کس ٹوکری میں جائیں گے اگر نہیں تھے وہ کیسے فتویٰ دیتے تھے؟

ثانیاً:...... یہی دعویٰ ہر مذہب والا کر سکتا ہے صرف حنفیہ تک محدود نہیں۔

ثالثاً:...... بلکہ اس طرح ان قواعد سے دین کی اصلیت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ ہر ایک کے قواعد الگ ہیں اب مسائل کو کیا خبر کہ مسئلہ کی صحیح صورت کیا ہے تبھی ایک ہی چیز کو ایک مذہب کے قواعد حلال کہتے ہیں دوسرے حرام مثلاً فقہ حنفی میں کوا حلال اور شافعی میں حرام۔ اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۱۵ ج ۳ طبع مصر میں ہے واذا ذبح كلبه وباع لحمه جاز وكذا اذا ذبح حمارة وباع لحمه اور دوسرے کے ہاں منع۔ اس طرح فقہ حنفی میں مدینہ منورہ حرم نہیں ہے کما فی الدر المختار وغیرہ اور دوسروں کے ہاں حرام ہے یہ سارا اختلاف قواعد کے اختلاف کی وجہ سے ہے اب بتائیں کہ مسائل کیا سمجھے گا یہ دین کی تکمیل ہوئی یا دین ایک کھلونا بن گیا۔ ھو الرابع

خامساً:...... ٹیڑھی صورتیں بنا کر پوچھنا اور بیان کرنا یہ آپ لوگوں کو مبارک ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے سوالوں سے منع کیا، چنانچہ مسند احمد اور ابو داؤد میں معاویہؓ سے روایت ہے کہ نهىٰ رسول الله ﷺ عن الاغلوطات (الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ ۱۸۸ ج ۳) اور امیر عمرؓ ایسے سوالات کرنے والوں پر لعنت بھیجتے تھے جو بات وقوع پذیر ہوئی نہ ہو اس کے متعلق پوچھتے ہیں، چنانچہ سنن دارمی صفحہ ۴۷ ج ا طبع مدینہ میں روایت ہے جاء رجل يوماً الىٰ ابن عمر فسأله عن شي لا ادري ما هو فقال له ابن عمر لا تسئل عمالم يكن فاني سمعت عمر بن الخطاب يلعن من سئل عمالم يكن اور زید بن ثابت سے روایت ہے كان يقول اذا سئل عن امر اكان هو فاذا قالوا نعم قد كان حدث فيه بالذي يعلم والذي يرى وان قالوا لم يكن قال فذروه حتى يكون اور عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ سئل عمار بن ياسر عن مسئلة فقال هل كان هٰذا بعد فان قالوا لا قال دعونا حتىٰ تكون فاذا كانت تجشمنا هالكم. " یہ تو آپ کی فقہ حنفی کی برکت ہے ایسے ایسے مسائل بنا کر پیش کئے ہیں جواب تک نہ وجود میں آئے ہیں نہ آنے کی توقع ہے مثلاً فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۵۱ ج ا میں ہے والكلب اذا تدا علىٰ شاه فولدت ولدا راسه رأس الكلب وما سوىٰ

الراس من الاعضاء یشبه الشاة او المعز قالوا یقدم علیه العلف واللحم فان تناول اللحم ولم یتناول العلف لا یوکل لانه کلب وان تناول العلف ولم یتناول اللحم یرمیٰ راسه ویوکل ما سوی الراس اذا ذبح وان تنا ولهما جمیعاً یضرب ان بنح لا یوکل شی منه لانه کلب وان ثغیٰ یرمیٰ رأسه ویؤکل ما سوی الرأس فان اتی بصوتین جمیعاً یذبح فان خرج منه الکرش یوکل ماسوی الراس وان خرج منه الامعاء لا یو کل منه وشی لانه کلب اھ." اب بتائیں کہ یہ صورت کبھی وجود میں آئی ہے؟ اور آپ کی مشہور کتاب درمختار بر ہامش الشامی صفحہ ۱۱۴ ج ۱۔ میں ہے واما فی دبر نفسه فرجح فی النهر عدم الوجوب الا بالا نزال یعنی خود اپنی دبر میں وطی کرنے والے پر غسل اس وقت واجب ہوتا ہے جب انزال ہو ورنہ نہیں اب بتائیں یہ صورت ممکن ہے معلوم ہوا کہ آپ کے قواعد وہ نہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ یا عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تھے اور جب قواعد دوسرے ہوئے تو مسائل بھی دوسرے ہوں گے، کیونکہ وہ قواعد پر ہی متنوع ہوتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۵۰: حقیقت میں یہی ہے کہ فقہ حنفی آیت تکمیل دین کی جامع تشریح اور تفصیل ہے:

جواب:...... **اولاً:**...... جس کا مطلب (خاک بدین) کہ فقہ حنفی کے وجود میں آنے سے پہلے اس کی تشریح اور تفصیل ناقص تھی (نعوذ بالله من ذالك)

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ستم کشی کو
بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے فتنہ گر پہلے

ثانیاً:...... خود ان قواعد کے اندر بھی فقہاء کا اختلاف ہے جیسا کہ اصول فقہ کے مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں تو پھر یہ آیت تکمیل کی تشریح ہے یا اس میں الجھاؤ پیدا کرنا ہے۔

ثالثاً:...... کیا یہ دعویٰ دوسری فقہ والے نہیں کر سکتے آپ کس کا منہ بند کر سکو گے اور اس تکمیل کی تشریح صحابہ رضی اللہ عنہم تو یہ سمجھتے تھے چنانچہ سنن دارمی صفحہ ۴۴۔ ۴۵ ج ۱۔ طبع مدینہ باب التورع عن الجواب فیما لیس فیه کتاب ولا سنة میں روایت کہ عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ما سألتمونا عن شی من کتاب الله تعالیٰ نعلمه اخبرنا کم به او سنة من نبی الله ﷺ اخبر ناکم به ولا طاقة لنا بما احدثتم گویا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آیت تکمیل کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ دین کے سب قواعد واحکام قرآن وحدیث میں ہی ہیں ان کے بعد جو قواعد واحکام بنائے جائیں وہ سب محدث فی الدین ہیں اور آپ کا غلو ہے کہ قرآن وحدیث کو اپنی فقہ کے تحت محتاج کر دیا کیونکہ جب تک وہ وجود میں نہیں آئے تو

دین کی تکمیل واضح نہیں ہوئی۔

اعتراض نمبر۱۵۱: تاریخ اہل حدیث میں محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کی کتاب سے لکھا ہے کیا ہمارے حنفی بھائی..الخ:

جواب: ...... **اولاً**: ...... یہ شروع عبارت میاں صاحب کی نہیں ہے بلکہ ان کی کتاب معیار الحق کی عبارت ہے ''جملہ تقلید لاعلمی سو یہ چار قسم ہیں'' سے شروع ہوتی ہے اس کو بھی پورا نقل نہیں کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

ثانیاً: ...... علامہ میر سیالکوٹی نے بھی یہی شرط لگائی ہے (جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے) کہ باوجود رسول اللہ ﷺ کی حدیث یا اقوال صحابہ نہ ملنے کے اور خود بھی کتب متداولہ مشہورہ کی علمی قابلیت نہ رکھنے کے اقوال ائمہ کو معاذ اللہ ٹھکرا دیا کریں۔ اب اس عبارت کو بار بار پڑھیں اول یہ کہ اس وقت بحمد للہ حدیث کی بے شمار کتابیں چھپ کر سامنے آرہی ہیں لہٰذا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہوگا (بشرطیکہ وہ فرضی صورت نہ ہو جیسا کہ آپ کے فقہاء نے کیا ہے بلکہ وہ بات وجود میں آئی ہو تو اس کے متعلق کوئی نہ کوئی حدیث یا قول صحابی مل جائے گا آپ اگر خود ناامید ہیں تو دوسروں کو ناامید ہونے کی تلقین نہ کریں دوم یہ علمی قابلیت اور کتب متداولہ کا مطالعہ نہ ہوا پھر وہ تو ذرا جاہل ہوگا کیا آپ ایسے ہی ہیں کہ تقلید کرتے ہیں تو پھر یہ مضامین یہ تقریریں کیسے ہو رہی ہیں۔

ثالثاً: ...... اقوال ائمہ کے ٹھکرانے کا کوئی سوال نہیں بلکہ یہاں یہ بات ہے ائمہ کا مسائل میں بڑا اختلاف ہے اور ہم حق کے متلاشی ہیں اس لئے ان مختلف اقوال میں جو قول قرآن وحدیث کے موافق ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں اور یہی حکم الٰہی ہے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء: ۵۹) پس یہ علامہ میر سیالکوٹی کا کہنا کہ آپ اہل حدیث کے مذہب کو نہیں سمجھے بالکل صحیح ہے کیونکہ اہل حدیث سب اقوال کو میزان میں تولتے ہیں جو صحیح پاتے ہیں وہ لے لیتے ہیں یہی قرآن کا تقاضا ہے: ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ ٥ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (الزمر: ۱۷، ۱۸) گویا کہ اہل حدیث کا مذہب انصاف ہے جو اقوال میں سے حق وصحیح کا انتخاب کرتے ہیں اور آپ کا مذہب غلو پر مبنی ہے اس لئے جو امام پسند آیا اس کی بات کو لے لیا چاہے دلیل کے موافق ہو یا مخالف۔

اعتراض نمبر۱۵۲: تقلید وقت لاعلمی..الخ:

جواب: ...... معیار الحق کی پوری عبارت نقل نہیں کی اصل عبارت معیار الحق صفحہ ۱۴۱۔۱۴۲۔ میں اس طرح ہے

''باقی رہی تقلید وقت لاعلمی سو یہ چار قسم ہے قسم اول واجب ہے اور وہ مطلق تقلید ہے کسی مجتہد کی مجتہد اہل سنت ہے لاعلی التعیین جس کو مولانا شاہ ولی اللہ نے عقد الجید میں لکھا ہے کہ یہ تقلید واجب ہے اور صحیح ہے باتفاق امت اور اس کی یہ علامت لکھی ہے کہ عمل مقلد کا ساتھ قول مجتہد کے اسی طرح ہو جیسے شرط کی ہوتی ہے اگر وہ قول موافق سنت کے ہو تو عمل کیے اور جبکہ معلوم ہوگا کہ مخالف ہے سنت کے تو اس کو پھینک دوں گا چنانچہ فرماتے ہیں: اعلم ان تقلید مجتهد علیٰ وجهين واجب وحرام فاحد هما ان يكون من اتباع الروايه ولو دلالة تفصيله ان الجاهل بالكتاب والسنة لا يستطيع التتبع ولا الاستنباط فكان وظيفته ان يسأل فقيها ما حكم رسول الله ﷺ فی مسئلة كذا و كذا بلا تعين فاذا اخبر اتبعه سوآء كان ما خوذاً من صريح نص او مستنبطاً منه او مقيسا على النصوص فكل ذالك راجع الى الرواية عنه ﷺ ولو دلالة وهذا قدا تفقت الامم على صحته قرنا بعد قرن وامارة هذا التقليد ان يكون عمله بقول المجتهد كالمشروط بكونه موافقا للسنة فلا يزال متفحصاً من السنة بقدر رالا مكان فمتىٰ ظهر حديث يخالف قوله نبذة واخذ بالحديث۔

قسم ثانی مباح آور وہ تقلید مذہب معین کی ہے۔ بشرطیکہ مقلد اس تعین کو امر شرعی نہ سمجھے بلکہ اس نظر سے تعین کر لے کہ جبکہ امر اللہ تعالیٰ کا واسطہ اتباع اہل ذکر کے عموماً صادر ہوا ہے تو جس ایک مجتہد کی اتباع کریں گے اس کی اتباع سے عہدہ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اور اس میں آسانی بھی پائی جاتی ہے اور علامت اس تقلید کی یہ ہے کہ اگر دوسرے مذہب کے کسی مسئلہ پر عمل کر سکے تو اس سے انکار نہ کرے اور کسی شخص عمل کرنے والے کو برا نہ جانے اور ملامت وتکیر نہ کرے مثلاً حنفی المذہب کو مثلہ رفع الیدین اگر معلوم ہو تو ان کے استعمال سے نفرت اور انکار نہ کرے بلکہ کبھی کر بھی لے اور حنفی ہو کر کسی کرنے والے پر طعن نہ کرے قسم ثالث حرام وبدعت ہے اور وہ تقلید ہے بطور تعین کے بزعم وجوب کے برخلاف قسم ثانی کے قسم رابع شرک ہے اور وہ ایسی تقلید ہے کہ وقت لاعلمی کے مقلد نے ایک مجتہد کا اتباع کیا پھر اس کو حدیث صحیح غیر منسوخ غیر معارض مخالف مذہب اس مجتہد کے مثلاً معلوم کی تو اب وہ مقلد بدست ویزاں عذرات کے جن سے سابقاً بخوبی جواب دیا گیا ہے یا تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا اور یا اس میں بدون سبب کے تاویل وتحریف کر کے اس حدیث کو طرف قول امام کے لیے جاتا ہے غرض یہ کہ وہ مقلد مذہب اپنے امام کو نہیں چھوڑ تا سو ان قسموں میں سے قسم اول اور ثانی تو محتاج اثبات کی نہیں کیونکہ ان دونوں کو فریقین تسلیم کرتے ہیں لیکن

قسم ثالث اور رابع بے شک معرکہ آراء اور محط انفار ہے سو دلائل قسم ثالث کے تو مبحث میں تقلید شخصی کے آئیں گے فانتظر اور قسم رابع کو اس مقام پر مدلل کیا جاتا ہے تو واضح ہو جائے کہ مشرک ہونے پر ایسی تقلید کے آیات قرآنی اور احادیث نبوی بہت ہی وال ہیں اور بہت علماء نے ان آیات اور احادیث سے شرک ہونا ایسی تقلید کا ثابت کیا ہے اس عبارت کو بار بار پڑھو یہ چاروں قسم تقلید بھی علم کے لیے ہیں اور عالم کی ہیں تقلید نہیں ہے امام غزالی المستصفیٰ صفحہ ۳۸۷ میں فرماتے ہیں "التقلید هو قبول قول بلا حجة وليس ذالك طريقا لا في العلم لا في الاصول ولا في الفروع" اس کے باوجود پہلی قسم اس کو واجب کہا ہے اس بات کو شاہ ولی اللہ سے نقل کیا ہے کہ "ان يسئل فقيها ما حكم رسول الله ﷺ في مسئلة كذا" یعنی فقیہ سے یہ پوچھے کہ مسئلہ فلاں میں رسول اللہ کا کیا حکم ہے پس یہ روایت کا اتباع ہے رائے کا نہیں لہٰذا اس کی تقلید نہیں ہوئی اور اس کی نئی بھی ایک شرط ذکر کی ہے جب بھی حدیث اس کو خلاف مل گئی تو اس قول کو چھوڑ دے گا۔ اور آپ کے حنفی اس طرح نہیں کرتے بلکہ اس حدیث میں تاویل کر کے اپنے مذہب کی موافقت کرتے ہیں پس قسم دوم جس کو مباح لکھا ہے اس کے لیے بھی لکھتے ہیں۔ اس تقلید کو شرعی امر نہ سمجھا جائے حالانکہ آپ تقلید کو آئین شریعت جانتے ہیں اور پھر کہا دوسرے مذہب والے سے نفرت کریں نہ انکار بلکہ حنفی ہیں تو رفع الیدین کرنے والوں سے نفرت نہ کریں۔ بلکہ خود بھی کبھی کر لیا کریں۔ لیکن آپ اسکے خلاف ہیں اور قسم "سوم" جس کو حرام و بدعت کہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسی معین شخص کی تقلید واجب سمجھ کر کرلے یعنی یہ آپ کی تقلید ہے قسم "چہارم" جس کو شرک کہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے امام کے قول کو کسی حالت میں چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ حدیث صحیح صریح اور غیر منسوخ اور غیر معارض اسکے خلاف نہ ہو بلکہ اس میں تاویل و تحریف کر کے امام کے قول کی طرف لے آتے ہیں۔ اور یہ بھی آپ کا طریقہ کار ہے۔

الحاصل: ...... قسم اول کی تقلید ہے ہی نہیں اور دوسری قسم آپ کی تقلید نہیں بلکہ آپ کی تقلید کا حال تیسری اور چوتھی قسموں والا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۵۳: مسائل اجتہادی میں غیر مجتہد پر مطلق تقلید جس کی دو فروع ہیں شخصی اور غیر شخصی واجب بالذات ہے اور شخصی واجب بالغیر ہے:

جواب: ...... واجب کہنا دلائل منصوصہ سے ثابت ہے یا غیر منصوصہ سے ثابت ہے علی الاول دلائل پیش کریں اور ہرگز پیش نہیں کر سکتے وعلی الثانی بقول آپ کے آپ نے کسی امام کی تقلید کی ہے اور تقلید سے تقلید کا ثابت

کرنا صحیح نہیں۔ اور پھر بتائیں کس امام کی تقلید میں آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے اور کس امام نے کہا ہے کہ تقلید واجب ہے ﴿ھا تو ا برھانکم ان کنتم صٰدقین﴾

اعتراض نمبر ۱۵۴: کسی ایسے مجتہد کی مفتیٰ بہا مسائل میں... الخ:

جواب :...... کیا امام نے خود ایسی تشریح کی ہے کہ میرے فلاں مسائل مفتیٰ بہا ہیں اور فلاں غیر مفتیٰ بہا اگر ہے تو پیش کرو ایضاً امام نے خواہ مخواہ ایسا غیر مفتیٰ بہا قول کیوں کہا جو قابل عمل نہیں تھا اور اگر امام صاحب نے خود ایسی تشریح نہیں کی تو پھر متاخرین نے یہ تفریق اور تشریح کن دلائل کی بناء پر کی وہ منصوصہ ہیں یا غیر منصوصہ اگر منصوصہ ہیں تو پھر آپ کے امام نے ان منصوصہ دلائل کے خلاف کیوں دوسرا قول فرمایا اس طرح آپ کا امام پر اعتماد نہ رہا اور اگر غیر منصوصہ ہیں تو پھر وہی سوال پیش ہوگا کہ انہوں نے کس امام کی تقلید میں یہ تفریق اور تشریح کی اور کس امام نے یہ کہا ہے کہ فلاں مسئلہ مفتیٰ بہا ہے اور فلاں غیر مفتیٰ بہا ایضاً امام کے اقوال کو ان کے متبعین فیصلہ کریں کہ فلاں مفتیٰ بہا قول ہے اور قابل عمل ہے اور فلاں نہیں عجیب بات ہے پتا نہیں لگتا ہے وہ متبعین اپنے امام کے مقلد ہیں یا خود امام اپنے متبعین کا مقلد ہے۔

اعتراض نمبر ۱۵۵: یعنی مذہب میں جس کا مجتہد ہونا منصوص یا مجمع علیہ امت کا ہو:

جواب: اولاً۔ یہ بھی عجیب استدلال ہے خود مذہب اپنے امام کو مجتہد قرار دے خارج سے کوئی ثبوت پیش نہ کرے یہ بات آپ کے حنفیوں کے لیے شاید تسلی بخش ہو لیکن دوسروں کو اس پر اطمینان نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً: مجمع علیہ امت کا ہونا یہ بھی قابل بحث ہے کیونکہ اجماع کی تعریف آپ کے فقہاء نے اس طرح لکھی ہے کہ " وھو فی اللغقه الاتفاق وفی الشریعة اتفاق المجتھدین صالحین من امة محمد ﷺ فی عصر واحد علیٰ امر قول او فعل . " (نور الانوار صفحہ ۱۷۹)

اس طرح اصول حنفیہ کی دوسری کتب میں درج ہے۔ اب آپ بتائیں جس امام ابوحنیفہ کی آپ تقلید کرتے ہیں اس کے مجتہد ہونے کا کس زمانہ میں اجماع ہوا اور اس وقت کتنے مجتہد تھے اور ان کے کیا کیا نام ہیں اور مقلدین کے اجماع پر کوئی اعتبار نہیں بلکہ اس طرح اجماع ہو ہی نہیں سکتا۔ فواتح الرحموت صفحہ ۲۱۹ ج ۲ فی ذیل المستصفیٰ میں ہے: (واما المقلد فالا کثر) قالوا انه کذالك) ای لا عبرة به فی الاجماع (وان کان عالماً) بالمسائل (خلافاً للقاضی) فانه لا یعتبر الاجماع الا بموافقه (وقیل یعتبر الاصولی وقیل) لا بل الفروعی لنا لو اعتبر المقلد (لکان) الاجماع رکاء کل طعام واحد اذ لا جامع الا الرأی ولیس فیھم) ویلزم اذ لا یتحقق اجماع ایضاً فان المقلدین اکثر من ذرات الرمل .

اعتراض نمبر۱۵۶ : اور اس کا مذہب اصلاً وفرعاً ہم تک متواتر اً پہنچا ہو اور اس پر عمل کرنا ہمارے لیے آسان ہو:

جواب :...... یہاں تینوں شرطیں مفقود ہیں امام ابوحنیفہ کی ایسی کوئی کتاب نہیں بلکہ اس قاعدہ کی بناء پر شافعی المذہب ہونا چاہیے کیونکہ امام شافعی کی اصول کی فروع پر کتابیں تصنیف کی ہوئی ہیں مثلاً کتاب الام اور رسالۃ الشافعی یہ دونوں تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں اور امام ابوحنیفہ کے مسائل تواتر سے پہنچنا ثابت نہیں اور سارے آسان بھی نہیں بعض ایسے مسائل ہیں جن پر آپ عمل نہیں کرتے مثلاً جس عورت کا خاوند گم ہوجائے اور اس کے مردہ اور زندہ ہونے کا کوئی یقین نہیں تو ایسی عورت اس وقت تک انتظار میں بیٹھی رہے جب تک اس کے خاوند کی عمر نوے سال تک پہنچ جائے پھر اس خاوند کو مردہ سمجھا جائے گا پھر وہ عورت عدت کے دن گذار کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے اس طرح تدریس امامت اذان وغیرہ پر تنخواہ لینا جائز نہیں اسی طرح زمینداری بھی جائز نہیں یہ سارے مسائل امام صاحب کے ہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور علماء حنفیہ ان تینوں مسائل میں امام صاحب کے خلاف ہیں کیونکہ کسی نہ کسی وجہ سے ان کو مشکل جانتے ہیں اس طرح اور مسائل ہیں مثلاً فتاویٰ قاضی خان صفحہ۲۲۱ طبع ہند میں ہے رجل قال لامرأته ان لم اجامعك نهاراً في وسط السوق فانت طالق ثالثاً وطلب الحيلة ان يحملها على العماري ويدخل السوق قيطاً یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے میں نے دن چڑھے بازار کے بیچ میں تمہارے ساتھ جماع نہ کیا تو تم کو طلاق ہوگئی اس کے لیے حیلہ یہ ہے دونوں میاں بیوی کو پاسکے کے اندر بٹھا کر بازار سے گذرا جائے اور وہ اس سے وطی کرتا جائے۔ اس قسم کے مسائل عمل کے لحاظ سے آسان تو کیا بیان کرنے کے قابل ہی نہیں بلکہ یہ تو شان وحی الٰہی کی ہے۔﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (الدخان: ۵۸) ان الدين يسر (الحديث) ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: ۱۸۵) ﴿جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج: ۷۸)

دلائل تقلید

جو دلائل بیان کیے ہیں وہ تقلید کے بطلان اور تردید کے لیے کافی ہیں

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اعتراض نمبر۱۵۷: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾:

جواب :......اس آیت میں حکم ہے کہ دلیل کی اتباع کی جائے کیونکہ جہاں اولی الامر متفق ہیں اس مسئلہ میں ان کی اتباع دلیل کی اتباع ہے کیونکہ اجماع کی اتباع تقلید نہیں جیسا کہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۴۰۰ج ۲۔ فی ذیل المستصفی میں مذکور ہے جہاں اولی الامر مختلف ہوں وہاں کسی ایک کا قول لینا یا اس کی طرف رجوع کرنا یا اس کے قول پر فتویٰ دینا ممنوع ہے بلکہ دلیل یعنی قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے اور اکثر مفسرین یہی معنیٰ بتلاتے ہیں کہ عند التنازع قرآن وحدیث کی طرف رجوع کیا جائے ”کما فی عامة التفاسیر کابن جریر والقرطبی وابن کثیر والبغوی والخازن وغیرھا بلکہ جلالین صفحہ ۹۹ میں فان تنازعتم ای اختلفتم فی شی فردوہ الی اللہ ای الی الکتاب والرسول مد ﷺ حیاتہ وبعدہ الی سنتہ ای اکشفوا علیہ عنھما ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذالك ای الرد الیھا خیر لکم من التنازع والقول بالرای اہ.“

اولاً:......اولی الامر کی اتباع کے لیے ہے دو شرط ہیں اول یہ کہ ان کی اطاعت سے اللہ یا ان کے رسول ﷺ کی نافرمانی لازم نہ آئے اور یہ بات تحقیق کرنے اور......... دیکھے بغیر نہ ہوسکتا ہے یہ کہ منہ مجتہد کا ہے نہ مقلد کا دوم یہ کہ اولی الامر سب آپس میں متفق ہوں بصورت دیگر سب کو چھوڑ کر قرآن وحدیث کی طرف لوٹنا پڑے گا اس لیے بموجب اس آیت تقلید کا وجود ہی قائم نہیں رہ سکتا

اعتراض نمبر۱۵۸: ولو ردوہ الی الرسول واولی الامر منھم لعلمہ الذین یستبطونہ منھم:

جواب :اولاً:......یہ حکم ان ناگہانی پیش آنے والی باتوں کے لیے ہے نہ کہ دینی باتوں کے لیے چنانچہ پوری آیت اس طرح ہے: ﴿وَ اِذَا جَآءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِہٖ وَ لَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ﴾ (النساء: ۸۳) اس میں لفظ ردوہ میں ضمیر کا مرجع لفظ امر ہے چنانچہ آپ کے مذہب کے عالم علامہ ادریس کاندھلوی نے رسالہ اجتہاد وتقلید صفحہ ۶۷ میں اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اس امر کو رسول کے اور اولی الامر کے حوالہ کرتے تو جو لوگ اہل فقہ واہل استنباط وہ سمجھ کر ان کو بتلاتے تھے کہ کون سی خبر قابل ذکر ہے اور کون

سی نا قابل ذکر اھ نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ دینی بات کے لیے نہیں کیونکہ دینی باتیں سب قابل ذکر ہیں کوئی نا قابل ذکر نہیں۔

ثانیاً:...... اگر دینی احکام بھی اس میں داخل تسلیم کیے جائیں تو بھی لغایۃ یہ ہوگا کہ جس آیت یا حدیث کا مطلب کوئی عالم خود نہیں سمجھ سکتا تو دوسرے عالم سے پوچھ کر عمل کرے اور یہ بھی تقلید نہیں کیونکہ یہ عمل اس نص پر ہے اور اس عالم کی رائے پر نہیں۔

حدیث معاذ بن جبل کی وضاحت

اعتراض نمبر ۱۵۹: عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعثه الى اليمن قال كيف تقضى اذا عرض لك قضاؤ هم . . . الخ:

جواب:...... یہ روایت صحیح نہیں یہاں مولوی صاحب نے تین کتابوں کا حوالہ دیا ہے ترمذی، ابوداؤد، دارمی اور تینوں کی سند اس طرح ہے "عن شعبة عن ابى عون عن الحارث بن عمرو ابن اخى المغيرة بن شعبة عن اناس عن اهل حمص من اصحاب معاذ عن معاذ" اور اس پر بچند وجوہ کلام ہے اولاً یہ حارث مجہول ہے دیکھو میزان صفحہ ۲۴ ج ۱ اور التهذيب صفحہ ۱۵۲ ج ۲۔ اور تقریب التهذیب صفحہ ۱۴۳ ج ۱۔ اور التاریخ الکبیر للبخاری ج ۱ ق م صفحہ ۲۷۷۔ اور تہذیب میں امام عقیلی اور ابن ابی ارود اور ابوالعرب نے اس حارث کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے

ثانیاً:...... اناس من اہل حمص خود مجہول ہے کمافی الاحکام لابن حزم صفحہ ۱۱۸ ج ۷۔ اور التلخیص الحبیر لابن حجر۔

ثالثاً:...... التلخيص الحبير صفحہ ۴۵۹۔ میں ہے قال الدار قطنى فى العلل رواه شعبة عن ابى عون هٰكذا وارسله ابن مهدى وجماعات عنه والمرسل اصح وقال ابو داؤد اكثر ماكان يحدثنا شعبه عن اصحاب معاذ ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقال مرة عن معاذ ...... وقال الترمذى لا نعرفه الا من هٰذا الوجه وليس اسناده بمتصل وقال البخارى فى تاريخه لا يصح ولا يعرف الا بهٰذا وقال ابن حزم لا يصح وقال عبدالحق لا يسند ولا يو جد من صحيح وقال ابن الجوزى لا يصح وقال ابن طاهر لا يصح اهٰ مختصراً. اور زیلعی حنفی نے نصب الرایہ صفحہ ۶۳ ج ۴۔ میں امام ترمذی اور امام بخاری سے اس کا غیر صحیح ہونا ثابت کیا ہے نیز علامہ ابوالحسن سندھی نے بھی حاشیہ مسند احمد (قلمی) میں اس کو غیر صحیح کہا ہے لہٰذا یہ

روایت آپ کی دلیل نہیں بن سکتی نیز اس روایت میں تقلید کا کوئی ذکر نہیں اور علی فرض الصحۃ اس میں معاذ کے اجتہاد کا ذکر ہے اجتہاد ادلہ شرعیہ (قرآن وحدیث) سے ہوتا ہے اس کی اتباع تقلید نہیں آپ نے بعض علماء سے اس حدیث کی تصحیح بھی نقل کی ہے لیکن جب اس کی سند میں کئی علتیں موجود ہیں تو پھر یہ مجرد تصحیح اس کو کیا فائدہ دے گی اور بالخصوص جبکہ ان سے پہلے ائمہ حدیث مثلاً بخاری، ترمذی اور دارقطنی وغیرہ اس کو غیر صحیح قرار دے چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۶۰: حضرت محمود بن مہران فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ کے سامنے کوئی مسئلہ آتا.....الخ

جواب:...... آپ نے اس روایت کے نقل کرنے میں دہری خیانت کی ہے ایک تو درمیان میں بہت ضروری مضمون حذف کر دیا۔ دوم یہ کہ لفظ اہل الرائے اپنی طرف سے بڑھا دیا جو کہ اس روایت میں نہیں ہے اور پوری روایت سنن دارمی صفحہ ۵۳ ج ۱ طبع مدینہ میں اس طرح ہے: "اخبرنا محمد بن الصلت ثنا زهير عن جعفر بن برقان حدثنا ميمون بن المهران قال كان ابو بكر اذا ورد عليه الخصم نظر فى كتاب الله فان وجد فيه ما يقضى بينهم قضىٰ به وان لم يكن فى الكتاب وعلم رسول الله ﷺ فى ذالك الامر سنة قضيبه فان اعياه خرج فسأل المسلمين فقال اتانى كذا وكذا فهل علمتم ان رسول الله ﷺ قضىٰ فى ذالك بقضاء فربما اجتمع عليه النفر كلهم يذكر من رسول الله ﷺ فيه قضاءً فيقول ابو بكر الحمد لله الذى جعل فينا من يحفظ علىٰ نبينا فان اعياه ان يجد فيه سنة من رسول الله ﷺ جمع رؤوس الناس وخيارهم فاستشار هم فاذا اجتمع رأيهم علىٰ امر قضىٰ به اھ."

اور اسی طرح شاہ ولی اللہ کی کتاب الانصاف صفحہ ۱۹ میں ہے اور اس روایت میں واضح بیان ہے کہ جناب ابوبکر صدیقؓ جب کسی مسئلہ کے متعلق قرآن وحدیث سے جواب خود معلوم نہیں کر سکتے تو مسلمانوں کے ساتھ ذکر کرتے کہ اس قسم کا مسئلہ میرے پاس آیا ہے کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق کیا فیصلہ کیا تو پھر صحابہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نقل کر دیتے تھے اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ کا شکر یہ ادا کرتے کہ اس نے ہم میں ایسے لوگ بھی پیدا کیے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کا علم یاد رکھتے ہیں یہ جملہ مولوی صاحب نے عمداً حذف کر دیا ہے اس لئے کہ یہ ان کی تقلید کے منافی تھا اور پھر اس میں ہے کہ اس طرح اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فیصلہ نہیں مل سکتا تو صحابہ میں سے جو بڑے اور بہتر ہوتے ان کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے جب سب

کا اتفاق ہوجاتا تو وہی فیصلہ فرماتے خود مولوی صاحب نے یہ ترجمہ لکھا ہے کہ جب ان کا اتفاق ایک رائے پر ہوجاتا تو اس پر عمل فرماتے یہ خود تقلید کی تردید ہے کیونکہ اجماع یا اتفاق کو لینا تقلید نہیں ہے بلکہ رجوع الی الدلیل ہے اور آپ کا طریقہ تو اس روایت کے بالکل خلاف ہے آپ تو وہی مسئلہ لیں گے جو آپ کی فقہ کی کتابوں میں ہو اور جس کو آپ کے بزرگوں نے مفتی بہ قرار دیا ہو آپ پہلے تو فقہ سے دستبردار ہو کر اس روایت کی تقاضا کے مطابق ہر مسئلہ قرآن میں تلاش کریں پھر سنت میں اگر نہ ملے تو علماء سے پوچھیں ہوسکتا ہے کہ کسی کو دلیل کا علم ہو جو کہ آپ کو معلوم نہ ہو اگر ایسا بھی نہ ہو تو پھر اجماع کو دیکھیں اگر اس سے بھی عاجز آجائیں تو پھر یہ بحث کریں کہ تقلید ہو یا قیاس ہو لیکن نہ قرآن اور حدیث کی کتابوں میں مطالعہ کی محنت کرتے ہو لیکن گھر بیٹھے لا اعلم کا نعرہ لگا کر کہتے ہو کہ ہم تو تقلید کریں گے ٹھیک ہے رضینا قسمة الجبار فینا.

بہر حال یہ روایت آپ کی دلیل نہیں بلکہ آپ پر حجت ہے کہ تقلید سے پہلے کئی مراحل طے کرنے ہیں ان مراحل کی طرف رجوع کریں اور یہ ظاہر ہے کہ ایک دفعہ غیر مقلد ہوجانے کے بعد پھر مقلد نہیں ہوسکتے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۳۹۲ میں ہے (المجتهد بعد اجتهاده) ومعرفة الحكم (ممنوع من التقليد فيه اجماعاً) لان ما علمه حكم الله لا يتركه بقول احد اھ.

اعتراض نمبر ۱۶۱ : اس طرح حضرت عمرؓ نے قاضی شریح کو لکھا کہ جب کوئی مسئلہ سامنے آئے تو پہلے کتاب اللہ میں دیکھو پھر سنت رسول اللہ ﷺ اگر وہاں بھی نہ ملے تو دیکھو کہ اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے تو اس پر عمل کرلو ورنہ اپنی رائے سے انصاف کرلو:

جواب :...... یہاں بھی آپ نے آخری جملہ پورا نقل نہیں کیا اور وہ اس طرح ہے فان جاء ك ماليس فى كتاب الله ولم يكن فى سنة رسول الله ولم يتكلم فيه احد قبلك فاختر اى الامرين شئت ان شئت ان تجتهد برأيك لتقدم فتقدم وان شئت ان تتاخذ فتاخر ولا ار التأخير الا اخيراً لك. (بیہقی صفحہ ۱۱۵ ج ۱۔ الانصاف مصنفہ شاہ ولی اللہ صفحہ ۹۹)

اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ جب یہی ساری کاوشیں جو مجتہد کو کرنی ہیں اور مقلد اس سے محروم اور نابلد ہے تو پھر اس کو امیر المومنین فرماتے ہیں کہ دو باتوں میں ایک کا تمہیں اختیار ہے کہ اللہ کے دین میں اقدام کرو اور آگے بڑھ جاؤ یا پیچھے ہٹ کر خاموش رہو یا لا ادری کہ میں نہیں جانتا ان دونوں باتوں میں تجھے کون سی بہتر نظر آتی ہے کہ پیچھے ہٹ چلو اور اقدام نہ کرو یہ اختیار اس کو اجازت کے طور پر نہیں دیا بلکہ ایک تنبیہ فرمائی کہ ان دونوں چیزوں میں بہتر کون سی ہے اور بری کون سی ہے؟ کیونکہ قرآن میں ہے: ﴿يَآيُّهَا الَّذِينَ

اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ (الحجرات: ۱)

حافظ ابن القیم اعلام الموقعین صفحہ ۵۱ ج ۱۔ میں اس آیت کی تفسیر یوں فرماتے ہیں: ای لا تقولوا حتیٰ یقول ولا تأمروا حتیٰ یامر ولا تفتوا حتیٰ یفتی ولا تقطعوا امراً حتیٰ یکون هو الذی یحکم فیه ویمضیه روی علی بن ابی طلحة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما الا تقولوا خلاف الکتاب والسنة وروی العوفی عنه قال نهوا ان یتکلموا بین یدی کلامه والقول الجامع فی معنی الآیة لا تعجلوا بقول ولا فعل قبل ان یقول رسول الله صلی الله علیه وسلم او یفعل اھ۔"

اور اسی طرح عام تفاسیر میں ہے خاص طرح حنفی علماء کی تفاسیر میں چنانچہ زمخشری الکشاف صفحہ ۳۵۰ ج ۴ طبع بیروت میں لکھتے ہیں: بالمعنیٰ ان لا تقطعوا امراً الا بعد ما یحکمن به ویأذنان فیه فتکونوا اما عاملین بالوحی المنزل و اما مقتدین برسول الله ﷺ وبهذو تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

سی طرح تفسیر نسفی صفحہ ۱۶۵ ج ۴۔ میں اور البحر المحیط لابی حیان صفحہ ۱۰۵ ج ۸۔ میں ہے۔ اس لئے امیر عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ بن عمر علم کی تین اقسام بتلاتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ العلم ثلاثة اشیاء کتاب ناطق وسنة ماضیة ولا ادری (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر صفحہ ۲۶۹) پس یہی امیر عمرؓ کے فرمان کا مطلب ہے اور اس طرح ان کے لائق فرزند نے اس کا مفہوم سمجھا پس اس روایت میں تو تقلید کی تردید ہے نہ تائید۔

ثانیاً:...... اجتہاد ورائی کا مفہوم یہ نہیں جو آپ سمجھے ہیں بلکہ سلف نے یہ بیان کیا ہے کہ اہل علم میں مشورہ کیا جائے اعلام الموقعین صفحہ ۳۷ ج ۱ میں ہے "قال اسحاق بن راهویه قال سفیان بن عیینة اجتهاد والرای ومشاورة اهل العلم وان یقول هو برایه اھ" اور علماء کی مشاورت سے کوئی نہ کوئی دلیل سامنے آ جائے گی اور دلیل کی اتباع تقلید نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۱۶۲: یہی طریقہ حضرت عثمان حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عبداللہ بن عباس حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا تھا (السنن الکبریٰ صفحہ ۱۱۵ ج ۱۰)

جواب:...... بیہقی میں محولہ صفحہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت نہیں ہے بلکہ صفحہ ۱۱۲ ج ۱۔ میں ایک روایت اس طرح ہے "کان عثمان رضی اللہ عنہ اذا جلس المقاعد جاءه الخصمان قال لاحدهما اذهب ادع علیا وقال للآخر اذهب فادع طلحة والزبیر ونفراً من اصحاب النبی ﷺ ثم

يقول لهما تكملا ثم يقبل على القوم فيقول ما تقولون فان قالوا ما يوافقا راية أمضاه والا نظر فيه بعد فيقومان وقد سلما . " اس میں تو یہ بیان ہے کہ امیر عثمان رضی اللہ عنہ اتفاقیہ حکم کو نافذ کرتے تھے جس کا لینا تقلید نہیں اور اختلافی صورت میں مزید سوچتے تھے اپنی شخصی رائے کسی پر مسلط نہیں کرتے تھے اور یہی تقلید ہے جس کو عثمانؓ نے اچھا نہیں سمجھا اور دیگر آثار بھی آپ کے لیے مفید نہیں چنانچہ ابن مسعودؓ کی روایت میں الفاظ ہیں فان اتاه امر ليس في كتاب الله ولم يقض به رسول الله ﷺ ولم يقض به الصالحون فليجتهد رأيه ولا يقولن احدكم انى اخاف وانى اوى فان الحلال بين والحرام بين وبين ذالك امور مشتبهة فدع ما يريبك الىٰ ما لا يريبك .

اولاً:...... یہ روایت سنداً صحیح نہیں کیونکہ امام بیہقی نے اس کی دو سندیں نقل کی ہیں پہلی بواسطہ سفیان عن عمارة بن عمير عن عبدالرحمن بن يزيد وربما قال عن حريث بن ظهير قال قال عبد الله بن مسعود فذكره پھر بواسطہ شعبه عن الاعمش عن عمارة بن عمير عن حريث بن ظهير عن عبد الله . اور سفیان اور شعبہ کا اختلاف ہے اول الذکر حریث بن ظہیر کے ذکر کرنے میں شک کرتا ہے اور شعبہ بلا شک اسی کو روایت کرتا ہے اور حریث بن ظہیر مجہول ہے جیسا کہ تقریب میں اور میزان الاعتدال صفحہ ۲۰۴ ج ۱۔ میں ہے لا یعرف ۔ پس جب کہ یہ فیصلہ نہ ہو کہ یہ سند میں نہیں ہے تب تک سند معلول رہے گی بلکہ اس غالب گمان یہ ہے کہ اس لئے شعبہ بلا شک اس کو نقل کرتا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۶۳: یہی طریقہ حضرت علیؓ کا تھا شرح فقہ اکبر صفحہ ۷۹ ج ۱:

جواب:...... شرح فقہ اکبر مصنفہ ملا علی قاری صفحہ ۸۰ ۔ میں اس طرح ہے "فاخذ (عبدالرحمن بن عوف بيد على وقال اولئك ان تحكم بكتاب الله وسنة رسوله وسيرة الشيخين فقال على احكم بكتاب الله وسنة رسوله واجتهد رأى" اب یہاں کوئی تقلید نہیں اجتہاد بالرأی کا معنیٰ پہلے مذکور ہو چکا ہے پس علی رضی اللہ عنہ نے یہی کہا کہ میں علماء سے مشورہ کر کے حق معلوم کروں گا اور اسی کے مطابق حکم کروں گا پس محقق اور مدلل بات کو ماننا تقلید نہیں بلکہ عین اجتہاد و غیر مقلدیت ہے خود ملا علی قاری کہتا ہے کہ "وقول على واجتهد رأيى لا يدل علىٰ مجانبة اياهما (ابو بكر و عمر وانما قال ذالك لان مذهبه ان المجتهد يجب عليه اتباع اجتهاده ولا يجوز تقليد غيره من المجتهدين اه . "

الحاصل:...... یہ سب صحابہ قرآن وحدیث کو حجت جانتے تھے یا پھر اجماع کو تسلیم کرتے تھے لیکن کسی

شخصی رائے کے قائل نہ تھے ان سب صحابہ کرامؓ کے اقوال اعلام الموقعین صفحہ ۵۳ ج ۱۔ سے صفحہ ۶۰ تک منقول ہیں۔ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں ای ارض تقلنی وای سماع تضلنی ان قلت فی آیة حسن کتاب برأیی اوبما لا اعلم دوسری روایت میں ھے ان ابا بکر لما نزله قضیة فلم یجد فی کتاب الله منها اصلا ولا فی السنة اثراً فاجتهد برأیه ثم قال هٰذا رأی فان یکن صواب فمن الله وان یکن خطأ فمنی واستغفر الله جس کا مطلب ظاہر ہے کہ وہ جب اجتہاد بالرائی کرتے یعنی دلیل معلوم کرنے کے لیے صحابہ سے مشورہ کرتے تو بھی اس کو قطعی نہیں کہتے تھے اور خطا کا امکان بتلاتے تھے معلوم ہوا کہ وہ اپنی رائے کی اتباع کے لیے کسی صحابی کو مجبور نہیں کرتے تھے بلکہ اختیار دیتے تھے کہ اگر حق برصواب جانے تو لے اگر خطا سمجھے تو اس کا پابند نہیں اسی کا نام اجتہاد ہے نہ کہ تقلید امیر عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوکر فرماتے ہیں: "یا ایها الناس ان الرأی انما کان من رسول الله ﷺ مصیبا ان الله کان بریه وانما هو هنا الظن والتکلف" واضح کر دیا کہ بر حق اور صواب صرف رسول اللہ ﷺ کی بات تھی کیونکہ وہ وحی کے تحت تھی باقی آپ کے بعد کی باشندے کی بات واجب القبول نہیں کیونکہ وحی پر مبنی نہیں بلکہ ظن اور تکلف کی بناء پر ہے حافظ ابن قیم اس قول پر نوٹ لکھتے ہیں کہ قلت مراد عمر رضی اللہ عنہ قوله تعالیٰ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ (النساء:۱۰۵) "فلم یکن له رای غیر ما اراه الله ایاه واما رای غیره فظن وتکلف اھ" نیز امیر عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: السنة ما سنه رسول الله ﷺ لا تجعلوا خطأ الرأی سنة للامة نیز فرمایا: اتقوا الرأی فی دینکم اور فرمایا ایاکم واصحاب الرأی فان اصحاب الرأی اعداء السنن اعیتهم الا حادیث ان یحفظوها فقالوا بالرای فضلوا و اضلوا اس قول میں تو فیصلہ کر دیا کہ اہل الرأی اور رائے کو استعمال کرنے والے حدیثوں اور سنتوں کے دشمن ہیں پس جس روایت میں اجتہاد الرأی کا لفظ آیا ہے اس کا مفہوم وہی ہوگا جو سلف نے بیان کیا ہے یعنی دلیل معلوم کرنے کے لیے اہل علم سے مشورہ کرنا کما تقدم۔ حافظ ابن قیم ان آثار کے بعد فرماتے ہیں: واسانید هٰذه الآثار فی غایة الصحة اھ اور امیر عثمان رضی اللہ عنہ ایک فیصلہ دینے کے بعد فرماتے ہیں انهیت عنها انی لم انه عنها انما کان رأیا اشرت به فمن شاء اخذه ومن شاء ترکه فیصلہ دے دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس کی رائے دوسرے کے لیے واجب الاخذ یا واجب القبول ہو اس کو اختیار ہے کہ حق سمجھے تو قبول کر لے ورنہ رد کر دے ۔حافظ ابن قیم اس روایت پر نوٹ لکھتے ہیں: "فهٰذا عثمان یخبر عن رأیه لیس بلا زم للامة

الاخذ به بل من شاء اخذ ومن شاء تركه بخلاف سنة رسول الله ﷺ فانه لا يسع احداً تركها لقول أحد كائناً من كان اھ۔"

امیر علیؓ فرماتے ہیں: "لو كان الدين بالرأي لكان اسفل الخف اولىٰ بالمسح من اعلاه." یہ روایت ابن قیم نے ابوداؤد سے نقل کی ہے وہاں صفحہ ۲۲ باب کیف المسح میں یہ روایت موجود ہے اس میں ان الفاظ آگے یہ عبارت ہے: وقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح علىٰ خفيه اور امام ابوداؤد دوسری سند سے یہ روایت لائے ہیں جس میں علیؓ کے یہ الفاظ ہیں کہ "ما كنت ارى باطن القدمين الا احق بالغسل حتىٰ رأيت رسول الله ﷺ يمسح علىٰ ظهر خفيه" امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دے دیا کہ دین کا کوئی بھی چھوٹا یا بڑا مسئلہ کسی کی رائے سے حل نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین قرآن وحدیث کی ضرورت ہے اور ان ہی دو چیزوں میں سے تلاش کرتا ہے ابن مسعودؓ سے بحوالہ بخاری روایت ہے کہ لا يأتي عليكم عام الا وهو شر من الذي قبله اما انى لا اقول امير خير من امير ولا عام اخصب من عام ولكن فقهاءكم يذهبون ثم لا تجدون منهم خلفا فيجيء قوم يقيسون الامور برايهم ابن مسعودؓ کے قول سے ظاہر ہے کہ فقہاء وہ ہیں جو کہ قرآن وحدیث سے مسائل اخذ کریں لیکن رائے اور قیاس کو استعمال کرنے والے فقہاء نہیں ہیں اور دوسری روایت میں ہے "قال ابن مسعود اياكم وارأيت ارأيت فانما هلك من كان قبلكم بارايت ارايت ولا تقيسوا شيئاً فتزل قدم بعد ثبوتها واذا سئل احدكم عما لا يعلم فيقل لا اعلم فانه ثلث العلم" یہاں صاف قیاس سے منع کر دیا اور حکم دیا کہ جب ایسا مسئلہ سامنے آئے جس کا حکم بوجہ کوتاہ نظری قرآن اور حدیث میں نظر نہ آئے تو اس میں اپنی لاعلمی ظاہر کرے اور اقدام نہ کرے کیونکہ علم کا تیسرا حصہ یہی ہے جیسا کہ ابن عمرؓ کا قول گذر چکا کہ علم تین چیزیں ہیں قرآن حدیث اور لا ادری (یعنی میں نہیں جانتا) اور عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ من احدث رأيا ليس في كتاب الله ولتمض به سنة من رسول الله ﷺ لم يدر علىٰ ما هو منه اذا لقى الله عزو جل اور نیز فرمایا "انما هو كتاب الله وسنة رسول الله ﷺ فمن قال بعد ذالك برأيه فلا ادرى افى حسناته يجد ذالك ام فى سياته اھ" گویا کہ ابن عباسؓ رائے کے استعمال کو حسنات اور نیکیوں میں بھی شمار نہیں کرتے اور زید بن ثابتؓ نے بعض مسائل میں فتویٰ دیا لوگوں نے اس کو نقل کیا پھر اس کے سامنے پیش کیا آپ نے فرمایا اعذر العل كل شى حد ثتكم خطاء انما اجتهدت لكم برأى. ثابت ہوا کہ کسی کی رائے خطا سے محفوظ نہیں اور زید بن

ثابت ؒ اپنی رائے کو واجب الاتباع نہیں جانتے تھے اور نہ ہی اس کی اتباع کا حکم دیتے تھے گویا کہ وہ تقلید کو بری چیز جانتے ہیں اور اس کے قائل نہیں اسی طرح معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "تکون فتن فیکثر فیھا المال و یفتح القرآن حتیٰ یقرأ الرجل والمرأة والصغیر و الکبیر والمنافق و المومن فیقرأه الرجل فلا یتبع فیقول واللہ لاقرانه علانیة فیقرأه علانیة فلا یتبع فیتخذ مسجداً اویبتدع کلاماً لیس من کتاب اللہ ولا من سنة سنة رسول اللہ ﷺ فایاکم وایاه فانه بدعة وضلالة قاله معاذ ثلاث مرات اه." یعنی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رائے کو استعمال کرنے اور قرآن وحدیث کے سواء دیگر اقوال کو فتنہ اور بدعت اور گمراہی قرار دیتے تھے پس معاذ کیسے کہیں گے کہ میں اپنی رائے استعمال کروں گا آپ کی پیش کردہ روایت کے بطلان کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

اعتراض نمبر۱۶۴: استدلال قرآن پاک کی پہلی آیت میں پہلے نمبر پر خدا تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہے اور خدا تعالیٰ کی اطاعت بلا مقابلہ دلیل کی جاتی ہے:

جواب:......تو کیا اس کو تقلید کہیں گے. نعوذ باللہ من ذالك حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان خود دلیل ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا﴾ (النساء: ۱۷٤)

اگر یہ دلیل نہیں تو پھر دلیل کیا ہوتی ہے؟ مثلاً کوئی مناظر اپنے مدمقابل سے کسی بات پر دلیل کا مطالبہ کرے اور وہ اس میں کوئی قرآن کی آیت یا حدیث پیش کرے تو کیا وہ دلیل سمجھی جائے گی یا نہیں؟ علیٰ الاول آپ کی یہ بات غلط ہے معنی ہوئی وعلی الثانی جب قرآن وحدیث دلیل نہیں تو پھر دلیل دینے میں کیا چیز ہے گویا کہ کوئی چیز دلیل ہے ہی نہیں

یہ تیرے زمانہ میں دستور نکلا

اعتراض نمبر۱۶۵: مثلاً اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو یہ حکم دلیل نہیں تھی:

جواب:......اگر اللہ تعالیٰ کا حکم دلیل نہیں تو پھر کس کا حکم دلیل ہے اللہ سے ڈرو حاکم کا حکم خود دلیل ہوتا ہے دلیل محکوم سے پوچھی جاتی ہے: ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾ (الانبیاء: ۲۳) آپ نے تو اپنے فقہاء کو یہی مات دے دی کہ وہ دلیل چار بتلاتے ہیں ان میں پہلی دلیل قرآن ہے آپ نے تو دلیل کے میدان کو تالا لگا دیا جب اللہ کا حکم دلیل نہیں تو پھر کیا دلیل ہوگی۔

اعتراض نمبر۱۶۶: فرشتے حکم سنتے ہی بلا مطالبہ دلیل سجدہ میں گر گئے:

جواب:......حاشا اللہ آپ کے قول کے مطابق فرشتے مقلد ہو گئے اور ظاہر ہے مقلد عالم نہیں ہوتا جیسا کہ

پہلے فقہاء کے اقوال گذرے تو آپ نے فرشتوں کو جاہل قرار دے دیا اس جرأت کا فیصلہ تو قیامت میں ہوگا مگر آپ کو یہاں دنیا میں یہ سزا ملی کہ آپ کے امام بھی مجتہد نہیں رہے کیونکہ جب فرشتے ہی مقلد ہیں تو پھر امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد وغیرہ بھی بطریق اولیٰ مقلد ہیں اور وہ مجتہد کیسے اور ان کی تقلید کیسی۔

میرے پہلو سے گر گیا پالہ ستم گر سے پڑا
مل گئی اے دل تجھے کفران نعمت کی سزا

فرشتوں کے لیے اللہ کے حکم سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے جن کی صفت ہے: ﴿لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (التحریم: ٦) بلکہ اس طرح آپ نے اللہ کی ذات مبارکہ پر بھی حملہ کر دیا ہے کہ اللہ کے حکم کو بے دلیل بنا دیا پھر تمہارے ائمہ کیا حیثیت رکھتے ہیں کہ ان کا قول مدلل سمجھا جائے۔

اعتراض نمبر ١٦٧: پہلا غیر مقلد شیطان تھا جس نے بلا مطالبہ دلیل سجدہ میں گرنے سے انکار کر دیا:

جواب:...... ہرگز ہرگز نہیں اس نے اللہ کے حکم کے آگے اپنا قیاس پیش کیا کہ ﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ﴾ (الاعراف: ١٢) ﴿لَمْ أَكُنْ لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ (الحجر: ٣٣) اس نے کہا کہ چونکہ میں افضل ہوں پس میں اپنے کم درجہ والے کے سامنے کیسے سجدہ کروں یہ غیر مقلدیت نہیں بلکہ قیاس تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بتلا دیا: ﴿مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ﴾ (الاعراف: ١٢) یعنی اللہ کے حکم کے بعد اور کیا دلیل ہو سکتی ہے لیکن ابلیس نے قیاس کیا خود سلف صالحین سے ایسی تصریح موجود ہے۔

چنانچہ سنن دارمی صفحہ ۵۸ ج ۱۔ طبع مدینہ میں امام محمد بن سیرین تابعی سے روایت ہے قال اول من قاس ابلیس وما عبدت الشمس والقمر الا بالمقاييس. اور امام حسن بصری تابعی سے روایت ہے کہ انه تلا هٰذه الآية ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ﴾ قال قاس ابليس وهو اول من قاس اھ. اور اعلام الموقعین صفحہ ۲۵۵ ج ۱۔ میں عبداللہ بن شبرمہ سے روایت ہے: "قال دخلت انا وابو حنيفة علىٰ جعفر بن محمد بن الحنفية فسلمت عليه وكنت له صديقا ثم اقبلت على جعفر وقلت له متع الله بك هٰذا رجل من اهل العراق وله فقه وعقل فقال لي جعفر لعله الذي يقيس الدين برأيه ثم اقبل علي فقال اهو النعمان؟ فقال له ابو حنيفة نعم اصلحك الله فقال له جعفر اتق الله ولا تقس الدين برايك فان اول من قاس ابليس اذا امره الله بالسجود لآدم فقال انا خير منه خلقتني من نار

وخلقته من طين ثم قال لا بى حنيفة اخبرنى عن كلمة اولها شرك وآخر ها ايمان فقال لا ادرى قال جعفر هى لا اله الا الله فلو قال لا اله ثم امسك وكان شركا فهٰذه كلمة او لها شرك وآخر ها ايمان ثم قال له ويحك ايهما اعظم عند الله قتل النفس التى حرم الله او الزنا قال بل قتل النفس فقال له جعفر ان الله قد قبل فى قتل النفس شاهدين ولم يقبل فى الزنا الا اربعة فكيف يقوم لك قياس ؟ ثم قال ايهما اعظم عند الله الصوم او الصلوٰة قال بل الصلوٰة قال فما بال المرأة اذا حاضت تقضى الصيام فلا تقضى الصلوٰة ؟ اتق الله يا عبدالله ولا تقس فانا نقف غداً نحن وانت بين يدى الله فنقول قال الله عزوجل وقال رسول الله ﷺ وتقول انت واصحابك قسنا ورأينا فيفعل الله بنا وبكم ما يشاء اھ."

اور تفسیر البحر المحیط صفحہ ۲۷۳ ج ۴ میں ہے: "قال ابن عباس والحسن وابن سيرين اول من قاس ابليس قال ابن عباس فاخطأ فمن قاس الدين برأيه قرنه الله مع ابليس وقالا وما عبدت الشمس والقمرا لا بلمقاييس فقال بعض العلماء اخطأ قياسه وذهب علمه ان الروح الذى نفخ فى آدم ليس من طين اھ."

اور خود آپ حنفی علماء بھی اس کو قیاس کہتے ہیں چنانچہ تفسیر نسفی صفحہ ۴۶ ج ۲۔ میں طین (مٹی) کے فضائل بیان کرنے کے بعد ہے وھٰذه فضائل غفل عنها ابليس حتىٰ زل بفاسد من المقاييس وقول نا فع القياس اول من قاس ابليس قياس علىٰ ان القياس عند مثبته مردود عند وجود النص وقياس ابليس عناد للا مر المنصوص اور تفسیر البحر المحیط صفحہ مذکورہ میں ہے: "واستد ل نقاة القياس علىٰ ابطاله بقصة ابليس ولاحجة فيها لانه قياس فى مورد النص فهو فا سد فلا يدل علىٰ بطلان القياس حديث لا نص اھ" ان حنفی بیانات سے بھی واضح ہوا کہ یہ اللہ کا حکم منصوص تھا جس کے مقابلہ میں شیطان نے قیاس کیا اور آپ کا قول غلط ہوا کہ یہ حکم تھا دلیل نہیں تھی۔

اعتراض نمبر ۱۶۸: اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں سب سے پہلا گناہ ترک تقلید ہوا ہے:

جواب:...... بلکہ تقریر بالا سے کالشمس فی نصف النھار روشن ہوا کہ پہلا گناہ قیاس کرنا ہوا۔

اعتراض نمبر ۱۶۹: شیطان نے کہا تھا کہ انا خیر منه یہی آج غیر مقلدین کا مقولہ ہے:

جواب:...... یہ بالکل جھوٹ اور بہتان ہے اس طرح بالکل نہیں کہتے کہ انا خیر منہ بلکہ دلیل کا مطالبہ کرتے

ہیں جو کہ کسی کے ہاں معیوب نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۷۰: دوسرے نمبر میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم اور آپ کی اطاعت بلا مطالبہ دلیل کی جاتی ہے:

جواب: ...... یہ بھی وہی ظلم ہے رسول اللہ ﷺ کا ہر قول فعل مدلل و مبرہن ہے قرآن میں بار بار آپ کی اطاعت کا حکم ہے اگر قرآن دلیل نہیں تو پھر دلیل کیا ہوگا رسول اللہ ﷺ کا قول فعل خود دلیل ہے اور دلیل کی اطاعت تقلید نہیں آپ نے گویا کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا ہی انکار کر دیا جب آپ کی اطاعت بھی دلیل کی محتاج ہے پھر نبی کس طرح رہے۔ كبرت كلمة تخرج من افواههم وان يقولون الا كذبا.

اعتراض نمبر ۱۷۱: آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیق کے شان میں فرماتے ہیں میں نے جس کے سامنے بھی دین پیش کیا اس نے سوچنے کی مہلت یا دلیل کا مطالبہ کیا لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوراً ایمان قبول کر لیا نہ سوچنے کی مہلت مانگی اور نہ کسی دلیل کا مطالبہ کیا:

جواب: ...... **اولاً:** ...... دلیل کا مطالبہ کسی حدیث میں مذکور نہیں۔

ثانیاً: ...... ابوبکر صدیقؓ کا ایمان تقلید نہیں کیونکہ آپ کے نزدیک مقلد کا ایمان اگر صحیح ہوگا لیکن وہ عاصی اور گناہ گار ہوگا۔ ملا علی قاری شرح فقہ الاکبر صفحہ ۱۱۵ میں لکھتا ہے: ان ايمان المقلد الذي لا دليل معه صحيح لكنه عاص بترك الاستدلال بل نقل بعضهم الاجماع علىٰ ذالك تو پھر کیا ابوبکر صدیق کو آپ عاصی اور گناہ گار کہیں گے۔ حاشالله من ذالك.

ثالثاً: ...... امام بیہقی فرماتے ہیں: وهٰذا الا انه كان يرى دلائل نبوة رسول الله ﷺ ويسمع آثاره قبل دعوته فحين دعاه كان قد سبق له فيه تفكر فاسلم في الحال كذا في التاريخ الخلفاء. للسیوطی صفحہ ۳۴ پس ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیق پہلے دلائل دیکھ چکے تھے اور دوسروں نے جب دلائل معلوم کیے تو ایمان لے آئے پس کسی صحابی کا ایمان (آپکے مفروضہ کی بناء پر بھی) تقلید نہیں تھا سب نے دلائل دیکھ کر قبول کیا اور ابوبکر صدیق کو دلائل پہلے ہی معلوم تھے پھر کیسے دلیل کا مطالبہ کرتے؟ اور دوسروں کے لیے آپ خود کہتے ہیں کہ دلیل کا مطالبہ کیا پس آپ کا سوال یکسر ھباء منثوراً ہوگیا۔ والحمد لله

اعتراض نمبر ۱۷۲: معلوم ہوا کہ قابل اعتماد ہستی کے سامنے بلا مطالبہ دلیل جھک جانا مقام صدیقین ہے... الخ:

جواب: ...... **اولاً:** ...... قابل اعتماد وہ ہوتا ہے جس کی ہر بات مدلل ہو یہ نبیوں کی شان ہے جس کی اطاعت

کے لیے بے شمار دلائل موجود ہیں دوسروں کو یہ مقام حاصل نہیں جب ہی تو ان کی بات تحقیق کی محتاج ہوتی ہے اور دلیل پر موقوف ہوتی ہے۔

ثانیاً ...... یہ آپ لوگوں کا غلو ہے جو اپنے اماموں اور بزرگوں کو نبی کا مقام دے دیتے ہیں: ﴿لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ (المائدہ: ۷۷) اور ان اماموں کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے پر قیاس کرتے ہیں اور ایسا قیاس مع الفارق ہے اور یقیناً باطل ہے۔ وھو الثالث

رابعاً ...... مطالبہ دلیل کا غیر نبی سے ہوتا ہے لیکن نبی ﷺ کی ہر بات مدلل ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷) ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱) پس یہ تشبیہ باطل اور مضحکہ خیز ہے۔

خامساً...... رسول اللہ ﷺ کی شان اللہ تعالیٰ نے یہ بتلائی ہے کہ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم: ۴،۳) ﴿قل انما انذر كم بالوحي﴾ (الانبیاء) ﴿وان اهتديت فيما يوحي الي ربي﴾ (السبا) ﴿ان اتبع الا ما يوحي الي﴾ (الانعام) پس ایسی ہستی سے دلیل کا مطالبہ کرنا ایمان کے منافی ہے اور کسی اور کو یہ مقام دینا اس کو نبی ماننا ہے یہ آپ کے غلو کی انتہا ہے کہ آپ نے بڑوں اور اماموں کو نبی ﷺ کے برابر کر دیا اور اس کے حکم کو حکم نبی کی حیثیت دیتے ہیں ابوجہل اور ابولہب کی سنت یہی تھی کہ ﴿بَلْ قَالُوْا اِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ o وَكَذٰلِكَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ﴾ (الزخرف: ۲۲،۲۳) ﴿حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ (المائدہ: ۱۰۴) ﴿قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ (البقرہ: ۱۷۰)

اعتراض نمبر ۱۷۲: منکرین حدیث نے رسول کی اطاعت کا انکار کرنے کے لیے ایک بڑا خوشنما حیلہ بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ خدا خالق ہے اور نبی مخلوق ہے..الخ:

جواب:...... یہ تو ان کی نری جہالت ہے جبکہ خود جل وعلیٰ شانہ نے فیصلہ دے دیا کہ میرے رسول ﷺ کی اطاعت میری ہی اطاعت ہے من يطع الرسول فقد اطاع الله اور اس کی اطاعت کرنے والا میرا محبوب ہے ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران) اور اس کا حکم میرے کہنے کے بعد ہے ﴿لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ (النساء: ۱۰۵) اور اس کو حکم دیا ہے کہ ﴿اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام: ۱۰۶) نیز فرمایا: ﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ﴾ (یونس: ۱۰۹) تو پھر آپ کی اطاعت شرک نہیں توحید ہے لیکن شرک ان کی اطاعت

ہے جو کہ غیر نبی ہوں اور اس کے قول کو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی دلیل یعنی قرآن وحدیث میں اس کی شہادت یا موافقت نہیں ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (الشوریٰ: ۲۱)

الحاصل:...... مقلدین نے بھی یہاں خوشنما حیلہ بنایا ہے کہ اماموں کی باتیں بھی قرآن وحدیث کے موافق ہیں لہٰذا ان کی اطاعت بھی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے لیکن یہ کئی وجوہ سے غلط ہے۔

اولاً:...... یہ آپ کی اپنی خوش فہمی ہے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا ایسا فرمان نہیں ہے۔

ثانیاً:...... یہ صرف حنفیہ کے لیے نہیں ہر ایک مذہب والا کہہ سکتا ہے پس پر کیا ایک کا اپنا اللہ اور رسول جدا ہے ﴿وما من اله الا اله واحد﴾ (المائدہ) ﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (البقرہ: ۱۶۳) ﴿انما هو اله واحد﴾ (النحل) اور رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی فرمایا کہ ﴿وارسلناك للناس رسولاً﴾ (النسآء) ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ (السبا: ۲۸) ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف: ۱۵۸) پس اللہ ایک ہے اور اس امت کے لیے اس کا رسول بھی ایک ہے یا یوں کہو کہ اللہ اور رسول ﷺ کے چار مختلف حکم ہیں یہ بھی غلط ہے ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء: ۸۲) قل ای وابی انه لحق مع قوله تعالیٰ فما ذا بعد الحق الا الضلال (یونس) پس کس کا قول اللہ کی اطاعت ہوگی اور کس کا قول اس کی نافرمانی۔ وھو الثالث

رابعاً:...... مشاہدہ میں آیا ہے کہ فقیہوں میں بڑا اختلاف ہے لہٰذا اپنی تحقیق کر کے جو قرآن وحدیث کے موافق ہوگا اس کا انتخاب کیا جائے گا۔ خود فقہاء کو دیکھیں ہر ایک مکتب فکر والا اپنے سلف کے لیے دلائل پیش کرتا رہتا ہے اور قرآن وحدیث سے استدلال کر رہا ہے جس کا معنیٰ دلیل اور چیز ہے اور قول یا راء اور چیز ہے۔ وھو الخامس

سادساً:...... خود وہ فقہاء دلائل کی تلاش کر کے تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے فقہاء یا ائمہ کا قول دلیل نہیں بلکہ وہ دلیل کا محتاج ہے۔

سابعاً:...... سب اقوال قرآن وحدیث کے موافق ہوں یہ تو کوئی دعویٰ نہیں کرتا خود اختلاف اس کی بین دلیل ہے ہاں بعض موافق ہوتے ہیں تو ان میں دراصل اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی ہوتی ہے اور اطاعت جب غیر کی ہو تو پس جب سارے موافق نہیں تو یہ سوال ختم ہوگیا۔

ثامناً:...... آیت قرآنی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بالاصل ہے دوسروں کی نہیں کیونکہ الفاظ یہ ہیں

﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾ یہاں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت مستقل ہے اور دوسروں کی اطاعت کو مستقل نہیں کہا گیا لہٰذا دونوں کی اطاعت ایک جیسی نہیں۔

تاسعاً:...... رسول اللہ ﷺ کے حکم کے معارض کسی دوسرے کا حکم تصور ہی نہیں ہوسکتا اور دوسرے ہر ایک کے قول یا حکم کے مخالف کئی متصور ہوسکتے ہیں بلکہ ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔ فاین ھٰذا من ذا.

عاشراً:...... خود اماموں میں سے کسی ایک نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو میں کہتا ہوں وہ قرآن وحدیث کے بالکل موافق ہے بلکہ انہوں نے خود شبہ دکھایا ہے کہ ان کے اقوال قرآن وحدیث کے خلاف ہوسکتے ہیں چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب خزانۃ الروایۃ صفحہ ۲۵ فصل فی کیفیۃ الافتاء وبعض مسائل التقلید والفتویٰ میں ہے سئل عن ابی حنیفۃؒ اذا قلت قولاً وکتاب اللہ یخالفہ قال اترکوا قولی بکتاب اللہ فقیل اذا کان خبر الرسول یخالفہ قال اترکوا قولی بخبر الرسول فقیل اذا کان قول الصحابی یخالفہ قال اترکوا قولی بقول الصحابی اس قول کو علامہ فلانی نے ایقاظ ھمم اولی الابصار صفحہ ۶۲ میں اور شاہ ولی اللہ نے عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید صفحہ ۲۲ میں بھی ذکر کیا ہے اور المتانۃ فی المرمۃ عن الخزانۃ صفحہ ۲۲ میں ہے عن کل من ابی حنیفۃ ومحمد انہ قال اذا قلت قولا وکتاب اللہ یخالفہ وکذا خبر الرسول وقول الصحابی فاترکوا قولی. پس امام صاحب کا یہ جواب صاف بتلاتا ہے کہ اس کا قول قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ کے خلاف ہوسکتا ہے اور ایسے وقت امام صاحب نے اپنے قول کو چھوڑنے کا حکم دیا ہے اس طرح خزانۃ الروایۃ صفحہ مذکورہ میں امام شافعی سے منقول ہے کہ اذا قلت قولاً وکان عن النبی ﷺ خلاف قول فما یصح من حدیث النبی ﷺ اولیٰ فلا تقلدونی. اس طرح دوسرے ائمہ بھی فرما گئے ہیں پس وہ قطعی نہیں رہے اور رسول اللہ ﷺ تو اس قسم کا فیصلہ دے کر گئے ہیں۔ ﴿قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ﴾ (یونس: ۱۵) پس دونوں ایک جیسے نہیں ہوسکتے یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے دوسروں کے لیے یہ مقام نہیں بلکہ ان کے لیے قرآن وحدیث کے موافق ثابت ہونا لازمی ہے۔

اعتراض نمبر ۱۷۴: تیسرے نمبر پر اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے:

جواب:...... لیکن ان کی اطاعت بالاصل نہیں بالتبع ہے مطلق نہیں مشروط ہے کما تقدم۔

کیا اولی الامر سے مراد مجتہدین ہیں؟

اعتراض نمبر ۱۷۵: اولی الامر سے مراد مجتہدین ہیں:

جواب: ...... بعض اہل التفسیر حکام وامراء مراد لیتے ہیں پس حکام کی تقلید کو کیوں نہیں واجب کہتے؟ اگر کہو گے کہ ان کی بات جو شریعت کے خلاف ہوگی وہ نہیں مانی جائے گی تو یہی سوال اہل علم اور مجتہدین کے لیے بھی ہوگا کہ ان کی بات شریعت یعنی قرآن کے مطابق ہوگی تو ٹھیک ورنہ نہیں مانی جائے گی بہر حال غیر مقلدیت کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۷۶: اولاً تو خود اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کی تفسیر اہل استنباط سے فرمادی:

جواب: ...... اولاً پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آیت لعلمه الذين يستنبطون منهم میں دینی احکامات مراد نہیں پس تو وہی امراء اور حکام ہوئے۔

ثانیاً: ...... استنباط کرنے والے بھی مختلف ہوتے ہیں پھر وہی تحقیق کا سوال آئے گا۔

ثالثاً: ...... اگر اس میں اہل علم کو بھی داخل کرو گے تو بھی عموم کی وجہ سے کسی ایک کے لیے خاص نہیں کر سکتے۔

اعتراض نمبر ۱۷۷: حدیث معاذ نے اس تیسرے درجہ کا نام اجتہاد بتایا:

جواب: ...... **اولاً:** ...... جب ثابت ہوا کہ یہ حدیث ہی صحیح نہیں جیسا کہ گذرا اور آپ کے حنفی شیخ قاسم بن قطلو بغا نے تخریج احادیث البزدوی صفحہ ۲۵۱ (مع اصول البزدوی) میں کہا ہے: رواه احمد و ابو دائود والترمذی وقال غريب وليس اسناده عنده بمتصل وقال البخاری لا يعرف ولا يصح اھ. پس اس ناثابت روایت پر آپ جو عمارت کھڑی کر رہے ہیں اس کو منہدم سمجھیں۔

ثانیاً: ...... علیٰ فرض الصحۃ لغایتہٖ اس سے یہ ثابت ہوگا کہ آیت میں مجتہدین بھی داخل ہیں لیکن ان کے لیے خاص ہو یا امراء وحکام اس میں داخل ہوں یہ بات دلیل کی محتاج ہے۔ اثبت العرش ثم انقش.

اعتراض نمبر ۱۷۸: حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر، حضرت عطاء، حضرت مجاہد، حضرت حسن بصری، حضرت ابو العالیہ، حضرت امام مالک اولی الامر کی تفسیر میں هم اهل العلم والفقه۔ تفسیر فتح البیان صفحہ ۵۹۵ ج ۱۔ خازن صفحہ ۲۹۶ ج ۱۔ مدارک صفحہ ۲۹۶ ج ۱:

جواب: ...... یہاں آپ نے نقل میں خیانت کی ہے چنانچہ فتح البیان میں دوسرا قول بھی منقول ہے کہ وعن ابی هريرة قال اولوا الامر هم الامراء......

اور خود مصنف فتح البیان کہتا ہے: واولوا الامر هم الائمة والسلاطين والقضاة وامراء الحق

ولاة العدل كالخلفاء الراشدين .

اسی طرح دوسرے مفسرین نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے مثلاً آپ کے حنفی ابوالسعود کی تفسیر ارشاد العقل السليم الى مزايا الكتاب الكريم صفحہ ۲۲۷ اور زمخشری کی تفسیر کشاف صفحہ ۵۲۴ ج ۱۔ اسی طرح امام المفسرین ابن جریر کی تفسیر جامع البیان صفحہ ۱۵۰ ج ۵ میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "واولى الاقوال فى ذالك بالصواب قول من قال هم الامراء والولاة لصحة الاخبار عن رسول الله ﷺ بالامر بطاعة الائمة والولاة فيما كان طاعة وللمسلمين مصلحة الىٰ آخر ما قال" اسی طرح امام قرطبی کی تفسیر الجامع لاحکام القرآن صفحہ ۲۶۰ ج ۵ تفسیر بیضاوی صفحہ ۱۳۳ تفسیر امام بغوی معالم التنزیل صفحہ ۴۵۹ علیٰ ھامش الخازن امام ابن جزی کی تفسیر التسہیل لعلوم التنزیل صفحہ ۱۴۶ ج ۱۔ الشیخ اسماعیل الحقی کی تفسیر روح البیان صفحہ ۲۲۸ ج ۲۔ تفسیر الجمل صفحہ ۳۹۵ ج ۱، تفسیر الشوکانی صفحہ ۴۵۵ ج ۱، الجلالین صفحہ ۷۷، جامع البيان للشيخ معين الدين علىٰ هامشه ، البحر المحيط لا بى حيان صفحہ ۲۷۸ ج ۳ والنحر المعادلة ايضاً علىٰ الهامش وغيرها اور ملا جیون حنفی مصنف نور الانوار نے بھی صفحہ ۲۰۹ میں اسی کو ترجیح دی بلکہ انہوں نے تو علماء مراد لیے ہیں چنانچہ صفحہ ۲۱۹ میں لکھا ہے کہ وقيل المراد باولى الامر علماء الشرح فكانه امرا الجاهلية باطاعة العلماء والعلماء باطاعة المجتهدين لقوله تعالىٰ ولو ردوه الى الرسول والىٰ اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم بقوله تعالىٰ فان تنازعتم فى شى لان معناه ان تنازعتم انتم واولوا الامر وليس للمقلد ان ينازع المجتهد فى حكمه الا ان يقال ان معناه ان تنازعتم بينكم او اولى الامر مع اولى الامر اھ. اور بعض مفسروں نے دونوں امراء اور علماء مراد لئے ہیں مثلاً زاد المسير فى كلم التفسير لا بن الجوزى صفحہ ۱۷۔ ۱۱۶ ج ۱۰۔ تفسیر الجواهر الحسان لعبد الرحمن الثعالبى صفحہ ۳۸۴۔۸۵۔ مراح لبيد لمحمد الجاوى صفحہ ۱۵۶ ج ۱۔ الصاوى على الجلالين صفحہ ۲۱۲ ج ۱۔ روح المعانى للآلوسى صفحہ ۵۹ ج ۵، تفسير غرائب القرآن للنيشا بورى صفحہ ۶۹ ج ۵، وسواطع الالهام للفيضى صفحہ ۱۶۴ اور احکام القرآن لابى بكر الجصاص صفحہ ۲۱۰ ج ۲۔ الاحكام القرآن لا بن العربى صفحہ ۴۵۲ ج ۱ اور جنہوں نے اس کو ترجیح دی ہے ان کے لیے دلائل ہیں اول یہ کہ سیاق اور ربط کلام اسی کو چاہتا ہے کیونکہ اس سے پہلی آیت میں حکام کو عدل وانصاف کا حکم اور اس آیت میں رعیت کو ان کی اطاعت کا حکم ہے۔ کشاف للزمخشری صفحہ ۵۲۴ ج ۱۔ میں ہے: "لما امرا لولاة باداء الا مانات

الیٰ اهلها وان یحکموا بالعدل امر الناس ان یطیعو هم وینزلوا علیٰ قضایا هم اھ" اور البحر المحیط صفحہ ۲۶۸ ج ۳ میں ہے ومناسبتها لمّا قبلها انه لما امر الولاة ان یحکموا بالعدل امرا الرعیة بطاعتهم اسی طرح فتح البیان صفحہ ۳۰۲ ج ۲۔ طبع عاصمة مصر اور تفسیر ابو السعود حنفی صفحہ ۹۲۲ ج ۱۔ روح المعانی صفحہ ۵۹ ج ۵ وغیرها میں ہے۔ دلیل دوم یہ کہ شان نزول اسی کو چاہتا ہے بخاری شریف ۶۵۹ ج ۲۔ میں ہے:" باب قوله واولی الامر منکم ذوی الامر حدثنا صدقة بن الفضل قال اخبر نا حجاج بن محمد عن ابن جریج عن یعلیٰ بن مسلم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم قال نزلت فی عبدالله بن حذافة بن قیس ابن عدی اذ بعثه النبی ﷺ فی سریته ." نیز یہ حدیث مسند احمد صفحہ ۳۳۹ ج ۱۔ ابوداؤد صفحہ ۳۴۴ ج ۲۔ منتقی ابن الجارود صفحہ ۳۴۶ تفسیر ابن جریر صفحہ ۴۸۔ ۱۴۷ ج ۵۔ اور اسباب النزول للواحدی صفحہ ۹۱ وغیرہ میں بھی ہے اور سیوطی نے یہی لباب النقول فی اسباب النزول صفحہ ۶۷ میں ذکر کیا ہے۔ دلیل سوم دراصل حکم بھی امراء اور سلاطین کا نافذ ہو سکتا ہے۔ دلیل چہارم صحیح حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے امراء کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور ترغیب دلائی ہے جیسا کہ ابن جریر کے کلام میں گذرا اور اگر مضمون کو دونوں امراء اور علماء کے لیے عام کریں تو بھی یہی ہوگا کہ دونوں شریعت کے موافق جو حکم دیں لیا جائے اور قرآن وسنت کے خلاف دونوں کا حکم نہ مانا جائے حنفی مذہب کا امام ابوبکر الجصاص الرازی احکام القرآن صفحہ ۲۱۰۔ میں فرماتا ہے:" ویجوز ان یکونوا جمیعاً مرادین بالآیة لأن الاسم یتناولهم جمیعاً لان الامراء یلون امر تدبیر الجیوش والسرایا وقتال العدو و العلماء ویلون حفظ الشریعة وما یجوز مما لا یجوز فامر الناس بطاعتهم والقبول منهم ما عدل الامراء والحکام وکان العلماء عدولاً مرضیین موثوقاً بدینهم واما نتهم فیما یؤدون اھ." اسی طرح تفسیر روح المعانی صفحہ ۵۹ ج ۵۔ میں بھی ہے بہر حال آپ کا اہل علم کے لیے اس کو خاص کرنا صحیح نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۷۹: اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کو بلا اعادہ فعل اطیعوا الرسول میں عطف کر کے بتادیا کہ جس طرح خدا اور رسول کے احکام بلا مطالبہ دلیل لازم العمل ہیں ایسے ہی مجتہد کے احکام اجتہادیہ پر بلا مطالبہ دلیل عمل ضروری ہے:

جواب: ...... **اولاً:** ...... یہ آپ کی تاویل باطل اور فاسد ہے اور اگر یہ ہوتا تو پھر الرسول ﷺ کے لیے فعل اطیعوا کے لانے کی کیا ضرورت تھی۔

ثانیاً: ...... بلکہ اللہ اور رسول ﷺ دونوں فعل کا اعادہ بتلاتا ہے کہ ان دونوں کی اطاعت مستقل اور بلا شرط ہے اور اولی الامر پر اس فعل کا نہ لانا یہ کہ بتلانا مقصود ہے کہ ان کی اطاعت مستقل نہیں ہے بلکہ مشروط ہے جیسا کہ پہلے گذرا علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی صفحہ ۵۹ ج ۵۔ میں فرماتے ہیں واعاد الفعل وان کانت طاعة الرسول مقترنة بطاعة الله تعالیٰ اعتنا وبشانه علیه السلام وقطعاً لتوهم انه لا یجب امتثال ما یسفی القرآن وایذانا بان له صلی الله تعالیٰ علیه وسلم استقلالاً بالطاعة لم یثبت لغیره ومن ثم لم یعد فی قوله سبحانه واولی الامر منکم، این انا بانهم لا لاستقلالهم فیها استقلال الرسول ﷺ.

ثالثاً: ...... کچھ قرینے ایسے ہیں جو آپ کی تاویل کو فاسد بناتے ہیں کچھ داخلیہ کچھ خارجیہ پہلا قرینہ ہے فان تنازعتم کیا رسول اور دوسروں میں تنازع ہوسکتا ہے یا اس کو معارضہ یا مقابلہ کہا جاسکتا ہے؟ حاشاوکلا قرینہ دوم: فردوه الی الله والرسول معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت مستقل ہے دوسروں کی نہیں تیسرا قرینہ آپ کے کہنے کے مطابق غیر نبی مجتہدین وغیرہ کی طرف بھی اختلاف کے وقت رجوع کرنے کا حکم ہوتا۔ چوتھا قرینہ بلکہ ان کو خود قرآن وحدیث کی طرف لوٹنے کا حکم ہے جس سے ظاہر ہوا کہ ان کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی طرح نہیں ہے۔ قرینہ پنجم: ذالك خیر و احسن تاویلاً یہ سب ہوسکتا ہے کہ رجوع اس کی طرف کیا جائے جس کی شخصیت متنازعہ فیہا نہ ہو اور انسانوں میں یہ شان صرف رسول اللہ ﷺ کی ہے ورنہ کسی اور کی شخصیت پر بھی لوگ جمع ہوجاتے ہیں الگ چار یا پانچ مذہب نہیں ہوتے اب قرینہ خارجیہ وارد کریں یہ آپ کی انتہائی بے ادبی ہے کہ مجتہدین کو نبی ﷺ کے ہم پلہ قرار دے دیا۔

ثانیاً: ...... اللہ تعالیٰ نے سب کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو کسی دوسرے کی اطاعت کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ ﴿وَ اتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ وَ اصْبِرْ﴾ (یونس: ۱۰۹) ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (الجاثیہ: ۱۸)

ثالثاً: ...... اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے بعد کسی دوسری دلیل کا مطالبہ کرنا ہی کفر ہے کیونکہ یہ مطالبہ اللہ اور رسول پر ایمان کے منافی ہے۔ لیکن غیر نبی ہر ایک سے دلیل کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

رابعاً: ...... اللہ نے اپنی وحی کو دلیل کا نام دیا ہے: ﴿ قد جائکم برهان من ربکم ﴾ (النسآء) لیکن رسول اللہ ﷺ نے وہی بات پسند کی جو اللہ نے نازل کی اور اسکے بعد کسی کی بات بذات خود دلیل نہیں بلکہ

یا تو دلیل کے موافق ہوگی یا مخالف؟

اعتراض نمبر۱۸۰: غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ اولی الامر کی ان باتوں میں اطاعت ضروری ہے جن کو خدا اور رسول سے روایت کرے:

جواب :......اس لیے کہ یہ اتباع روایت کی ہے رائے کی نہیں اور یہی سلف صالحین کا مذہب تھا سنن دارمی (صفحہ۷۰ ج۱) "باب فی کراهیة اخذ الرای میں ہے اخبرنا محمد بن یوسف حدثنا مالك هو ابن مغول قال قال لی الشعبی قال ما حدثوك هٰولآء عن رسول الله ﷺ فخذبه وما قالوا برأیهم فالقهه فی الحش" اوران کی اپنی رائے خطاء وصواب کا مجموعہ ہوتی ہے لہٰذا تحقیق کی ضرورت ہے اور یہ بات تقلید کے میدان سے متعلق ہے۔

اعتراض۱۸۱: الذین یستنبطونه سے صراحتاً ثابت ہے کہ جو احکام انہوں نے استنباط کیے ان میں ان کی اطاعت ضروری ہے:

جواب :......لیکن استنباط کرنے والے مختلف ہیں کیونکہ ان کے قواعد اور اصول ایک دوسرے سے مختلف اور طریقہ استدلال مختلف ہیں ان کے استنباط کیے ہوئے مسائل بھی مختلف ہیں ان میں کس کی پیروی کی جائے کس کا استنباط صحیح سمجھا جائے اور کس کا غلط۔ مقلد بیچارے کی تو یہاں رسائی نہیں۔ پس یہاں غیر مقلد سے ہی مشکل حل ہوسکتا ہے۔ یعنی اپنی تحقیق کرے اور اسکے استنباطات کو اصل یعنی ادلہ شرعیہ سے متقارنہ کرے جو صحیح سمجھے اسے لے لے ورنہ تلاعب بالدین ہوگا مثلاً ہدایہ صفحہ۵۴۰ ج۱۔ میں ہے "ولا فی سرقة المصحف وان کان علیه حلیة وقال الشافعی یقطع لانه مال متقوم حتیٰ یجوز بیعه وعن ابی یوسف وعنه ایضاً انه یقطع اذا بلغت حلیة نصاباً لانها لیست من المصحف فیعتبر بانفرادها ووجه الظاهر ان الأخذ یتأول فی اخذح القراء ة والنظر فیه ولانه لا مالیته له علیٰ اعتبار المکتوب واحرازه لاجله لا للجلد والاوراق والحلیة وانما هی توابع ولا معتبر بالتبع کمن سرق آنیة فیها خمر وقیمة الآنیة تربوا علی النصاب اھ" اسی طرح ہدایہ صفحہ۵۵ ج۳۔ میں ہے "ولا بیع لبن امرأة فی قدح وقال الشافعی یجوز بیعه لانه مشروب طاهر ولنا انه جزء الآدمی وهو بجمیع اجزء الآدمی وهو بجمیع اجزائه مکرم مصون عن الابتذال بالبیع اھ" اور ہدایہ صفحہ۳۸ ج۱ میں ہے: "الماء المستعمل لا بطهر الاحداث خلافاً لمالك والشافعی هما یقولان الطهور ما یطهر غیر مرة بعد اخری کالقطوع اھ" ایسے اور کئی مسائل ہیں جو استنباطی ہیں

منصوص نہیں پس کس کا استنباط لینا لازمی ہوگا اس کے لیے خارج میں کوئی دلیل نہیں سواس کے سواء ﴿فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول﴾ پس ایسی صورت میں اصل قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا تقلید سے یہاں مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔

اعتراض نمبر۱۸۲: اس طرح حدیث معاذ میں اجتھد برایی کے الفاظ نہایت صریح ہیں:

جواب: اولاً:...... پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

ثانیاً:...... یہ معاذ کے لیے خاص تھا تو آپ کا استدلال باطل ہے اور اگر اس کے لیے خاص نہیں عام ہے تو پھر سب کو اسی اجتہاد کا حکم ہے پھر مقلد کون ہوگا؟ بلکہ اجتہاد کا حکم تقلید کے نہیں کو مستلزم ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ فارتفا عهما ممتنع کا جتما عهما.

اعتراض نمبر۱۸۳: ان صریح نصوص کو قیاس سے رد کرنا کارِ شیطان ہے:

جواب:...... یہ روایت علیٰ شرط الصحۃ نہ قیاس میں حجت ہے نہ تقلید میں کیونکہ اس اجتہاد الرائی کا معنیٰ پہلے ذکر کیا گیا کہ اہل علم سے مشورہ یا کتاب وسنت میں دلیل کی تلاش جاری رکھنا نہ کہ اپنی رائے کا استعمال کرنا اور اجتہاد کا لفظ ہی تقلید کو منافی ہے بلکہ آپ ہیں کہ اس روایت کو صحیح مانتے ہیں اور اس میں اجتہاد کا لفظ صریح ہے پھر بھی اپنے قیاس سے تقلید کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کئی مسائل میں آپ ایسے ہی کرتے ہیں مثلاً مصراۃ کی حدیث صحیح ہے صحیحین کی متفق علیہ ہے مگر آپ اس کو نہیں مانتے اور کہتے ہو کہ قیاس کے خلاف ہے چنانچہ نور الانوار صفحہ ۱۴۵ میں ہے: "وان عرف بالعدالة والضبط دون الفقه كانس وابی هريرة ان وافق حديثه القياس عمل به وان خالفه لم يترك الابالضرورة وهی انه لو عمل بالحديث الأنس باب الرای من كل وجه ...... كحديث المصراة ...... وهو ما رواه ابو هريرة ان النبی ﷺ قال لا تصرو الا بل والغنم فمن ابتاعها بعد ذالك فهو بخير النظرين بعد ان يحلبها ان رضيها امسكها وان سخطها ردها وصاعاً من تمر ومعناه ان ابتلی المشتری بهٰذا الاغترار فان رضيها فخير وحسن وان غضبها ردها صاعاً من تمر عوض اللبن الذی اكل فی يوم اول فان هٰذا الحديث مخالف للقياس من كل الوجوه اهـ." اسی طرح توضیح صفحہ ۵ ج ۲۔ علی حاشی التلویح اور حسامی صفحہ ۶۹ میں بھی ہے نیز یہ تو آپ کی بڑی بے ادبی ہے کہ آپ اپنے جلیل القدر صحابی الرسول ﷺ کو غیر فقیہ کہہ دیا یعنی تمہارے فقہاء سے بھی کم تھا لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کو آپ فقیہ مانتے ہیں وہ بھی یہی فتویٰ دیتے ہیں چنانچہ بخاری شریف صفحہ ۲۸۸ ج۱۔ میں روایت ہے: "عن عبدالله بن مسعود قال من اشتری شاة محفلة

فر دھا فلیرد صاعاً من تمرۃ" ایک طرف تو کہتے ہو کہ منصوص مسائل میں نہ اجتہاد کی ضرورت ہے نہ تقلید کی لیکن یہاں صریح حدیث اور صحیح اور منصوص اور غیر معارض موجود ہے مگر چونکہ آپ کے مذہب کے خلاف ہے اس لئے اپنے قیاس کو اس پر مقدم کرتے ہیں اب آپ کی مرضی کہ اس کو کار شیطان کہیں یا کچھ اور کہیں۔

اعتراض نمبر۱۸۴: اور یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ روایت جو غیر اولی الامر کے واجب القبول ہے

جواب :......ابو ہریرہؓ جس کو آپ غیر فقیہ کہتے ہیں اور اولی الامر آپ کے نزدیک اہل الفقہ میں پھر اس کی روایت کیوں نہیں قبول کرتے اور اپنے قیاس کے مقابلہ میں کیوں اس کو ترک کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر۱۸۵: اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کا استعارہ استعمال کر کے یہ بات سمجھا دی کہ مجتہد حاکم ہوتا ہے اور مقلد رعیت ہے اور غیر مقلد باغی کو کہتے ہیں:

جواب :......حاکم کی اطاعت کے لیے شرط ہے کہ قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو یہ بات محقق جان سکتا ہے مقلد کا کام نہیں پس اس کی بات کو دلیل سے رد کرنا بغاوت نہیں بلکہ عین متابعت ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مجتہد حاکم ہے اور رعیت والے دو قسم ہیں ایک محقق دوسرا نابینا اور اندھا۔ "وانھم ما قیل"

لا فرق بین مقلد وبھیمۃ : تنقاد بین جنادل وعاثر (صفحہ ۳۹ بیان العلم جامع وفضلہ)

بلکہ تقلید نہ کرنے والا تو محقق ہے دلائل سے مجتہد کے قول کو ملاتا ہے لیکن مقلد باوجود صریح حدیث وآیت کے بھی اپنے مذہب کو مقدم کرتا ہے لہٰذا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا باغی ہے۔

اعتراض نمبر۱۸۶: استنباط عربی زبان میں کنواں کھود کر پانی نکالنے کو کہتے ہیں۔ الی قولہ اس طرح فقہ کے تمام مسائل کتاب وسنت کے وہ مسطور مسئلہ ہیں جنہیں مجتہد نے اپنے آلات اجتہادیہ سے بیان کر دیا ہے:

جواب :......جس طرح وہ پانی اللہ تعالیٰ کا نکالا ہوا ہے اسی طرح اس پانی کو میٹھا یا کھارا یا کڑوا کرنے والا بھی اللہ ہے اور ان کا پتہ بھی اسی کو ہے کہ یہ جو کنواں کھودا جا رہا ہے اس کا پانی میٹھا ہے یا کڑوا یہ نہ کھودنے والے کو پتہ ہے نہ پینے والے کو لہٰذا وہاں بھی تحقیق کی ضرورت ہے یہاں یہ حسن ظن کام نہیں آسکتا کہ کھودنے والا قابل اور ماہر ہے اس کے کھودنے کے آلات بہتر اور کارگر ہیں بلکہ کھودنے کے بعد جب پانی نکلتا ہے اس کو چکھنا ضروری ہے اگر میٹھا نکلا تو استعمال کریں گے اگر کڑوا ہوا تو سب لوگ اس کو چھوڑ دیں گے خود کھودنے والا بھی اس کو استعمال نہیں کرے گا لیکن اس کو لوگ ملامت نہیں کریں گے بلکہ یہ کہیں گے کہ تمہاری محنت کا اجر تمہیں اللہ دے گا بالکل اسی طرح تو مجتہدین استنباط کرتے ہیں لیکن ان کا صواب یا خطا؟

خبر اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہی جانتا ہے کہ فلاں مجتہد کا مسئلہ فلاں کے بارے میں اجتہاد و استنباط مصیب ہے یا مخطی یہاں بھی صرف حسن عقیدہ کام نہیں آئے گا کہ میرا امام متقی اور پرہیزگار اور علم وفقہ میں کمال درجہ کو پہنچا ہوا ہے لہٰذا اس کا صرف استنباط مؤثر بلکہ پانی چکھنے کی طرح تحقیق طلب ہے اس لیے مسئلہ لینے والوں پر حق ہے کہ وہ کنویں سے نکالے ہوئے پانی کی طرح یہاں بھی تحقیق کریں کہ فلاں مجتہد نے جو استنباط کر کے یہ مسئلہ نکالا ہے وہ صواب یا خطا ہے اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اس مسئلہ کو اس دلیل جس سے استنباط کیا گیا ہے اس سے ملا کر دیکھیں کہ مسئلہ صحیح نکالا ہے یا غلط اور سارا کام غیر مقلدیت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ مقلد بیچارے کو دلیل کی معرفت ہی حاصل نہیں چہ جائیکہ استدلال کے متعلق معلوم کر سکے کہ صحیح یا غلط اور مسلم الثبوت صفحہ ۳ میں ہے: امام المقلد فستندة قول مجتهد لا ظنه ولا ظنه .

الغرض:۔ اس کنویں کی مثال ہی سے تقلید کا بطلان اور اس کی حقارت ظاہر ہوئی کیونکہ کون ایسا بے وقوف ہے صرف کنواں کھودنے والے کی قابلیت کو دیکھ کر بغیر چکھے پی لے اس لیے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

اعتراض نمبر ۱۸۷: ایک مسئلہ بھی اس کی ذاتی رائے سے تعلق نہیں رکھتا:

جواب:...... ذاتی رائے ہو یا نہ ہو مگر یہ ضرور ہے کہ جب استنباط کرنے والے آپس میں اختلاف کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں تو اس صورت میں یقیناً ایک کا فیصلہ صواب اور دوسرے کا خطا ہوگا۔ اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

اعتراض نمبر ۱۸۸: اگر کوئی جاہل کہے کہ کنویں کا پانی پینا بدعت یا شرک ہے کیونکہ اس میں انسان کی محنت شامل ہے تو یہ اس کی بے وقوفی ہے:

جواب:...... اس طرح نہیں بلکہ اگر یہ کہے کہ اس کے میٹھے یا کھارے کرنے میں اس کھودنے والے کو قدرت ہے یا وہ چکھنے سے پہلے جانتا تھا کہ کھارا ہے یا میٹھا ہے تو یہ بلا شک شرک ہے کیونکہ یہ قدرت اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے، اس طرح ائمہ مجتہدین کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا حق کا فیصلہ دینا اُن کے ہاتھ میں ہے یا ان کو یہ یقین ہے کہ جو میں کہتا ہوں اور جو میں نے استنباط کیا ہے وہ بالکل حق ہے کسی تنقید یا تحقیق کی اس میں کوئی گنجائش نہیں تو واقعی یہ شرک فی الرسالۃ ہے کیونکہ ایسا یقین کسی امام نے نہیں کیا اور نہ دلایا بلکہ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ كان اذا افتىٰ يقول هٰذا رأى النعمان بن ثابت۔ يعني ...... وهو أحسن ماخذ ...... عليه فمن جاء بأحسن منه فهو اولىٰ بالصواب ويقول ما من احد

الا وھو ما خوذ من کلامه ومردود علیه الا رسول اللہ ﷺ ....

اعتراض نمبر ۱۸۹: خود کھودنے کو استنباط کہتے ہیں کسی کے کھودے ہوئے کنویں سے چوری کر کے پانی پینا استنباط ہے:

جواب :......تو پھر مقلد چور ہوئے خاص طرح جن کو آپ مجتہد فی المذہب کہتے یں آپ کی فقہ کی معتبر کتاب درمختار میں ہے: وقد قالوا الفقه ذرعه عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فی وسقاه علقمة وحصده ابراهیم النخعی و سائر الناس یأکلون من خبزه اھ الدر المختار مع شرح رد المختار لابن عابدین الشامی صفحہ ۴۹۔۵۰ ج۱۔اب بتائیں کہ فقہ حنفی کے مسائل اجتہادیہ کا استنباط کرنے والا کون ہے؟

اعتراض نمبر ۱۹۰: اگر کسی گاؤں یا علاقہ میں صرف ایک کنواں ہو اور آپ ساری زندگی ایک کنویں کا پانی استعمال کریں تو یہ نہ شرک ہے نہ بدعت ہے نہ حرام ہے:

جواب :...... یہ مثال غلط ہے کیونکہ یہاں آپ صرف ایک امام کے قائل ہیں بلکہ چار امام مانتے ہو پانچواں امام جعفر صادق بھی ہے پس جب ایک امام نہیں تو پھر ایک کو ماننے کی مثال کیسی مثال ہے۔

اعتراض نمبر ۱۹۱ : رسول ﷺ سب سے زیادہ قرآن وسنت کو جانتے تھے آیت ولا تتبعوا من دونه اولیاء اور اتخذوا احبار هم ورهبا نهم اور مشرکین کی تقلید والی ساری آیتیں حضرت معاذ کو پڑھ کر سناتے جو آج کل غیر مقلدین پڑھتے ہیں۔ الخ:

جواب :...... **اولاً**:......الحمدللہ مان لیا کہ یہ آیتیں تقلید کے رد میں ہے اور یہ تو کوئی عقلمند باور نہیں کرے گا کہ مشرکین کے لیے تو تقلید حرام اور ناجائز ہو لیکن مسلمانوں کے لیے حلال اور جائز کیونکہ تقلید اس وقت ہوتی ہے جب کوئی دلیل نہ ہو تقلید چاہے کافر کرے یا مسلمان اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تقلید کو اس لیے رد نہیں کیا کہ وہ کافر تھے بلکہ ان کی بات کو اس لئے رد کیا کہ اس کی کوئی دلیل نہیں اور محض تقلید کے بناء پر ہے۔

ثانیاً:۔اگر روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے (اگر چہ وہ ہرگز صحیح نہیں) تو بھی معاذؓ نے یہ نہیں کہا کہ قرآن و حدیث کے سوا تیسری چیز کو لوں گا یا اللہ اور رسول ﷺ کے تیسرے کی اطاعت کروں گا اور نہ یہ کہا کہ میں کسی پیر یا مولوی کے پیچھے لگوں گا بلکہ اس نے کہا کہ میں اجتہاد کروں گا اجتہاد مقلد نہیں کرسکتا اس لئے آپ (ﷺ) نے یہ آیتیں اس پر چسپاں نہیں کیں لیکن جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی تیسرے کی بلا دلیل پیروی کرتے ہیں یا قرآن وحدیث کے علاوہ کسی کے قول یا رائے کو صحت جانتے ہیں اس پر تو یہ آیتیں چسپاں ہوسکتی ہیں لہٰذا دونوں (معاذؓ اور مقلدین) کا ایک دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۹۲:۔ بلکہ نہایت محبت سے حضرت معاذ کے سینے پر دست مبارک رکھا اور خدا کا شکر ادا کیا

الخ۔

جواب :...... علیٰ تسلیم صحۃ الروایۃ یہ بھی اجتہاد پر خوش ہے نہ کہ تقلید پر کہ آپ تقلید کے پیچھے لگے ہیں۔

اعتراض نمبر۱۹۳: رسول ﷺ کی تابعداری میں ہم مقلدین بھی ایک طرف خدا کا شکر یہ ادا کرتے ہیں کہ خدا نے ائمہ مجتہدین کے ذریعہ ہماری رہنمائی فرمائی:

جواب :...... آپ کی رہنمائی فرمائی یا مجتہدین کی کیونکہ مقلدین کے دلیل کا قرآن وحدیث سے کوئی واسطہ نہیں یہ بھی عجیب بات آپ کے منہ سے نکل گئی کہ لاعلمی کو نعمت سمجھ کر شکر یہ ادا کر رہے ہیں شکر یہ وہ ادا کریں اور نعمت ان کو نصیب ہے جنہوں نے اللہ کی دی ہوئی علمی طاقت کو استعمال کر کے حق کو معلوم کیا اور اندھے کی طرح دوسرے کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیا اللہ نے قرآن نازل کیا اور اس کے واضح کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾ (النحل: ٤٤) اور امت کو سوچنے غور کرنے کا حکم دیا اور سمع وبصر اور دل جیسی نعمتوں کے ہوتے ہوئے بھی خلود الی الارض اختیار کر لے اور کسی اور کے پیچھے لگے جس کی معصومیت عن الخطأ کا اس کو بھی یقین نہیں یہ سرا سر اللہ کی نعمت کو بدلنا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ اور خود سوچو اور ہم کہیں کہ ہم کچھ نہیں جانتے ہم تو فلاں امام کے پیچھے لگیں گے۔ ﴿وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ (البقرة: ٢١١) اور اس سے بڑھ کر اللہ کے ساتھ کیا بغاوت ہوگی کہ ان کے دی ہوئی کتاب اور بھیجے ہوئے رسول کے بجائے دوسرے دروازے کھٹکھٹائے جائیں۔

اعتراض نمبر۱۹۴: اور مجتہدین سے اتنا حسد رکھتا ہے کہ ہر غیر مقلد مستقل خناس ہے جو مجتہدین کے خلاف وسوسہ اندازی کرتا رہتا ہے:

جواب :...... مجتہد وہ ہے جو تقلید نہ کرے اور یہ بات مسلمہ ہے کہ مقلد مجتہد نہیں ہو سکتا پس غیر مقلد مجتہدین سے کیوں حسد کریں گے کیونکہ دونوں کو ایک جیسی نعمت حاصل ہے یعنی اپنی تحقیق اور عدم تقلید لیکن مقلدین حسد کرتے ہیں جو اس تحقیق کی نعمت سے محروم ہیں کیونکہ کوئی بھی آدمی حسد اسی شخص سے کرتا ہے جس کو ایسی نعمت حاصل ہو جس سے وہ محروم ہو اور جب مقلدین تقلید اور اجتہاد کی نعمت سے محروم ہوئے تو پھر مجتہدین سے حسد کرنے کے بغیر اور کوئی ان کے پاس ہتھیار نہیں اور وسوسہ کا بہتان بھی ظاہر ہے کیونکہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی اتباع کرو کیا یہ وسوسہ ڈالنا ہے کیا قرآن وحدیث کی دعوت دینا خناس کا کام ہے سب سے پہلے قرآن وحدیث کو رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا پھر صحابہ نے پیش کیا اور وہ سب اہل

حدیث تھے جیسا کہ آپ کے بزرگ مولوی محمد ادریس کاندھلوی نے رسالہ اجتہاد وتقلید صفحہ ۴۸ لکھا ہے، کیا اس پر بھی یہی فتویٰ لگاؤ گے۔

ناوک نے تیرے صید چھوڑا نہ زمانہ میں
تڑپے ہیں قبلہ آشیانہ میں

خناسوں کا تو یہ کام ہے کہ باوجود قرآن وحدیث کے کہ ان میں مسائل واضح موجود ہیں پھر عوام کالانعام کو کہیں کہ ہمارے امام صاحب حدیث اور قرآن کے ماہر تھے اور سمندر سے موتی نکالنے والے تھے اس لئے انہوں نے حدیثوں کو نہیں لیا تو ضرور ان احادیث میں کوئی دولا ہوگا یا مجروح یا ضعیف ہوں گی یا منسوخ یا مرجوح ہوں گی یا اس کے معارض کوئی اور زیادہ صحیح حدیث امام کو ملی ہوگی آخر اتنا بڑا امام جو یوں کہتا ہے اس نے بھی کہیں تو دیکھا ہوگا وہ ایسے ہی بلادلیل تو نہیں کہے گا یہ ہیں وساوس جو خناس پیش کرتے ہیں ﴿وان الشیاطین لیوحون الی اولیاء هم لیجادلوکم﴾ (الانعام)

کیا یمن میں نبی ﷺ کی اجازت سے معاذ کی تقلید شخص ہوتی رہی

اعتراض نمبر ۱۹۵: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پورے صوبہ یمن میں حضور کی اجازت سے معاذؓ کی تقلید شخصی ہوتی رہی:

جواب:...... یہ اجازت کسی حدیث میں مذکور ہے خدا سے ڈرو جھوٹ نہ بولو اول تو یہ حدیث ہی صحیح نہیں اور اگر صحیح ہے تو بھی آپ نے اس کو اجتہاد کی اجازت دی اور یہ کہاں ہے کہ یمن والوں پر ان کے اجتہاد کی تابعداری فرض کر دی، کیا المجتهد قد یخطی ویصیب سب فقہاء کے نزدیک مسلم نہیں؟ جب مجتہد کے اجتہاد میں خطا کا احتمال بھی رہتا ہے تو پھر سامعین پر تحقیق لازم ہوگی اس غلط فیصلہ لینے سے وارد ہے صحیح بخاری صفحہ ۱۰۵۷۔۵۸ ج۲۔ باب سمع والطاعة للامام مالم تکن معصیة کتاب الاحکام میں ہے "حدثنا عمر بن حفص بن غیاث قال حدثنا ابی قال حدثنا الاعمش قال حدثنا سعد بن عبیدة عن ابی عبدالرحمن عن علی قال بعث النبی ﷺ سریة وامر علیهم رجلاً من الانصار وامرهم ان یطیعوه فغضب علیهم وقال الیس قد امر النبی صلی الله علیه وسلم ان تطیعونی قالوا بلیٰ قال عزمت علیکم لما جمعتم حطباً و اوقد تم ناراً ثم دخلتم فیها فجمعوا حطباً فاوقدوا فلما هموا بالدخول فقام ینظر بعضهم الی بعض فقال بعضهم انما تبعنا النبی ﷺ فراراً من النار فند خلها فبیناهم کذالك

اذ خمدت النار وسكن غضبه فذكر للنبى ﷺ فقال لو دخلوها ما خرجوا منها ابداً انما الطاعة فى المعروف ."

اب دونوں حدیثوں کا مقابلہ کریں یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور آپ کا شیخ المحدثین والمفسرین مولوی ادریس کاندھلوی رسالہ اجتہاد وتقلید صفحہ ۹۹ میں فرماتا ہے "صحیح بخاری جس کے اصح الکتب بعد کتاب ہونے پر اجماع ہے" اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی حنفی سے مشکوۃ کے مقدمہ میں بھی فرمایا ہے اور آپ کی پیش کردہ حدیث معاذ ضعیف ہے جیسا کہ ائمہ حدیث بخاری وغیرہ سے گذرا اور معاذ کی روایت میں یہ کوئی بیان نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یمنیوں کو حکم دیا ہو کہ معاذ جو بھی حکم دے اس میں اس کی اطاعت کرو چاہے اجتہادی مسئلہ ہو اور خطا وصواب کی تم کو خبر بھی نہ ہو ایسا کوئی بیان نہیں لہذا یہ روایت باوجود ضعیف ہونے کے آپ کے مدعی پر قطعاً دلالت نہیں کرتی۔

ثانیاً :......صحیح بخاری کی حدیث اس معاملہ میں بالکل ناطق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جماعت کو حکم دیا کہ اس امیر کی اطاعت کریں اور کسی بات کی استثناء نہیں کہ فلاں حکم میں اطاعت کرنا فلاں میں نہیں۔

ثالثاً:......پھر ایسا امام جس کو خود رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا ہو اور اس کی اطاعت کے لیے بھی حکم دیا ہو اس سے بھی غلط حکم صادر ہو گیا ثابت ہوا کہ غیر نبی خواہ کوئی بھی ہو اس سے اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے اور یہ امیر کوئی معمولی آدمی نہیں تھا بلکہ عبداللہ بن حذافہ ا لسہمی بدری صحابی تھا جیسا کہ امام بخاری نے کتاب المغازی میں اس روایت پر یہ باب رکھا ہے باب سرية عبدالله بن حذافه وعلقمه بن مجزز المدلجى ويقال انه سرية الانصارى اور فتح الباری صفحہ ۵۸ میں بحوالہ مسند احمد، ابن ماجہ ابن خزاعہ، ابن حبان اور حاکم کے حدیث مذکور ہے کہ "وامر عليه عبد الله بن حذافة السهمى وكان من اصحاب بدر اھ" اور اہل بدر کی اعلیٰ شان سب مسلمانوں کو معلوم ہے پس ثابت ہوا کہ ایسا جلیل القدر مجتہد بھی خطا کر سکتا ہے۔

رابعاً:......اور یقیناً اس کا یہ حکم استنباطی تھا منصوص نہیں تھا۔

خامساً :......ان کا حکم سامعین نے نہیں مانا بلکہ تامل کیا بلکہ اس کے اس استنباطی حکم کے مقابلہ میں اپنا استنباط کیا کہ آگ سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لگے ہیں یعنی پھر اس کا یہ حکم کیسے مانیں تو کیا یمنیوں سے اس کے سوا کوئی اور گمان کیا جا سکتا ہے؟ اور اس کو غیر مقلدیت کہتے ہیں۔

سادساً :......خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے فیصلہ کے غلط کہا جو اول دلیل ہے کہ مجتہد کا فیصلہ خطا ہو سکتا ہے۔

سابعاً:...... پھر تنبیہ فرمائی کہ اگر اس کی اطاعت کرتے تو آگ ہی میں رہتے، یہ ہے غیر تحقیق کے کسی کی بات ماننے کا نتیجہ تو کیا یمنیوں کو ایسی خطرناک بات کا حکم تھا؟ حاشا و کلا

ثامناً:...... پھر آپ ﷺ نے عام اور قطعی فیصلہ بتلایا کہ اطاعت صرف ان باتوں میں ہوسکتی ہے جو جانی پہچانی ہوں اور ظاہر ہے کہ جانا پہچانا وہ مسئلہ ہے جو منصوص ہو۔

تاسعاً:...... اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ غیر جانا پہچانا مسئلہ جس کو آپ اجتہادی یا استنباطی کہتے ہیں اس میں کسی کی اطاعت نہیں بلکہ وہاں تحقیق ہوگی جو حق ہوگا وہ لیا جائے گا دوسرا نہیں۔ وھو العاشر

پس اس صحیح روایت نے چند فیصلے کر دیے اول یہ کہ وہ معاذؓ والی روایت خود صحیح نہیں دوم یہ کہ اگر صحیح ہے تو بھی ان لوگوں کو ان کی ہر بات کا پابند نہیں کیا۔ سوم آپ کا یہ کہنا جھوٹ ہوا کہ یمنیوں کو معاذؓ کی تقلید شخصی کا حکم ہوا بلکہ معاذؓ خود تقلید شخصی سے منع فرماتے تھے۔ کما فی الأحکام لابن حزم.

کیا تقلید چوتھی صدی کی بدعت ہے؟

اعتراض نمبر ۱۹۶: غیر مقلد دن رات جھوٹ بولتے ہیں کہ تقلید شخصی چوتھی صدی کی بدعت ہے:

جواب:...... یہ آپ کے شاہ ولی اللہ نے بھی کہا ہے چنانچہ الانصاف صفحہ ۲۸ میں فرماتے ہیں۔ "اعلم ان الناس کانوا فی المأۃ الاولیٰ والثانیۃ غیر مجتمعین علی التقلید لمذھب واحد بعینہ اھ" اور حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۱۵۲ ج ۱۔ میں لکھتے ہیں "ثم بعد ھٰذہ القرون کان ناس آخرون ذھبوا یمیناً و شمالا وحدث منھم امور منھا الجدل والخلاف فی علم الفقہ الخ" پھر فرماتے ہیں: ومنھا انھم الطمأنوا بالتقلید ورب التقلید فی صدورھم دبیب النمل وھم لا یشعرون اھ ثابت ہوا کہ چوتھی صدی کے بعد جو دوسرے ناخلف لوگ آئے ان میں غیر شعوری طرح تقلید شروع ہوئی اور آپ کا حنفی بھائی مولوی فقیر محمد جہلمی حدائق الحنفیہ صفحہ ۱۵ میں لکھتا ہے کہ تیسری یا چوتھی صدی میں چاروں ائمہ کے مذاہب مقرر ہوگئے۔

اعتراض نمبر ۱۹۷: سارے غیر مقلد اکٹھے ہوکر صوبہ یمن سے ایک غیر مقلد کا نام پیش نہیں کرسکتے جس نے اٹھ کر معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا ہو کہ حضرت آپ قرآن حدیث سے مسئلہ بتائیں تو میں مان لوں گا لیکن اپنے اجتہاد سے بتائیں گے تو میں نہیں مانوں گا:

جواب: اولاً:...... پہلے آپ یہ ثابت کریں کہ انہوں نے قرآن وحدیث کی نص کے سواء کوئی اپنے استنباط سے فیصلہ دیا تھا جب تک ثابت نہیں کرسکتے آپ کو اس قسم کے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں۔

ثانیاً: ...... جب ہم نے نظیر پیش کر دی کہ ایک صحابی رسول جس کو خود رسول اللہ ﷺ نے امیر مقرر کیا اور اس کی اطاعت کا حکم دیا اس کے باوجود بھی سامعین نے ایک مسئلہ جو کہ قرآن وحدیث کی نص نہیں تھا اس میں اطاعت کرنے میں تامل برت رہے تھے جس سے ثابت ہو گیا کہ اس وقت لوگوں کا یہی طریقہ کار تھا۔

ثالثاً: ...... جب ثابت ہو گیا کہ مجتہد کا اجتہاد خطا سے معصوم نہیں تو پھر اس قسم کا سوال ہی نہیں رہا اس طرح صحیح بخاری میں ایک اور مثال موجود ہے حدثنی محمود قال حدثنا عبدالرزاق قال اخبر نا معمرح وحدثنی نعیم قال اخبرنا عبدالله قال اخبرنا معمر عن الزهری عن سالم عن ابیه قال بعث النبی ﷺ خالد بن الولید الی بنی حذیفة فدعاهم الی الاسلام فلم یحسنوا ان یقولوا اسلمنا فجعلوا یقولون صبأنا صبأنا فجعل خالد یقتل ویاسر ودفع الی کل رجل منا اسیره حتیٰ اذا کان یوم امر خالد ان یقتل کل رجل منا اسیره فقلت والله لا اقتل اسیری ولا یقتل رجل من اصحابی اسیرة حتیٰ قدمنا وعلی النبی ﷺ فذکرناه له فرفع النبی ﷺ یده فقال اللهم انی ابرأ الیك مما صنع خالد مرتین (بخاری صفحہ ۶۲۲ ج ۲) اور خالد بن ولید کوئی معمولی ہستی نہیں آپ ﷺ نے اس کی شان میں فرمایا کہ سیف من سیوف الله (بخاری صفحہ ۵۳۱ ج ۱) ثابت ہوا کہ خطا سے کوئی معصوم نہیں بلکہ خود معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عشاء کی نماز میں سورۃ بقرہ پڑھی تو ایک شخص نماز چھوڑ کر اکیلا نماز پڑھ کر چلا گیا تو اس کو معاذؓ نے کہا نافقت یا فلاں بھی تو منافق ہو گیا اس پر معاذؓ کو رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ "یا معاذ افتان انت." (مشکوۃ صفحہ ۷۹)

یہ سب قرائن بتلاتے ہیں کہ اس وقت کے لوگ کسی کو معصوم نہیں سمجھتے تھے بلکہ جس شخص نے معاذؓ سے علیحدگی کی آپ ﷺ نے اس کو غلطی نہیں کہا نہ تنبیہ فرمائی اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے معاذؓ کو اس حیثیت سے نہیں بھیجا تھا کہ اہل یمن اس کی ہر بات استنباطی خواہ اجتہادی کی بلا چوں وچرا اطاعت کریں، پس آپ کا سوال غلط ہے بلکہ آپ پر ہی سوال وارد ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک واقعہ پیش کریں کہ معاذؓ نے کوئی فیصلہ دیا ہو جس میں اس کی دلیل نہ قرآن ہو نہ حدیث بلکہ محض اس کا اجتہاد واستنباط ہو اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا ہو بلکہ بلا چوں وچرا قبول کر لیا ہو ایسے ثبوت کے بغیر آپ کی یہ دلیل ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ ناقص بھی رہے گی کیونکہ آپ کی یہ دلیل منصوص نہیں بلکہ کچھ مقدمات ملانے سے مثلاً یہ روایت اگر صحیح تسلیم کی جائے دوم۔ معاذؓ نے ایسے فیصلے بھی کئے تھے جو اجتھادی تھے منصوص نہ تھے۔ سوم کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا ہو پہلا مقدمہ آپ کی روایت سے قطع نظر اس سے کہ صحیح ہے یا نہیں باقی دوسرا مقدمہ اور

تیسرا مقدمہ ان دونوں کا کوئی ثبوت نہیں لہٰذا دلیل ناقص ہے اور تقریر تام نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۹۸: ایسا شخص پیش نہیں کر سکتے جس نے یہ بات کہی ہو کہ جب حضرت آپ اگر قرآن و حدیث سے مسئلہ پیش کریں گے تو سب مانوں گا لیکن اجتہادی مسئلہ کی باری آئے گی تو میں کبھی آپ کا قول مانوں گا کبھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا:

جواب: ...... یہ بھی وہی مسئلہ ہے جو بار بار ہو چکا ہے پہلے آپ وہ مسئلے پیش کریں جو سیدنا معاذؓ نے اپنے اجتہاد سے پیش کیے ان کی تعداد کتنی ہے، پھر ایسی باتیں کریں جب ایسی بات کا کوئی ذکر ہی نہیں تو پھر اپنا مفروضہ بنا کر سوال بنانا نہ علمی کمال ہے نہ خلق خدا کی نصیحت اور خیر خواہی۔

اعتراض نمبر ۱۹۹: جس طرح یمن والوں کے لیے حضرت معاذ کا مسلک ہی آسانی سے دستیاب تھا اگرچہ مدینہ میں اور کئی مجتہد موجود تھے لیکن یمن والے صرف حضرت معاذ کی تقلید کرتے تھے اس لیے پاک و ہند میں صرف مذہب حنفی متواتر پہنچا ہے اگرچہ دوسرے مذاہب دوسرے ممالک میں ہوئے لیکن ہمارے ملک میں صرف امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے:

جواب: ...... **اولاً:** ...... اسی حدیث کو بار بار گھما پھرا کر بیان کر رہے ہیں جس کا ضعیف اور غیر ثابت ہونا بیان ہو چکا ہے اور جو عمارت اس پر کھڑی کرتے ہیں وہ تیار ہونے سے پہلے اڑ جاتی ہے۔

ثانیاً: ...... پاک و ہند میں تواتر سے امام ابوحنیفہ کا مذہب پہنچا یہ بات ثبوت کی محتاج ہے کیونکہ تواتر سماع یا حس پر موقوف ہے امام صاحب کی اپنی کتاب تو ہے ہی نہیں نقل کرنے والے شاگرد نقل میں اختلاف کرتے ہیں تو ایسے نقل کو متواتر نہیں بلکہ مضطرب کہتے ہیں۔ اور جو فقہی کتابیں ہیں وہ امام صاحب کے بعد کئی صدیاں بعد میں لکھی گئی ہیں تو تواتر کا دعویٰ صحیح نہیں ہوا۔

ثالثاً: ...... اس ہند کے علاقے میں پہلے تو مذہب اہل حدیث تھا جیسا کہ شروع میں تفصیل سے بیان کیا گیا اور امام ابن حزم اور بشاری مقدسی وغیرہما کی عبارتیں حنفیت تو بعد میں اس ملک میں پھیلنے لگی جبکہ علم کے انحطاط کا دور ہوا اور قرآن و حدیث کی طرف توجہ کم ہوئی اس لئے تو جب شاہ ولی اللہ نے ہندستان میں قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ لکھا تو مولویوں نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا (تراجم علماء ہند صفحہ ۴۰ ج ۱) اور علامہ شیخ معین ٹھٹوی نے دراسات اللبیب صفحہ ۴ میں لکھا ہے سندھ و ہند کے شہر......

اس طرح بعد میں آہستہ آہستہ لوگ قرآن و حدیث سے پھر واقف ہوئے تو پھر آپ کی حنفیت کا تواتر کہاں

رہا بلکہ تواتر تو قرآن وحدیث کو حاصل ہے جو کہ اہل حدیث کا مذہب ہے قرآن کریم کی کئی سندیں ہیں جو ہم سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہیں اور احادیث کی کتابوں میں بھی محدثین اپنی سندیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتے ہیں اور ان کتابوں تک ہم سے سندیں پہنچتی ہیں کئی لوگوں نے اسانید پر کتابیں لکھی ہیں مثلاً امام ابوبکر محمد بن الخیر الاشبیلی کی فہرست اتحاف الاکابر شوکانی کی الامم لایقاظ الھمم. مروزی کی الامداد بمعرفة علم الاسانید ، شیخ عبداللہ بن سالم البصری کی قطف الثمر علامہ صالح فلانی کی الارشاد الیٰ مھمات الاسناد شاہ ولی اللہ کی المنھل الروی الرائق شیخ محمد بن علی سنوسی کی جناح النجاح ابراہیم کورائی کی حصر الشاد شیخ محمد عابد سندھی کی وغیرھا جن میں سب کتابوں کی اسانید موجود ہیں شاہ ولی اللہ صفحہ ۱۳۴ج ا۔ میں فرماتے ہیں: " اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علیٰ ان جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانھما متواتران الی مصنفیھما وانه کل من یھون امرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین وان شئت الحق الصراح فقسھما بکتاب ابن ابی شیبه وکتاب الطحاوی ومسند الخوارزمی وغیر ھما تجد بینھا وبینھما بعد المشرقین . "

پس صحیح تواتر سے اہل حدیث کا مذہب چلا آ رہا ہے مگر حنفیوں کے مذہب کے کوئی سند نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۲۰۰: عن ابن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ نضر الله عبداً:

جواب:...... پوری حدیث یوں ہے نضر الله عبداً سمع مناحدیثا فحفظه حتیٰ یبلغه غیره فرب حامل فقه الی من ھوافقه منه ورب حامل فقه لیس بفقیه اخرجه الترمذی من حدیث زید بن ثابت وفی لفظ نضر الله امرا سمع منا شیئا فبلغه کما سمعه فرب مبلغ اوعی من سامع اخرجه احمه والترمذی وابن حبان (الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ ۱۸۷ ج ا) اور اس حدیث میں تو حدیث ہی کو فقہ کہا گیا ہے پھر آپ کی فقہ کہاں گئی بلکہ آپ کی فقہیں اصل فقہ کیلئے بناوٹی حیثیت رکھتی ہیں پس اہل الحدیث (حدیث والے) بھی اہل الفقه (فقہ والے ہیں) اور امام سیوطی اس روایت لانے کے بعد فرماتے ہیں: قال الشافعی فلما ندب رسوؔل الله ﷺ الی استماع مقالته وحفظھا واداٰئھا علیٰ انه لا یومران یؤدی عنه الاما تقوم به الحجة علیٰ من ادی الیه لانه انما یودی عنه حلال یؤتی وحرام یجتنب وحد یقام ومال یوخذ ویعطی ونصیحة فی دین ودنیا (مفتاح الجنۃ صفحہ ۵)

اعتراض نمبر ۲۰۱: اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ میں سے ایک جماعت کو تفقہ فی الدین کے اصول کا حکم دیا:

جواب:...... یہ حکم سب کو تھا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عام حکم فرمایا کہ تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن سمع منکم (ابوداؤد صفحہ ۵۱۵ باب فضل نشر العلم من کتاب العلم) پس سب کو حکم ہے کہ سب استطاعت دین کو سیکھیں یہ آپ کی جرات ہے کہ بعض صحابہ کو فقیہ اور بعض کو غیر فقیہ کہتے ہیں جیسا کہ حسامی صفحہ ۷۹۔ اور نور الانوار صفحہ ۱۷۹۔ میں ابو ہریرہ اور انس رضی اللہ عنہم کو غیر فقیہ کہا ہے اور شامی صفحہ ۵۶ ج ۱ مطبع مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر میں ہے واما سلمان الفارسی فهو وان کان افضل من ابی حنیفة من حیث الصحبة فلم یکن فی العلم والا جتهاد ونشر الدین وتدوین احکامه کابی حنیفة بعض صحابہ کو مجہول تک کہہ دیا چنانچہ حسامی صفحہ ۶۹ میں ہے "وان کان الراوی مجهولاً لا یعرف الا بحدیث رواه او بحدیثین مثل وابصة بن معبد الجهنی ومسلمة بن المحبق" اور توضیح علیٰ ہامش التلویح صفحہ ۶ ج ۲ میں ہے واما المجهولٰ کحدیث فاطمة بنت قیس. اور حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۲۳۲ میں ہے ان علیا لم یکن من اهل الاجتهاد یعنی معاذ اللہ آپ کے چاراماموں میں سے بھی علم میں کم ہوا؟

اعتراض نمبر ۲۰۲: رسول اللہ ﷺ نے محدث کے لیے دعا فرمائی کہ خدا اسے تر وتازہ رکھے:

جواب:۔ پس اہل حدیثوں کے لیے اتنا ہی فخر کافی ہے؟ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں بلکہ پورے صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں آپ کے فقہاء کا وجود نہیں تھا تو پھر آپ (ﷺ) کس فقہ کا ذکر رہے ہیں وہی جس کو صحابہ نے آپ سے سنا اس کو حدیث بھی کہتے ہیں پس یہ تو اہل حدیثوں ہی کا ذکر ہے۔

اعتراض نمبر ۲۰۳: لیکن دعا میں شرط ہے محدث حدیث کو فقیہ سے سمجھے:

جواب:...... یہ حدیث کے کس جملہ کا ترجمہ ہے اپنی طرف سے حدیث میں الفاظ مت بڑھایئے۔ محدثین بذات خود فقیہ اہل الرامی کی فقہ سے ان کو اللہ نے مستغنی فرمایا ہے امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۶۳ تا ۸۵۔ اس کے متعلق ایک عنوان مقرر فرمایا ہے: "النوع العشرون من هٰذا العلم بعد معرفة ما قد منا ذکره من صحة الحدیث اتقانا ومعرفة لا تقلیداً وظناً معرفة فقه الحدیث اذهو ثمرة هٰذه العلوم وبه قوام الشریعة فاما فقهاء الاسلام اصحاب القیاس والرای والاستنباط والجدل والنظر فمعروفون فی کل عصر واهل کل بلد ونحن ذاکرون

بمشیة اللہ فی ھٰذہ الموضع فقه الحدیث عن اهله یستدل بذالك علیٰ انا اهل الصنعة من تبحر لا یجهل فقه الحدیث اذ هو نوع من انواع العلم فممن اشرنا الیه من اهل الحدیث محمد بن مسلم الزهری" اس طرح نام گناتے ہیں یحییٰ بن سعید الانصاری، عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی، سفیان بن عیینہ الهلالی عبداللہ بن مبارک الحنظلی، یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی یحییٰ بن یحییٰ التمیمی، احمد بن محمد بن حنبل، علی بن عبداللہ بن جعفر المدینی، یحیی بن معین صاحب الجرح والتعدیل اسحاق بن ابراہیم الحنظلی (ابن راہویہ) محمد بن یحییٰ الذہلی، محمد بن اسماعیل بخاری، ابو زرعہ عبید اللہ عبدالکریم الرازی، ابو حاتم محمد بن ادریس الحنظلی، ابراہیم بن اسحاق الھرلی البغدادی، مسلم بن الحجاج القشیر ی؟ ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم العبدی عثمان سعید الدارمی ابوعبداللہ محمد بن نصر المروزی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی، ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: قد اختصرت فی ھٰذا الباب وترکت اسامی جماعة من ائمتنا کان من وقهم ان اذ کرهم فی ھٰذا الموضع فمنهم ابو دائود السجستانی ومحمد بن عبدالوهاب العبدی، وابو بکر الجارودی وابراهیم بن ابی طالب وابو عیسیٰ ترمذی وموسیٰ بن هارون البزار، والحسن بن علی القعمری وعلی بن حسین ابن الجنید ومحمد بن مسلم بن وردة ومحمد بن عقیل البلخی وغیر هم ومشائخنا رحمہم اللہ ...... میں ہے کہ رب حامل فقه الی من هو افقه منه اور رب حامل فقه لیس بفقیه پس یہ آپ کی مذکورہ شرط کی خلاف ہے۔

اعتراض نمبر ۲۰۴: آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں حدیث کو فقہ فرمایا کیونکہ حدیث سے اصل مقصود فقہ ہے:

جواب:...... یعنی احادیث سے مسائل سمجھنا یہی مسلک اہل حدیث ہے باقی آپ کی بعد کی بنائی ہوئی جو فقہ ہے اب اس کی کیا ضرورت ہے۔

اعتراض نمبر ۲۰۵: اور حدیث کے بارے میں دو قسم کے لوگ ذکر فرمائے...الخ:

جواب:...... بالکل نہیں، نوع ایک ہی بتلائی جو حدیث کے حامل اور محمول بھی ہیں اور فقیہ اور مجتہد بھی ہیں یہ اور بات ہے کہ تفقہ میں بعض بعض سے اولیٰ واقدم وافقہ ہوں۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

اعتراض نمبر ۲۰۶: ظاہر ہے کہ یہ خطاب حضور ﷺ نے صحابہ کو فرمایا اور صحابہ صاحب زبان تھے حدیث کا ترجمہ ہم سے زیادہ سمجھتے تھے ....الخ:

جواب:...... جب صحابہ اہل لسان تھے اور انھوں نے وحی کے نزول کا مشاہدہ بھی کیا اور رسول اللہ ﷺ

سے براہ راست احکام سنے اور قرآن وحدیث پر عمل کا طریقہ سیکھا، پھر ان کے برابر دوسرا کونسا فقیہ ہوسکتا ہے صحابہ کا علم صرف ترجمہ تک نہیں تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت اور تربیت اور پھر عمل کا طریقہ ان کے سامنے ایک حکم کا نفاذ ہوتا رہا لہٰذا ان کے حق میں یہ کہنا کہ صرف اہل زبان تھے انتہائی بے ادبی اور ان کے شان میں گستاخی ہے اگرچہ یہ بات بھی مشاہدہ میں ہے کئی لوگ جو اہل زبان بھی نہیں ہیں لیکن پھر بھی قرآن اور صحاح ستہ بالخصوص بخاری ومسلم کے تراجم دیکھ کر اپنی زندگی اچھی طرح گذار رہے ہیں آپ کی فقہ کی ان کو ضرورت نہیں۔

کیا فقہ تفہیم دین کے لیے واجب ہے؟

اعتراض نمبر ۲۰۷: لیکن فقہ وہ خاص ملکہ ہے جس سے فقیہ کتاب وسنت کی تہ کے موتی نکال کر سامنے رکھ دیتا ہے:

جواب:...... یعنی وہ موتی جن کی کچھ مثالیں پہلے گذر چکی ہیں اور سنیں شامی صفحہ ۱۰۳ ج ۲ میں ہے ویجوز یستمنی بیدزوجتہ وخادمتہ خدارا انصاف کرو کہ یہ موتی کون سی آیت یا حدیث سے نکلے ہوئے ہیں؟ فقہ کے پرستار جب بیوی اس کی موجود ہے تو پھر ایسی رذیل بات اس کو کیوں بتلاتے ہو اور ذرا یہ تو بتاؤ کہ بیوی کو جو چاہو سمجھو لیکن خادمہ جو محرم نہیں اس سے یہ حرکت کروانا کیا معاذ اللہ اس کو بھی قرآن وحدیث کا موتی کہو گے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان ان رذائل اور بیہودہ مسائل جن کو آپ فقہ کا نام دے رہے ہیں سے بہت اعلیٰ وارفع ہے ان کی فقہ یہ تھی کہ قرآن وحدیث کو سنا اور اس پر عمل کیا جائے۔

امام زمخشری کے نزدیک فقہ کا معنی

اعتراض نمبر ۲۰۸: علامہ زمخشری فقہ کا معنیٰ لکھتے ہیں الشق والفتح:

جواب:...... زمخشری کی پوری عبارت اس طرح ہے: والفقه حقيقة الشق و الفتح والفقيه العالم الذی يشق الاحكام ويفتش عن حقائقها ويفتح ما استغلق منها (الفائق صفحہ ۱۴۴ ج ۲ طبع دکن) اور اساس البلاغہ للزمخشری صفحہ ۳۷۴ میں ہے "عليك بالفقه ای بالفهم ولا فطنه" پس یہ صفات سب سے پہلے صحابہ کی ہیں اس کے بعد یہ شان محدثین کی ہے کہ ان کے ابواب اس پر بین دلیل ہے۔ سنن سعید بن منصور، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، صحیح بخاری، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، دارمی، ابن خزیمہ، ابن حبان، بیہقی وغیرہ کے ابواب کو دیکھیں کہ کس طرح احکام ومسائل ظاہر کرتے ہیں۔

اوران کی حقیقت کھولتے ہیں شاہ ولی اللہ شرح تراجم ابواب صحیح بخاری صفحہ ۳۶ میں فرماتے ہیں: "اول ما صنف اهل الحديث فى علم الحديث جعلوه مدونا فى اربعة فنون فن السنة اعنى الذى يقال له الفقه مثل موطا مالك وجامع سفيان وفن التفسير مثل كتاب ابن جرير وفن التفسير مثل كتاب محمد بن اسحق وفن الزهد والرقاق مثل كتاب ابن المبارك فاراد البخارىؒ ان يجمع الفنون الاربعة فى كتاب ويجرده لما حكم له العلماء بالصحة قبل البخارى وفى زمانه ويجرده للحديث المرفوع المسند ومافيه من الآثار وغيرها انما جاء به تبعاً لا بالاصالة ولهذا سمىٰ كتابه بالجامع الصحيح المسند وارد ايضاً ان يفرغ جهده فى الا ستنباط من حديث رسول الله ﷺ ومستنبط من كل حديث مسائل كثيره جداً وهذا امر لم يسقه اليه غيره غير انه استحسن ان يفرق الاحاديث فى الابواب ويودع فى تراجم الابواب سر الاستنباط." خود آپ کے علامہ زمخشری جو مشہور حنفی عالم ہیں وہ تقلید کے بارے میں کیا فیصلہ دیتے ہیں وہ اپنی مشہور کتاب اطواق الذہب صفحہ ۴۴ میں فرماتے ہیں: "ان كان لضلال اُمٌّ فالتقليد امه قلد الله حبل من مسد من يقصد ويؤمه."

اعتراض نمبر ۲۰۹: اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ میں ایک مختصر سی جماعت فقہاء کی تھی باقی صحابہ فقہاء کے فتویٰ پر اعتماد کرتے عمل کرتے اس کی تقلید کرتے:

جواب:...... اولاً:...... ثابت ہوا کہ صحابہ فقیہ تھے بلکہ افقہ الامۃ تھے۔ پس آپ کا کہنا غلط ہوا۔

ثانیاً: شاہ ولی اللہ "الانصاف" کے شروع میں ایک باب مقرر کرتے ہیں باب اسباب اختلاف الصحابة والتابعين فى الفروع پھر اس باب کے تحت صحابہ کا اختلاف بیان کرتے ہیں: وقع الاختلاف بينهم علىٰ ضروب منها ان صحابيا سمع حكمها فى قضية او فتوىٰ ولم يسمعه الاخر فاجتهد برايه فى ذالك وهٰذا علىٰ وجوه: احدها أن يقع اجتهاده موافق الحديث مثاله ما رواه النسائى وغيره ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ سئل عن امراة مات عنها زوجها ولم يفرض لها فقال لم ار رسول الله صلى الله عليه وسلم يقضى فى ذالك فاختلفوا عليه شهراً والحوا فاجتهد برأيه وقضىٰ بان لها مهر نسائها ولا وكس ولا شطط وعليها العدة ولها الميراث فقام معقل بن يسار فشهد بانه صلى الله عليه و سلم قضىٰ بمثل ذالك فى امراة منهم ففرح بذالك ابن مسعود فرحة لم يفرح مثلها قد

بعد الاسلام وثانيهما: ان يقع بينهما المناظره ويظهر الحديث بالوجه الذي يقع به غالب الظن فيروى عن اجتهاده إلى السموع۔ ثابت ہوا کہ سب صحابہ مجتہد تھے کوئی کسی کا مقلد نہیں تھا۔

ثالثاً:......ان کے زمانہ میں تقلید ہے ہی نہیں تھی بلکہ بعد کی پیداوار ہے جیسا اوپر گزرا۔

اعتراض نمبر ۲۱۰: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول پاک ﷺ کی دعا کا مستحق صرف وہی ہے جو فقہاء کی تقلید کرے:

جواب:......اولاً:...... یہ ساری بات جس بناء پر تھی وہ گر گئی پس یہ بات ختم ہوئی۔

ثانیاً:...... یہ آپ کی اپنی ایجاد ہے حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے کیونکہ حدیث میں دعا ان لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا وہ مختصر جماعت نہیں تھی بلکہ بے شمار صحابہ سننے والے تھے۔

ثالثاً:...... یہ رسول اللہ ﷺ کی دعا مبارک عام ہے سب اہل حدیثوں کو سنتے اور سناتے اور ان پر عمل کرتے اور کراتے ہیں ان کو الگ کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں بلکہ یہ دعا کی بے عزتی ہے کہ ایسی متبرک دعا کو صرف مقلدین کے لیے خاص کر دیا حالانکہ مقلد عالم نہیں ہوتا بلکہ جاہل ہوتا ہے جیسے پہلے بیان ہوا مزید آپ کے حنفی بھائی ملا علی قاری کا فیصلہ سماعت فرمائیں شرح عین العلم صفحہ ۴۴۶ میں فرماتے ہیں: " ومن المعلوم ان الله سبحانه ما كلف احداً ان يكون حنفيا او مالكيا او شافعيا او حنبليا بل كلفهم ان يعملوا بالكتاب والسنة ان كانوا علماء وان يقلدوا العلماء اذا كانوا جهلاء" حنفی فیصلہ نے واضح کر دیا کہ تقلید صرف جاہلوں کا کام ہے پس آپ نے اس دعا کو جاہلوں کے ساتھ خاص کر کے جہالت کی رغبت اور علم سے نفرت دلائی ہے نیز آپ نے کئی صحابہ کو مقلد کہہ کر ان کو جاہلوں میں شمار کر رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۱۱: اس لئے بڑے بڑے محدثین مقلد گذرے ہیں..الخ:

جواب:...... محدث اور مقلد یہ جوڑ نہیں بنتا کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم حدیث عطا کیا ہے تو اس کی شان تقلید سے بالا ہے اس لیے کہ محدث سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں اور مقلد جاہل ہوتا ہے پس محدث کو جاہل کہنا سوء ادبی ہے۔ اپنی طبقات کا سہارا لیا ہے لیکن ہر ایک مذہب والا اپنے مذہب کو بڑھانے کے لیے بڑے بڑے محدثین کو اپنے اپنے طبقات میں ذکر کرتا ہے مثلاً امام بخاری جس کے متعلق آپ نے ذکر کیا ہے کہ طبقات شافعیہ میں مذکور ہیں تو ان کو حنبلیوں نے بھی ذکر کر رکھا ہے، دیکھیے طبقات الحنابلہ مصنفہ قاضی ابن ابی یعلیٰ صفحہ ۲۷۱ ج ۱ اور مختصر طبقات الحنابلہ مصنفہ علامہ نابلسی صفحہ ۲۰۱ میں بھی امام صاحب کو ذکر کیا گیا ہے یہ ہر

ایک کا اپنا اپنا ذوق ہے لیکن بقول شاعر:

وکل یدعی وصلا لیلیٰ ولیلیٰ لا تقر لھم بذاکا

ہر ایک اپنے آپ کو خوش کر رہا ہے حقیقت میں امام صاحب کی شان اس سے اعلیٰ ہے خود سبکی طبقات الشافعیہ صفحہ ۲۱۲ ج ۲ میں امام بخاری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ھوا مام المسلمین وقدوۃ الموحدین وشیخ المؤمنین والمعول علیه فی احادیث سید المرسلین وحافظ عظام الدین ابو عبداللہ الجعفی مولا ھم البخاری صاحب الجامع الصحیح وصاحب ذیل (الفضل للمستمع) کیا ان صفات کا مالک مقلد ہوتا ہے حاشا وکلا!! بلکہ ان کے ابواب وتراجم صاف دلالت کرتے ہیں کہ وہ مطلق اہل حدیث تھے خود آپ کے حنفیوں نے انہیں مجتہد تسلیم کیا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری فیض الباری صفحہ ۵۹ ج ۱ میں لکھتے ہیں:

واعلم ان البخاری مجتهد لا ریب فیه وما اشتهر انه شافعی فلما حقیقته فی المسائل المشهورة.

اور علامہ کاندھلوی لامع الدراری صفحہ ۱۰ ج ۱ (المقدمہ) میں لکھتے ہیں "والا رجح عندی انه مجتهد مستقل کما یظهر من امعان النظر فی الصحیح" پھر مولوی عبدالرشید نعمانی اور انور شاہ کاشمیری سے تائید نقل کرتے ہیں اور پھر صفحہ ۶۹ میں امام ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں کہ "اما م البخاری وابوداؤد فاامامان فی الفقه کانا من اهل الاجتهاد" اسی طرح کاندھلوی صاحب نے رسالہ اجتہاد وتقلید صفحہ ۲۷ میں ان کو مجتہد مانا ہے اور پھر امام بخاری نے جا بجا امام شافعی سے کئی مسائل میں اختلاف کیا ہے جس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحب امام شافعی کے مقلد نہیں تھے۔ اور شاہ ولی اللہ الانصاف صفحہ ۸۷ میں فرماتے ہیں: اماالبخاری انه ان کان منتسبا الی الشافعی موافقاً له فی کثیر من ...... فقد خالفه ایضاً فی کثیر ولذالك لا بعد مانفرد به من مذهب الشافعی اور علامہ کاندھلوی نے سبکی پر رد کیا ہے کہ اس نے امام بخاری کو طبقات الشافعیہ میں ذکر کیا ہے قال البخاری امام مجتهد براسه کابی حنیفة والشافعی ومالك واحمد وسفیان الثوری ومحمد بن الحسن انتهیٰ (ومامس الیہ الحاجہ لعلامہ عبدالرشید النعمانی صفحہ ۲۶)

نیز انور شاہ صاحب کشمیری امام مسلم اور ابن ماجہ کے متعلق فیض الباری صفحہ ۵۸ ج ۱ میں لکھتے ہیں واما مسلم وابن ماجه فلا یعلم مذهبهما. یعنی ان دونوں کا مذہب معین نہیں بلکہ مجتہد تھے۔

چنانچہ امام نووی شرح المہذب صفحہ ۴۳ ج ۱ میں فرماتے ہیں: "وللمفتی المنتسب اربعة احوال

أحدها: ان لا یکون مقلداً لامامه لا فی المذهب ولا فی دلیله لاتصافه بصفة المستقل وانما ینسب الیه لسلوکه طریقه فی الاجتهاد وأدعی الاستاذ ابو اسحاق هٰذه الصفة لا صحابه فحکی عن اصحاب مالك رحمه الله واحمد وداؤد واکثر الحنفیة انهم صاروا الیٰ مذاهب ائمتهم تقلیداً لهم ثم قال و الصحیح الذی ذهب الیه المحققون ما ذهب الیه اصحابنا وهو أنهم صاروا الیٰ مذهب الشافعی لا تقلید أله بل فما وجدوا طرقه فی الاجتهاد والقیاس اسد الطریق ولم یکن لهم من الاجتهاد وملکوا طریقه فطلبوا معرفة الاحکام بطریق الشافعی وذکر ابو علی السنبحی بکسر السین المهملة نحو هٰذا فقال اتبعنا الشافعی دون غیره لا ناوجد نا قوله ارجع الاقوال واعدلها لا انا قلد ناه قلت هٰذا الذی ذکره موافق لما امرهم به الشافعی ثم المزنی فی اول مختصره وغیره بقوله مع اعلامیه نهیه عن تقلیده وتقلید غیره اھ" پس ان کو شافعی کہیں جو کچھ کہیں مقلد نہیں کہہ سکتے ہو اور امام رازی اگر چہ شافعی مشہور ہے مگر تقلید کے قائل نہیں بلکہ سختی کے ساتھ اس کی تردید کرتے ہیں ان کی تفسیر کبیر میں جا بجا ایسی عبارات ملتی ہیں مثلاً صفحہ ۵ ج ۶ میں فرماتے ہیں: قول تعالیٰ وان تقولوا علی الله ما لا تعلمون یتناول جمیع المذاهب الفاسدة بل یتناول مقلد الحق وان کان مقلد الحق لکنه قال مالا یعلم فصار مستحق للذم لاندارجه تحت الذم فی هٰذه الآیة اور صفحہ ۶ ج ۵۔ میں فرماتے ہیں: یقال للمقلد .... بان شرط جواز تقلید الانسان ان یعلم کذبه محقا ام لا فان اعترف بذالك لم نعلم جواب تقلیده الا بعده ان تعرف کونه محقا فکیف عرفت انه محق وان عرفته بتقلید آخر لزم التسلسل والا عرفته بالعقل فذاك کاف فلا حاجة الی التقلید وان قلت لیس من شرط جواز تقلیده ان یعلم کونه محقا فاذن فاجوزت تقلیده وان کان مبطلا فاما انت علیٰ تقلیده لا تعلم انك محق مبطلا .

ان دو عبارتوں سے چند امور ظاہر ہوئے۔

۱: تقلید مذموم اور ناجائز ہے۔

۲: اور وہ اللہ پر ناحق بولنے کے برابر ہے۔

۳: اور وہ عقل کی منافی ہے اور مقلد کو کوئی پتہ نہیں کہ حق پر ہے یا باطل پر۔

اعتراض نمبر۲۱۲: امام بخاری کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اہل الحدیث بننا چاہتا ہوں امام بخاری نے فرمایا اے بیٹا...الخ:

جواب:...... کتاب الحطہ میں یہ واقعہ بغیر سند کے مذکور ہے قاضی عیاض نے الالماع صفحہ ۲۹ میں اس سند سے ذکر کیا ہے: "اخبرنا القاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ المعافری قرأۃ منہ علی بلفظہ اخبرنا ھبۃ اللہ بن أحمد الأکفانی أخبرنا عبد العزیز بن محمد الکستانی الدمشقی الحافظ اخبرنا ابو عصمۃ نوح بن نصر الفرغانی قال سمعت ابا المظفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جبریل الخزرجی وابا بکر محمد بن عیسیٰ البخاری یقولان سمعنا ابا ذرعمار بن محمد بن مخلد التمیمی یقول سمعت ابا المظفر محمد بن احمد بن حامد بن الفضیل البخاری یقول فذکرہ." اور ابوعصمہ الفرغانی کے متعلق میزان الاعتدال صفحہ ۲۸۰ ج ۴، لسان المیزان صفحہ ۱۴۵ ج ۶ میں امام ابن البخاری سے منقول ہے کہ صاحب غرائب ومناکیر اھ. پس یہ حکایت نقلاً ثابت نہیں ہے۔

اعتراض نمبر۲۱۳: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے جو علم مجھے دیا ہے اس کی مثال کثیر بارش کی ہے وہ بارش جب ارض طیبہ پر پڑے تو اس نے اپنے پانی کو اپنے اندر بند کرلیا اور اس سے گھاس اور بہت سی چیزیں پیدا ہوئیں وہی بارش نشیبی میں پڑی جس میں پانی جمع ہوگیا لوگوں نے وہ پانی پیا جانوروں کو دیا اور کھیت کو پلایا کچھ بارش ٹیلوں پر پڑی نہ ان ٹیلوں نے پانی روکا نہ ان سے کوئی فصل اگی فرمایا یہ مثال دین میں فقہ کی ہے:

جواب:...... یہ حدیث خود بتلاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا علم فی نفسہ ایک فقہ ہے جس کے بعد کسی دوسری فقہ کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ بارش کی مثال دی ہے اور بارش فی نفسہ مفید چیز ہے جس قدر زمین بہتر ہوگی اس قدر اس میں آبادی ہوگی۔

باراں آور لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید در شورہ بو موخس

اسی طرح نبی ﷺ صحابہ نے قرآن وحدیث سنا تو وہ ان سے مکمل فائدہ حاصل کرلینے کے بغیر اس کے سواء کسی کی تقلید کریں یا کسی کا طریقہ یا مذہب اپنائیں کیونکہ ان کا دل بالکل صاف اور کامل ایمان والا تھا اس

لیے انھوں نے قرآن و حدیث سے اعلیٰ نفع حاصل کیا اور جب بعد والوں کے دل رائے اور قیاس سے مکدر ہونے لگے اور انسان کے دماغی اختراع کو فقہ سمجھنے لگے تو پھر ان کا وہی حال ہوا جو شور زمین کا ہوتا ہے اس نبوی مثال نے واضح کر دیا کہ اب بھی جن کا دل قیاس وراء اور بعد کی پیداوار فقہ سے صاف ہے وہ اس وقت بھی قرآن و حدیث سے بہترین فوائد حاصل کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہل حدیث بحمد للہ ان ہی قرآن و حدیث سے مستفید ہوتے رہتے ہیں اور بعد میں پیدا ہونے والی چیزوں کی طرف راغب نہیں ہوتے۔

اعتراض نمبر ۲۱۴: اس میں رسول ﷺ نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا پہلے ارض طیبہ کا ذکر فرمایا یہ حضرات مجتہدین ہیں:

جواب:...... یعنی مقلدین کی یہ شان نہیں چہ ہوش ایضاً ارض طیبہ تب ہو سکتی ہے جس میں کوئی خباثت نہیں ہوتی پس یہ اہل حدیث کی شان ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے سواء کسی رائے یا قول کو شریعت نہیں جانتے ہیں یہاں نواب وحید الزمان کا ذکر کیا ہوا واقعہ پیش کرتے ہیں، چنانچہ وحید اللغات صفحہ ۵۳ مادہ عذر میں ہے ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار مولوی اسماعیل شہید نور اللہ مرقدہ اور ایک حنفی مولوی میں بحث ہوئی مولوی اسماعیل صاحب احادیث سے استدلال کرتے جاتے تھے اور حنفی قاضی خان قہستانی اور کیدانی کے اقوال سے آخر مولوی اسماعیل نے کہا کہ واہ مولوی صاحب میں آپ کو عمدہ عمدہ خوشبودار عطر اور مشک سنگھاتا ہوں اور آپ ناپاک اور نجس بدبودار لہسن لیے مجھ کو سنگھاتے ہیں لا حول و لا قوة الا باللہ۔

اعتراض نمبر ۲۱۵: غیر مقلدین ہیں ان بیچاروں کا نہ کھیت ہے نہ تالاب اس لیے سارا گذارہ بدمعاشی پر ہے:

جواب:...... عربی میں مثال مشہور ہے کہ کل اناء یترشح بما فیه اس لیے آپ کی یہ عبارت آپ کی اندرونی طہارت کا پتہ دیتی ہے محدثین کے متعلق پہلے معلوم ہوا کہ وہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔ اور بحمد للہ کھیت اور تالاب دونوں ان کے پاس ہیں۔ کیونکہ احادیث کا ذخیرہ ان کی کتابوں میں جمع ہے۔ جن میں جا بجا آیات قرآنیہ بھی ہیں۔ اور اس طرح ان کے ابواب وتراجم اور نصوص سے مسائل کا استنباط بھی ان کے کھیت کے لئے عظیم شہادت ہے۔ کئی محدثین نے قرآن کی تفاسیر لکھیں مثلاً سعید بن جبیر، ہشیم بن بشیر، مجاہد، سفیان ثوری، عبدالرزاق بخاری، بکر بن سہل الدمیاطی، ابن ابی حاتم، بقی بن مخلد، ابن جریر ابن مردویہ وغیرہ کی تفاسیر قابل ذکر ہیں جن جن میں جا بجا آیات کی تشریح احادیث و آثار صحابہ وتابعین سے مروی ہے اور مختلف علاقوں میں چکر لگا کر احادیث جمع کیں اور یہ تالاب کی مثال ہے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کہ آسمان کے تاروں سے دین لے آئیں گے پوری ہوئی اور اب تک اہل حدیث ان آیات

قرآنیہ اور احادیث کو جمع کرنے اور ان سے مسائل نکالنے میں مصروف ہیں متاخرین میں عمدة الاحکام مصنفه عبدالغنی مقدس ، منتقی الاخبار مصنفه ابن تیمیه الالمام فی احادیث الاحکام لابن دقیق العید المحرر فی احادیث الاحکام شمس الدین المقدسی اور بلوغ المرام لحافظ ابن حجر ، جمع بین الصحیحین لابی عبدالله حمیدی ، مشکوٰة لتبریزی ، مجمع الزوائد الی زوائد ابن حبان ، غایة المقصد فی زوائد مسند احمد کشف الاستار عن زوائد البزار ، المقصد الاعلیٰ فی زوائد مسئله ابی یعلیٰ مجمع البحرین فی زوائد المجمین (الاوسط الصغیر) مصنفه ابو الحسن هیثمی ، مصباح الزجاجه فی زوائد ابن ماجه مصنفه بوصیری ، تلخیص المستد رك ، تهذیب سنن بیهقی مصنفه ذهبی مختصر صحیح مسلم ، تلخیص سنن ابی داؤد ، الترغیب و الترهیب مصنفه منذری ، جامع الاصول مصنفه ابو السعادات ابن اثیر الجزری ، تیسرا الوصول الیٰ جامع الاصول مصنفه ابن دیبه الشیبانی ریاض الصالحین مصنفه نووی مصابیح السنة مصنفه بغوی ، تقریب الاسانید وترتیب المسانید مصنفه عراقی وغیرہ ایسی کئی کتابیں ہیں جن کے اندر احادیث کے ذخائر جمع ہیں یہ ان کے تالاب کی مثال ہے اور پھر ان کے ابواب اور تراجم کو پڑھیں تو کھیت دیکھ کر حیران ہو جائیں گے۔

بنا کر دند خوش رسمی بخاک وخون غلطیوں

خدا رحمت کند این حاملان پاک سنت را

باقی آپ کے مقلدین ان کے پاس ذخیرہ علم حدیث کا ہدیہ تو عقل سے بعید ہے کیونکہ تقلید علم نہیں نہ مقلد عالم ہوسکتا جیسا کہ آپ نے آیت فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون سے تقلید پر استدلال کر کے تسلیم کر لیا کہ مقلدین عالم ہی نہیں اور پھر ملا علی قاری کی عبارت ان کی کتاب شرح عین العلم سے نقل کی گئی ہے کہ تقلید جاہلوں کو کرنی ہے نہ کہ عالموں کو، رہا استنباط اور اجتہاد اور مسائل کا نصوص سے نکالنا بالفاظ دیگر بارش کا نتیجہ دکھانا یہ تو آپ کے ورثہ میں نہیں کیونکہ النبوت المقلد فمستنده قول مجتهده (مسلم الثبوت اب خواہ مخواہ مقلد ہوتے ہوئے بھی عالم کہلانے کے لیے دو کام کریں یا تو دوسروں کے کیے ہوئے کاموں کی چوری کی اور اپنی مہارت اور کاریگری بتلائی اور آیت ﴿یحبون ان یحمدوا بمالم یفعلوا﴾ (آل عمران) کے مصداق بنے یا پھر جب دیکھا کہ اصل قرآن و حدیث سے ہمارا مطلب نہیں بنتا نہ مذہبی روایات ثابت ہوئی تو قرآن میں تحریف کرنے لگے قرآن میں الفاظ بڑھائے اور کبھی احادیث میں الفاظ

بڑھائے اور گھٹائے جیسا کہ اوپر ہم نے چند مثالیں بیان کی اب اس پر فتویٰ جو چاہیں آپ خود لگائیں حدیثیں نقل کرنے میں مقلدین کی جو امانت ہے وہ اس حد تک پہنچی ہے کہ ان کی نقل پر کوئی اعتبار نہیں آپ کا علامہ علی قاری الموضوعات الکبیر صفحہ ۴۷۔ میں فرماتے ہیں:

ثم لا عبرة بنقل النهايه ولا بقية شراح الهدايه فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسند والحديث الى احد من المخرجين اھ.

پس ملاعلی قاری صاحب ثابت کر گئے کہ تمہارے پاس خالص پانی نہیں اور تمہارے تالاب کا پانی قابل استعمال ہی نہیں۔

"شهادة الأحناف في مسئلة علم الغيب على سبيل الإنصاف"

مسئلہ علم غیب میں علماء احناف کی منصفانہ گواہی

''مسلک بریلوی'' جو اپنے آپ کو حنفی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پیروکار کہلواتے ہیں وہ امام الانبیاء جناب خاتم النبیین ﷺ کے لیے علم غیب کا اثبات کرتے ہیں اور مخالفین کو کافر قرار دیتے ہیں تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس رسالہ میں احناف کے بڑے بڑے علماء کرام کی گواہیاں کو جمع کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ تمہارے بڑوں کا تو یہ عقیدہ نہیں تھا تم نے یہ عقیدہ کہاں سے اخذ کیا ہے، اس کتاب کے آخری صفحات شاید مفقود ہے۔ (الازہری)

"شهادة الأحناف فى مسئلة علم الغيب على سبيل الإنصاف"

الحمد لله الذی کفی وسلام على عباده الذين اصطفى أمابعد:

فـانـی قد رأيت كثيرا من علماء الزمان وفقهاء الأوان قد تلبسوا بلباس الحنفية ونـاظروا العلماء المحمدية فاثبتوا للنبى ﷺ علم الغيب وادعوا أن هذا هو مذهب الحنفيين بلاشك وريب حتى كفروا بزعمهم من خالفهم وهجروا بزعمهم من عارضهم، مع أن الثابت من كتب الأحناف ماذهب اليه المحمد يون، لاما اخترعه هؤلآء المتعصبون فاردت بتوفيق اللهالجليل وهو حسبى ونعم الوكيل، أن اجمع هذه الرسالة المسماة "بشهادة الأحناف فى مسئلة علم الغيب على سبيل الإنصاف" والمسئول من الله تعالى التمام وحسن الختام.

مسئلہ علم غیب میں علماء احناف کی منصفانہ گواہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی کفیٰ وسلام على عباده الذين اصطفیٰ

حمد وصلوٰۃ کے بعد احوال واقع یہ کہ اِس دور ابتلاء میں ہم بہت سے علماء اور فقہاء کو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو اپنے آپ کو حنفی یعنی فقہ حنفی کا پیروکار کہتے ہیں جبکہ دوسری جانب علماء محمدی سے مناظرے کرتے اور جناب خاتم النبیین ﷺ کے لئے علم غیب کا اثبات کرنے میں جُوے رہتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ علماءِ احناف کا یہ ہی عقیدہ اور مذہب ومسلک ہے یہاں تک کہ اِس عقیدے کی جو مخالفت کرے تو اُسے کافر قرار دیتے ہیں حالانکہ احناف کی اپنی کتابوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ علماء احناف کا عقیدہ، مذہب ومسلک اِس معاملے یعنی علمِ غیب لغیر اللہ کے معاملے میں ہو بہو علماء محمدی والا ہے اور ہرگز اُن کا عقیدہ اِن متعصب نام نہاد حنفیوں والا نہیں رہے۔ اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ اِس رسالے کو احسن انداز سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!

"المقدمة":

"فی التصریح عن امامهم الامام أبی حنیفة رحمه الله ذلك

قال أبو مُحمّد: ...... قال العلامة أبو البركات عبدالله بن أحمد بن محمود النسفی الحنفی فی تفسیر المُسمّٰی بمدارك التنزیل وحقائق التاویل المطبوع علی هامش الجزء السادس من الاكلیل علی المدارك ص۷.

"ورأ المنصور فی منامه صورة ملك الموت وسئله عن مدة عمره فاشار الیٰ هذه الأیة۔ وهو قوله تعالی: ﴿ان الله عنده علم الساعة﴾ الایة فانها هذه العلوم الخمسة لایعلمها الا الله.

وقال العلامة الحسن بن محمد العمی المشتهر بنظام النیسابوری فی تفسیره المسمی بغرائب القرآن تحت الایة المذكورة وعن المنصور أنه همه معرفة مدة عمره فرأی فی منامه كان خیالاً أخرج یده من البحر وأشار الیه بالأصابع الخمس فاستفتی العلماء فی ذالك فتأولوها خمس سنین، وبخمسة أشهر وبغیر ذالك حتی قال ابو حنیفة تأویلها ان مفاتیح خمس لایعلمها الاالله تعالیٰ وان ما طلبت معرفته لاسبیل لك الیه.

علماء احناف کے امام، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مسئلہ علم غیب میں تصریح

راقم ابومحمد: کہتا ہے کہ علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی اپنی تفسیر "جو کہ مدارک التنزیل وحقائق التاویل کے نام سے موسوم ہے" میں سورہ لقمان کی آیت مبارکہ ﴿ان الله عنده علم الساعة .....الخ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اور منصور (عباسی حکمران) نے خواب کی حالت میں موت کے فرشتے کو دیکھا تو اُس سے اپنی زندگی کی مدت کے بارے میں پوچھا جواب میں اُس نے اپنی پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا تو تعبیر کرنے والوں میں سے کسی نے پانچ سال تو کسی نے پانچ ماہ اور کسی نے پانچ دن اِس کی تعبیر بتائی جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اشارہ اِس آیت کی طرف ہے کہ ﴿ان الله عنده علم الساعة .....الخ﴾ یعنی اِن پانچ چیزوں کے متعلق اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اِسی آیت کے تحت علامہ حسن بن محمد العمی جو کہ نظام نیسا پوری کے لقب سے معروف ہیں اپنی تفسیر غرائب القرآن میں فرماتے ہیں "اور منصور کے متعلق روایت ہے کہ اُسے اپنی زندگی کی مدت جاننے کی فکر

دامن گیر ہوئی تو اُس نے خواب کے عالم میں دیکھا گویا کوئی خیالی صورت ہے جس نے اپنا ہاتھ سمندر سے نکالا اور پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا، منصور نے علماء سے اِس کے بارے میں استفسار کیا تو اُنہوں نے پانچ سال، پانچ ماہ وغیرہ تعبیر کی یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اِس کی تاویل یہ ہے کہ پانچ علوم کی کنجیاں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اورتم جو کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو یعنی اپنی مدت عمر کے بارے میں وہ تمہارے لئے ممکن نہیں ہے۔

قال أبو مُحمّد:...... والدليل لإمام الهمام فی هذه المسئلة هذه الأية المذكورة ثم الحديث المرفوع ذكره العلامة أبو المؤيد محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی الحنفی فی جامع مسانيد الامام الأعظم المطبوع فی المطبعة دائرة المعارف الواقعة فی بلدة حيدآباد الدكن فی الجزء الأول صـ۱۷۳ــــ ابو حنيفة عن علقمة بن مرثد عن يحی بن يعمر قال بينما أنامع صاحب لی بمدينة رسول الله ﷺ اذا بصرنا بعبدالله ابن عمر (وفيه) ثم أنشا۔ يعنی ابن عمر۔ يحدثنا قال بينما نحن مع رسول الله ﷺ ومعه رهط من اصحابه اذا قيل شاب جميل ابيض حسن اللمة طيب الريح عليه ثياب بيض فقال السلام عليك يا رسول الله السلام عليكم قال فرد عليه رسول الله ﷺ ورددنا معه الحديث الطويل وفيه)

قال فاخبرنی عن الساعة متی هی؟ قال: مالمسئول عنها باعلم من السائل ولكن لها اشراط فهی من الخمس التی استأثرالله تعالیٰ بها فقال لأن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم مافی الأرحام وماتدری نفس مَاذَا تكسب غدًا وَما تدری نفس بأی أرض تموت أنه عليم خبير "الحديث" ثم عزاه الخوار زمی الیٰ مسند أبی محمد البخاری الاستاذ السبذمونی و طلحة بن محمّد وأبی عبدالله الحسين بن محمد بن خسرو البلخی وأبی بكر محمد بن عبدالباقی الأنصاری وأبی بكر أحمد بن محمد بن خالد بن ابن خلی الكلائی والی كتاب الآثار والنسخة لامام محمد بن حسن الشيبانی.

راقم ابومحمد: کہتا ہے کہ: اِس مسئلے میں امام ابوحنیفہ کی دلیل مذکورہ بالا آیت مبارکہ اور وہ مرفوع حدیث ہے جسے علامہ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی الحنفی نے جامع المسانید الامام الاعظم (المطبوع فی المطبعة دائرة المعارف الواقعه فی بلدة حيدرآباد الدكن) کے پہلے حصے میں صفحہ ۱۷۳ پر

روایت کیا ہے ابوحنیفہ عن علقمۃ بن مرثد عن یحی بن یعمر ابن یعمر کہتے ہیں کہ ''میں مدینہ منورہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ تھا کہ اِس دوران ہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمیں حدیث سنانے لگے انہوں نے فرمایا کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی کہ ایک جوان آیا خوبصورت، عمدہ بالوں والا، بہترین خوشبو لگائے، سفید لباس میں ملبوس تو اُس نے کہا کہ السلام علیک یا رسول اللہ تو آپ ﷺ نے اُس کے سلام کا جواب دیا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہم نے بھی (طویل روایت ہے اور اِس میں آگے چل کر یوں ہے کہ) تو اُس نوجوان نے پوچھا کہ پھر مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے کہ وہ کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ''ما المسئول عنھا باعلم من السائل'' اِس (قیامت) کے متعلق جس سے سوال کیا جا رہا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا (مطلب یہ کہ سائل اور مسئول دونوں قیامت کے وقوع کے بارے میں نہیں جانتے)۔ ہاں اِس کی نشانیاں ہیں باقی یہ اُن پانچ چیزوں میں سے ہے جن کے علم کو اللہ نے اپنے لئے خاص رکھا ہے، جب اللہ نے یہ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہ ہی بارش برساتا ہے اور وہ ہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس جگہ پر مرے گا بیشک اللہ ہی جاننے والا باخبر ہے۔ (الحدیث) پھر خوارزمی نے اِس روایت کو مسند ابو محمد البخاری الاستاذ السبذ مونی، طلحہ بن محمد، ابو عبداللہ الحسین بن محمد بن خسرو البلخی، ابوبکر محمد بن عبدالباقی الانصاری، ابوبکر احمد بن محمد بن خالد ابن خلی الکلاعی کتاب الآثار اور امام محمد بن حسن الشیبانی کے نسخے کی طرف منسوب کیا ہے۔

قال ابو محمّد:...... هذا كان لمن يدعى تقليد الامام لنفسه ومن أنكر بعد ذلك وهو كاذب فيما يدعى من تقليده والعجب من هؤلاً السفهة الجهلة كيف ينتسبون الىٰ الامام ثم يخالفونه فيما ذهب اليه فى مسئلة من المسائل الدينية لاسيما اذا اعتضد قوله بالكتاب والسنة اذا خالف قوله ذالك اراهم الباطلة واهوائهم العاطلة واذا واقف قول امامهم آرائهم حمدو عليه وان كان قوله ذالك يخالف الكتاب والسنة ظاهرًا مع أنه قد صح عن اما مهم أنه قال ''اذا صح الحديث فهو مذهبى'' كما فى ردّالمختار لابن عابدين الشامى وقال ايضا: ''اتر كو قولى بخبر الرسول'' كما ''فى عقد الجيد'' لشاه ولى الله الدهلوى فنسوا قول الامام هذا وَلا يلتفتون اليه اصل بل

یتبعون أهوائهم فمن أضل ممن اتبع هواه بغیر هدی من الله ان الله لایهدی القوم الظالمین.

ابو محمد (راقم): کہتا ہے یہ حوالہ ہی اُس کے لئے تو کافی ہے جو خود امام ابوحنیفہ کی تقلید کا مدعی ہے لٰہذا جو اِس کے بعد اِس مسئلے میں امام صاحب کی مخالفت کرے وہ اپنے دعویٰ تقلید میں جھوٹا ہے۔ اِن لوگوں کی حالت پر حیرت ہے کہ کیا بے وقوفی اور جہالت ہے! ایک جانب تو امام صاحب کی تقلید کا دعوٰی کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف دینی مسائل میں سے ایک ایسے مسئلے میں امام صاحب کی مخالفت کرتے ہیں جہاں پر امام صاحب کے قول کی تائید میں قرآن وسنت کے واضح دلائل موجود ہیں صرف اس وجہ سے کیونکہ یہ بات اُن لوگوں کے باطل نظریات اور بیکار خواہشات کے خلاف ہے۔ جبکہ اگر امام صاحب سے منقول کوئی بات ان کی اپنی خواہشات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ خود اُن کے امام، امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے کہ اُنہوں نے فرمایا" اذا صح الحدیث فھو مذھبی" جب صحیح حدیث (نبوی) آجائے تو میرا نظریہ بھی وہ ہی ہے۔ جیسا کہ ابن عابدین شامی کی کتاب ''ردالمختار'' میں منقول ہے۔ جبکہ شاہ ولی اللہ کی کتاب "عقد الجید" میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا" اترکوا قولی بکتاب الله واترکوا قولی بخبر الرسول" قرآن مجید کے بالمقابل میری بات چھوڑ دو اور فرمان نبوی کے بالمقابل میری بات چھوڑ دو۔ اب اِن کی حالت دیکھو کہ امام صاحب کے یہ فرامین بھول گئے اور اِن کی طرف تو توجہ ہی نہیں کرتے، بس اپنی خواہشات کے پیروکار ہیں تو پھر اُس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑے یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت سے محروم کردیتا ہے ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

قال ابو محمّد:...... هذا أوان الشروع فی نقل العبارات.

(۱) قال العلامة بدرالدین العینی الحنفی "فی عمدة القاری شرح صحیح البخاری المطبوعة.

"تحت الحدیث المذکور بالفظه والحکمة فی کونها خمسًا الاشارة الٰی حصر العلوم فیها ففی قوله ماتغیض الارحام اشارة الٰی مایزید فی النفس وتنقص وخص الرحم بالذکر لکون الأکثر یعرفونها بالعادة ومع ذالك ینفی ان یعرف أحد حقیقتها وفی قوله لایعلم متی یأتی مطر اشارة الٰی عالم العلوی مع ان له اسباباقد تدل بالجری العادة علی وقوعه لکنه من غیر تحقق وفی قوله ولاتدری نفس بأی ارض تموت اشارة الٰی عالم السفلی مع ان عبارة اکثر الناس ان یموت ببلدة ولکن ذالك

حقیقة بل لومات فی بلده لایعلم فی أی بقعة یدفن فیها ولوکان هناك مقبرة لاسلامه بل قبرًا أعده هولَه وفی قوله لایعلم مافی غدًا الا الله اشارة الی انواع الزمان وما فیها من الحوادث وعبر بلفظ عن لکون حقیقته اقرب الأزمنه واذاکان مع قربه لایعلم حقیقته مابقع فیه مع امکان والعلامة فما بعد منها أولی وفی قوله ولا یعلم متی تقوم الساعة اشارة الیٰ علوم الآخرة فاذا لم یعلم أولها مع قربها فنفی علم مابعد ها اولی۔ اه

راقم ابومحمد کہتا ہے: اب علماءِ احناف سے اِس مسئلے میں منقول عبارات نقل کی جارہی ہیں۔

(۱)...... علامہ بدرالدین عینی حنفی صحیح بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

"اور (غیب کی کنجیاں) پانچ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ گویا علوم اِن پانچ چیزوں میں منحصر ہیں لہٰذا اِس فرمانِ الٰہی ﴿ماتغیض الارحامُ﴾ سورہ رعد آیت ۸ (اللہ جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ (اپنے پیٹ میں) اٹھائے ہوئے ہے اور جو (ماؤں کے) پیٹ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ میں اشارہ ہے اُس (حمل کی طرف کہ جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور رحم مادر کا خاص طور پر اِس لئے تذکرہ کیا کیونکہ عام طور پر اکثر لوگ عادتا طور طریقے یا رنگ ڈھنگ سے یہ چیز جان لیتے ہیں اُس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اِس بات کی نفی فرمائی کہ کوئی بھی درحقیقت اِس معاملے میں کچھ بھی نہیں جانتا اِسی طرح جب بارش کے آنے سے باخبر ہونے کی نفی فرمائی تو یہ اشارہ (عالمِ علوی) بلند جہان کے اسباب کی طرف ہے کہ اگرچہ عادتاً اُن اسباب کو دیکھ کر بارش کے اندازے لگائے جاسکتے ہیں مگر یہ بھی محض اندازے ہوتے ہیں مبنی برحقیقت علم نہیں۔ اور یہ فرمان کہ ﴿ولاتدری نفس بای ارض تموت﴾ کوئی نہیں جانتا کہ کس علاقے میں مرے گا۔ اشارہ ہے (عالم سفلی) جہانِ، پست کی طرف کہ عام طور پر اگرچہ لوگ اپنے شہر یا گاؤں میں ہی فوت ہوتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو دوسرا یہ کہ اپنے علاقے میں مرنے کے بعد بھی یہ پتہ نہیں کہ دفن کہاں ہوگا اگرچہ خاندانی قبرستان یا اپنی لئے تیار کردہ قبر بھی موجود ہو پھر بھی یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہیں پر مدفون ہوگا۔ جبکہ یہ فرمان الٰہی کہ کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا۔" اشارہ ہے وقت کی تمام اقسام کی جانب اور جو حوادث زمانہ وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں اُن کی طرف اور آنے والے کل کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیونکہ وہ تو سب سے قریبی زمانہ ہے اور جب اتنا قریب ہونے کے باوجود اس میں کیا ہونے والا ہے معلوم نہیں حالانکہ عادتاً اور

عرفاً اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو پھر جو کہ اُس کے بعد آنے والا وقت ہے وہ تو بطریق اولیٰ نا معلوم ہی رہے گا۔ اسی طرح جب قیامت کے آنے کے علم کی نفی فرمائی تو اِس میں اشارہ ہے علومِ آخرت کی طرف یعنی آخرت میں سب سے پہلے وقوع قیامت ہے تو جب اِس سب سے پہلے واقع ہونے والی چیز کا کسی کو علم نہیں تو پھر اِس سے آگے کیا ہونے والا ہے وہ تو بطریق اولیٰ نامعلوم ہوگا۔"

عینی کی توضیح کے مطابق علوم کی پانچ اقسام ہیں (۱) علمِ نفس، (۲) علم عالم علوی، (۳) علم عالم سفلی، (۴) علم حوادث، (۵) علمِ آخرت اور اِن تینوں کے مقدمات مفاتیح الغیب ہیں۔

(۲) وقال العلامة ابن الهمام الحنفي صاحب فتح القدير في كتاب المسامرة:

"ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد ان الله يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى قل لايعلم من في السمٰوٰت والارض الغيب الاالله، اه

قال ابو محمّد:...... واللام في قوله الحنفية اما للاستغراق فيكون معناه جميع الأحناف، وأما للعهد فيكون معناه كل من كان من أهل الاجتهاد منهم لأنّ ابن الهمام ايضاً من أهل الاجتهاد كما في كتاب الفوائد البهية مع تعليقاته للعلامه عبدالحئى الكنوى فلايذكر قول أحد محتجا به في المعرض الامن كان من أهل الاجتهاد وَلاَ يصلح ان تكون اللام ههنا للجنس لقيام القرينه وهي أنه ذكر الصيغة الجمع۔ اهـ

(۲)...... علامہ ابن الھمام حنفی ھدایہ کے شارح فتح القدیر کے مصنف کتاب المسامرہ میں کہتے ہیں:

"ذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبي يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ "قل لايعلم من في السمٰوٰت والارض الغيب الا الله" یعنی احناف نے واضح طور اِس عقیدے کو کفر قرار دیا ہے کہ نبی ﷺ غیب جانتے ہیں کیونکہ یہ عقیدہ اللہ کے اِس فرمان کے مدمقابل ہے کہ ''کہہ دیجئے اے پیغمبر ﷺ زمین وآسمان میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔"

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ ابن ھمام کے قول "الحنفية" میں لام تعریف یا تو استغراق کا سمجھا جائے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ تمام علماءِ احناف اور اگر لام عہد مراد ہو تو پھر مطلب یہ علماء احناف میں سے جو اھلِ اجتہاد ہیں اور خود ابن الھمام بھی اھلِ اجتہاد میں سے ہیں جیسا کہ الفوائد البهية مع التعليقات للعلامة

عبدالحی اللکنوی میں ہے لہٰذا اِس قول کے مقابلے میں کسی ایسے قول کو ہی حجت بنایا جاسکتا ہے جو کسی مجتہد سے صادر ہوا اور یہ بات یاد رہے کہ یہاں پر لام تعریف محض جنس کے لئے نہیں ہوسکتا کیونکہ لفظ الحنفیة جمع کا معنٰی لئے ہوئے ہے۔

(۳) وقال العلامة القاضی خان فی فتاواه فی الجزء الأول صـ۵۴ـ فی کتاب النكاح"

"رجل تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله كان باطلاً لقوله ﷺ "لانكاح اِلاّبشهود وكل نكاح بشهادة الله رسوله بعضهم جعلوا ذالك كفرًا لأنه يعتقد ان الرسول ﷺ يعلم الغيب وهو كفر" اه .

(۳)...... علامہ قاضی خان اپنے فتاوٰی میں کتاب النکاح میں رقم طراز ہیں کہ:

''کوئی شخص کسی عورت سے اللہ اور اُس کے رسول کی گواہی پر نکاح کرے تو یہ نکاح باطل ہے اِس فرمانِ نبویؐ کی وجہ سے کہ "لانکاح الا بشھود"گواھوں کے بغیر نکاح نہیں ہے۔''

جبکہ بعض نے تو اِسے کفر قرار دیا ہے کیونکہ ایسے شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کا رسول غیب جانتا ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔

(۴) وفی ذالك ج ۴ صـ كتاب السّير" رجل تزوج بغير شهود فقال الرجل:

"خدا روا پیغمبر را گواه کردیم"

قالوا يكون كفرًا لأنه اعتقد أن رسول الله ﷺ يعلم الغيب وهو ماكان يعلم الغيب حين كان الأحياء فكيف بعد الموت اه .

قال ابو محمّد:...... وَلاَ يظن أنه يعلم من قوله قالوا ان ذالك غير مرضى عنده لأنه لوكان كذالك لرده قد اثبته لقوله فى عبارته الأولى وهو كفر وفى الثانية بقوله وهو ماكان يعلم . انخ نعم لوكان ذكره بصيغة التمريض نحو "قيل" اوذكر واشباهما وليس كذالك ههنا

(۴)......اور اِسی کتاب یعنی فتاوٰی قاضی خان میں کتاب السیر میں ہے

''کوئی شخص بغیر گواہوں کے شادی کرتا ہے اور کہتا ہے''خدارا وپیغمبر را گواہ کردیم'' ہم نے خدا اور پیغمبر کو گواہ بنایا (علماء احناف کا) قول ہے کہ یہ کفر شمار ہوگا کیونکہ اِس شخص کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ اپنی حیاتِ طیبہ میں غیب نہ جانتے تھے تو پھر وفات کے بعد یہ کیسے ممکن ہے؟

راقم ابومحمد کہتا ہے: اِس عبارت کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ قاضی خان کے الفاظ "قالوا" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول خود اُن کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ یقیناً اِس کی تردید کرتے جبکہ اُنھوں نے تو پہلے اُن کا قول کہ یہ کفر ہے نقل کیا اور پھر دوسرے جملے میں "آپ ﷺ اپنی حیات میں غیب نہ جانتے تھے" بول کر اِس کی تائید کی۔ ہاں اگر وہ اِسی کمزور بیانیہ انداز یعنی (قیل) مطلب کہا گیا یا بیان کیا گیا وغیرہ سے بیان کرتے تو یہ گمان ہوسکتا تھا لیکن یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

(۵) العلامة علی القاری فی کتاب شرح الفقه الأکبر المطبوع فی اللاهور ص۱۸۵ مالفظه وبالجملة فالعلم بالغیب أمر تفرد به سبحانه وَلاسبیل الیه للعباد الّا باعلام منه والهام بطریق المعجزة أو کرامة أو ارشاد إلیٰ الاستدلال بالامارة فیما یمکن فیه ذالك. ثم اعلم أن الأنبیاء لم یعلموا من المغیبات من الأشیاء الأما علمهم الله تعالی أحیاناً وذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد أن النبی ﷺ یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالی قل لایعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب اِلاّ الله کذافی المسامرة۔ اه.

قال ابو محمّد:...... فما اعلمهم الله تعالیٰ من شیئ من المغیبات أوالهمهم فهو لاَیسمی حینئذ غیباً بعد الاعلام والالهام لأن الغیب فی اللغة کل هو ماغاب عنك انظر القاموس وشرحه تاج العروس بل هو قبل الاعلام غیب وبعده شهادة وهذا معنی قوله تعالیٰ عالم الغیب والشهادة وأما من سواه کائنا من کان فله علم الشهادة واما علم الغیب فلا سبیل له الیه لقوله تعالی" فقل انما الغیب لله (یونس) وَلا حاجة الی البحث فی ان علم النبی ﷺ بالغیب کلی أوجزئی ...... لو قیل ان علم جمیع العباد جزئی بالنسبة الی علم النبی ﷺ لأنه کان أعلم الناس بالشهادة وعلمه جزئی بالنسبة الی علمه تعالی لأنه لایعلم الغیب غیره لکان اجود واجود.

(۵)...... علامہ ملا علی قاری حنفی "الفقه الاکبر" کی شرح میں جوکہ لاهور سے چھپی ہے صفحہ ۱۸۵ پر فرماتے ہیں:

"خلاصہ کلام یہ کہ غیب جاننا ایک ایسی چیز ہے جوکہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور بندوں میں سے کسی کے لئے اُس کا جاننا ناممکن ہے سوائے یہ کہ خود اللہ کی طرف سے کوئی خبر دی جائے یا الهام کردی جائے معجزہ یا کرامت کے طور پر یا خود اللہ کی طرف سے رہنمائی فرمادی جائے کہ کسی علامت کو دیکھ کر استدلال کیا جاسکے اُس معاملے میں جہاں ایسا کرنا ممکن ہو۔ پھر

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ کے نبی بھی غیبی امور میں سے کچھ نہیں جانتے سوائے اُس کے جو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اُنہیں بتادیا کرتا ہے اور علماءِ احناف نے واضح طور پر اِس عقیدے کو کفر قرار دیا ہے کہ نبی ﷺ غیب جانتے ہیں کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان کا مدِ مقابل ہے ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہہ دیجئے کہ زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا''، جیسا کہ المسامرہ میں ہے۔''

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اُن انبیاء کو بتا دے یا الہام فرمادے تو الھام ہو جانے یا اللہ کی جانب سے بتادینے کے بعد اب وہ غیب نہ رہا کیوں کہ غیب کا مطلب لغوی طور پر یہ ہے کہ " کل ما غاب عنك" ہر وہ چیز جو تم سے پوشیدہ ہو قاموس اور اُس کی شرح تاج العروس میں دیکھ لو۔ لہٰذا اللہ کی جانب سے باخبر کرنے سے پہلے وہ غیب تھا جبکہ باخبر کردینے کے بعد اب وہ شہادت (ظاہر) ہو گئے یہ ہی مفہوم اِس فرمانِ باری کا ہے کہ ''عالم الغيب والشهادة'' وہ پروردگار پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔ باقی اللہ کے سوا جو کوئی بھی مخلوقات میں سے ہے تو اُس کے پاس ظاہر کا علم یعنی علم الشهادة تو ہو سکتا ہے رہا علمِ غیب تو اُس کا قطعاً کوئی امکان نہیں کیونکہ فرمان رب العالمین ہے ﴿فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ﴾ (یونس) تو کہہ دو کہ غیب (کا علم) صرف اللہ کے لئے ہے۔ اِس لئے یہ بحث کرنے کی کوئی ضرورت ہے ہی نہیں کہ آپ ﷺ کا علمِ غیب کلی ہے یا جزئی ہے، ذاتی ہے یا عطائی ہے ہاں اگر یہ کہا جائے کہ تمام بندوں کا علم آپ ﷺ کے مقابلے میں جزئی ہے کیونکہ آپ ﷺ لوگوں میں سے سب سے زیا علم الشهادة کو جاننے والے ہیں اور آپ ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جزئی ہے کیونکہ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا، تو یہ بات زیادہ مناسب اور خوبصورت ہوئی۔

(٦) وقال ايضاً القاري في كتابه مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح (١٠٧/٥) :

فی باب البكاء والخوف تحت حديث والله لا أدری والله لاأدری وأنا رسول الله مايفعل بی ولابكم مالفظه والحاصل أنه يريد نفی علم الغيب عن نفسه وأنه ليس بمطلع علی المكنون۔ اهـ

قال ابو محمّد: ...... وقد قال القاری فی تلك الصفحة من ذالك الكتاب علی من رغم نسخ الحديث المذكور أعنی والله لاأدری (الحديث) فقال بعد............ تقدير صحة الناسخ انمايكون فی الأحكام لافی الأخبار كماهو مقرر فی الاعتبار"۔ اهـ

قال ابو محمّد: ...... وفی نصب الراية تخريج أحاديث الهداية للشيخ جمال الدين

الزيلعى الحنفى نقلاً عن التحقيق لابن الجوزى ان من شرط الناسخ ان يكون أقوى من المنسوخ، وفيما نحن فيه هذا الشرط مفقود لأن حديث فى صحيح البخارى أقوى من كل حديث مخرج فى كتاب سواه فتفكر.

(٦)...... ملاعلی قاری اپنی کتاب "مرقاة المفاتيح شرح مشكواة المصابيح" میں مزید فرماتے ہیں: "باب البكاء والخوف" باب رونے اور ڈرنے کے بیان میں حدیث "والله لاادرى لاادرى وانا رسول الله مايفعل بى ولابكم" کی تشریح کرتے ہوئے "خلاصہ کلام یہ کہ آپ ﷺ اپنے علمِ غیب کی نفی فرما رہے ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ پوشیدہ معاملات پر مطلع نہیں۔ قاری کے الفاظ یہ ہیں (والحاصل انه يريد نفى علم الغيب عن نفسه وانه ليس بمطلع على المكنون)

راقم ابو محمد کہتا ہے: اِس حدیث کی توضیح میں قاری نے اُن لوگوں کا رد کیا ہے جو کہ مذکورہ حدیث کے نسخ کا دعوی کرتے ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ: نصب الراية فى تخريخ احاديث الهداية میں علامہ جمال الدین زیلعی حنفی نے ابن الجوزی سے نقل کیا ہے کہ "ناسخ کے لئے شرط ہے کہ وہ منسوخ سے زیادہ قوی ہو۔ اور ہماری اِس بحث میں یہ شرط مفقود ہے کیونکہ بخاری میں نقل کردہ حدیث باقی تمام کتب حدیث میں نقل کردہ روایات سے زیادہ قوی ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔

(٧) وقال العلامة السيّد محمود الألوسى البغدادى الحنفى فى تفسيره المسمّٰى بروح المعانى المطبوع فى مصر (٢/٢٧٩) تحت قوله تعالىٰ ولا أعلم الغيب لافائدة فى الأخبار بانى لاأعلم الغيب وانما الفائدة فى الأخبار بأنى لا اقول ذالك ليكون نفياً لادعاء الأمرين الذين هما من خواص الالهية ليكون المعنىٰ إنى لاأدعى الألهية

قال ابو محمّد:...... فمن كلامه هذا ظاهرا أن من اعتقد أنه ﷺ يعلم الغيب فقداعتقد أنه هو الله وَهُو شرك وهذا نص قوله تعالىٰ هوالله الذى لااله الاهُو عالم الغيب والشهادة (الحشر) ومن ظن أنه ﷺ ادعى لنفسه علم الغيب فقد ظن أنه ادعى الألوهيه وهذا من اعظم الفرية عليه وقد قال ﷺ من قال على مالَمْ اقل فليتبوأ مقعده من النّار (المشكوٰة).

(٧)...... علامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفی اپنی تفسیر روح المعانی میں اِس فرمانِ باری ﴿ولا اعلم

الغیب﴾ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ''یہ بتانا مقصود نہیں ہے کہ میں غیب نہیں جانتا بلکہ اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ میں غیب جاننے کا دعوٰی کرتا ہی نہیں تاکہ اُن دونوں باتوں کی نفی ہو جائے جو کہ خدائی خصوصیات میں سے ہیں یعنی مطلب یہ ہوا کہ میں خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ: اُن کے اِس کلام سے ظاہر ہے کہ جو اِس بات کا عقیدہ رکھے کہ آپ ﷺ غیب جانتے ہیں تو گویا وہ آپ ﷺ کے خدا ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ ہی تو شرک ہے جو کہ اللہ کے اِس واضح فرمان سے بھی ظاہر ہے کہ ﴿ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ﴾ (الحشر) وہ اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہی پوشیدہ (غیب) اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔لہٰذا جو یہ سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ نے علم غیب کا دعوٰی کیا!؟ اور یہ اِس کائنات کا سب سے بڑا بہتان ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ: ''من قال علی ما لم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار'' (مشکاۃ المصابیح) ''جس کسی نے میری طرف وہ بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

(۸) وقال ایضاً الألوسی فی الجزء السادس من تفسیرہ المذکور صـ۵ـ۳ـ
تحت قولہ تعالی ﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ وبالجملة علم الغیب بلا واسطة کلا اوبعضاً مخصوصا باللہ جل وعلا لا یعلمه أحد من الخلق اصلاً. ہ

(۸)......اسی طرح علامہ آلوسی اپنی مذکورہ بالا تفسیر میں اِس آیت مبارکہ ﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''وبالجملة علم الغیب بلا واسطة کلا اوبعضا مخصوص باللہ جل وعلا لایعلمه احد من الخلق اصلا'' خلاصہ کلام یہ کہ علمِ غیب بغیر کسی ذریعے کے کلی یا جزئی طور پر اللہ رب العالمین کے ساتھ خاص ہے، مخلوق میں سے کوئی بھی قطعاً اِسے نہیں جانتا۔

(۹) وقال العلامه ابو حیّان اثیر الدین أبو عبداللہ محمّد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الغرناطی الأندلسی الحنفی فی تفسیرہ المسمٰی بالبحر المحیط (۱۳۳/۴)
تحت قولہ تعالی قُلْ لاَ اقول لکم عندی خزائن اللہ الآیة والأظھر أنه یرید أنه بشر لاشئ عندہ من خزائن اللہ ولا من قدرته وَلا یعلم شیئاً مما غاب عنه . اہ

(۹)......علامہ ابوحیان اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف ابن حیان الغرناطی الاندلسی

الحنفی اپنی تفسیر البحر المحیط میں اِس آیتِ مبارکہ ﴿قل لا اقول لکم عندی خزائن الله﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "والاظهر انه يريد انه بشر لاشئ عنده من خزائن الله ولامن قدرته ولايعلم شيئا مما غاب عنه" اور قطعاً ظاہر ہے کہ پیغمبر کی جانب سے اِس قول سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک انسان ہیں، ان کے پاس اللہ کے خزانوں میں سے کچھ نہیں ہے اور نہ قدرت خداوندی میں کوئی حصہ ہے اور وہ خود سے پوشیدہ (غیبی) کسی چیز کو نہیں جانتے۔

(۱۰) وقال العلامة ابو البركات أحمد النسفي الحنفي صاحب العقائد النسفية في تفسيره المسمیٰ بمدارك التنزيل (۱۸/۲) المطبوع على هامش الأكليل تحت قوله تعالى: ﴿وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ﴾ أي لاادعى مَايستبعد في العقول أن يكون لبشر من ملك خزائن الله وعلم الغيب ودعوى الملكية وانما أدعى ماكان لكثير من البشر وهوالنبوة۔

(۱۰)......علامہ ابوالبرکات احمد النسفی الحنفی جو کہ "العقائد النفسيه" کے مصنف ہیں اپنی تفسیر "مدارك التنزيل" میں اِس فرمانِ باری ﴿وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں (اى لاادعى مايستبعد فى العقول ان يكون لبشر من ملك خزائن الله وعلم الغيب ودعوى الملكية وانما ادعى ماكان لكثير من البشر وهوالنبوة) یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ انسانی عقل جیسے ناممکن تصور کرے کہ ایک انسان کے پاس اللہ کے خزانوں کی بادشاہی اور علمِ غیب اور فرشتہ ہونا کیسے ممکن ہے بلکہ میں تو صرف وہ ہی دعویٰ کر رہا ہوں جو اِس سے پہلے بہت سے انسانوں کو حاصل ہو چکا یعنی نبوت۔

(۱۱) وقال في ذالك الجزء صـ۷۸۴ تحت قوله تعالىٰ

قال لا أملك لنفسي الآيه "ان أنا الاعبد ارسلت نذيرا وبشيرا وَمَا من شأني أعلم الغيب"۔

(۱۱)......علامہ نسفی اپنی اِسی تفسیر میں ﴿قل لااملك لنفسي.... الأيه﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "اِن انا الاعبد ارسلت نذيرا و بَشيرًا وما من شأني اعلم الغيب" میں تو بس ایک بندہ ہوں مجھے خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہے اور یہ میرا مقام نہیں کہ میں غیب جاننے لگوں۔

(۱۲) وقال ايضًا في تفسيره ذالك (۳۳۵/۵) تحت قوله تعالىٰ قُل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب الاالله والمعنىٰ لايعلم أحد للغيب اِلاّ الله ....

وقالت عائشة رضي الله عنها من زعم أنه يعلم مافي غد فقد أعظم على الله الفرية

واللّٰہ تعالی یقول: قل لایعلم من فی السموات والارض الغیب الااللّٰہ۔ ہ۔

(۱۲)......اپنی اسی تفسیر میں ﴿قل لایعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الااللّٰہ﴾ کی تفسیر میں کہتے ہیں ”والمعنیٰ لایعلم احد الغیب الا اللّٰہ“ اورمطلب یہ کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ آگے چل کر مزید فرمایا ”وقالت عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا“ من زعم انہ یعلم مافی غدا فقداعظم علی اللّٰہ الفریۃ واللّٰہ تعالیٰ یقول ”قل لایعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الااللّٰہ“ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جس نے یہ گمان کیا کہ آپ ﷺ کل کے بارے میں جانتے ہیں تو اُس نے اللہ پر تہمت لگائی ایک بہت بڑی تہمت! کیونکہ اللہ تو فرماتا ہے کہ ”کہہ دیجئے زمین وآسمان میں اللہ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔“

(۱۳) وقال العلامۃ محمّد علاء الدین الحصکفی

الحنفی فی کتابہ الدر المختار شرح تنویر الأبصار (۲/ ۲۸۳) علی ھامش رَدالمختار ”تزوج بشھادۃ اللّٰہ ورسولہ لم یجز بل قیل یکفر واللّٰہ أعلم“.

قال ابو محمّد:...... فقولہ ”قیل لیس ھھنا اشارۃ الیٰ ضعف ذالك القول لأنہ قد قدمنا أنہ تصریح من أھل الاجتھاد من الأحناف ثم ھو استدراك منہ تدل علیہ کلمۃ بل ولو سلم لکان ایضًا قاطعًا لنزاع لأن قولہ لم یجز یدل علی أن صاحب الدرالمختار لم یکن معتقدًا بأنّہ ﷺ یعلم الغیب بل وکان ینکر ذلك وللّٰہ الحمد.

(۱۳)......علامہ محمد علاء الدین حصکفی حنفی اپنی کتاب الدرالمختار شرح تنویر الابصار میں فرمایا ہیں ”تزوج بشھادۃ اللّٰہ ورسولہ لم یجز بل قیل یکفر واللّٰہ اعلم“ کسی نے اللہ اور اُس کے رسول کی گواہی پر نکاح کیا تو یہ نکاح جائز نہیں بلکہ کہا گیا ہے کہ اِسے کافر قرار دیا جائے گا باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

راقم ابومحمد کہتا ہے کہ: اِس جگہ پر حصکفی کا تکفیر کے قول کو بصیغہ مجہول ذکر کرنا اِس بات کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ نہیں ہے کیونکہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے کہ احناف میں سے اہلِ اجتہاد علماء نے اِس بات کی تصریح کی ہے لہٰذا یہ حصکفی کی جانب سے استدراک اور وضاحت ہے جیسا کہ لفظ بل سے ظاہر ہے اور اگر اِسے تضعیف بھی مان لیا جائے تب بھی زیر بحث مسئلے میں اتنی بات تو قطعی ہے کہ حصکفی بھی پیغمبر ﷺ کے لئے علمِ غیب کا قائل نہیں اور اِس بات کا اُس نے انکار کیا ہے کیونکہ اُسی کا یہ کہنا کہ یہ نکاح جائز نہیں بلکہ کہا گیا کہ اِس شخص کی تکفیر کی جائے گی اسی عقیدے پر دلالت کرتا ہے۔

(۱۴) وقال شارحہ العلامہ محمّد أمین الحنفی الشھیر بابن عابدین الشامی فی رَد المختار

على الدر المختار (۲/۳۸۳)

قوله قيل يكفر لأنه اعتقد أن رسول الله ﷺ يعلم الغيب . اه.

قال ابو محمّد:...... ففي قوله هذا دلالة واضحة على أن قيل المذكورة في الدرالمختار للجزم لاللتمريض فما أحسن رَدالمختار من الدر المختار ونحوه في ملتقى الأبحر كمافي الطحطاوي على الدر وستأتي عبارته بتما مها .

(۱۴)...... مذکورہ بالا کتاب کے شارح علامہ محمد امین حنفی جو کہ ابن عابدین الشامی کے لقب سے معروف ہیں ردمحتار شرح الدر میں کہتے ہیں: "قوله "قيل يكفر" لانه اعتقد ان رسول الله ﷺ يعلم الغيب" صاحب الدر کا یہ قول کہ "کہا گیا اُس کی تکفیر کی جائے گی" کیونکہ اُس نے یہ عقیدہ رکھا کہ آپ ﷺ غیب جانتے ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ: شارح ابن عابدین کی شرح سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ الدرالمختار میں لفظ "قیل" یقیناً کے معنی میں ہے نہ کہ کمزور قول کے معنیٰ میں۔ تو کیا ہی خوب وضاحت شارح ابن عابدین نے یہاں پر کردی ہے۔ اسی طرح کی بات ملتقی الابحر میں بھی ہے جیسا کہ طحطاوی علی الدر میں مذکور ہے اور اُس کی عبارت بھی مکمل طور پر آگے بیان ہونے کو ہے۔

(۱۵) وفي خزانة الروايات النسخه العلمية صـــ۳۲۷) في المضمرات من فتاوى الحجة"

اذا تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لايصح النكاح بحكم الله ورسوله وحكي عن أبي القاسم أنه قال هذا كفر محض لانه يعتقد أن النبي ﷺ يعلم الغيب .

قال ابو محمّد:...... وأما قول صاحب خزانة الرواية والصحيح أنه لايكفر لأن الأنبياء عليهم يعلمون الغيب ويعرض عليهم الأشياء فلايكون كفرًا فلا يعبأبه بمقابلة هؤلاء الجهابذة لاسيمامثل ابن الهمام وعلى القاري وابن عابدين الشامي وغيرهم ثم المراد المغيبات كمانص عليه بعضهم فهو ايضًا جزائي مع اناقد اثبتنا ان المسئلة ليست محلاً للجزئي والكلي فيما أعلم لايكون غيباً

(۱۵)...... خزانة الروايات میں المضمرات من فتاوى الحجة میں ہے کہ جب کسی شخص نے کسی صورت سے اللہ اور اُس کے رسول کی گواہی پر نکاح کیا تو اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کے مطابق یہ نکاح درست نہ ہوگا اور ابوالقاسم سے منقول ہے کہ یہ واضح کفر ہے کیونکہ یہ شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی ﷺ غیب جانتے ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ باقی خزانۃ الروایات کے مصنف کا یہ کہہ دینا کہ "والصحيح انه لايكفر لان الانبياء عليهم السلام يعلمون الغيب ويعرض عليهم الاشياء فلايكون كفرا" اور درست بات یہ ہے کہ یہ کفر شمار نہ ہوگا کیونکہ انبیاء علیہم السلام غیب جانتے ہیں اور اُن پر چیزیں پیش بھی کی جاتی ہیں لہٰذا یہ کفر نہیں ہے۔ صاحبِ خزانہ کے اِس قول کی اِن بڑے بڑے حنفی علماء خاص طور پر ابن ہمام، ملا علی قاری، ابن عابدین شامی وغیرہ کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں ہے پھر یہ کہ اُن کی اِس بات سے مراد بعض غیبی امور ہیں جیسا کہ بعض حنفی علماء نے تصریح کی ہے لہٰذا یہ بھی جزئی ہوا حالانکہ ہم یہ بات ثابت کر چکے کہ یہ مسئلہ کلی اور جزئی کا ہے ہی نہیں کیونکہ جو اللہ کی طرف سے بتا دیا گیا وہ اب غیب نہ رہا۔

قال ابو محمد:...... وكذا قول الطحطاوى شرح الدرالمختار نقلاً عن شيخى زاده عن التاتارخانية "لايكفر لأن ببعض الأشياء تعرض على روحه ﷺ فيعرف بعض الغيب قال الله تعالى ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ لانه أولاً قد صرح يبعض وهو قاطع للنزاع لأنه دليل على كونه جزئياً.

وثانياً: فى قوله تعرض على روحه دلالة واضحة على أنه اذا من باب الشهادة والنزاع فى الغيب ثم قوله لأن بعض الأشياء تَعرض الخ. دليل على أنه يقال لم يطلق على جميع المغيبات فما اطلقه عليه فشهادة ومالم يظهر فهو الغيب فتفكر.

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ اِسی طرح طحطاوی کا الدرالمختار کی شرح میں شیخی زادہ سے تاتارخانیہ میں سے یہ نقل کرنا "لايكفر لان بعض الاشياء تعرض علىٰ روحه ﷺ فيعرف ببعض الغيب احدا الامن ارتضٰى من رسول"

"اُس کی تکفیر نہ کی جائے گی کیونکہ بعض اشیاء آپ ﷺ کی روح مبارک پر پیش کی جاتی ہیں تو آپ ﷺ بعض غیب جان لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وہ غیب کو جاننے والا ہے پس اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں فرماتا مگر رسولوں میں سے جسے چاہے" یہ بات بھی قائلین علم غیب کو مفید نہیں کیونکہ اولاً تو انہوں نے خود بعض غیب کی تصریح کردی ہے اور یہ بات اِس جھگڑے کا فیصلہ ہی کر دیتی ہے کیونکہ اِس کا مطلب ہوا جزئی علم، ثانیاً اُس کا یہ کہنا کہ بعض اشیاء پیش کی جاتی ہیں، اِس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تو علمِ شہادت یعنی ظاہر موجود کا علم ہوا جبکہ بحث ہو رہی ہے علمِ غیب میں، پھر یہ ہی بات کہ بعض اشیاء پیش کی جاتی ہیں اِس بات کو بھی واضح کردیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام غیبی امور پر مطلع نہیں فرمایا اور معلوم ہوتا

چاہیے کہ جن امور پر مطلع فرمادیا وہ علمِ شہادت کے زمرے میں آ گئے اور جس بات پر مطلع نہیں فرمایا وہ غیب ہے اس بات کو اچھی طرح ذہن میں بٹھالو۔

قال ابو محمّد:...... واما الآية فالكلام عليها من وجوه:

اَوّلا: ...... أنه ذكرها استدلالاً لبعض المغيبات فحسب

وثانياً: ...... انهاليست للإستثناء من الجملة ففى الأية الأخرى ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (ال عمران) والقرآن يفسر بعضه بعضًا.

وثالثا:...... لو سلمناه فايضًا لا يفيد شيئًا لان حكم ما بعد اِلَّا ليس بحتم عند الأحناف.

رابعًا:...... أن مجرد الا ستثناء لايستلزم الوقوع بل يحتمله وعدمه.

خامسًا: ...... ان البحث فى ذات النبى ﷺ وهو يقول ولا أعلم الغيب (الأنعام) فمن يجترع أن يحتج بهذه الاية على دعواه فعليه أن يطلب ويعين بدليل بين المرتضى. غيره وليس له اِلى ذالك سبيل من وجه يلزم.

سادسًا:...... ان بقية الأية تدل على أن "اِلّا" ههنا بمعنى "لكن" لا الاستثناء وتمام الأية هكذا ﴿إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَإِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا﴾ (الجن) فعلى هذا لايتم المطلوب وهو المطلوب.

وسابعاً:...... ان مازعم تعم بها البلوى فانه تعالى قد قال بعد هذه الآية متصلا ﴿لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ﴾ (الجن) فلو سلم أن الأية يصح تعلقهم بها فهى دليل على انا يضًا نعلم الغيب لأن النبى انما يطلعه الله على شئ ليد لنا عليه وهذا معنى قوله تعالىٰ ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ﴾ (التكوير)

راقم ابو محمد کہتا ہے: رہی بات آیت مبارکہ سے استدلال کی تو اُس کی وضاحت بھی چند وجوہ سے ہے، اولاً یہ کہ یہ استدلال محض بعض غیبی امور کے لئے ہے اور اُس کی وضاحت ہم کر چکے، ثانیاً یہ کہ یہ استثناء پچھلے جملے سے ہے ہی نہیں کیونکہ سورۂ آلِ عمران میں ہے ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ...... "اور اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا نہیں ہے لیکن اللہ اپنے رسولوں

میں سے جسے چاہتا ہے منتخب فرماتا ہے۔'' اور یہ بات تو معلوم ہے کہ قرآن پاک کی آیات ایک دوسرے کی وضاحت فرماتی ہیں۔ ثالثاً اگر ہم مان لیں کہ یہ پچھلے جملے سے استثناء ہے تب بھی اُن کے مفید مطلب نہیں کیونکہ الا کے مابعد کا حکم احناف کے نزدیک حتمی نہیں ہے۔ رابعاً محض استثناء سے لازم نہیں آتا کہ مستثنیٰ بات کا وقوع بھی ہو بلکہ صرف احتمال ثابت ہوتا ہے کہ وہ بات ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ خامساً یہ کہ بحث ہو رہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں یا نہیں اور وہ خود اللہ کے حکم سے سورہ انعام میں فرماتے ہیں ''ولا اعلم الغیب'' اور میں غیب نہیں جانتا۔ تو پھر اِس واضح انکار نبوی کے بعد یہ کس کی جرأت ہے کہ اِس محتمل بات سے دلیل لے، اگر دلیل لینی ہے تو ایسی واضح دلیل لے کر آئے جو کہ مستثنیٰ کو معین کردے اور یہ ممکن نہیں کہ اِس طرح کی کوئی دلیل پیش کی جاسکے۔ سادساً آیت کا بقیہ حصہ اِس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ﴿اِلَّا﴾ اِس مقام پر استثناء کے معنی میں نہیں بلکہ لٰكِنَّ یعنی استدراک کا مفہوم لئے ہوئے، کیونکہ پوری آیت اِس طرح ہے ﴿إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِۦ رَصَدًا﴾ لیکن رسولوں میں سے جسے پسند کرے تو اُس کے آگے اور پیچھے محافظ لگا دیتا ہے۔ اِس صورت میں اُن کا استدلال ثابت نہیں ہوتا اور ہمارا مطلوب یہ ہی ہے۔ سابعاً اِس طرح کے استدلال سے تو ایک عام خرابی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اِس کی اگلی آیت میں فرماتا ہے ﴿لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچادیے۔ پس اگر اِس آیت سے اُن لوگوں کا غیب جاننے کا دعویٰ تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ ہی آیت اِس بات کی بھی دلیل قرار پائے گی کہ ہم بھی غیب جانتے ہیں کیونکہ جس کسی بات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مطلع فرمایا نبی ﷺ نے وہ بات لوگوں پر ظاہر فرمادی اور اس آیت مبارکہ میں یہ ہی مفہوم بیان ہوا ہے کہ ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ اور وہ پیغمبر امور غیبی کو چھپانے والا نہیں ہے۔

(١٦) وقال العلامة المرغینانی صاحب الهدایة فی کتابه مختارات النوازل " ولو لم یعتقد بقضاء الله اودعی علم الغیب بنفسه یکفر .٥١.

قال ابو محمّد:...... فهذا دلیل علی أن صاحب الهدایة لم یکن یعتقد أن ﷺ کان یدعیٰ علـم الغیب فکانما۔ من قوله تعالیٰ ﴿قُل لَّآ أَقُولُ لَكُمْ عِندِى خَزَآئِنُ ٱللَّهِ وَلَآ أَعْلَمُ ٱلْغَيْبَ ..الآیة﴾ (الأنعام)

(١٦)......علامہ مرغینانی صاحب ہدایہ فرماتے ہیں اپنی کتاب مختارات النوازل میں ''ولـو لـم یعتقد

بقضاء الله اوادعىٰ علم الغيب بنفسه يكفر" اور اگر اللہ کے فیصلے پر اعتقاد نہ رکھا یا خود غیب جاننے کا دعویٰ کیا تو اُسے کافر قرار دیا جائے گا۔"

راقم ابو محمد کہتا ہے: یہ کلام صاحب ہدایہ کا عقیدہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ یہ ہرگز نہیں سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ نے غیب جاننے کا دعویٰ فرمایا گویا کہ انہوں نے اِس آیت مبارکہ سے استدلال کیا کہ ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ..الآية﴾ (الانعام) کہہ دیجئے کہ میں نہ تو تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔"

(۱۷) وقال العلامة طاهر بن أحمد بن عبدالرشيد بن أبي الحسين افتخار الدين البخاري في خلاصة الفتاوى:

"رجل تزوج ولم يحضر شاهدًا فقال " خدارا ورسول راگواه كردم" يكفر لأنه اعتقد أن الرسول عالم بالغيب اهـ

قال ابو محمد:...... وقد ترجم الكنوى فى الفوائد البهية لهذا الشيخ فقال كان عديم النظير فى زمانه فريد أئمة الدهر شيخ الحنفية بماوراء النهر من أعلام المجتهدين فى المسائل .

وقال فى التعليقات السنية ذكره المولىٰ ابن كمال باشا الرومى من طبقة المجتهدين فى المسائل الذين يقدرون على الاجتهاد فى المسائل التى لارواية فيها عن صاحب المنصب ولايقدرون على مخالفته فى الفروع الأصول .

(۱۷)...... علامہ طاہر بن احمد بن عبدالرشید بن ابی الحسین افتخار الدین البخاری خلاصۃ الفتاویٰ میں کہتے ہیں "رجل تزوج ولم يحضر شاهدا فقال " خداورسول راگواہ کردم "يكفر لانه اعتقدان الرسول عالم بالغيب" کسی شخص نے شادی کی اور گواہ نہ لایا پھر بولا کہ میں نے اللہ اور رسول کو گواہ بنایا تو اُسے کافر قرار دیا جائے گا کیونکہ اُس نے یہ اعتقاد رکھا کہ رسول ﷺ غیب جانتے ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: علامہ لکھنوی نے اِس عالم کے متعلق الفوائد البہیہ میں لکھا ہے "كان عديم النظير فى زمانه فريد ائمة الدهر شيخ الحنفيه بماوراء النهر من اعلام المجتهدين فى المسائل" اپنے زمانے میں بے مثل، اُس دور کے علماء میں یکتا، احناف کے استاد ماوراء النہر میں اور مجتہد فی المسائل کے مرتبے والے بڑے علماء میں سے تھے"۔ اور التعلیقات السنیہ میں فرماتے ہیں "ذكره

المولیٰ ابن كمال باشا الرومی من طبقة المجتهدين فی المسائل الذين يقدرون على الاجتهاد فی المسائل التی لا رواية فيها عن صاحب المذهب و لا يقدرون على مخالفته فی الفروع والاصول" ابن کمال پاشا نے انہیں مجتہد فی المسائل کے طبقے میں ذکر کیا ہے جو کہ اُن مسائل میں اجتہاد کی قدرت رکھتے ہیں کہ جس میں صاحب مذہب سے کوئی روایت نہ ہو جب کہ فروع واصول میں اُس کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

قال ابو محمّد:...... فهذا دليل على انما قاله هو عين مذهب الامام أبی حنيفة ثم فتاواه هذا ايضًا معتبرة فقد قال الكهنوی فی الفوائد" وقد طالعت من تصانيفه خلاصة الفتاوی ذكر فيه أنه لخصه من الواقعات والخزانة وهو كتاب معتبر عند العلماء معتمد عند الفقهاء.

راقم ابو محمد کہتا ہے: اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ ہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، مزید یہ کہ اُن کے یہ فتاویٰ بھی معتبر شمار کیے جاتے ہیں، علامہ لکھنویؒ الفوائد البہیہ'' میں کہتے ہیں "وقد طالعت من تصا نيفه خلاصة الفتاویٰ ذكر فيه انه لخصه من الواقعات والخزانه وهو كتاب معتبر عند العلماء معتمد عند الفقهاء" میں نے اُن کی تصنیفات میں سے خلاصہ الفتاویٰ کا مطالعہ کیا ہے جس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اِس کتاب میں انہوں نے الواقعات اور الخزانہ سے تلخیص کی ہے اور یہ کتاب علماء اور فقہاء کے نزدیک معتبر اور قابل بھروسہ ہے۔

قال ابو محمّد:...... فقوله يكفر تنصيص منه دون صيغة تمريض او تضعيف فهو كان الأحناف الذين يراعون الانصاف وأما اهل الاعتساف فلا يقصدون الا الجدال والخلاف.

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ: یہاں پر اُن کا قول "یکفر" کا فر قرار دیا جائے گا صریح اور بالکل واضح ہے اور بصیغہ تضعیف یا تمریض نہیں ہے اور یہ قول ہی اُن احناف کے لئے کافی ہے جو کہ انصاف پسند ہوں باقی رہے بے انصاف ان کا تو مقصد ہی جھگڑا اور اختلاف ہے۔

(۱۸) ملتقى الابحر صفحه ۴۱۰ فلو تزوج امرأة بشاهدة ورسوله لايجوز النكاح وعن قاسم الصفار هو كفر لانه اعتقد ان رسول الله ﷺ يعلم الغيب وهٰذا كفر اه.

قال ابو محمّد:...... هٰذا ايضًا تنصيص دون تمريض فافهم.

(۱۸)...... "ملتقى الابحر" میں ہے "فلو تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لايجوز النكاح وعن قاسم الصفار هو كفر لانه اعتقد ان رسول الله ﷺ يعلم الغيب وهٰذا كفر" پس اگر اُس نے کسی عورت سے اللہ اور اُس کے رسول کی گواہی پر نکاح کیا تو یہ نکاح جائز نہیں اور قاسم صفار سے منقول ہے کہ یہ کفر ہے کیونکہ اِس شخص نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ غیب جانتے ہیں اور یہ کفر ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: یہ الفاظ بھی نص صریح ہیں، تمریض نہیں ہے سمجھ لو۔

(۱۹) وقال العلامة الجامي في نصوص الحكم ليس المتصور من الكشف الواقع لبعض الناس في بعض الاوقات اِلا ان يطالع العبد المكاشف أي يحصل له الاطلاع في امرخاص ان شاء الله تعالى اطلاعه لاغير كما قال ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ فان قلت قوله ﷺ فعلمت علم الاولين والاٰخرين يدل علىٰ عموم اطلاعه وان كان في بعض الاوقات قلت لانسلم ذالك لان مايعلمه الاولون والاٰخرون امرخاص بالنسبة اِلى معلومات الحق سبحانه ولو سلم عمومه فالمثبت في الحديث علمه الكلي الاجمالي في مقام الروح والمنفي هٰهنا علمه التفصيلي في مقام القلب والله تعالىٰ اعلم.

(۱۹)...... علامہ جامی شرح نصوص الحکم میں فرماتے ہیں "بعض لوگوں کو جو کشف ہوتا ہے اُس سے مراد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک صاحبِ کشف بندہ کسی امر پر مطلع ہو جائے یعنی کسی خاص معاملے پر کہ جو اللہ اُسے بتانا چاہے اِس کے علاوہ اور کچھ نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ اللہ کے علم میں سے کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اِس کے جو اللہ خود چاہے۔ پس اگر تم کہو کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان: "فعلمت علم الاولين والآخرين" تو میں نے اگلوں اور پچھلوں کا علم جان لیا۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ عمومی طور پر ہر چیز پر مطلع ہیں اگرچہ بعض اوقات ہی، ہمارا جواب یہ ہمیں یہ معنی قبول نہیں ہے کیونکہ جو کچھ اگلے اور پچھلے لوگوں کے علم میں ہے وہ اللہ کے علم کی نسبت سے ایک امر خاص ہی ہے اور اگر اِس کا عموم بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی حدیث میں جس چیز کا اثبات ہے وہ ایک کلی اور اجمالی بات ہے جبکہ یہاں پر جس بات کی نفی ہے وہ ہے تفصیلات کا علم اور اِس کا مقام قلب ہے جیسا کہ پہلے کا مقام روح ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

(۲۰) وقال العلامة المعروف بخواجه محمد معصوم فى المكتوب السادس من مكاتبه "مالفظه "انچه پیغمبر علیه الصلاة والسلام فرمود" "لادری وانا رسول الله ﷺ ما يفعل بى ولا بكم" نه ازراه ابهام است وليكن دراں باین معنى است كه تفصیل آنچه بمن ودیگراں در دنیا واخره بكنند نمید انم چه علم غیب مخصوص بحق سبحانه است چنانچه مفسراں گفته ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

(۲۰)......علامہ خواجہ محمد معصوم اپنی مکتوبات کے چھٹے مکتوب میں فرماتے ہیں "**انچه پیغمبر علیه الصلوٰة والسلام فرمود" "لادری وانا رسول الله مایفعل بی ولا بکم " نه ازراه ابهام است ولیکن دراں بایں معنی است که تفصیل آنچه بمن و دیگراں در دنیا وآخره بکنند نمیدانم چه علم غیب مخصوص بحق سبحانه است چنانچه مفسراں گفته** ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ یہ جو آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ "میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا" یہ کوئی مبہم کلام نہیں ہے بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ میرے اور دوسروں کے ساتھ ہوگا اُس کی تفصیل میں نہیں جانتا اِس لئے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ مفسرین اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "تو کوئی نہیں جانتا کہ اُن کے لئے کیا آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے اُن کے اعمال کے صلے کے طور پر"۔

(۲۱) وقال العلامة عين القضاة اللكهنوى فى "ابراز المكنون" ان الله تعالىٰ وهب للنبى ﷺ علومًا يلفت كثرة كثيرة بحيث خصها ولم يعطها احدا مما سواه وهٰذا هو الذى اشارة الله تعالىٰ اِليه بقوله ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ فهٰذا القدر امر اعتقادى يجب على كل سلم وسلمه ان يتيقن به ومع هٰذا يجب عليه ايضًا ان لا يحكم وجودا عدما باحاطة خصوصية مصداق له مالم يدل عليه دليل قطعى او دليل ظنى يقع مفسرًا لدليل قطعى آخر بشرط ان تكون الدلالة جامعة بشرائطها الاصوليه وان يفوض الامر اِلى الله تعالىٰ عند فقدان الدليل الكذائى لئلا يلزم الكذب عليه تعالىٰ وعلىٰ نبيه ﷺ وان لا يلتفت اِلى قول مخالف

لكتاب والسنة اصلًا وان صد فرعن اجل العمائد المتبحرين فلا يلتفت الى القول بحصول علم الساعة له ﷺ وذالك لانه مخالف لما اضر الله تعالى عن حصر علمها فيه فى قوله ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ وايضًا هو، . مخالف لما امر اخبر النبى ﷺ قبيل مرض توفى فيه عن عدم حصول علمها له فاذا كان ذالك القول مخالفا الخبر الله تعالى وخبر الرسول ﷺ كان ساقطا عن حيز الاعتبار لان الخبر لا يقبل النسح اجلًا فاتقن هذه الفوائد فانها تنجى عن السؤ الوبيل وتهدى الى سواء السبيل والله تعالى الى دار الرشاد ومنه الوصول الى السداد اھ.

(۲۱)......اور علامہ عین القضاۃ لکھنوی کہتے ہیں "ابراز المکنون" میں کہ "بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بہت زیادہ علوم عطا فرمائے کہ اُنہیں اُن کے ساتھ خاص فرمایا اور اُن کے علاوہ کسی کو عطا نہیں فرمائے اور یہ ہی بات ہے جس کی جانب اِس آیت میں اشارہ ہے کہ ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ اور اللہ نے آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اتنی بات عقیدے کا معاملے ہے اور ہر مسلمان مرد وعورت پر اس بات کا یقین رکھنا واجب ہے اور اِس کے ساتھ یہ بھی واجب ہے کہ کسی خاص چیز کے علم ہونے یا نہ ہونے کا حکم تب تک نہ لگائے جب تک کہ کوئی دلیلِ قطعی یا کوئی دلیلِ ظنی جو کہ دلیل قطعی کی تفسیر کرتی ہے اُس بات پر دلالت نہ کرے اور وہ بھی اِس شرط کے ساتھ کے ولالت اپنی تمام اصولی شرائط پر پوری اترتی ہو اور اگر ایسی دلیل نہ ہو تو پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے تا کہ اللہ اور اُس کے پیغمبر کی جانب کوئی جھوٹ منسوب نہ ہو اور کسی کتاب وسنت کے مخالف قول کی طرف قطعاً التفات نہ کیا جائے اگر چہ وہ قابل بھروسہ ماہر علماء سے ہی منقول کیوں نہ ہو اس لئے قیامت کے علم کا آپ ﷺ کے لئے دعویٰ قابلِ التفات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم صرف اپنے پاس ہونے کی خبر دی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ اور یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو، کہہ دو کہ علم تو صرف اللہ کے پاس ہے اور میں تو بس واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں"۔ مزید یہ کہ یہ بات خود آپ ﷺ کے فرمان کے بھی خلاف ہے کہ آپ ﷺ اپنی وفات کی بیماری میں بھی قیامت کا علم نہ ہونے کی خبر دی پس جب یہ بات اللہ اور اُس کے رسول کے فرمان کے خلاف ہے تو پھر اعتبار

کے درجے سے بالکل گری ہوئی ہے کیونکہ اخبار اور واقعات میں تو نسخ بھی نہیں ہوتا اِس لئے اِس قاعدے کو پختہ طریقے سے ذہن میں بٹھالو کیونکہ یہ خرابی اور بربادی سے نجات دینے اور سیدھی راہ کی جانب رہنمائی کرنے والا ہے اور اللہ ہی رشد و ہدایت کا رہبر ہے اور اُس کی مدد سے درست نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے۔"

(۲۲) وقال العلامة عبد الغفور الهمایونی فی فتاواه المطبوعة فی المطبع رفاه عام الکائنه فی اللاهور صـــــ ۳۰۸ ونبی علیه السلام راعلم جزی پست نه کلی یعنی علم محیط شامل نیست که اٰن خاصه خداوند تعالیٰ است واللّٰه اعلم بالصواب".

قال ابو محمّد:...... هٰذا من اعظم الحجج علیهم لان غالبهم یحتج بقول هٰذا الشیخ .

(۲۲)...... اور علامہ عبدالغفور ہمایونی فتاویٰ ہمایونی جو کہ لاہور کے مطبع رفاہ عامہ سے چھپی ہے صفحہ ۳۸۰۸ پر فرماتے ہیں:

"و نبی علیه السلام راعلم جزی پست نه کلی یعنی علم محیط شامل نیست که اٰن خاصه خداوند تعالیٰ است والله اعلم بالصواب۔" اور آپ ﷺ کا علم جزئی ہے، کلی نہیں ہے مطلب یہ کہ ایسا علم جو کہ ہر چیز کا احاطہ کرلے نہیں ہے کیونکہ ایسا علم اللہ تعالیٰ کا ہی خاصہ ہے باقی اللہ ہی درست بات کو خوب جاننے والا ہے۔

ابو محمد کہتا ہے: اور یہ حوالہ اِن قائلین علم غیب الرسول ﷺ کے خلاف سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ اِن میں سے اکثر اِس عالم یعنی عبدالغفور ہمایونی کے قول سے دلیل لا رہے ہوتے ہیں۔

(۲۳) وقال الشاه عبدالعزیز فی تفسیره المسمّٰی بفتح العزیز مخلوقات هر چند باشند اول علم محیط ندارند که بر ذکر هوذاکر مطلع شوند دویم استیلاً دائمی بر روح نمی تو انند کرد چه یشغلهم شأن عن شأن واو تعالیٰ لایشغله شأن عن شان"

(۲۳)......شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنی تفسیر فتح العزیز میں لکھتے ہیں

"مخلوقات هر چند باشند اول علم محیط ندارند که بر ذکر هر ذاکر مطلع شوند دویم استیلاء دائمی بر روح نمی تو انند کرد چه یشغلهم شأن عن شأن وا وتعالیٰ لایشغله شأن عن شان۔" مخلوقات جو بھی ہوں اولاً تو علم محیط نہیں رکھتے کہ ہر ذکر کرنے والے کے ذکر پر مطلع ہو سکیں ثانیاً اُنہیں روحانیت پر ہمیشہ قابو نہیں رہتا کیونکہ ایک چیز پر توجہ اُنہیں دوسری چیز سے غافل کر دیتی ہے جبکہ اللہ کی شان یہ ہے کہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کو کسی بات سے بے خبر نہیں کر سکتی۔

(۲۴) وقال العلامه بحر العلوم في شرح المثنوى انسان كامل خصوص قطب الاقطاب بعد تمام شدن ومردر سيرن بيقا بعد فناء اعيان ثابته رامشاهده في كننه واستعداد أن اعيان منكشف في گردد پس هر حال كه بران اعيان جارر مى شود يا خواهد شد على الاجمال منكشف مى شود پر سعادت ازليه وشقاوت ازليه وشقاوت ازليه هردو اشكارمى گردد يروى واين نيست كه تمام اعيان ممكنات على التفصيل باصوالها أن اور امنكشف من شود واين درحق بشر محال است چنانچه منصوص است ودر فصوص الحكم وچگونه چنين باشد والا مساوات او بالله تعالىٰ لازم آيد ۱۵"

(۲۴)...... علامہ بحرالعلوم شرح مثنوی میں لکھتے ہیں: ''ایک کامل انسان خاص طور پر قطب الاقطاب تکمیل اور بقا بعد فنا کو پہنچنے کے بعد جب ظاہری اشیاء پر نظر ڈالتے ہیں تو اُن ظاہری اشیاء کی باطنی خصوصیات ان پر ظاہر ہو جاتی ہیں پس جو حالت بھی اُن ظاہری اشیاء پر وارد ہوتی ہے اجمالی طور پر اُن کے لئے ظاہر ہو جاتی ہے پس ازلی نیک بختی یا ازلی بدبختی دونوں ہی ان پر ظاہر ہو جایا کرتی ہیں مگر ایسا نہیں ہے کہ تمام ممکنات اپنی تفصیلات سمیت اُن پر ظاہر ہو جائیں اور یہ بات انسان کے لئے ناممکن ہے جیسا کہ فصوص الحکم میں واضح طور پر مذکور ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو اللہ کے ساتھ برابری لازم آتی ہے۔

(۲۵) وقال العلامه السيد محى الدين عبداللطيف ديلوروعى في فصل الخطاب حاصل اين اسناد وروايات آنكه احاطه علمى صفت خاصه خدا است تعالى و تقدس هيچ كس دريں صفته شركة ندارد اگر شريكه بودى افضل مخلوقات وسرور كائنات را ﷺ احتياج بجاسوس واخبار نويس وشاوره بنورى ودر مقدمه تابيد نخلا "انتم اعلم بامور دنيا كم" نفر مودى وبرأى دريافت حضرت امير المؤمنين عثمان رضى الله عنه وبى بى رقيه كه بجش هجرت كرده بودند تعلق خاطر نداشتير وحال ايشان از زنانه پرسيدى واز تهمت منافقان وبرائت عائشه پيش ازورود وحى مطلع بودى وعاصم وديگر چند اصحابى راباطراف مكه معظم وهفتاد اصحابى بخد نفرت ده وبروست كفار مقتول نشدره ويعقوب عليه السلام درفراق يوسف عليه السلام گرياں بتودى وبصارت ازدست لدادى موسىٰ عليه السلام بركار باخضر عليه السلام اعتراض تكردى وريش هارون عليه السلام

رابدست نگر فتر وموز سروذنکشیدی واھانت وی نکردی واز اژدھا بودن عصاء خویش خبر نبودی اھ"

(۲۵)...... علامہ سید محی الدین عبداللطیف دیلوروی فصل الخطاب میں کہتے ہیں ''اِن اسناد اور روایات کا خلاصہ یہ کہ (ہر قسم) کے علم کا احاطہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے کوئی بھی اِس صفت میں اللہ کے ساتھ شریک نہیں اگر کوئی شریک ہوتا تو افضل المخلوقات اور سرور کائنات ﷺ کو جاسوس، محرر اور مشیر کی ضرورت نہ ہوتی اور تابیر النخل کے معاملے میں "انتم اعلم باموردنیا کم " (تم اپنے دنیا کے معاملات بہتر سمجھتے ہو) نہ فرماتے اور حضرت عثمان اور رقیہ رضی اللہ عنہما کے ہجرتِ حبشہ کے وقت پریشان نہ ہوتے اور عورتوں سے اُن کی خیریت دریافت نہ فرماتے اور منافقوں کی تہمت اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت سے نزول وحی سے پہلے ہی باخبر ہوتے اور عاصم اور چند صحابہ کو مکے کے اطراف میں اور ۷۰ صحابہ کو نجد کی جانب نہ بھیجتے اور نہ وہ کفار کے ہاتھوں شہید ہوتے اور یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے فراق میں گریہ کر کے اپنی بینائی نہ کھوتے اور موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے کاموں پر اعتراض نہ کرتے اور نہ ہی ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور بالوں کو کھینچ کر اُن کی اہانت کے مرتکب نہ ہوتے اور اپنی لاٹھی کے سانپ بن جانے سے بے خبر نہ ہوتے۔''

(٢٦) وقال العلامه الشيخ داؤد يوسف الخطيب الفتاوىٰ الغياثية المطبوعة فى مصرفى صـــ١٠٣ قالوا فيمن تزوج في السر وقال (خدائے ورسول گواه نهادم) يكفر لانه اعتقدان الرسول يعلم الغيب اھ

(۲۶)...... اور علامہ شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الفتاویٰ الغیاثیہ کے صفحہ ۱۰۳ پر لکھتے ہیں "قالوا فيمن تزوج في السروقال (خدائے و رسول گواه نهادم) يكفر لانه اعتقد ان الرسول يعلم الغيب"۔ کہا (علماء نے) کہ ایک شخص نے چھپ کر شادی کی اور بولا کہ اللہ اور رسول کو میں نے گواہ بنایا تو اُسے کافر قرار دیا جائے کیونکہ اُس نے اعتقاد رکھا کہ رسول ﷺ غیب جانتے ہیں۔

(٢٧) وقال المخدوم عبد الواحد السندى السيوستانى فى بياضه فى النسخة القلمية فى كتاب النكاح رجل تزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز لانه نكاح لم يحضره الشهود قيل يكفر اھ۔

(۲۷)...... اور علامہ عبدالواحد سندھی سیوستانی بیاض واحدی میں کہتے ہیں ''ایک شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی گواہی پر نکاح کیا تو یہ نکاح ناجائز ہے کیونکہ گواہ نہ تھے اور کہا گیا کہ اِس کو کافر قرار دیا جائے

گا۔ (بیاض واحدی قلمی کتاب النکاح)

(۲۸) وقال العلامة المخدوم محمد هاشم التتوى السندهى فى كتاب فرائض الاسلام لفظه
ان علم جميع المخلوقات من الانبياء والا ولياء والعلماء وغيرهم بالنسبة إلى علمه تعالىٰ كالقطرة بالنسبة إلى البحر اقل من ذالك اهـ"

(۲۸)...... علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھی اپنی کتاب فرائض الاسلام میں کہتے ہیں ''تمام مخلوقات، انبیاء، اولیاء اور علماء وغیرہ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہے گویا سمندر کے مقابلے میں قطرہ بلکہ اس سے بھی کم۔"

(۲۹) وقال العلامة الكمال بن ابى الشريف فى المسارة شرح المسائرة لابن الهمام المطبوع فى مصر صـ۲۰۲ وكن اعلم المغيبات اى وكعدم على بعض المسائل عدم علم المغيبات فلا يعلم النبى منها الاماعلمه الله تعالىٰ به احياناً وذكر الحنفية فى فروعهم تصريحًا بالتكفير باعتقاد ان النبى يعلم الغيب لمعارضته قوله تعالى قل لايعلم من فى السمٰوٰت والارض الغيب إلا انه والله اعلم اهـ.

(۲۹)...... علامہ کمال ابن ابی الشریف ابن الہمام کی کتاب "المسائرہ" کی شرح المسامرہ میں کہتے ہیں اور اسی طرح غیب کا علم یعنی بعض مسائل کی طرح غیب کا نہ جاننا بھی ہے تو نبی پاک اُس میں سے نہیں جانتے مگر وہ جو اللہ انہیں بتا دے کبھی کبھی اور احناف نے کہا ہے اپنے فروعی مسائل میں واضح طور پر کفر اِس عقیدے کو کہ نبی ﷺ غیب جانتے ہیں کیوں کہ یہ اِس فرمان باری تعالیٰ کے خلاف ہے کہ ''کہہ دو کہ زمین وآسمان میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ والله اعلم بالصواب"

(۳۰) وقال العلامة الشيخ زين الدين الشهير بابن النجيم فى البحر الرائق شرح كنز الدقائق المطبوع فى مصر ج ۳ صـ۹٤ فى الخانية والخلاصة لوتزوج بشهادة الله ورسوله .... ويكفر لاعتقاده ان النبى يعلم الغيب اهـ.

(۳۰)...... علامہ شیخ زین الدین جو کہ ابن النجیم کے لقب سے مشہور ہیں "البحر الرائق شرح کنز الدقائق" کی تیسری جلد کے صفحہ ۹۴ پر کہتے ہیں ''اور خانیہ میں ہے اور خلاصہ میں بھی کہ اگر اللہ اور اُس کے رسول کی گواہی پر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا اور اِس عقیدے کی وجہ سے کہ نبی ﷺ غیب جانتے ہیں اُسے کافر قرار دیا جائے گا۔"

(۳۱) وفی الفتاویٰ الکبری المعروفة بفتاویٰ عالم کیری المطبوعة فی نولکشور ج اول صــــ۸۸۷ رجل تزوج امرأة ولم یحضر الشهود قال خدای راورسول راگواه کردم او قال خدارا وفرشتگاه راگواه کروم کفر اھ.

قال ابو محمّد:...... هٰـذا الـفتاوٰی حجة عند هٰؤلاءِ المتعصبة فعلیهم ان یرجعوا عن قـولهـم الفاسد ویقروا بماکتب ذالك الفتویٰ المعتبرة عندهم فی المسئلة المبحوثة عنهـا والا تـعـلـم یـقینـا انهم یلعبون الدین ویتبعون انفسهم ولا یتبعون الحق بل یجعلونه تابعاً لاهواءِ الردیة فالی الله المشتکی.

(۳۱)...... اور الفتاوی الکبریٰ جو کہ فتاوٰی عالمگیری کے نام سے مشہور ہے اس میں ہے''ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور گواہ حاضر نہ کئے اور کہا کہ اللہ اور رسول کو گواہ بناتا ہوں یا کہا کہ اللہ اور فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں تو اُسے کافر قرار دیا جائے گا۔''

ابو محمد کہتا ہے: یہ فتاویٰ جات اِن متعصب مقلدوں کے ہاں حجت اور دلیل ہیں لہٰذا اب اِن پر لازم ہے کہ اپنے فاسد قول سے باز آجائیں اور اُس بات کا اقرار کرلیں جو کہ اُن کے نزدیک معتبر فتاویٰ جات میں لکھی ہے زیرِ بحث مسئلہ علم غیب کے بارے میں اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر ہم اچھی طرح جان لیں گے کہ وہ دین کے ساتھ کھیلتے ہیں اور پیروی صرف اپنے نفس کی کرتے ہیں اور بجائے حق کی پیروی کرنے کے انہوں نے حق کو اپنی بیکار خواہشات کا تابع بنایا ہوا ہے تو بس بارگاہ الٰہی میں ہی شکایت ہے اور وہی کارساز ہے۔

(۳۲) وقـال الـعـلامة سـعـد الدین التفتازانی الحنفی فی شرح المقاصد و تفسیر قوله تعالیٰ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا﴾ الآیه

ان الـغـیـب هٰهنا لیس للعلوم بل مطلق اومعین هو وقت وقوع القیامة بقرینة السیاق ولایبـعـد ان یطلع علیه بعض الرسل من الملٰئکة او ابشر فیصح الاستثناء وان جعل مـنـقـطـعًـا فـلاخـفـا بل لامتناء حینئذٍ فی جعل الغیب للعموم بکون اسم الجنس المضاف بمنزلة المعرف باللام سیمًا وقدکان الاصل مصدرًا ویکون الکلام لسلب الـعـمـوم ای لایطلع علی کل غیبه احدًا ولا ینافی اطلاع البعض علی البعض وکذا الاشـکـال ان خـص الاطـلاع بـطـریق الوحی وبالجملة فالاستدلال مبنی علی ان الـکـلام لـعـمـوم السـلـب ای لایطلع علی شیءٍ من غیبه احدًا من الافراد نوعا من

الاطلاع وذالك ليس بلازم اھ.

(۳۲)......اور علامہ سعد الدین تفتازانی حنفی شرح القاصد میں اِس آیت مبارکہ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں ''اِس مقام پر غیب عموم کے لئے نہیں ہے بلکہ یا تو مطلق ہے یا پھر معین ہے اور وہ معین ہے قیامت کے وقوع کا وقت جیسا کہ سیاق و سباق سے ظاہر ہے اور یہ بعید از فہم نہیں کہ ملائکہ یا بشر میں سے بعض رسولوں کو اِس بات کی اطلاع دے دی جائے ایسے میں استثناء درست ہوگا اور اگر مستثنیٰ منقطع مانا جائے تو کوئی اعتراض ہی نہیں ہوتا بلکہ ایسی صورت میں غیب کو عموم کے لئے ماننے میں بھی کچھ مانع نہیں اور وہ اِس طرح کہ لفظ غیب اسم جنس مضاف کو معرف باللام کے مفہوم میں لے لیا جائے خاص طور پر اِس لئے بھی کہ یہ اصل میں مصدر ہی تھا اور ایسی صورت میں کلام سلبِ عموم کے لئے ہوگا یعنی مطلب یہ کہ اپنے تمام علمِ غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا اور یہ بات بعض افراد کے بعض غیب پر مطلع ہونے کے منافی نہیں ہے اور اِسی طرح کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اگر اطلاع کو وحی کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے۔

خلاصہ کلام:...... یہ کہ معترض کا استدلال اِس بات پر مبنی ہے کہ کلام عمومِ سلب کے لئے ہے یعنی اپنے غیب میں سے کسی چیز پر کسی بھی فرد کو مطلع نہیں فرماتا اور یہ اعتراض اِس کلام پر وارد ہوتا ہی نہیں ہے۔

(۳۳) وقال ایضًا فی شرح العقائد النسفیه المطبوع فی الدهلی وبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به الله تعالٰى لاسبيل اِليه للعباد اھ.

(۳۳)......اور علامہ تفتازانی شرح العقائد النسفیہ میں کہتے ہیں ''وبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به الله تعالٰى لاسبيل اليه للعباد۔'' خلاصہ کلام یہ کہ علم غیب ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور بندوں کے لئے محال ہے۔''

(٣٤) وقال الشيخ العلامة نعمة الله بن محمود النخجوانی الحنفی فی تفسیره المسمٰی بالفواتح الالٰهية والمفاتيح الغيب الموضحة القرآنيه والحكم الفرقانية ج ا صـــــ ۲۱۹ فی تفسير قوله تعالٰى " قل لا اقول لكم عندى خزائن الله " الاٰية مالفظه قل يا اكمل الرسل كلامًا ناشيًا عن محض الحكمة لقلوبهم القاسيه .

"لااقول لكم عندى خزائن الله " العليم الحكيم اى جميع مراداته ومقدوراته ولااعلم انا ايضًا الغيب اى جميعًا اِذ هما مما استأثر الله به لا يحوم حوله احد من

خلقه . اھ .

(۳۴)......علامہ نعمت اللہ بن محمود النخجوانی الحنفی اپنی تفسیر "الفواتح الالهية والمفاتيح الغيبيه" میں فرماتے ہیں ﴿قل لا اقول لكم عندى خزائن الله ولا اعلم الغيب﴾ کی تفسیر میں "قل يا اكمل الرسل كلامانا شئا عن محض الحكمة ـلقلوبهم القاسية "لااقول لكم عندى خزائن الله العليم الحكيم" اى جميع مراداته ومقدوراته "ولااعلم "انا ايضا "الغيب" اى جميعا اذهما مما استأثر الله به لايحوم حوله احد من خلقه. کہہ دو اے کامل ترین پیغمبر وہ بات جو کہ خلاصہ حکمت ہے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ علیم وحکیم کے خزانے یعنی اُس کی تمام مرادات اور مقدورات ہیں اور میں تمام غیب بھی نہیں جانتا کیونکہ یہ دونوں خاصہ باری تعالیٰ ہیں کے جس کے نزدیک مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔

(۳۵) وقال فى صـــ۲۷٦ــ من جزءُ الاول ايضًا فى تفسير قوله تعالىٰ ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا...الآية﴾ بالفظه قل يا اكمل الرجل لمن ظن بل انك خفى عليم بالسرائر الامور والعلوم ومخفياتها خبير انت بحقائق الموجودات وماهيا تها اعترافًا للعبودية وسلبًا لِلاختيار عن نفسك والله لا املك لنفسى نفعًا اع ما اوحى الله إلى ولو كنت اعلم الغيب يعنى لو تعلق علمى بعواقب امورى لاستكثرت من الخير لنفسى وصرت بحيث ما مسنى السوء ابدًا وماالحقنى ضرا صلا اھ . .

(۳۵)......اپنی اسی تفسیر میں اِس آیت مبارکہ ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا...الآية﴾ کی تفسیر میں کہتے ہیں "کہہ دو اے کامل ترین پیغمبر اُس شخص سے جو کہ یہ سمجھتا ہے کہ مخفی رازوں سے واقف اور تمام موجودات اور اُن کے حقائق سے باخبر ہیں، اپنی بندگی کا اعتراف کرتے ہوئے اور اپنے اختیار کی نفی کرتے ہوئے کہ اللہ کی قسم میں اپنے لئے نفع حاصل کرنے اور نقصان دفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا سوائے اِس کے کہ اللہ خود مجھے کوئی نفع دینا چاہے یا ضرر دفع کرنا چاہے اور یہ بھی کہ میں غیب نہیں جانتا سوائے اُس کے جو اللہ میری طرف وحی فرمائے اور اگر میں غیب جانتا یعنی مجھے اپنے تمام امور کا انجام معلوم ہوتا تو میں اپنے لئے بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور میں ایسا ہو جاتا کہ کبھی کوئی تکلیف مجھے مس بھی نہ کر پاتی۔"

(۳٦) وقال فى صـــ۳٤۹ــ من هٰذا الجزء فى تفسير قوله تعالىٰ فقل انما الغيب لِلّٰهِ فقل فى جوابهم بلٰى ان الله قادر على جميع المقدورات ومن جملتها مقترحاتكم

اِلا ان فی عدم انزالها وانجاهها حكمة غيبية ومصلحة خفية اِلٰهيةُ لايعلمها اِلاهو انما الغيب كله لله فی حيطة حضرة علمه اھ.

(۳۶)......اور اپنی اسی تفسیر میں "فقل انما الغيب لله" کی تفسیر میں فرماتے ہیں "تو اِن سے کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں؟ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور تمہارے مطالبے بھی اُس کے زیرِ قدرت ہیں مگر اِس قدرت کے ظاہر نہ ہونے میں کوئی غیبی حکمت و مصلحت ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ غیب کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

(۳۷) وقال ایضًا فی صـ۶۹ـ من الجزء الثانی من .... فی تفسیر قوله تعالیٰ ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ مالفظه قل يا اكمل الرسل كلامًا ناشئًا عن محض التوحيد خاليًا عن الكثرة مطلقًا لايعلم من ظهر فی السماوات اع العلويات .

(۳۷)......اپنی اسی تفسیر میں ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی تفسیر میں کہتے ہیں "کہہ دو اے کامل ترین پیغمبر ایک خالص توحید پر مبنی کلام ایسا کلام جو کہ کثرت کے عیب سے بالکل پاک ہے مطلق طور پر کہ جو آسمانوں یعنی بلند کائنات میں اور جو زمین یعنی پستی کے مکین ہیں کہ جنہیں شعور و ادراک پر تخلیق کیا گیا ہے اُن میں سے کوئی بھی غیب یعنی وہ چیز جو کہ اُن کے حواس اور عقل سے پوشیدہ اور اعضاء حس کی پہنچ سے دور ہے نہیں جانتا اور اُن کے لئے ممکن نہیں کہ اُس کا احاطہ کر سکیں یا اُس کے شعور اور ادراک سے متصف ہو سکیں سوائے اللہ تعالیٰ کے جو کہ زمان و مکان کی نسبت سے بالکل پاک ہے۔ بلکہ ہر چیز اس کے اسماء و اوصاف کے احاطے میں ہے۔ وہ جنس اور فصل کی شرکت اور امتیاز سے پاک ہے پس وہ اکیلا تنہا ہے ہر جہت سے کوئی چیز اُس کے ساتھ نہیں اور کوئی زندہ اُس سے مستغنی نہیں لہٰذا وہ کسی کے ساتھ کسی چیز میں شراکت دار نہیں کہ اُس سے اُسے ممتاز کیا جائے بلکہ اُس کا یکتا ہونا کسی دوسری یکتائی جیسا نہیں اور اُس کا علم کسی علم و ادارک سے مشابہ نہیں اور اِسی طرح اُس کی باقی تمام اسماء و صفات کیونکہ وہ پاک پروردگار اپنے مکمل علم کے ساتھ ہر ظاہر، باطن" موجود، غیر موجود چیز کوئی جانتا ہے بغیر کسی تقدم و تاخر، زمان و مکان، اسباب و آلات، علل و موجبات یا شرائط و مقتضیات کے بلکہ ہر چیز اُس ذات پاک کے حضور میں برابر ہے کسی بھی طرح کی پوشیدگی یا ظہور کے اختلاف کے بغیر اور اگر یہ زمین و آسمان کے عالم پورا زور صرف کریں تب بھی معلوم نہیں کر سکتے کہ کب اٹھائے جائیں گے اور کب اپنی قبروں سے

نکال کر جمع کیے جائیں گے اللہ کے سامنے پیش ہونے کے لئے اور اگر اللہ کی توفیق سے اگر اپنی کوششوں کے بعد یہ جان بھی لیں کہ ایک دن اپنے اعمال کی جزاء اور سزا کے لئے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور یوم حساب لازماً آنا ہے تب بھی حشر ونشر کے وقت کا متعین نہیں کر سکتے کیونکہ حشر ونشر کا متعین وقت ان غیبی امور میں سے ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص رکھے ہیں اور اپنے انبیاء اور اولیاء میں سے بھی کسی کو اُس پر مطلع نہیں فرمایا۔

اتباعِ سنت

محترم حافظ محمد ادریس رحمہ اللہ (شہید ان شاء اللہ) سابق امیر جمعیت اہلحدیث سندھ جماعت اہلحدیث کہ ایک نامور عالم دین اور تمسک بالسنۃ کے نام سے مشہور و معروف تھے وہ حیدر آباد شہر میں گاہے بگاہے تبلیغی و اصلاح پروگرام منعقد کرتے رہتے تھے اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک دفعہ محترم شاہ صاحب رحمہ اللہ کا پروگرام ترتیب دیا جس میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کا موضوع تھا ''اتباعِ سنت''۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سنت کی آئینی حیثیت کو واضح کیا جو ایک بہترین خطاب تھا پھر حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ہی اس کو کتابی شکل دی اور کئی دفعہ مختلف مکتبات سے طبع ہو چکی ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ کتاب مطبوع تھی اس لیے اس کو مقالات راشدیہ میں شایع کیا جارہا ہے۔ (الازہری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيآت أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهدأن لا إله الله وحده لا شريك له و نشهدأن محمداً عبده و رسوله .

اللّٰهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد .

اللّٰهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم و على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

أما بعد! فإن خير الكلام كتاب الله وخير الهدى هدى محمد ﷺ وشر الأمور محدثاتها فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار۔ من يطع الله ورسوله فقد رشد واهتدى و من يعص الله و رسول فقد ضل وغوىٰ فأعوذ بالله السميع العليم من الشيطن الرجيم من همزه ونفثه ونفخه .

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (آل عمران : ۳۱)

اتباع سنت:

''اتباع'' کے معنی: ''تابعداری کرنا، پیروی کرنا'' [اور] ''سنت'' کا معنی: ''طریقہ''۔ یعنی نبی ﷺ کا طریقہ؛ جو آپ سے ثابت ہو، خواہ قولاً یا فعلاً یعنی آپ کے قول و فعل کی پیروی کرنا۔

تابعداری اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس ہستی کی لازم ہوسکتی ہے جس کو خود اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہو۔ جو خود اپنی تحقیق و کوشش سے پیش کرے یا کوئی دوسرا مخلوق میں سے کسی کو پیش کرے اس کی تابعداری لازم نہیں ہوسکتی۔ ہم سب اللہ وحدہ لاشریک لہ کے بندے اور غلام ہیں وہ جس کو چاہے ہم پر مسلط کر دے یا حاکم مقرر کر دے۔ اس نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو ہماری رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔

عصمت:

صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی بندہ کسی کو مقرر یا منتخب کرے گا تو وہ معصوم عن الخطا نہیں ہوسکتا اس سے خطا واقع ہوسکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا انتخاب کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس ہستی کو مقرر کیا اور ہم پر (اس

کی) اطاعت لازم قرار دی، اس ہستی کا کوئی فیصلہ قولی یا فعلی غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ حضرات کے سامنے میں ایک ایسی مثال پیش کردوں کہ مخلوق میں اس کے مقابلہ کا کوئی انتخاب نہیں۔ کیا محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مخلوق میں کوئی اعلیٰ اور کامل ترین ہستی ہے؟ ہرگز نہیں! آپ ﷺ نے ایک مہم پر ایک جماعت کو روانہ کیا اور اس جماعت پر ایک شخص کو امیر مقرر فرمایا، اور صاف نام لے کر کہا کہ یہ امیر جو کچھ کہے اسے مان لینا۔ ایسی بات رسول اللہ ﷺ نے کسی اور شخص کے لیے نہیں کہی، چاہے وہ عالم، فاضل مجتہد اور کتنی ہی بڑی منزلت کا مالک کیوں نہ ہو۔ لیکن سوائے اس ایک شخص کے کسی کے لیے شخصی طور پر یہ نہیں کہا کہ اس کی اطاعت کرو۔ یعنی جو یہ کہے اس کی بات مان لینا۔ دوران سفر امیر صاحب جماعت پر ناراض ہوگئے۔ انہوں نے تمام صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کا حکم یاد دلاتے ہوئے لکڑیاں جمع کرنے اور پھر آگ جلانے کا حکم دیا۔ جب آگ جل گئی تو حکم دیا کہ اب اس آگ میں داخل ہو جاؤ، کچھ لوگ آگ کی طرف دوڑنے لگے تو بعض نے انہیں روکا کہ اللہ کے بندو! ذرا سوچو تو سہی کہ رسول اللہ ﷺ کا کلمہ ہم نے اس لئے پڑھا اور آپ ﷺ کی فرمانبرداری کی کہ جہنم کی آگ سے بچیں۔ اگر آپ ﷺ کے پیچھے چلنے کے بعد بھی آگ ہے تو فائدہ کیا ہوا؟ بعض نے کہا کہ نہیں آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ جو یہ امیر کہیں مان لو ان کا حکم ہے ہم ضرور آگ میں کودیں گے، دوسروں نے پھر انہیں روکا اسی کشمکش میں آگ ٹھنڈی پڑ گئی، اور امیر صاحب کا غصہ بھی سرد ہوگیا، بات ختم ہوگئی۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ دَخَلُوْهَا مَا خَرَجُوْا مِنْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ .)) [1]

"اگر یہ آگ میں کود پڑتے تو قیامت تک آگ سے نہ نکلتے ہمیشہ اسی میں رہتے۔"

اور فرمایا:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ .)) [2]

"یعنی کسی مخلوق کی ایسی تابعداری نہیں کی جاسکتی جس سے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تابعداری اسی بات میں ہوگی جو شریعت کے موافق ہو۔"

جس آدمی کو رسول اللہ ﷺ نے جماعت پر امیر مقرر کیا اس سے بھی خطا واقع ہوگئی تو کون ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ مجھ سے خطا نہیں ہوسکتی؟ کون ایسا قائد ہے جس کا پاؤں نہیں پھسل سکتا؟ یہ صرف محمد رسول ﷺ

[1] بخاری: کتاب المغازی، باب سریة عبداللہ بن حذافة السهمی حدیث: ٤٣٤٠)

[2] عن النواس بن سمعان، شرح السنة، ط: العلمیة، ٥/ ٣٠٠، ح: ٢٤٤٩.

کی شان ہے کہ آپ ﷺ سے کوئی خطا واقع نہیں ہوسکتی تھی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مقرر فرمایا۔

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (الانعام: ۱۲٤)

''یعنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جہاں اپنی رسالت نازل کرتا ہے۔''

جب یہ بات آپ کے سامنے واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات خطا سے محفوظ ہے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر حاکم مقرر فرمایا، آپ ﷺ کی تابعداری ہم پر فرض قرار دی، پھر ہم پر اطاعت صرف آپ ﷺ کی لازم ہوسکتی ہے اور کسی کی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷)

''جو کچھ رسول اللہ ﷺ دے دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز آجاؤ۔''

اسی کا نام دین ہے۔ اسی کا نام مذہب ہے۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اور یہی ہمارا دعویٰ اور نصب العین ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔

دین غیر منقسم ہے:

بدقسمتی سے ہمارے دین کو تقسیم کیا گیا! نبی ﷺ نے جو اسلام پیش کیا اور پوری زندگی کو محیط تمام انسانی ضروریات پر حاوی، اور زندگی کے ایک ایک پہلو کے لیے اس میں رہنمائی موجود ہے۔ جب تک مسلمانوں میں اخلاص موجود تھا لالچ وطمع نے ان پر غلبہ نہیں کیا (تھا) اور للّٰہیت ان میں موجود تھی اور وہ صحیح راہ پر گامزن تھے اور اپنے ہر شعبہ زندگی میں خواہ وہ معاشرتی ہو یا اقتصادی، سیاسی ہو یا اخلاقی، گھریلو زندگی سے متعلق ہو یا میدان جہاد سے فرائض دنیوی کی ادائیگی ہو یا فرائض دینی کی، ہر ہر مواقع پر وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو نمونہ کے طور پر اپنے سامنے رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے فرمان اور آپ ﷺ کی تابعداری کا خیال رکھتے تھے۔ (اس وقت تک دین ایک ہی تھا) رفتہ رفتہ للّٰہیت جاتی رہی اور جب ضرورتیں خواہشات اور تمناؤں بلکہ ہوس تک پہنچیں؛ جن کی گنجائش رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں نہ تھی۔ تو دین کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا! ایک مذہب اور دوسرا سیاست۔ جب یہ دو چیزیں بن گئیں تو مذہب سے سیاست کی ٹکر ہونے لگی اور سیاست غالب آگئی، انداز فکر بدل گیا۔ جب کوئی شخص کسی ناجائز کام پر انگشت نمائی کی کوشش کرتا تو اسے یہ کہہ کر خاموش کرا دیا جاتا کہ یہ سیاست اور مصلحت ہے۔ جائز و ناجائز کی تمیز اٹھ گئی، حلال وحرام کا معیار بدل دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے صریح احکامات سے سیاست و مصلحت کی آڑ میں

روگردانی برتی جانے لگی۔ اسلام کی حکمرانی نہ رہی اور وہ صرف مساجد تک محدود ہوگیا۔ فی زمانہ تیسری قسم ہمارے سامنے آئی جس کا نعرہ ہے کہ:

مذہب ہمارا اسلام

سیاست ہماری جمہوریت

اور معیشت ہماری سوشلزم

یعنی معیشت کو بھی اسلام سے نکال دیا گیا۔ جن امور کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہے۔ مثلاً تجارت، زراعت، اور ملازمت وغیرہ حدیہ کہ نکاح وطلاق تک کے معاملات کو اسلام سے جدا کر دیا۔ اور اسلام کی عملداری ختم ہوتی گئی۔ لوگ مساجد میں آکر تو بہت اہتمام سے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں لیکن مسجد سے باہر جا کر اسلامی تعلیمات کو فراموش کر دیتے ہیں۔ ناپ تول، لین دین، میں دھوکا، حقوق العباد سے لاپرواہی اور ظلم کو جائز سمجھ لیتے ہیں۔

تعبیر شریعت:

ہمارا دستور قرآن کریم اس بات کا مدعی ہے کہ اس میں سب کچھ موجود ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل: ۸۹)

''اور ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ﴾ (بنی اسرائیل: ۹)

''یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا کہ ہم نے اس دستور کو ایسے ہی نہیں چھوڑا بلکہ:

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَإِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾

(القیامۃ: ۱۷۔۱۹)

''اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو اپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔''

جب جبرائیل علیہ السلام آتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت و مذکراہ ہوتا تھا۔ جب جبرائیل علیہ السلام پڑھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے؛ تا کہ کوئی آیت چھوٹ نہ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴾ (القیامہ: ۱۶)

''تم اس کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلایا کرو تاکہ اسے جلدی یاد کرو۔''

یہی نہیں بلکہ فرمایا:

﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴾ (القیامہ: ۱۹)

''پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

یعنی اس کی تفسیر و توضیح سمجھانا بھی ہمارا کام ہے۔ جب یہ قرآن اللہ نے بھیجا، اور اس کی تفسیر اور تعبیہ کے لیے محمد ﷺ کو بھیج دیا اور آپ کی اطاعت ہم پر لازم قرار دی تو ہماری نجات اسی وقت ممکن ہے۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی پیروی کریں۔''

حقیقی محبت:

آج رسول اللہ ﷺ سے محبت نعت خوانی کی حد تک محدود ہو کر رہ گئی ہے! لیکن آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں حب رسول ﷺ کا کیا معیار بتایا گیا ہے۔ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ مجھے آپ سے بڑی محبت ہے، اتنی محبت ہے کہ جب کسی کام میں مشغول ہوتا ہوں تو مجھے آپ یاد آتے ہیں، اور اس وقت تک مجھے چین نہیں آتا جب تک آکر ایک نظر آپ کو دیکھ نہ لوں دیکھنے کے بعد اطمینان ہوتا ہے۔ پھر اپنے کام میں لگ جاتا ہوں، اب بیٹھے بیٹھے یاد آیا کہ ہمیشہ تو یہاں رہنا نہیں ہے ایک روز دنیا سے چلے جانا ہے۔ [1]

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ (الزمر: ۳۰)

''یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔''

آپ تو نہ جانے کس اعلیٰ مقام پر ہوں گے (اور ہمیں) دنیا سے جانے کے بعد بھی آپ کی صحبت یا دیدار نصیب ہوتا یا نہیں؟ جب دنیا میں اتنی بے چینی ہے تو آخرت میں کیا ہوگا۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔ قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النساء: ۶۹)

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے

[1] معجم الاوسط، ط: دار الحرمین، ۱/ ۱۵۳.

جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیے۔ یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور نیکوکار اور یہ لوگ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔ یہ مہربانی اللہ کی طرف سے ہوگی اور اللہ ہی جاننے والا کافی ہے۔"

بتا دیا کہ اگر تمہیں اس دنیا سے جانے کے بعد بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کی تمنا ہے تو ان کی تابعداری کرو۔

تابعداری کے بغیر محبت کا دعویٰ ڈرامائی انداز میں پیش کرنا اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ یہ فطری قانون ہے۔

((اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ .)) ❶

"جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا تابعدار ہوتا ہے۔"

اگر ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت ہے تو ہمیں ان کی تابعداری کرنی چاہیے۔ یہ بات میں اس سے ہٹ کر کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تابعداری ہم پر فرض قرار دی ہے۔

جو مسلمان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نبی ﷺ سے مجھے بہت زیادہ محبت ہے اور وہ میرے محبوب ہیں اور آپ ﷺ کی محبت ایمان کا جزو ہے ایسے شخص کو کسی اور مذہب یا طریقہ کے اختیار کرنے یا کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ اگر حقیقت میں محبت رسول اللہ ﷺ سے ہی ہے تو کسی اور کی طرف دیکھنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ بات یہیں ختم ہو جاتی ہے۔

ایک حدیث (سنن ابی داود) میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

((حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ .))

"جس کے ساتھ تمہیں محبت ہوتی ہے وہ محبت تمہیں اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔"

یعنی اپنے محبوب کا کوئی عیب تمہیں نظر نہیں آئے گا لاکھ اس کے خلاف تمہیں بہکایا جائے اس کے عیوب و نقائص بیان کیے جائیں مگر تم پر کوئی اثر نہ ہوگا اور محبت کے غلبہ کی وجہ سے تمہیں کوئی دیکھنے یا سننے میں نہیں آئے گا۔

اب آئیے دیکھیں اس ذوقی نقطہ پر کیا رسول اللہ ﷺ میں کوئی عیب تھا؟ کیا کوئی مسلمان اس چیز قائل ہو سکتا ہے؟ مسلمان تو کیا، کسی کافر کو بھی یہ جرأت نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ میں کوئی عیب نکال سکے۔

---

❶ شعر اسماعیل بن قاسم ابو العتاهية۔ شعب الإيمان البيهقي، ط: دار الكتب العلمية: ۱/ ۳۸۶، رقم: ۴۹۳۔ جامع العلوم والحكم، ل: مكتبة خ الامين مدينه، ص: ۳۴۰۔ شعب الایمان میں امام حسن بن محمد بن حنفیہ اور رابعہ بصریہ کے اشعار بھی اسی سے ملتے جلتے منقول ہیں۔

محبت میں اندھے ہونے کا یہ قانون تو ان کے لیے ہے جن میں کئی عیب ہوں۔ لیکن جس ہستی (محمد رسول اللہ ﷺ) میں کوئی عیب ہے ہی نہیں تو ان کے بعد کسی اور قائد کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اس لئے ضروری ہے کہ اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے محبّ ہیں اور آپ سے محبت رکھتے ہیں تو آپ کی اتباع اور تابعداری کریں۔

جماعت اہلحدیث زبانی محبت کے کھوکھلے دعووں پر یقین نہیں رکھتی، بلکہ عملی ثبوت چاہتی ہے۔ دعویٰ کے ساتھ دلیل ضروری ہے۔ بلا دلیل دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ کی صرف ان خوبوں اور حسن کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے جو آپ میں نبوت سے قبل بھی موجود تھیں جبکہ آپ محمد بن عبداللہ تھے۔ اور ابھی نبوت عطا نہیں ہوئی تھی اس وقت بھی آپ امین و صادق کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ فہم وفراست امانت وصداقت اور دیگر بہت سی خوبیوں میں بے مثل سمجھے جاتے تھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ ﷺ میں یہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جو دنیا کے کسی انسان میں نہیں۔

مقام نبوت:

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ نبوت سے سرفراز کئے جانے کے بعد آپ میں کیا نمایاں فرق پیدا ہوا؟ آپ ﷺ کی صرف ان خوبیوں کو بیان کرنا جو نبوت سے پہلے بھی تھیں آپ ﷺ کی صرف پہلی حیثیت (محمد بن عبداللہ) کو ماننا ہے اور دوسری حیثیت (محمد رسول اللہ ﷺ) کا اقرار نہیں۔ رسول اللہ ﷺ ہوجانے کے بعد آپ ﷺ کا مقام ہی کچھ اور ہوگیا۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

فرمایا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم: ٣، ٤)
''اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ٨٠)
''جو شخص رسول اللہ کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔''

ابن ماجہ کی حدیث ہے:

((مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ .)) ❶

"فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔"

یہ ہے محمد ﷺ رسول اللہ ﷺ کا وہ مقام جو آپ کی نبوت ملنے سے حاصل ہوا۔

قبولیت عمل کے لیے نبی ﷺ کی تصدیق اور شہادت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ (الاحزاب: ٤٥)

'اے پیغمبر ﷺ ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔"

غور کیجیے کہ گواہ کا کام کیا ہے؟ اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں! مدعی عدالت میں دعویٰ دائر کرتا ہے اور ثبوت میں گواہ کو پیش کرتا ہے گواہ کے بیانات پر دعویٰ ثابت بھی ہوسکتا ہے اور رد بھی ہوسکتا ہے۔ پس مسئلہ واضح ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنا ہم پر ضروری ہے جب اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ مقام دے دیا تو ہم پر ان کی اطاعت لازم ہوگئی۔ پھر فرمایا:

﴿مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾

"خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔"

آپ کی بشارت اور ڈرانا محض مولویانہ وعظ نہ تھا وہ بھی وحی کی بنا پر تھا۔

﴿قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم بِالْوَحْيِ﴾ (الانبیاء: ٤٥)

"کہہ دو کہ میں تم کو حکم (الٰہی) کے بعد ڈراتا ہوں۔"

اب کوئی ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا وہی چیز پیش کرے جو آپ ﷺ نے پیش کی اس کے سوا کسی کو کوئی حق نہیں۔

پھر فرمایا:

﴿وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ﴾ (الاحزاب: ٤٦)

"اللہ کی طرف بلانے والے اس کے حکم سے۔"

---

❶ بخاری، کتاب الاحکام باب قول الله أطیعوا الله وأطیعوا الرسول۔ ح: ٧١٣٧، ٢٩٥٧۔ مسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غیر معصیة۔ ح: ٤٧٤٩)

معلوم ہوا کہ دعوت وہی برحق ہے جو نبی کریم ﷺ نے پیش کی اس کے خلاف کوئی دعوت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

قرآن وسنت کے مد مقابل دستور لانا اسلام سے دیوالیہ پن ہے:

سورج نکلنے کے بعد اگر چراغ جلائے رکھنا عقلمندی نہیں ہے تو کیا قرآن وسنت کے بعد کوئی اور دستور اپنانا مسلمان کے لیے عقلمندی ہے؟

گزشتہ زمانہ میں ہندو بنیے خسارہ ہو جانے کے سبب جب دیوالیہ ہو جایا کرتے تھے تو دن کے وقت چراغ جلا کر اپنی دیوار پر رکھ دیا کرتے تھے تاکہ قرض خواہ سمجھ لیں کہ وہ دیوالیہ ہو گیا ہے اور قرض مانگنے نہ آئیں۔ اسی طرح اگر کوئی فرد یا جماعت قرآن وسنت سے ہٹ کر کوئی کتاب یا دستور پیش کرے تو جان لینا چاہئے کہ اسلام سے دیوالیہ ہو چکی ہے۔

ہم اللہ کے بندے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں اور قرآن کریم وسنت رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی چیز کی بالا دستی تسلیم نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ کے لائے ہوئے نظام کی تابعداری اور اتباع میں بہت بڑی برکت ہے۔

دنیا میں متعدد نظاموں کو آزمایا جا چکا ہے، پاکستان میں سامراجیوں اور کمیونسٹوں کے نظام کو کسی حد تک آزمایا گیا ہے اور اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ آج ایک دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ کے نظام کو بھی آزما کر دیکھیں تو پھر ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اس میں کس قدر برکتیں ہیں کم از کم ایک بار اس نظام کو نافذ تو کریں۔

نظام نبوی ﷺ کی برکات:

سب سے پہلی برکت نبی ﷺ کی تابعداری کی یہ ہے کہ ہمارا اختلاف اور ایک دوسرے سے علیحدگی ختم ہو جائے گی۔ دل کینہ، حسد اور بغض سے پاک ہو جائیں گے اور ہم ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

"اور اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔"

صدیوں اور پشتوں کی لڑائیاں اور جنگیں جن کی وجہ سے آئے دن خون خرابے اور ظلم وزیادتیوں کا بازار

گرم رہتا تھا، ماؤں کی گودیں اجڑتیں، بیویوں کے سہاگ لٹتے اور بچے یتیم ہوا کرتے تھے اور اس کی قسم کی دیگر خرابیاں عروج پر تھیں۔ لیکن اسلام کی برکت سے وہ سب کچھ بھول کر آپ میں ایسے متحد ہو گئے جیسے کہ ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے تسبیح کے دانے ہوتے ہیں، حالانکہ ان کی زبانیں مختلف، رنگ و نسل تہذیب و ثقافت مختلف لیکن وہ کون سی قوت تھی جس نے اس قدر بڑے فرق کے باوجود ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو ایک دوسرے کا خیر خواہ اور غمگسار بنا دیا؟ یہ رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کا نتیجہ تھا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنی چرب زبانی کے سہارے لسان یا زبان کا نام لے کر قوم کو جدا جدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔، دوسرا اٹھتا ہے قومیت کا نعرہ بلند کر کے اور تیسرا تہذیب و کلچر کا راگ الاپ کر ہمیں ذلیل و بابرباد اور فرقوں میں منقسم کر کے ملک و ملت کو تقسیم کرنے کی مذموم کوشش میں نظر آتا ہے۔ یہی کچھ گزشتہ ادوار میں خود غرض ، اور عیار و مکار لوگ کرتے چلے آئے ہیں؛ جس کے سبب مسلمان اور ممالک اسلامیہ بٹتے اور تقسیم ہوتے چلے گئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو آپس میں ملایا عربی، عجمی، گورے، کالے، سب ان میں تھے ان کی مثال ایسی تھی کہ:

((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَقَالَ هٰكَذَا.)) [1]

"یعنی مسلمان مسلمان کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو قوت پہنچاتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے بتایا کہ اس طرح۔"

موجودہ دور کے حکماء سائنسدان ، فلاسفر اور قائدین جواب دیں کہ ایسی بے مثل یکجہتی ، اتفاق و اتحاد کیونکر پیدا ہوا؟ میں جملہ قائدین سے اپیل کرتا ہوں کہ (اللہ کے واسطے) قوم کو گمراہ اور تباہ و برباد کرنے کے لیے بجائے وہی طریقہ (اختیار کریں اور) بتائیں جو رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا۔

مختلف سمتوں سے آوازیں آتی ہیں کہ متحد ہو جاؤ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاؤ، یہ آوازیں بڑی بھلی، اور دل نشین محسوس ہوتی ہیں ہر ایک انہیں اچھا سمجھتا ہے۔ اور اس آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہے۔ لیکن متفق و متحد ہونے کا طریقہ اور جمع ہونے کے لیے پلیٹ فارم کوئی نہیں بتاتا۔ اگر ہم یہ طریقہ کسی اور جگہ سے سیکھیں

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الأدب باب تعاون المومنین بعضهم بعضا، ح: ٤٨١، نیز ٢٤٤٦، ٦٠٢٦ ۔ صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلة والأدب ، باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضدهم ح: ٦٥٨٥۔ مسلم میں "شبك بين أصابعه" نہیں ہے)

گے تو ہرگز کامیاب نہ ہوسکیں گے ہم صرف اسی وقت متفق و متحد ہوسکیں گے جب ہم اس طریقہ کی پیروی کریں جو رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا۔ اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو دولت لالچ یا عہدے دے کر اکٹھا نہیں کیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ o﴾ (الانفال: ٦٣)

''اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں اتفاق پیدا نہ کرسکتے مگر اللہ ہی نے اس میں اتفاق پیدا کر دیا۔''

ملانے اور اکٹھا کرنے والا وہ نظام تھا، جو آپ ﷺ نے پیش کیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوجائیں ،لیکن وہ پلیٹ فارم ہے کہاں؟ کہیں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں وہ ہمارے گھروں میں محراب ومنبر پر اور ہمارے سینوں میں محفوظ ہے، دیکھیے پانچواں پارہ سورہ نساء (۵۹):

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ o﴾

''اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔''

مقصد یہ ہے کہ اپنے اختلافات ، جھگڑوں اور تنازعات کے فیصلوں کے لیے قرآن وسنت کو آخری عدالت قرار دے دو۔ سب جھگڑے ختم ہوجائیں گے۔ اس کے علاوہ اختلافات کو ختم کرنے اور قوم کو یکجا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

پھر فرمایا:

﴿ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا o﴾ (النساء: ٥٩)

''یہ بہتر ہے، اور انجام کار اچھا۔''

حال ہی کی مثال ہے ڈیڑھ دو سال قبل کے حالات کا جائزہ لیجئے کہ وہ کون سا نعرہ تھا جس پر تمام پاکستانی مسلمان متفق و متحد ہوکر گولیاں کھانے ، اور مر مٹنے کے لیے تیار ہو گئے تھے ایک گولی کھا کر گرتا، دوسرا سینہ تان کر سامنے آجاتا تھا، دوسرا گرتا تھا تو تیسرا اس کی جگہ کو پر کرتا تھا۔ عوام اپنی جان جیسی قیمتی و بیش بہا چیز کی پرواہ نہیں کر رہے تھے، جبکہ ان کے مکاتب فکر الگ رنگ ونسل اور صوبے الگ لیکن بیسیوں اختلافات

(اور) کئی لیڈروں کے باوجود بھی ایک ہی نعرہ ایک ہی پلیٹ فارم پر متحد ہو گئے تھے۔

(اللہ کے واسطے) سوچئے! کیا یہ سب کرسیوں یا دولت کے لیے جمع ہوئے تھے یا پھر کسی خاص مکتبہ فکر کے لیے متحد ہوئے تھے؟ نہیں۔ بلکہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا نام اور نظام تھا جس پر ہر مسلمان اٹھ کھڑا ہوا، اور دنیا کو دکھلا دیا کہ اسی نظام پر مسلمان متفق و متحد ہو سکتے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ قانون ہے کہ لوگ اسی شخصیت اور اسی جھنڈے کے تحت جمع ہو سکتے ہیں جس شخصیت پر کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ ہو۔ متنازعہ شخصیت پر دنیا کبھی جمع نہیں ہوتی۔ ایک گروہ موافقت کرتا ہے، تو دوسرا کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی وہ شخصیت ہے جس پر کسی کو اعتراض ہو ہی نہیں سکتا، خواہ وہ کسی بھی مسلک و مکتبہ فکر سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو ہر مسلمان ایک ہی کلمہ پڑھتا ہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اور اسی کا وہ دعویدار ہے۔

اور اسی طرح قرآن کریم و سنت رسول اللہ ﷺ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ کیا کوئی ان دو چیزوں پر اعتراض کر کے مسلمان رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب نظام مصطفیٰ ﷺ یعنی قرآن و سنت کے نام پر لوگوں کو دعوت دی گئی تو کسی کو انکار یا اختلاف کی گنجائش نہ رہی اور سب متفق و متحد ہو گئے اب ہمیں چاہیے کہ اس غیر اختلافی قرآن و سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ ہر شعبہ زندگی میں اس سے رہنمائی حاصل کریں۔ اتفاق و اتحاد قوی تر ہوتا چلا جائے گا۔ کینہ و بغض سے سینے پاک ہو جائیں گے اور سب آپس میں بھائی بھائی بن جائیں گے۔

جس خلوص نیت سے قرآن و سنت کے عملی نفاذ کے لیے عوام نے قربانیاں دیں اس کے پیش نظر میں علماء حضرات اور قائدین سے اپیل کرتا ہوں کہ قوم کے جذبہ اور قربانیوں کا خیال کرتے ہوئے اختلافات کو ہوا نہ دیں اور اس راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔

نفاذ اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ:

نفاذ اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہمارے اختلافات ہیں اس وقت جبکہ قوم سے قربانیاں طلب کی گئیں اسلام کے بجائے کسی اور نظام یا قرآن و حدیث کے بجائے کسی دوسری کتاب یا کسی مخصوص مکتبہ فکر کا نام پیش کیا جاتا تو ہرگز لوگ متحد نہ ہوتے اور نہ ایسی عظیم الشان قربانیاں دیکھنے میں آتیں۔

غور و فکر کا مقام ہے کہ یہودیوں اور نصرانیوں کو رسول اللہ ﷺ سے کس قدر سخت اختلاف تھا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے انہیں دعوت دی کہ آؤ اس بات پر اکٹھے ہو جائیں جس پر ہم دونوں متفق ہیں۔

یعنی ایک اللہ کی توحید کا اقرار۔ فرمایا:

﴿قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ٥﴾ (آل عمران: ٦٤)

''کہہ دو کہ (اے) اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ وہ یہ کہ (اللہ تعالیٰ) کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو (اللہ) کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ ہو کہ ہم (اللہ تعالیٰ) فرمانبردار ہیں۔''

ایک اللہ کی پرستش کی دعوت صرف رسول اللہ ﷺ نے ہی نہیں بلکہ موسیٰ وعیسیٰ اور جمیع الانبیاء علیہم السلام کی بھی یہی دعوت تھی۔

عجیب بات ہے جب توحید کے اتفاقی مسئلہ پر مسلمان، یہودیوں اور نصرانیوں کو متحد ہونے کی دعوت دے سکتے ہیں تو خود جو کہ: "لَا اِلٰهَ اِلَّا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہتے ہیں کیا قرآن وسنت پر اکٹھے نہیں ہو سکتے؟

محترم لیڈر اچھی طرح سمجھ لیں کہ اگر ان کے پیدا کردہ اختلافات کی وجہ سے قانون اسلامی کا علمی نفاذ رک گیا تو قیامت کے دن ان مظلومین اور مقتولین کا ہاتھ ہوگا اور ان کا گریبان ہوگا اس وقت رب العالمین کے سامنے کیا جواب دیں گے؟ اس لئے (اللہ) کے واسطے اپنے ذاتی مفادات کو اسلامی نظام پر فوقیت نہ دیں اور اس کے علمی نفاذ کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔ اس دستور قرآن وسنت کو پیش کریں جو ہمارے درمیان متفقہ ہے اور پھر دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہمارے ساتھ ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی محبت ساتھ ہوگی تو گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور جب گناہ معاف ہوں گے تو پھر دونوں جہاں میں کامیابی ہوگی۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥﴾ (آل عمران: ٣١)

''کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہارے ساتھ محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔''

یعنی اگر تم سچ مچ اللہ کے ساتھ محبت رکھتے ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ تم اپنے آپ کو ایسا بناؤ کہ

اللہ بھی تمہیں پسند کرے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو لازم قرار دیا ہے۔

پہلے بیت المقدس اور پھر بیت اللہ کو قبلہ مقرر کرنے میں یہی حکمت تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام نام نے محمد ﷺ کی اطاعت کا جہاں پھیر دیں پھر جانا چاہے صحیح ابن حبان کی روایت ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے چند وصیتیں فرمائیں ان میں ایک یہ تھی:

((دُرْ مَعَ الْقُرْاٰنِ حَيْثُ دَارَ.)) ❶

''جس طرف قرآن پھیرے اسی طرف پھرتے جانا۔''

ہمارے اسلاف جو کامیاب حکمران ہوئے اور انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی مثلاً عمر رضی اللہ عنہ میدان میں پتھر کو تکیہ بنا کر سوتے تھے اور قلعوں میں فوج کے پہرہ کے اندر بادشاہ ان کے نام سے کانپتے تھے۔ اس میں کیا راز تھا؟ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کا نتیجہ تھا جو جماعت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہے، محمدی کہلاتی ہے۔ اس کا یہ کام ہے کہ جہاں محمد رسول اللہ ﷺ کا حکم ملے دل و جان

---

❶ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نہیں ملی البتہ صحیح ابن حبان۔ کتاب البر والاحسان، ذکر الا ستحباب للمرء ان یکون له من کل خیر حظ رجاء التخلص الخ-ح: ٣٦٢، موارد الظمان، کتاب العلم- باب السوال للفائدة ح: ٩٤- ص: ٥٢- معجم الکبیر طبرانی: ١/ ١٥٧، ح: ١٦٥١- حلیة الأولیاء: ١/ ١٦٦-١٦٨- ترغیب وترهیب: ٢/ ٢٤٩- میں ایک تفصیلی روایت ہے جس میں ابوذر غفاری فرماتے ہیں: قلت یارسول الله اوصنی قال اوصیك بتقوی الله فإنه رأس الأمر کله قلت یارسول الله زدنی- قال علیك بتلاوة القران وذکر الله! فإن نور لك فی الارض وذخرلك فی السماء- الخ- لیکن اس کی سند میں کلام ہے- سیدنا حذیفہ کے حوالہ سے ایک مرفوع روایت میں یہ الفاظ ہیں: قال حذیفة قال رسول الله ﷺ دور وامع کتاب الله حیث دار (الحدیث) مستدرك حاکم- کتاب قتال اهل البغی سیکون فی امتی اختلاف و فرقة ٢٠ /١٤٨ لیکن اس کی سند میں بھی کلام ہے۔

البتہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا موقوف قول صحیح سند سے (مستدرك حاکم، کتاب معرفة الصحابة ذکر مناقب عمار دوروامع کتاب الله حیثما دار) میں مروی ہے۔ عن حبة العرنی قال دخلنا مع أبی مسعود الانصاری علی حذیفه بن الیمان أساله عن افتن فقال: دو روامع کتاب الله حتی مادار وانظرو الفتة التی فیها ابن سمیة فاتبعو ها فانه یدورمع کتاب الله حیث مادار- الخ- اس روایت کے متعلق امام حاکم فرماتے ہیں: (هذا حدیث صحیح عال) اور امام ذہبی التلخیص میں فرماتے ہیں: (صحیح)

مزید دیکھیے: سلسلة الضعیفة للالبانی: ٥/ ٢٣٦- الصحیحة: ٣٢١٧-

اسی طرح صحیح سند کے ساتھ ایک یہ حدیث بھی ہے: "عن حذیفة قال قلت یا رسول الله هل بعد هذا الخیر الذی نحن فیه من شر نحذره قال یا حذیفة! علیك بکتاب الله فتعلمه واتبع مافیه خیر الك" - صحیح موارد الظمان للالبانی: ٢/ ١٩٤، سلسلة الصحیحة: ٢٧٣٩-

سے تسلیم کر لے اور اس پر عمل پیرا ہوا جائے جبکہ آج یہ حال ہے کہ عام طور پر مسلمان قرآن کو زمانے کے ساتھ چلانا چاہتے ہیں لیکن ہمارے اسلاف کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ وہ زمانہ کو قرآن کے ساتھ چلاتے تھے، جہاں قرآن و سنت کا حکم سامنے آیا گردن جھکا دی۔ صحیح ابن حبان کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْقُرْاٰنُ شَافِعٌ مُّشَفَّعٌ وَمَا حِلٌ مُصَدَّقٌ مَنْ جَعَلَهُ أَمَامَهُ قَادَهُ إِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ سَاقَهُ إِلَى النَّارِ .)) ❶

''اللہ تعالیٰ نے ایسی کتاب اور دستور بھیجا ہے جو قیامت کے دن سفارش کرے گا اپنے پیچھے چلنے والوں کی اور اس کی سفارش منظور کی جائے گی۔ اور باقائدہ بحث کرے گا اور اس کی بحث کو مانا جائے گا اللہ کے دربار میں۔ فرمایا جس نے اس کو آگے رکھا اور خود اس کے پیچھے چلا اس کو جنت میں پہنچائے گا۔ اور جس نے اس کو پیچھے کر دیا خود آگے ہو گیا تو (اس کو) کھینچ کر جہنم میں ڈالے گا۔''

((اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ .)) ❷

''یعنی قرآن بصورت اتباع تیری نجات کی دلیل ہے اور بصورت مخالفت تجھ پر تیری ہلاکت کی دلیل ہے۔''

یاد کرو اسلام کا نام لینے والو! رسول اللہ ﷺ نے (جن کی پیروی اللہ نے تم پر لازمی قرار دی ہے) روز قیامت اللہ کے سامنے اگر یہ شکایت کر دی:

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾

(الفرقان : ۳۰)

''اے میرے پروردگار! میری اس قوم نے جو دستور (قرآن) تو نے مجھے دیا اس کو چھوڑ دیا۔''

---

❶ یہ حدیث صحیح ہے: عن جابر - صحیح ابن حبان: ۱/ ۱۶۷ ـ ح: ۱۲۴ـ مواد الظمان ص: ۴۴۳، صحیح موارد: ۲/ ۱۹۴ ـ سلسلة الصحیحة: ۵/ ۳۱، ح: ۲۰۱۹ـ ترغیب و ترهیب : ۲/ ۳۴۹ـ'. شافع'' کا لفظ ابن حبان میں نہیں ہے باقی میں ہے اور یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ فضائل القرآن لابی عبیدہ قاسم بن سلام ص: ۳۵ میں سیدنا انس سے بھی ہے۔

❷ عن ابی مالك الأشعری- صحیح مسلم کتاب الطهارة باب فضل الوضوء ح: ۵۳۴ـ مسند احمد : ۵/ ۳۴۲ـ۳۴۳ـ

تو پھر کیا جواب دو گے؟

روز قیامت:

قیامت کا دن آنے والا ہے اور وہ ایسا سخت دن ہوگا کہ فرمایا:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ﴾ (الشعراء: ٨٨)

"جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔"

﴿وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا﴾ (القمان: ٣٣)

"اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ بیٹے کے کچھ کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کے کچھ کام آسکے۔"

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝﴾ (عبس: ٣٤۔٣٧)

"جس روز ہر آدمی اپنے بھائی سے اپنی ماں سے اپنے باپ سے اپنی بیوی سے اپنے بیٹوں سے بھاگ جائے گا ہر ایک آدمی کو (اپنی) فکر (لاحق) ہوگی جو اس کو بے خبر کر دے (گی)۔"

﴿يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝﴾ (الدخان: ٤١)

"جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کو مدد ملے گی۔"

﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَاءَلُوْنَ ۝﴾ (المؤمنون، ١٠١)

"پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔"

وہ دن آنے والا ہے وہاں برادری، لیڈری، پیری، مریدی کچھ کام نہیں ائے گے۔ کوئی دوسرا مذہب یا طریقہ کام نہیں آئے گا کام آئے گی تو محمد رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کام آگے گی اور وہ قرآن وحدیث کی پیروی میں پوشیدہ ہے اسی لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم سب قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہوا کر متحدہ ہو جائیں اور وہ نمودار پیش کریں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش کیا۔

نفاذ اسلام اور انتخابات:

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کولڑانے والے ہر دور میں پیدا ہوئے آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانانِ پاکستان نفاذ اسلام کے مطالبہ سے ہٹ کر انتخابات کے چکر میں الجھ جائیں تاکہ ان

لوگوں کی حصول اقتدار کی خواہش پوری ہو سکے۔قوم کو لڑانے والے کرسیوں کے طالب ہیں، اس لئے چاہتے ہیں کہ جلد انتخابات ہوں جبکہ جماعت اہلحدیث کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ حکومت وقت ملک میں قرآن وسنت کی بالادستی قائم کر کے یہ ثابت کردے کہ یہ ملک اللہ کا ہے اور یہ امت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے یہی وہ طریقہ ہے جس سے جماعت اہلحدیث مطمئن ہو سکتی ہے۔

ہمیں یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ ہم سیاست پر نہ بولیں جو لوگ ہماری حقیقت سے ناواقف ہیں وہ ہی اسی بات کہہ سکتے ہیں ۔ میں یہاں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اہلحدیث اس وقت سے ہیں جبکہ اسلام میں کسی قسم کی تقسیم نہیں ہوئی تھی جیسی موجودہ دور میں سنی جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے، اس میں کسی قسم کی تقسیم جائز نہیں۔ دین اسلام میں تمام چیزیں شامل ہیں جس کا عنوان ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ'' ہے۔

اس قسم کے مشورے ان کے لیے مفید ہو سکتے ہیں جن کے نزدیک سیاست ،معیشت اور مذہب الگ الگ ہیں اور کرسیوں کے لیے دھکے کھا رہے ہیں ہمارا مذہب قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے ہمیں کسی اور چیز کی خواہش نہیں۔ ہم زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کی بالادستی چاہتے ہیں۔ ہم اہلحدیث ہیں متبع سنت ہیں، خواہ تجارت میں ہوں یا سیاست میں عدالت میں ہوں یا میدان جنگ میں غرض زندگی کے کسی بھی مقام پر ہوں ہم متبع سنت ہیں۔ ہماری ہر بات قرآن وسنت کی روشنی میں ہوگی خواہ وہ حاکم سے تعلق رکھتی ہو یا رعایا سے۔عمل کا مسئلہ ہو یا عقیدہ کا معیشت کا ہو یا معاشرہ کا ہر بات قرآن وسنت کے حوالہ سے ہوگی پھر آپ جو چاہیں اسے نام دیں سیاست کہیں یا مذہب یا کچھ اور۔

ہمارا مقصد لوگوں کو لڑا بھڑا کر ملک کو برباد کرنا ہرگز نہیں' بلکہ اس ملک میں نظام اسلام کا عملی نفاذ ہے تا کہ تمام مسلمان آپس میں متفق ومتحد ہو کر برادرانہ زندگی بسر کر سکیں۔ خود غرضی ، افتراق ، وانتشار کی فضا ختم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری جماعت موجودہ صدر پاکستان سے متعدد مواقع پر اپیل کر چکی ہے۔ کہ معاشرہ کی اصلاح اور قرآن وسنت کی عملی نفاذ تک انتخابات کو ملتوی رکھا جائے۔

گزشتہ انتخابات اور ان کے نتائج ہمارے سامنے ہیں ایک ہی سیٹ کے لیے باپ نے بیٹے کے خلاف بھائی نے بھائی کی مخالفت میں اور بیوی نے شوہر کے خلاف انتخابات میں حصہ لیا اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہارنے اور جیتنے والے لیڈروں میں پھر آپس میں صلح ہو گئی لیکن ان جماعتوں کے عوام جنہوں نے قربانیاں دیں ، ان کے دل آپ میں ایک دوسرے سے اسی طرح دور رہے اور رنجشیں برقرار ہیں ، اتحاد واتفاق میں فرق پڑا اور آج تک صلح صفائی نہ ہو سکی۔غور کا مقام ہے کہ یہ کن کی گفتگو اور تقاریر کی شعلہ نوائی کا اثر ہے،

کیا انہی لوگوں کی کرشمہ سازی کا نتیجہ نہیں جو کرسیوں کے لیے نکلے اور پھر اسی تگ ودو میں مصروف نظر آتے ہیں۔

ہمارے ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ مختلف مکاتب فکر کے علماء حضرات کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو انتخابات کا شرعی طریقہ مرتب کر کے عوام کے سامنے پیش کرے یا پھر اسلامی مشاورتی کونسل کے سپرد یہ کام کیا جائے۔ اگر کوئی ایسا طریقہ انتخابات اپنایا گیا جو اسلام کے قواعد کے مطابق نہ ہو تو یقیناً غیر شرعی قیادت وجود میں آئے گی، اگر قیادت غیر شرعی ہوگی تو کیا شرعی نظام رائج ہو سکے گا۔؟

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

بنیادی اینٹ ہی اگر ٹیڑھی رکھ دی گئی تو آسمان تک دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی غیر شرعی طریقہ سے برسر اقتدار آنے والے کیونکر قران وسنت کے مطابق حکومت چلا سکیں گے۔

ایں خیال است ومحال است وجنون

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں یہ اس کا ہی فضل وکرم ہے کہ ایک نیک انسان کے ہاتھوں پاکستان میں اسلام کا سورج طلوع ہو چلا ہے۔ کیا اب بھی اسلام مسجدوں کا ہو کر رہے گا؟ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں ہر شعبہ زندگی میں قرآن وسنت کی حکمرانی عطا فرمائے۔

جب ہم قرآن وسنت کے قانون کو نافذ کریں گے رسول اللہ ﷺ کے تابعداری کو قائم کریں گے جس دستور کو آپ ﷺ نے پیش کیا اسے رائج کریں گے تو بمطابق ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ (محمد: ۲)

"اور جو لوگ ایماندار ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں اس کلام پر ان کا ایمان ہے جو محمد ﷺ پر اتار دیا ہے اور وہ برحق ہے، ان کے پروردگار کی طرف سے آیا ہوا اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان سے دور کرے گا اور ان کی حالت سنوار دے گا۔"

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ دن دکھائے کہ اس ملک میں محمد رسول اللہ ﷺ کا قانون نافذ ہو۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

راشدی خاندان کے علمی ورثہ سے نعمانی کتب خانہ کی ایک اور شاندار علمی پیشکش

انتہائی نادر، نایاب اور علمی رسائل کا ضخیم مجموعہ

شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ

ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ

یہ جلد مندرجہ ذیل مقالات پر مشتمل ہوگی۔

- الضرب الشدید علی القول السدید فی اثبات التقلید (ردتقلید)
- رفع الارتیاب علی حکم الاصحاب (دفاع صحابہ)
- ایفاء اللھی علی اعفاء اللحیٰ (داڑھی کی اہمیت)
- الطوام المرعشة فی بیان تحریفات اهل الرائے المدهشة (اهل الرائے کی تحریفات اور انکا رد)
- مکانة ابی حنیفة عند ائمة الجرح والتعدیل (امام ابوحنیفہ ائمہ جرح وتعدیل کی عدالت میں)
- مولانا مودودیؒ کا نظریہ حدیث اور اسکا علمی تعاقب
- قادیانی وجھنڈائی خاندان بینھما برزخ لایبغیان
- عظمت انسانی
- مولانا عبداللہ کھوکھر اور مولوی خوشی محمد حنفی کے مناظرہ تراویح کا محاکمہ

اس کتاب کے ہر مقالہ میں انداز بیان انتادلنشین اور عمدہ ہے کہ اہل ذوق کا مطالعہ شروع کر کے آخر تک چھوڑنے کو دل نہیں چاہے گا۔ ہر بات باحوالہ، اہل علم اور عوام سب کیلئے یکساں مفید اور متلاشیان حق کیلئے نشانِ منزل ہے۔

نعمانی کتب خانہ

حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور

0333-4229127, 042-37321865

”مقالات راشدیہ“ اور صاحب مقالات

وفوق کل ذی علم علیم

تخلیق انسانی کا مقصد عبادت الٰہی میں سمایا ہے۔ اور اسی کی ادائیگی میں نوع انسانی کی فلاح ونجات ہے۔ اللہ رب العزت کی لازوال نعمتوں کا شمار ابن آدم کے بس کی بات نہیں فرمایا: وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها ۔ لیکن ان انعامات ربانی کو حاصل کرنا اور ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانا فطرت انسانی میں رکھ دیا گیا ہے۔ انعامات الٰہیہ میں سے ایک بہت بڑی نعمت غیر مترقبہ ”علم“ ہے اور علم کا حاصل کرنا اور پھر اس نعمت میں آگے بڑھتے ہوئے اس میں پختگی حاصل کرنا ہر انسان کی بات نہیں۔ مگر رب کی توفیقِ خاص ہے ایک راشدی خاندان ارض سندھ پر ایسا گزرا کہ اللہ رب العزت نے ان کے خون میں علم کی پیاس رکھی اور بچپن سے لے کر اخیر عام تک علم کے حصول اور اس کی مقدس دعوت کو عام کرنے میں یہ خاندان اپنا سرمایہ اور توانائی خرچ کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے اور اس خاندان کی ماؤں کی کوکھ سے ایسے تابندہ ستارے روشن ہوئے کہ جنہوں نے جہالت اور گمراہی کے ٹوپ اندھیروں میں علم کی روشنی سے اجالا کر دیا۔ انہی مقدس اور پاک باز ہستیوں میں سے ایک فضیلۃ الشیخ شیخ العرب والعجم کا لقب پانے والے میرے ممدوح علامہ بدیع الدین شاہ صاحب ہیں۔ جن کے مقالات پر مشتمل یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کتاب تین مقالوں پر مشتمل ہے۔ جس کا پہلا حصہ ”تمییز الطیب“ کے دو مضامین یعنی وتر کی تعداد اور ان کے پڑھنے کا طریقہ اور مسئلہ تراویح پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا حصہ — تقریر **لاجواب** “اور” **شهادة الاحناف فی علم الغیب علی سبیل الانصاف** “ ہے۔ جس کا تعارف کتاب میں موجود ہے۔

یہ علمی شہ پارہ الشیخ افتخار احمد الازہری کی کوششوں کی بدولت عوام کو میسر آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر وعلم میں برکت دے اور ان کا سایہ تادیر قائم رکھے تا کہ جس عظیم کام کا بیڑہ فضیلۃ الاستاذ نے اٹھایا ہے اللہ اسے اپنے مقصد کو پہنچادے۔

نعمانی کتب خانہ اس سے قبل مقالات راشدیہ کی 6 جلدوں کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے اب یہ 7 ویں جلد بھی ان کے ذوق وشوق کی عکاسی کر رہی ہے۔ اے اللہ ہم سب کی ادنیٰ کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر ہمارے لئے اسے توشۂ نجات بنا دے۔ آمین یارب العالمین۔

ابو انیس حافظ ثناء اللہ خان (بیرانی)

مدرس جامعہ بحر العلوم السلفیہ میر پور خاص سندھ

نعمانی کتب خانہ

حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور 042 37321865

E-Mail: nomania2000@hotmail.com

M 36